بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ
جمعیت علماء ہند

مرتبہ
اسیر ادروی

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند
۱- بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

ملنے کا پتہ
۱- الجمعیۃ بک ڈپو جمعیۃ بلڈنگ گلی قاسم جان دہلی ۶

۲- مرکز دعوت اسلام دیوبند (یوپی)

نام	تاریخ جمعیۃ علماء ہند
ناشر	شعبۂ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند
وقت اشاعت	ربیع الاول ۱۴۰۳ھ
قیمت مجلد	تیس روپے
مطبوعہ	محبوب پریس دیوبند

ملنے کے پتے

۱- الجمعیۃ بک ڈپو گلی قاسم جان دھلی ۔ ۶

۲- مرکز دعوت اسلام دیوبند - یو، پی

۳- کتب خانہ حسینیہ دیوبند - یو، پی

عنوانات

عنوان	صفحہ

سخنہائے گفتنی

ماضی ایک ثابت شدہ حقیقت کا نام ہے، اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، حال و مستقبل کے بارے میں دو متضاد رائیں ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں لیکن ماضی ایک ایسی صداقت ہے جس میں دو رائیں ممکن ہی نہیں ہیں، تاریخ کسی فرد، جماعت یا قوم کے ماضی کا آئینہ ہوتی ہے، اس آئینہ میں وہی تصویر ہو بہو نظر آئیگی جیسی وہ حقیقت میں ہے کیونکہ آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا ہے۔

تاریخ جمعیۃ علماء ہند، آپ کی خدمت میں پیش ہے، آپ اس آئینہ میں اس جماعت کی اصل تصویر کو دیکھیں اور ایک عقیدت مند اور ارادت کیش کے بجائے ایک غیر جانبدار نقاد کی طرح اس کا مطالعہ کریں، اگر آپ نے اس جماعت کی صحیح، حقیقی اور واقعی تصویر دیکھ لی اور آپ کا دل مطمئن ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

اس کتاب کی ترتیب میں مستند ترین ذرائع کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسا واقعہ تحریر میں نہ آئے جسکی تصدیق دوسری تاریخوں سے نہ ہو سکے اور ہندوستان کے جہاد آزادی میں اس کا واقعی کردار اس کے برعکس رہا ہو۔

کسی جماعت کی تاریخ مرتب کرنے کیلئے سب سے مستند مواد اس جماعت کا دفتری ریکارڈ ہوتا ہے خوش قسمتی سے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ اور مجلس منتظمہ دونوں کے کارروائی رجسٹر مکمل مجھے حاصل ہو گئے، البتہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۹ء تک کا رجسٹر کارروائی ریکارڈ میں نہیں ملا، جسکی وجہ غالباً یہ ہے کہ اگرچہ جمعیۃ علماء ہند بعض دوسری جماعتوں کی طرح کبھی خلاف قانون قرار نہیں دیگئی لیکن حکومت کا طرز عمل جمعیۃ علماء کے ساتھ ان دس سالوں میں ایسا ہی رہا

جیساکسی بھی خلاف قانون جماعت کے ساتھ ہ اسی لئے نان کو اپریشن کی پوری تحریک انڈر گراؤنڈ ہی چلتی رہی جمعیۃ کا عارضی دفتر ایک تاریک گلی میں عام نگاہوں سے دور رکھا گیا تھا پھر بھی اس کے مرکزی دفتر پر آئے دن پولیس کی دوڑش ہوتی، چھاپے پڑتے، اس کے عہدہ دار گرفتار کیے جاتے، کاغذات کی چھان بین ہوتی اور اس وقت پولیس کے ہاتھ جتنے بھی کاغذات پڑتے وہ سب اٹھالے جاتی تھی، قرین قیاس یہی ہے کہ یہ رجسٹر بھی پولیس کے انہیں چھاپوں کی نذر ہوگئے، لیکن ان دس سالوں میں جو تیز رفتار سیاسی تبدیلیاں ہوئیں، بہت سے اہم سیاسی فیصلے ہوئے جو ملک کی سیاست پر اثر انداز ہوئے ان میں اکابرین جمعیۃ کا رول بہت نمایاں رہا اس لئے یہ واقعات اور فیصلے مختلف سیاسی اور تاریخی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ان کتابوں سے جمعیۃ علماء کے کردار کا بہت واضح طور پر پتہ چلتا ہے، انکے علاوہ اخبارات درسائل، کتابچوں اور پمفلٹوں، پوسٹر، اشتہارات اور دوسری سیاسی جماعتوں کی کتابوں میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان سب سے جمعیۃ علماء کے کردار پر روشنی پڑتی ہے اسلئے دلائل وشواہد کی روشنی میں اس دور کے سیاسی واقعات وحالات میں جمعیۃ علماء ہند کے کردار کو متعین کیا گیا ہے۔

اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس بڑے کر و فر کے ساتھ ہوتے رہے، ان اجلاسوں میں جتنے بھی صدارتی خطبے پڑھے گئے وہ سب طبع ہو کر تقسیم ہوئے یہ تمام خطبات میرے پیش نظر رہے اور حسب ضرورت میں نے ان سے اقتباسات لئے اور جہاد آزادی میں جمعیۃ علماء کے موقف کو واضح کیا۔

جمعیۃ علماء کی طرف سے ہر سال بہت سے کتابچے، پمفلٹ، کارگذاری رپورٹیں، سرکلرس خدمات کے جائزے، اپیلیں، اعلانات اور قراردادیں شائع ہوتی رہیں ان کی بہت بڑی تعداد محمودیہ لائبریری دہلی میں موجود ہے وہ سب میرے سامنے ہیں اور میں نے حسب ضرورت ان سے استفادہ کیا ہے۔

جمعیۃ کی تاریخ معلوم کرنے کا ایک اور اہم ذریعہ خود اس جماعت کا اخبار "الجمعیۃ" ہے مگر افسوس کہ ابتدائی دور کے الجمعیۃ کی فائلیں دستیاب نہ ہوسکیں، یہ مکمل فائلیں دہلی میں

ایک صاحبِ علم کے پاس تھیں جب مجھے اس کا علم ہوا تو وہاں تک رسائی کی سبیل پیدا کی لیکن ان سے ملاقات کے بعد مایوسی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آیا کچھ ہی دنوں پیشتر انھوں نے یہ ساری فائلیں "نہرو میوزیم دہلی" کی تحویل میں دیدیں، اور سر دست ان سے استفادہ کی کوئی صورت میرے نزدیک نہیں تھی اس لئے مجبوراً مجھے اس سے صرف نظر کرنا پڑا، لیکن آزادی کے بعد کے دور کی تاریخ میں میں نے الجمعیۃ کی فائلوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، یہ فائلیں بھی مجھے منتشر حالت میں ملیں پہلے میں نے ایک ایک سال کی فائلوں کو علیحدہ کیا پھر ان کو مہینوں کے حساب سے مرتب کیا اس کے بعد شب و روز بالاستیعاب ان کی ورق گردانی کی اور جبتک میں نے کسی واقعہ یا فیصلہ کی اصلیت کا یقین نہیں کر لیا کتاب میں درج نہیں کیا ہے۔ "الجمعیۃ" کے بہت سے خاص نمبر شائع ہوئے جو اپنی ضخامت، معلومات اور مواد کے لحاظ سے کسی کتاب سے کم نہیں تھے، اسی طرح استاذِ مرحوم مولانا سید محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کے سلسلہ میں بہت سے قیمتی مواد فراہم کر دیئے ہیں ان تمام چیزوں سے بھی مجھے اپنی کتاب کی ترتیب میں بہت مدد ملی، ان کے علاوہ کانگریس، مسلم لیگ اور دوسری سیاسی جماعتوں کی تاریخیں ان کے لیڈروں کے بیانات ان کی سوانح عمریاں، آپ بیتیاں تذکرے میرے سامنے تھے جن سے ملک کے سیاسی ماحول کی عکاسی میں مجھے بہت سہولت ملی اور میں نے ان سے موقعہ بموقعہ استفادہ کیا ہے۔

کتاب کی ترتیب کے دوران مخدوم محترم مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کی خصوصی عنایت کی وجہ سے جمعیۃ دفتر کی طرف سے جو سہولتیں مجھے حاصل رہیں ان کی وجہ سے میرا کام بڑی حد تک آسان ہوگیا، محمودیہ لائبریری دہلی جو جمعیۃ علماء ہند کے لٹریچر کا سب سے بڑا مرکز ہے اس کے دروازے میرے لئے ہمیشہ کھلے رہے، بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقعہ پر جناب محترم مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی استاذ دار العلوم دیوبند کا ذکر خیر نہ کروں، اس کتاب کی ترتیب کی طرف سب سے پہلے انھوں نے مجھے توجہ دلائی اور ان کا ہر طرح تعاون مجھے حاصل رہا۔

آخر میں ارباب جامعہ اسلامیہ بنارس بالخصوص اپنے کرم فرما حافظ عبد الکبیر صاحب

کا ممنون کرم ہوں کہ جب جب کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں دہلی آمدورفت کی ضرورت محسوس ہوئی انہوں نے پوری بشاشت کے ساتھ مجھے اس کا موقعہ دیا اور سہولتیں بہم پہونچائیں۔

اسیر ادروی
جامعہ اسلامیہ بنارس
۵/ اکتوبر ۱۹۸۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نقشِ اولین

ایک جمعیۃ علماء وہ تھی جس کا نصب العین ہندوستان سے برطانوی سامراج کو ختم کر کے ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کا قیام تھا، اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کیلئے اس نے جو مثالی قربانیاں دیں اور جرأتمندانہ کارنامے انجام دیئے ان سے ہر وہ شخص واقف ہے جو اس راہ میں ارباب جمعیۃ کا ہمسفر اور ہم رکاب رہا، برطانوی حکومت کی جیلوں کے درودیوار پر ان کی حیرتناک کہانیاں کندہ ہیں، برطانوی عدالت کی فائلوں میں ان کے انقلاب آفریں اقدامات اور سرگرمیوں کی داستانیں قلمبند ہیں، وہ جمعیۃ علماء ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو ختم ہو گئی، اب نہ وہ ہندوستان رہا، نہ وہ مسائل رہے، نہ پروگرام رہا، نہ نصب العین، اب ہندوستان دوسرا تھا، اسکی فضائیں، حالات نئے، سرگرمیاں نئی پرانا قالب ٹوٹ گیا، زندگی نئے سانچوں میں ڈھلنے لگی، دل و دماغ بدل گیا، غور وفکر کی راہیں بدل گئیں، نئے ماحول میں نئے مسائل پیدا ہوئے، اس ماحول اور فضا میں ایک نئی جمعیۃ علماء نے خلعت وجود پایا، اب اس کا نصب العین بھی دوسرا تھا اور طریقۂ عمل بھی جداگانہ، اپنی زندگی کے ان دونوں دور میں ارباب سیاست نے ارباب جمعیۃ کے خلوص بے لوثی، اور ان کے بے داغ کردار کی قسمیں کھائیں، کیونکہ انہوں نے نہ کبھی ستائش کی تمنا کی اور نہ صلہ کی پرواہ، جبکہ دوسرے لوگ اور ان سے کمتر درجہ کے مجاہدین آزادی

نے اپنی خدمات کا گن گن کر صلہ لیا اور آزاد ہندوستان میں اقتدار و اختیار کی بلند چوٹیوں پر پہونچے، لیکن ارباب جمعیۃ نے حصولِ اقتدار کی اس جنگ میں شریک ہو کر اپنی بے لوث قربانیوں کو داغدار نہیں بنایا، اور نہ حالات نے ان کو اسکی فرصت ہی دی۔

آزادی کے فوراً بعد حالات نے وہ بھیانک شکل اختیار کی جسکی کرناکی کا صحیح احساس سوائے ارباب جمعیۃ کے اور کسی کو نہیں تھا، مسلم قیادت کے علمبردار عزت و اقتدار کے شیش محل میں پہونچ گئے اور ارباب جمعیۃ کے حصہ میں اسلامی ہند کا ٹوٹا ہوا کھنڈر آیا، کل جن لوگوں کے شاندار مستقبل اور باوقار اور آبرومندانہ زندگی کیلئے جمعیۃ علماء جد و جہد کرتی رہی، انہوں نے اس کے خلوص، سچائی، بے لوثی، بے غرضی پر یقین نہیں کیا، مسلم عوام کے دل و دماغ پر کچھ اس طرح سحر کر دیا گیا کہ انہوں نے روشنی و تاریکی، سچے اور جھوٹے، بے غرض اور خود غرض کے فرق کو نہیں سمجھا اور ایک ایسے سیاسی علم کے جال میں گرفتار ہو گئے کہ انکے دل و دماغ ماؤف ہو کر رہ گئے اور ہوش اس وقت آیا جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اور اس طلسمی چکر سے نکلنے کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔

غلط قیادت کسی قوم کو کس طرح موت و زیست کے خطرناک موڑ پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے؟ ہندوستان میں مسلمانوں کی صبح آزادی اس کی تازہ مثال ہے، متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی غلط قیادت نے ہندوستانی مسلمانوں کو اسی خطرناک موڑ پر لا کھڑا کر دیا تھا ایک طرف پاکستان کی سمت جانے والی راہ میں پڑنے والا لق و دق ریگستان تھا جس میں چار کروڑ مسلمانوں کو اجتماعی سفر کرنا تھا جس میں آب زلال کے بجائے سراب ہی سراب تھا، دوسری طرف فسادات کی دہکتی ہوئی آگ اور اُبلتے ہوئے خون کا دریا تھا، ہندوستانی مسلمانوں کو اس خطرناک دوراہے سے بچائے جانا اسباب و علل کی اس دنیا میں بظاہر ناممکن نظر آرہا تھا اس بال سے باریک اور تلوار کی دھار جیسی راہ پر راہنمائی کیلئے جو مردان باصفا سامنے آئے وہ ارباب جمعیۃ تھے اور انہوں نے وہ محیر العقول کارنامہ انجام دیا کہ واقعات کی منطقی ترتیب پر یقین رکھنے والے حیرت زدہ ہو کر رہ گئے، اسلامی ہند کی تاریخ اس واقعہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

حالات کی تیز رفتاری کا عالم یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمان اپنی غلط قیادت کا جائزہ بھی

نہیں لے سکا تھا کہ اس پر تباہیوں اور بربادیوں کا طوفان برس پڑا، موت کا فولادی ہاتھ اسلامی ہند کے دروازے پر پوری طاقت سے دستک دے رہا تھا، قدرت کا تکوینی قانون نافذ ہونا ہی چاہتا تھا جو ہر غلطی کے نتیجہ کے طور پر ظہور پذیر ہوتا ہے مگر سید العارفین قدوۃ السالکین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور جمعیۃ علماء ہند کی دعا سحرگاہی اور جوہر استقامت، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سحبان الہند مولانا احمد سعید مفتی اعظم، مفتی کفایت اللہ اور دوسرے ارباب جمعیۃ کا وحشت و بربریت کے خلاف نعرہ جہاد دونوں نے مل کر رحمت خداوندی کے دروازے کو کھٹکھٹایا، درد و کرب، سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے لفظوں میں کہا ؎

قوم مسلم کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں ۔ طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

پھر کایا پلٹ گئی، دنیا نے دیکھا کہ وحشت و بربریت کا طوفان ختم چکا ہے، ہندوستان میں فرزندان توحید کی فنا کا حکمنامہ لے کر آنیوالا قاصد واپس جا رہا ہے اور قدرت نے ہندوستانی مسلمانوں کو پھر ایک بار سنبھلنے کا موقعہ دے دیا۔

ارباب جمعیۃ کا بڑا حلقہ عابد فی اللیل و مجاھد فی النہار رہا ہی وجہ ہیکہ دنیا کے سیاستدانوں نے انکی صحیح قدر و قیمت کو نہیں پہچانا، انکے جوش عمل اور جرأت حق کے پس پردہ دہی روحانی سچائی کام کر رہی تھی جو اس طرح کے بزرگوں کا امتیازی وصف رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ برطانوی سامراج کے ظلم و استبداد سے نہ خائف ہوئے اور نہ آزاد ہندوستان میں تملق، چاپلوسی اور مداہنت کی گندگی سے کبھی آلودہ ہوئے، جو شخص بے غرض ہو اس کو سچی بات کہنے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے؟

جمعیۃ علماء نے ہمیشہ اپنے مقام کو پہچانا اور پیش نظر رکھا، اسکا خدا سے جو عہد تھا اور اسکے ضمیر نے جو فتویٰ دیا تھا اس سے سر مو تجاوز نہیں کیا اور آج بھی بلاخوف لومۃ لائم اظہار حق میں اسی طرح پیش پیش ہے جیسے کل تھی، اسکی پوری تاریخ اسی جوہر کردار کی آئینہ دار ہے، اس کتاب کا ایک ایک صفحہ اسکی شہادت کے لئے حاضر ہے۔

اسیر ادروی

جامعہ اسلامیہ بنارس
۳/ اکتوبر ۱۹۸۱ء

آزادی سے پہلے

آزادی سے پہلے

زندگی میں بہت سے ایسے موقعے آتے ہیں جب آدمی کی قوت فیصلہ جواب دیدیتی ہے مسئلہ کے حل کے مختلف پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو منتخب کرنا ہوتا ہے، اسی انتخاب پر مستقبل میں کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہوتا ہے، اسی طرح قوموں کی تاریخ میں بھی ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ مایوسیوں کا گھنا اندھیرا محیط ہوتا ہے، امید کی کہیں بھی ہلکی سی کرن نظر نہیں آتی، قوم کا حساس اور غیرتمند عنصر زندگی کے چوراہے پر کھڑا ہو کر سوچتا ہے کہ کون سی راہ اختیار کی جائے جو منزل تک جاسکتی ہے، اگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری ہے، رگوں میں غیرت و حمیت کا گرم خون رواں دواں ہے تو پوری قوتِ ارادی کے ساتھ ایک راہ منتخب کر لیتا ہے اور اس پر رواں دواں ہو جاتا ہے، اب اسکی راہ میں کانٹوں بھری وادیاں ہوں یا سنگلاخ چٹانیں، دامن تار تار ہو رہا ہو یا تلوے لہولہان، اسکو یقین ہے کہ یہی راہ بالآخر منزل تک جانیوالی ہے تو وہ آفتوں اور قیامتوں سے لڑتے ہوئے اسی راہ پر چلتا رہے گا، نہ شدائد و مصائب اس کا راستہ روک سکتے ہیں نہ آفات و مشکلات اسکی راہ میں سنگ گراں بن سکتی ہیں۔

اس کے برخلاف کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" پر عمل کرتے ہیں، وہ چڑھتے ہوئے سورج کو پوجتے ہیں اور ہر نئی ابھرنے والی طاقت کے آستانۂ جاہ و جلال پر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اگر ان کو کاسہ لیسی اور ضمیر فروشی کے صلہ میں برسر اقتدار طاقت کے حاشیہ نشینوں میں کوئی جگہ مل گئی تو اسی کو حاصلِ زندگی سمجھتے ہیں اور سرنیاز اسی

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو موت پر فخر کرتے ہیں، وہ اسی کے چشم و ابرو کے اشارے پر زندگی گذار نے ہی کو حصولِ زندگی بنا لیتے ہیں۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں کھلے بردوش اور سر بکف حصہ لینے والے علماء پہلے نقیب میدان میں، انہوں نے پہلے دن سے ایثار و قربانی کی جو راہ اختیار کی اس سے تا دمِ آخر سر مو انحراف نہیں کیا، نہ ان کے پائے ثبات میں لغزش آئی، نہ ان کے ارادوں میں تزلزل راہ پا سکا، کونسی آفت ہے جو ان پر نہیں ڈھائی گئی، کون سی تباہی ہے جو ان کے سروں پر نہیں ٹوٹی؛ وہ کونسی قیامت ہے جو ان کے سروں سے نہیں گذر گئی لیکن تاریخ ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے کہ علماء حق میں سے کسی ایک کے بھی ضمیر کو اتنی بڑی حکومت خرید سکی جس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کے برعکس یہ ہوتا تھا کہ جہاد آزادی کی صف بندی کرنے والوں میں سے کسی ایک کی جگہ خالی ہوتی تو اس کو پُر کرنے کیلئے دس کی تعداد سامنے آجاتی تھی۔ اب ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف ہندوستان گیر بغاوت کے بعد سے جد و جہد آزادی کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو تاریخ کے ہر موڑ پر طبقۂ علماء کی جاں سپاریوں اور سرفروشیوں کی داستان مسلسل آپ کے سامنے آتی چلی جائیں گی۔

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کو جب لال قلعہ سے پابجولاں رنگون روانہ کیا گیا اور لال قلعہ کی فصیل سے سلطنت مغلیہ کا پرچم اُتار کر یونین جیک لہرا دیا گیا تو ملک و وطن کو غیر معین مدت تک کیلئے غلام بنائے رکھنے کی آخری کارروائی ختم ہوگئی، وہی تاریخ علماء کی جد و جہد آزادی کا نقطۂ آغاز بن گئی، قدرتی طور پر ایسے ارباب بھی فراہم ہوتے گئے کہ اگر وہ میدان میں نہ آتے تو سلطنت مغلیہ کی تباہی و بربادی کے ساتھ ساتھ ان کے مذہب ان کی تہذیب بلکہ ان کا قومی وجود ہی نہیں مٹ جاتا بلکہ خود ان کا وجود ایک بے غیرت و بے حمیت قوم کے افراد کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتا۔

جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انگریزوں نے برطانوی استعمار کے استحکام کیلئے اس تجربہ کو دہرانے کا پروگرام بنایا تھا جس کی کامیابی کا تجربہ ان کے پیشرو ناتھین اندلس اسپین میں کر چکے تھے، جہاں آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی تھی اس کے

چپے چپے پر ان کے شوکت واقتدار کی نشانیاں موجود تھیں، قلعہ الحمراء غرناطہ میں ان کے جاہ وجلال اور شان وشوکت کی داستان سنانے کیلئے موجود تھا، لیکن جب عیسائیوں نے اندلس کے آخری فرمانروا ابو عبداللہ کو جلا وطن کیا تو انہوں نے اندلس میں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کیلئے ضروری سمجھا کہ طاقت کے بل بوتے پر پورے اسپین کو عیسائیت کی زنجیر میں جکڑ دیا جائے، مذہبی یکسانیت ہی وہ جادو ہے جو اسلامی تہذیب وتمدن کی قبر پر فاتحہ خوانی کے فرائض اچھی طرح انجام دے سکتا ہے، پھر بغاوت یا آزادی کی جنگ کا خطرہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنی موت آپ مرجائیگا۔

فاتحین اندلس نے اس پروگرام پر جس طرح عمل کیا، تاریخ یہ خونیں داستان آج بھی سنارہی ہے، وہ دن ہے اور آج کا دن کہ پھر اندلس کی وادیوں میں نغمۂ اذان نہ گونج سکا، اندلس پر قبضہ کرنے کے بعد چارلس نے کہا تھا "امت محمدیہ کی تباہی سے خدا کی بادشاہت بڑھیگی اور اگر ملک میں ایک ہی مذہب ہوگا تو امن وامان ہوگا"، ملک میں ایک ہی مذہب کے نظریہ کو بروئے کار لانے کیلئے صلیب پرستوں نے کیا کیا؟ یہ ایک نہایت ہی دردناک اور جگر دوز داستان ہے، مدرسوں اور خانقاہوں اور مسجدوں کو کلیسا بنادیا گیا مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ عیسائیت قبول کرلیں، جنہوں نے اس سے انکار کیا، بھیڑ بکری کی طرح ذبح کردیئے گئے یا ان کو ان کے گھروں میں بند کرکے آگ لگادی گئی، یا بڑا رحم کیا تو سرزمین اندلس سے باہر ڈھکیل دیئے گئے، اس قسم کے بہیمانہ اور وحشیانہ مظالم کے علاوہ طرح طرح کے الزامات لگا کر ان کو گرفتار کیا گیا اور ان پر بے پناہ مظالم توڑے گئے، ان پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا، ان کے اسلحے ضبط کرلئے گئے، ان کو جائداد سے محروم کردیا گیا، ملازمتوں سے نکال دیا گیا، ان پر بھاری بھاری جرمانے عائد کئے گئے، ان کا سیاسی ومعاشی بائیکاٹ کیا گیا، عربی زبان ترک کرنے پر مجبور کیا گیا، اسلامی لباس اختیار کرنے پر سزا دی گئی، تعصب کی وجہ سے شہروں کے نام بدل دیئے گئے مسلمانوں کے بچوں کو چوری کرکے مشن اسکولوں میں داخل کیا گیا، مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر پر پابندی عائد کردی گئی، بعض شہروں کی پوری آبادی کو یا تو قتل کردیا گیا

یا زندہ جلادیا گیا، یا غلام بنا لیا گیا، ہزاروں کی تعداد میں ایک جگہ بٹھا کر سنگینوں کی نوک پر جبری بپتسمہ دیا گیا، اگر مسلمان عورتوں اور بچوں نے مسجدوں میں پناہ لی تو ان مسجدوں کو بارود سے اڑا دیا گیا[1] غرضیکہ پورے اندلس کو عیسائی بنانے کیلئے جتنی بھی وہ وحشت و بربریت اختیار کر سکتے تھے اور جو حربہ بھی کارآمد ہو سکتا تھا، ہر ایک کو استعمال کیا۔

ہندوستان میں انگریزوں کی پالیسی

ابتدائً ہندوستان میں بھی انگریزوں کی یہی پالیسی رہی اور یہی خواب وہ بھی دیکھ رہے تھے، لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ "ہمیں ایک جماعت ایسی تیار کرنی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم کا کام دے اور یہ جماعت ایسی ہونی چاہئے جو رنگ و خون میں تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے، الفاظ اور سمجھ کے لحاظ سے انگریز ہو"[2]

یہ پالیسی بظاہر تو انگریزی زبان کے اجرا کے متعلق تھی مگر بات دراصل یہ نہیں تھی میکالے کی نیت کا حال معلوم کرنے کیلئے تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے رکھئے، وہ اپنے باپ کو انگلینڈ ایک خط میں لکھتا ہے، انگریزی تعلیم کا ہندوؤں پر بہت زیادہ اثر ہے، کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے کبھی سچائی کے ساتھ اپنے مذہب پر قائم نہیں رہتا، کچھ لوگ مصلحتاً ہندو رہتے ہیں مگر اکثر یا تو ملحد ہو جاتے ہیں یا عیسائی مذہب قبول کر لیتے ہیں، میرا پختہ عقیدہ ہے کہ ہماری اسکیم پر پورا پورا عملدرآمد کیا گیا تو بنگال میں ایک بھی ہندو نظر نہ آئیگا۔

درحقیقت انگریزی تعلیم کے اجرا کا واحد مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھی چاہے وہ ہندوؤں میں ہو یا مسلمانوں میں، انہیں پورے ملک میں "ایک مذہب" کی پالیسی پر عمل کرنا تھا، اس معاملہ میں ان کی جرأت یہاں تک بڑھ چکی تھی کہ ہندوستان میں لارڈ بشپ کا عہدہ قائم کرنے کے سلسلہ میں تجویز یہ تھی کہ دہلی کی مشہور شاہجہانی جامع مسجد کو گرجا گھر بنا دیا جائے لیکن انگریزوں کا یہ خواب اس لئے شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے اپنی ناکامی کے باوجود انگریزوں

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے مشہور مغربی مصنف مسٹر ہنری چارلس کی کتاب "لورسکوز" کا اردو ترجمہ "دالولدین"، لے میجر باسو بحوالہ "مسلمانوں کا روشن مستقبل"، مؤلفہ طفیل احمد منگلوری ص ۱۲۷ ہندوستانی اخبار نویسی ص ۲۲۵۔

کے دلوں میں دہشت پیدا کردی اور وہ اس تجویز کو عمل جامہ نہ پہنا سکے۔

مشنری حکام کا تقرر

جب ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط مکمل طور پر ہوگیا تو انگلینڈ کی پارلیمنٹ پر زور دیا گیا کہ ہندوستانی عوام کو ہر ممکن طریقے سے مذہب عیسوی میں داخل کرنے کیلئے ایک منصوبہ بند لائحہ عمل تیار کیا جائے اگر اس سلسلہ میں طاقت کے استعمال کی بھی ضرورت پیش آئے تو اسکی بھی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ حالات کے لحاظ سے حکومت کے استحکام کیلئے وہاں عیسائیت کا فروغ انتہائی ضروری ہے، لیکن ہندوستان کی اتنی بڑی آبادی کو بہ جبر عیسائی بنانے کی پارلیمنٹ تائید نہ کرسکی، اس لئے پالیسی یہ رکھی گئی کہ وہ تمام حکام اور عہدہ دار جو ہندوستان بھیجے جائیں وہ بذات خود مشنری ہوں، وہ انتظامی امور کی دیکھ بھال کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ میں بھی حصہ لیں اور آزاد کام کرنے والے پادریوں کے ساتھ پوری دلچسپی سے تعاون کریں اس طریقہ کار کی وجہ سے جس بغاوت اور خلفشار کا اندیشہ ہے وہ دور ہوجائیگا

چنانچہ اس دور کے تمام حکام بالعموم مشنری دل ودماغ کے تھے، سر ولیم میور جو صوبہ متحدہ کے گورنر تھے اسکی روشن مثال ہے سر ولیم میور اعلیٰ درجہ کے پادری اور مشنری تھے، انہوں نے دوران ملازمت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ اسپرٹ کے ساتھ کئی کتابیں تصنیف کیں "لائف آف محمد"، (سیرت محمدیہ) "شہادت قرآنی بر کتب ربانی"، "کتاب خلافت"، آپ کی مشہور تصانیف ہیں جو ہندوستان میں عیسائیت کیلئے زمین ہموار کرنے کی غرض سے تحریر کی گئیں۔

انگریز حکام اپنے اختیارات اور رسوخ سے پورا پورا کام لیتے تھے، دوسرے مذاہب پر تنقیدی کتابیں اور مضامین لکھتے تھے، وہ اپنی تحریروں کے ذریعہ عوامی ذہنوں پر عیسائیت کی برتری وصداقت کو جہاں پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے وہیں وہ اپنے رعب داب اور عہدوں کے اختیارات سے بھی کام لیتے تھے، عام پادریوں کو ان کا پورا پورا تعاون حاصل تھا، افسران ماتحت اور ہندوستانی ملازموں کو وہ حکم دیتے تھے کہ کوٹھی پر آکر

پادری صاحب کا وعظ سنا کریں، یہ ہندوستانی ملازمین اپنے افسران بالا کے ڈر سے ان وعظوں میں مجبوراً شریک ہوتے تھے، بڑے بڑے حکام مشنری اسکولوں میں خود جاتے تھے اور لوگوں کو ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اسکولوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں سے وہ سوال کرتے کہ بتاؤ تمہارا خدا کون ہے؟ تمہارا نجات دینے والا کون ہے؟ اگر اسکول کے یہ بچے عیسائی مذہب کی تعلیم کے مطابق جواب دیتے تو ان بچوں کو انعام دیا جاتا۔[1]

اخبارات و رسائل کے ذریعہ تبلیغ

عیسائیت کی تبلیغ کیلئے اخبارات و رسائل بھی بہ کثرت نکالے جاتے تھے، مدراس کلکتہ، آگرہ اور دوسرے بعض مقامات اس کے خاص مرکز تھے، صرف لکھنؤ میں جو مسیحی مشن کام کر رہا تھا اسکی طرف سے مسٹر جیکب اودھ گزٹ، اور "گلدستہ شعر و سخن" نکالتے تھے، مسٹر جیکب کا اپنا پریس بھی تھا، پادری ٹی کریون اور پادری سمود "شمس الاخبار" نکالتے تھے جو امریکن مشن پریس حضرت گنج میں چھپتا تھا، آٹھ سال بعد اسی اخبار کا نام بدل کر "کوکب ہند" رکھا گیا، "خیر خواہ اطفال" بھی پادری ٹی کریون اور پادری سمود ہی نکالتے تھے جو سنڈے اسکول کے بچوں کیلئے جاری کیا گیا تھا، "رفیق نسواں" مسٹر بیڈلی ترجمان حکومت نکالتے تھے جو امریکن مشن کی طرف سے لکھنؤ، کلکتہ اور مدراس سے بیک وقت کئی زبانوں میں شائع ہوتا تھا، "وکیل قومی" ایک نو عیسائی مسلمان پادری مرزا عبداللہ حسرتی کی زیر ادارت مسلمانوں میں تبلیغ عیسائیت کیلئے خاص طور سے شائع کیا جاتا تھا،[2] یہ صرف ایک شہر کے اخبارات و رسائل تھے، اس طرح پورے ملک میں اس مقصد سے اخبارات و رسائل نکالے جاتے تھے۔

پادریوں کی فوج

انگلینڈ میں "متحدہ مذہبی مجلس" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جو درحقیقت ایک ٹریننگ کیمپ تھا، جہاں یورپین پادریوں کو اردو فارسی اور عربی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام

---

[1] اسباب بغاوت ہند مصنفہ سر سید احمد خاں ص ۴۴ [2] اختر شاہنشاہی مرتبہ اختر الدولہ لکھنو۔

اور دوسرے مذاہب کے خلاف بحث و مناظرہ کی تربیت دیجاتی تھی، اس تربیتی مرکز سے ہندوستان میں پادریوں کی درآمد کا تانتا لگا ہوا تھا، ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوستانی مشن کا انچارج ان فوج در فوج پادریوں کو مختلف شہروں میں متعین کرتا تھا، سرکاری حکام ان کی ہر طرح مدد کرتے تھے، اخراجات کیلئے گورنمنٹ کی طرف سے مالی امداد دیجاتی تھی رسول پاک اور دوسرے مذہبی پیشواؤں کے خلاف نہایت دل آزار کتابیں ملک میں پھیلائی گئیں، پادری ان کتابوں کو لیکر شہروں اور قصبوں اور گاؤں میں گشت کرتے تھے اور ان کتابوں کے دل آزار مضامین کو علی الاعلان بیان کرتے تھے، کوئی شخص حکام اور افسران کے ڈر سے کچھ بولنے کی ہمت نہیں کرتا تھا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا جس مقام پر اندیشہ ہوتا تھا کہ وہاں کے لوگ کچھ روک ٹوک کریں گے تو یہ پادری تھانوں سے کہکر پولیس کے آدمی ساتھ لے لیتے تھے، پادری اپنی تقریروں میں صرف انجیل کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہایت اہانت آمیز طریقے سے کرتے تھے کہ سننے والوں کے دل و دماغ غصہ سے کھولنے لگتے تھے[1]۔

پادری ایڈمنڈ کی گشتی چٹھی

یہ ساری تگ و دو جاری تھی مگر نتیجہ سے نہ حکام مطمئن تھے اور نہ پادریوں کو اطمینان تھا کیونکہ تبدیلیٔ مذہب کے بہت کم واقعات ظہور میں آتے تھے، کوششیں اور جدوجہد بالعموم رائیگاں جارہی تھی، اس صورت حال سے اُکتا کر پادری ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے ایک گشتی چٹھی شائع کی کہ —

"اب وقت آگیا ہے کہ اس مضمون پر سرگرمی سے غور کیا جائے کہ سب لوگوں کو ایک ہی مذہب اختیار کرنا چاہیے یا نہیں؟"

یہ چٹھی ہندوستان میں ہر اس شخص کے پاس بھیجی گئی جو حکومت کا متوسل تھا یا ملک میں کسی امتیاز کا مالک تھا[2]، پادریوں کی دوڑ دھوپ، حکام کی تگ و دو، ملک کے گوشے گوشے میں چرچ

---

[1] اسباب بغاوت ہند از سرسید ص ۴۴ [2] اسباب بغاوت ہند ص ۷۷۔

کا قیام، مشن سوسائٹی، بائبل سوسائٹی، مشن فنڈ، مشن ہسپتال، مشن کالج، مشن اسکولوں کے قیام، اخبارات و رسائل اور کتابوں کی اشاعت عام کی وجہ سے ہندوستان میں ہر شخص اپنی جگہ سمجھے ہوئے تھا کہ انگریز ایک دن پورے ہندوستان کو عیسائی بنا کر رہیں گے، اس لئے جب یہ چھٹی حکومت کے ملازمین کے پاس آنی شروع ہوئی تو عام طور پر سوچا جانے لگا کہ جس نامسعود وقت کا دھڑکا لگا ہوا تھا وہ وقت شاید آ گیا، اس لئے چٹھیوں کے آنے کے بعد پورے ملک میں سراسیمگی اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور ہر شخص اپنی جگہ سہم کر رہ گیا، جتنے لوگ سرکاری ملازمتوں میں تھے ان کو یقین ہو گیا کہ پہلے ہم کو جبراً عیسائی بنایا جائیگا پھر عام لوگوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا جائیگا، بہ ظاہر یہ چھٹی ایک پادری کی طرف سے شائع کی گئی تھی لیکن بلا استثنا ہر شخص کو یقین تھا کہ یہ چٹھیاں حکومت کی طرف سے ہیں، جو لوگ سرکاری ملازم تھے ان سے لوگ پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس بھی تو چھٹی آئی ہوگی؟ اس سوال میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا تھا کہ تم تو عیسائی ہو گئے؟ لوگ انتہائی خجالت اور شرمندگی کی وجہ سے چھپاتے تھے اور انکار کر دیتے تھے لیکن لوگوں کا یقین اس حد کو پہونچ چکا تھا کہ فوراً کہدیتے تھے کہ آجکل میں آجائیگی، یعنی عنقریب تم بھی عیسائی ہو جاؤگے۔[1]

۱۸۳۷ء میں جب ہندوستان میں قحط پڑا تو لاوارث اور یتیم بچوں کو عیسائی بنا لیا گیا اس واقعہ کو لوگ بطور سند پیش کرتے تھے اور تمام مغربی و شمالی ضلعوں میں گورنمنٹ کی حکمت عملی کا نمونہ تصور کیا جاتا تھا کہ حکومت ہندوستان کو اسی طرح مفلس اور قلاش بنا کر عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کر دیگی۔[2]

ان حالات نے فضا ایسی بنا دی تھی کہ ہر چھوٹا بڑا اپنی جگہ ہمت ہار کر بیٹھ گیا تھا اور سمجھ لیا تھا کہ آنے والے صلیب پرستی کے طوفان کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی، اگرچہ تبدیلئ مذہب کے حادثے مسلمانوں میں تو کچھ زیادہ نہیں تھے لیکن ہندوؤں کے ایک خاص طبقہ میں ان کی کامیابی بہت نمایاں تھی۔[3] مسلمانوں میں بھی ان کی کوشش بالکل رائیگاں نہیں تھی کیونکہ بعض ممتاز قسم کے لوگوں نے عیسائیت قبول کر کے ملک کی فضا کو تشویشناک بنا دیا تھا جیسے مولوی کریم الدین

---

[1] اسباب بغاوت ہند ص ۴۸ [2] اسباب بغاوت ہند ص ۴۴ [3] روشن مستقبل ص ۱۲۸۔

مؤلف "مواقعات ہند" کے بھائی عماد الدینؒ، مرزا عبداللہ حسرتی ایڈیٹر "وکیل قومی"، پادری محی الدین پشاوری، پادری صفدر علی جیسے صاحب علم اور اہل قلم دام علیسویت کا شکار ہو چکے تھے،

پادری فنڈر کی آمد

حکومت اور پادریوں کا دراصل مطمح نظر تو مسلمانوں کی ذات تھی اور مسلمانوں میں ان کو خاطر خواہ کامیابی نہیں مل رہی تھی اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو ذہنی اعتبار سے مرعوب کرنے کیلئے "مذہبی متحدہ مجلس"، کے تربیت یافتہ، یورپ کے مایہ ناز عالم، لندن چرچ کا معزز عہدیدار، اُردو فارسی عربی اور اسلامی معلومات کا ماہر پادری فنڈر ہندوستان آیا، اس کے ساتھ پادری ہنسل، پادری لیفرائے وغیرہ بھی وارد ہندوستان ہوئے، قافلہ سرخیل پادری فنڈر تھا، اس لئے ہندوستان میں آتے ہی پورے ملک میں گشت کر کے اپنی علمیت کی دھاک بٹھا دی اپنی کتاب "میزان الحق"، جو اسلام کے خلاف مناظرانہ رنگ میں لکھی گئی تھی شائع کی اور یہ مشہور کیا کہ یہ الہامی کتاب ہے اور مسلمانوں سے اس کا جواب ناممکن ہے پادری فنڈر اپنی ہر تقریر میں نہایت بلند بانگ دعووں کے ساتھ مسلمانوں کو للکار رہا تھا، دعوتِ مبارزت دے رہا تھا اور علماء کو مناظرہ کیلئے چیلنج کر رہا تھا، حد تو یہ ہے کہ وہ دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر روزانہ عصر و مغرب کے درمیان دین مسیحی کے فضائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی مفروضہ کمزوریوں کو پورے جوش خطابت کے ساتھ بیان کرتا تھا۔

وہ دہلی جو کئی صدیوں سے مسلمانوں کا پایۂ تخت تھی، بڑے بڑے رؤساء، اُمراء، علماء، صوفیا کے علاوہ کئی لاکھ مسلمانوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی، پوری دہلی پر اسلامی اثرات کا غلبہ تھا لیکن حکومت کی دہشت انگیزیوں کی وجہ سے لوگ کچھ اس طرح سہمے ہوئے تھے کہ کسی کو پادری فنڈر کی لن ترانیوں کا جواب دینے یا اُسے ٹوکنے کی ہمت نہیں تھی، کیونکہ یہ سب جانتے تھے کہ پادری فنڈر کی زبان میں وہ حکومت بول رہی ہے جسکی زبان ننگی تلوار ہے۔

لہ اسباب بغاوت ہند ص ۱۷۔

ٹنڈر کی تقریروں کا اثر

مسلمانوں کی خاموشی کی وجہ سے پادری ٹنڈر اپنی تقریروں، اخباروں اور کتابوں میں برابر اعلان کر رہا تھا کہ مسلمانوں سے ہماری باتوں کا جواب ممکن نہیں ہے، دوسری طرف پادری ٹنڈر کی کتاب "میزان الحق" کے بارے میں عام عیسائیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ کتاب الہام خداوندی سے لکھی گئی ہے اس لئے علماء اس کے جواب دینے سے عاجز اور بے بس ہیں، ورنہ ان کے لبوں پر مہر سکوت کیوں لگی ہوئی ہے اس ماحول کا اثر یہ تھا کہ آگرہ جیسے شہر کے مسلمانوں کے ایمان میں بھی کمزوری آچکی تھی اور اسلام کی حقانیت کی طرف سے ان کے دلوں میں تذبذب پیدا ہو چکا تھا اور بہتوں نے تو پادری ٹنڈر کے دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے، اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ پادری ٹنڈر جو کچھ کہتا ہے وہی حق ہے[1] لیکن مسلمانوں کی اس اندرونی کمزوری کا علم مبلغین عیسائیت کو ابھی تک نہیں تھا اس لئے ان کی جد وجہد کا مرکز مسلمان بنا رہا، پادریوں کے طعن وتشنیع اعتراضات وایرادات کا نشانہ بالعموم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔

پادری ٹنڈر، پادری لیفرائے، پادری نسل، پادری ٹی کریون، پادری مسعود جیسے انتھک کام کرنے والے سیکڑوں اور ہزاروں پادریوں کی فوج کلکتہ سے لے کر مرزاپور، لکھنؤ، شاہجہانپور دہلی، آگرہ، پونہ، مدراس حتیٰ کہ ملتان تعینات تھی، اس پوری فوج کا اصل نشانہ مسلمان تھے، کیونکہ اصل طاقت انہیں کی توڑنی تھی، ہندوؤں میں ان کی کامیابی حوصلہ افزا تھی لیکن انگلینڈ نے تبلیغ عیسائیت کے سلسلہ میں جبر وتشدد کی مخالفت کی تھی اس لئے یہاں کے حکام اور پادری مجبور تھے اور اپنی متوقع کامیابی نہ پانے کے باوجود کوئی ایسا رویہ نہیں اختیار کر سکتے تھے جو ملک میں انتشار پیدا کر دے۔

دہلی کالج

حکومت نے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے ایک

---

[1] ازالۃ الشکوک مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مناظر اسلام ج ۲ ص ۴۷

اور طریقۂ کار اختیار کیا، اس نے دہلی میں ایک کالج قائم کیا اور مشہور کیا کہ اس کالج میں مسلمانوں کو اسلامی علوم وفنون پڑھائے جائیں گے، لیکن ان کے دل کی بات یہ تھی کہ وہ اس کالج سے ایسے افراد پیدا کرنا چاہتے تھے جو یورپین تہذیب سے متاثر ہوکر عیسائیت اور انگریزی حکومت کے خلاف اپنے رویہ کو نرم رکھ سکیں تاکہ تبلیغ عیسائیت میں گورنمنٹ کو سہولت ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کالج کے نگراں ہمیشہ مشنری دل ودماغ کے انگریز بنائے گئے، مسٹر ٹامسن، مسٹر ٹیلر، مسٹر پتراس، ڈاکٹر اسپرنگر یکے بعد دیگرے اس کے سپرنٹنڈنٹ ہوتے رہے، مگر اساتذہ کے معاملہ میں وہ مجبور تھے کہ عربی علوم وفنون کے ماہر انگریز وہ کہاں سے لائیں؟ اس لئے مجبوراً ان کو ہندوستان ہی کے علماء کو بیش قرار تنخواہوں پر رکھنا پڑا، مگر اس کے باوجود ان کی امیدیں اس نسل سے وابستہ تھیں جو ان اساتذہ کے زیر تعلیم تھی، ان کا خیال تھا کہ جب موجودہ نسل کے اساتذہ رخصت ہوجائیں گے اور ان کے جانشین وہ ہوں گے جنہوں نے جدید طریقے پر تعلیم پائی ہے تو روشن خیالی میں اور بھی ترقی ہوجائے گی۔[۱]

انگریزوں کی نیت کا پتہ اس رپورٹ سے چلتا ہے جو مسٹر ٹامسن نے گورنمنٹ کو بھیجی ہے، اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ ۱۶ سال سے یہ کالج قائم ہے، اس عرصہ میں بے شمار تجویزوں اور اسکیموں کا یکے بعد دیگرے تجربہ کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ اس کے جانشین مسٹر پتراس کی رپوٹ کے یہ الفاظ ملا لیجئے تو بات صاف ہوجائیگی کہ "ان علوم نے جو عربک کالج میں پڑھائے جاتے ہیں اس تعصب اور تنگ خیالی میں جو محض عربی فارسی پڑھنے والے طلبہ میں پائی جاتی ہے تخفیف اور اعتدال پیدا کردیا ہے"[۲] یہی انگریزوں کا مقصد تھا جب کہ ہمیں اسی کالج کی تیسری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے اس میں کہا گیا کہ "عربی کالج کی مشین میں جو کل پرزے ڈھالے جاتے ہیں ان کے متعلق یہ طے کیا گیا ہے کہ صورت شکل اور دیگر بیرونی لوازم کے حساب سے تو وہ مولوی ہوں لیکن نداق، رائے، سمجھ کے اعتبار سے آزاد خیالی کے ساتھ حق کی تلاش کرنے والی جماعت[۳]، یعنی وہ حق جو صرف صلیب پرستی میں منحصر ہوکر رہ گیا ہے۔

حکومت کی یہ توقع بے بنیاد نہیں تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ دلی کالج کے کئی ہونہار طلبہ

---

[۱] مرحوم دلی کالج ص ۲۸ [۲] مرحوم دلی کالج ص ۴۴ [۳] مقدمہ اسباب بغاوت ہند از سر سید ص ۱۷۔

جو کئی حیثیتوں سے ممتاز تھے عیسائیت قبول کر چکے تھے، غالباً انہیں حالات کو دیکھ کر انگریزی تہذیب کے سب سے بڑے مداح سرسید جیسے آدمی کی بھی رگ حمیت پھڑکے بغیر نہیں رہی، انہوں نے اپنے ایک لیکچر میں کہا "مسلمانوں کو شرم نہیں آتی کہ مشنری اسکولوں میں اپنے لڑکوں کو بھیجتے ہیں ان کو جوش نہیں آتا، ان کو غیرت نہیں آتی"[1]

انگریزوں کا حقیقی مقصد

اس تفصیل سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ انگریزوں نے پورے ہندوستان میں کتنے وسیع پیمانے پر عیسائیت کا جال پھیلایا تھا اور کتنے بڑے پیمانے پر وہ اس پروگرام کو چلا رہے تھے؟ جنوبی ہند میں ان کو زبردست کامیابی ملی تھی اور ہندوؤں میں عیسائیت جس تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی اس سے ان کے حوصلے بلند ہوتے جا رہے تھے، اور وہ مزید سرگرمی اور تیزی سے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مختلف ذرائع سے کام لینے لگے تھے، لیکن کیا یہ سب کچھ صرف اس لئے ہو رہا تھا کہ انگریز درحقیقت بڑا مذہب پرست تھا؟ اور صرف دین عیسوی کی محبت نے اسکو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو یقیناً بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، حقیقت یہ نہیں ہے اس سارے پروگرام میں جو روح کام کر رہی تھی اور وہ داعیہ جو اس سرگرمی پر مجبور کر رہا تھا وہ کچھ اور ہی تھا، یہی جذبہ ان کو تبلیغ عیسائیت پر ہمہ وقت انگیز کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ مذہب سے والہانہ وابستگی کے نتیجہ میں نہیں تھا بلکہ انگریزوں نے یہ ایک بساط سیاست بچھائی تھی وہ خوب سمجھتے تھے کہ یورپ سے بڑی سے بڑی تعداد بھی انگریزوں کی یہاں آکر آباد ہو جائے تب بھی اس وسیع ملک اور اتنی بڑی آبادی پر کنٹرول کرنا مشکل ہوگا، اس لئے وہ ملک میں ایسی ذہنی تبدیلی لانا چاہتے تھے جو یہاں کی مختلف قوموں، نسلوں مذہبوں اور تہذیبوں کی خصوصیات و امتیازات کو مٹا کر ایک رشتہ میں منسلک کر دے، وہ ایک ایسی نسل کو وجود میں لانا چاہتے تھے جو رسمی طور پر اپنے کو عیسائی کہنے لگے

---

[1] سرسید کے لکچروں کا مجموعہ ص ۱۵۸۔

چاہے وہ ملحد اور دہریہ ہی کیوں نہ ہو اور اس مذہبی اتحاد کی وجہ سے انگریزی حکومت کو اپنے لئے رحمت اور باعث برکت سمجھنے لگے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کے دل و دماغ سے غلامی کا احساس مرجائے، عیسائیت کی تبلیغ درحقیقت برطانوی سامراج کے استحکام کی ایک دوررس تدبیر تھی، اگر انگریز اپنے پیش رو فاتحین اندلس کی طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو ہندوستانی قوم سے آزادی و غلامی کا تصور ہی مٹ جاتا اور جنگ آزادی کی جو جد وجہد بعد میں جاری ہوئی اس کا آغاز ہی نہیں ہوتا، اور ہندوستان جنم جنم کے لئے برطانوی امپریلزم کی جولانگاہ اور اسکی شکارگاہ بن کر رہ جاتا، لیکن انگریز اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور اسکو اپنا یہ پروگرام اور نقطۂ نگاہ بدلنا پڑا، کیوں؟ اور کیسے؟ اس کی ایک لمبی داستان ہے مختصر طور پر پیش خدمت ہے۔

علماء کا ایک عظیم کارنامہ

انیسویں صدی کی دوسری چوتھائی سے لے کر آخیر صدی تک جب ترویج عیسائیت کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا، آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو اس پورے دور میں کسی قوم و ملت میں تبلیغ عیسائیت کے خلاف کوئی شورش یا ہیجان نظر نہیں آئیگا اور کوئی بھی طبقہ ایسا نظر نہیں آئیگا جس نے انگریزوں کے اس "دام ہمرنگ زمین" کو سمجھا ہو، اگر کچھ لوگوں نے سمجھا بھی تو ان میں اتنی ہمت و جرأت نہیں تھی کہ وہ اس سیلاب کے آگے بند لگا سکیں، ملتِ اسلامیہ کے علاوہ دوسری قومیں اور اہل مذاہب ان کی چراگاہیں تھیں اور پادریوں کو ان میں قابل ذکر کامیابی بھی مل رہی تھی اور تبدیلیٔ مذہب کے مسلسل واقعات ہو رہے تھے، لیکن انگریزوں کی اس شاطرانہ چال کی تہ میں کام کرنے والے ذہن و مزاج اور اس کے حقیقی مقصد کو سمجھنے والے عنقا تھے، اسکی دو وجہیں تھیں ایک تو یہ کہ ۱۸۵۷ء کی عام شورش کے بعد انگریزوں نے جس دحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا وہ اتنا دل دہلا دینے والا تھا کہ جس نے یہ منظر دیکھا تھا یا ان کے اعزہ و اقربا یا ان کے شہر یا آبادی میں جس پر یہ افتاد پڑی تھی وہ زندگی کے اخیر لمحے تک انگریز ان کے خلاف زبان ہلانے کی بھی ہمت

نہیں کرسکتا تھا، خواب میں بھی انگریزوں کی شکل دیکھکر اس کا کلیجہ دھڑکنے لگتا تھا، یہ بہیمانہ رویہ چند دنوں ہی تک نہیں رہا تقریباً بارہ تیرہ سال تک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا۔[1]

دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے اسے صرف مذہب کی تبلیغ کا ایک بے ضرر کام سمجھا اور تبلیغ عیسائیت کے پردہ میں برطانوی استعمار کے استحکام کی بات بھی ان کے ذہن میں نہیں آئی اس لئے وہ اس واقعہ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دے سکے۔ اس فتنہ کی اہمیت اور اسکی تہ میں کام کرنے والے عوامل کو اگر کسی نے سمجھا تو وہ صرف علماء کا طبقہ تھا۔ اور وہ اس دھاڑتے ہوئے سیلاب کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے، یہی وہ طبقہ ہے جس نے سارے خطرات کو یقینی اور حقیقی سمجھتے ہوئے بھی تہیہ کر لیا کہ اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ضروری ہے ایک طرف اس فتنہ کے استیصال میں اس کے مذہب کی خدمت ہے تو دوسری طرف اس کے قوم و وطن کی بھی ایک عظیم خدمت ہے وہ انگریزی حکومت کو بنیاد فراہم کرنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے کہ جس پر اس کے شوکت و اقتدار کا قلعہ تعمیر ہو سکے اور اس کا منہدم کرنا ناممکن ہو جائے، خطرات کا احساس بجا تھا، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے سینہ سپر ہو کر اس فتنہ کو سرزمین ہند سے ختم کیا وہ حکومت کے عتاب سے نہیں بچ سکے اور مختلف طرح کی اذیتوں اور مصیبتوں سے انکو دوچار ہونا پڑا اور ہر طرح کی تباہی و بربادی کو انگیز کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

عیسائیت کے خلاف محاذ آرائی

جب تبلیغِ عیسائیت جارحیت کی شکل اختیار کرنے لگی اور اس کا رخ جبر و تشدد کی طرف مڑنے لگا تو خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اگر اس سیلاب کے آگے بند نہیں باندھا گیا تو ایک دن سارا ملک اس جبر و تشدد کے طوفان میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیگا اور ہمیشہ کے لئے وطن پاک سے اسلام ہی نہیں مٹ جائیگا بلکہ ہمیشہ کیلئے ذلت آمیز غلامی کی زندگی ہمارا مقدر بنا دی جائے گی اور ہر ہندوستانی اتنا بے غیرت بن جائیگا کہ ایک فرضی مذہب کے رشتہ سے برطانوی حکومت کو رحمت خداوندی سمجھنے لگے گا، برادران وطن تو زور و شور سے انگریزی تعلیم

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے "غدر ۱۸۵۷ء تصویر کا دوسرا رخ"، مؤلفہ سرایڈورڈ ٹامسن اور ترجمہ شیخ حسام الدین امرتسری

میں لگ گئے اور انگریزی حکومت کی مشنری کل پُرزے بن گئے، ان کو اس کا کوئی غم ہی نہیں تھا کہ ہمارا مذہب اور ہماری تہذیب کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی جا رہی ہے اور ہماری دائمی غلامی کیلئے ایسا کٹہرا تیار کیا جا رہا ہے جسکے دروازے کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا جائیگا۔

پورے ملک میں صرف علماء کا ایک طبقہ تھا جو اس صورت حال کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہ تھا کیونکہ اگر تبلیغ عیسائیت کے جال کو پھیلانے کی آزادی دیدی گئی تو نہ اسلام زندہ رہیگا نہ مسلمان، اور نہ ایک باحمیت اور غیرتمند قوم کیلئے آزادی کی زندگی کا کوئی تصور ہی باقی رہ جائے گا، وہ تن تنہا میدان میں آیا اور اس نے اپنے وجود کو اس طوفان کے دہانے کو بند کرنے کیلئے داؤ پر لگا دیا، میدان مناظرہ میں عیسائی پادریوں اور بالخصوص پادری ٹنڈر کو ذلت آمیز شکست دی اور ان کی ہوا اکھیڑ دی کہ ان کے مشہور پادریوں کو پورے ملک میں منہ دکھانے کی ہمت نہیں رہی اور وہ سیدھے انگلینڈ روانہ ہو گئے، ہندوستان کی ذلت آمیز شکست نے یورپ میں بھی ان کو منہ چھپانے کا موقعہ نہیں دیا، وہاں سے بھاگ کر پادری ٹنڈر کہاں مرکھپ گیا تاریخ سے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، یہ کارنامہ تھا مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا جنہوں نے پادری ٹنڈر کو میدان مناظرہ میں شکست دینے کے بعد رد عیسائیت میں ایسی معرکۃ الآرا کتابیں تحریر فرمائیں کہ یورپ کے اخباروں نے لکھا کہ ان کتابوں کی موجودگی میں عیسائیت کا فروغ پانا ممکن نہیں[1]۔

میدان مناظرہ میں پادری ٹنڈر کی شکست کے بعد ملک کے ہر قابل ذکر شہر میں مقامی علماء نے پادریوں کو گھیرا، اس طرح ہر طرف مناظرہ کا بازار گرم ہو گیا اور ہر جگہ اتنی ذلت آمیز شکستوں کا ان کو سامنا کرنا پڑا کہ دوبارہ پھر اس شہر میں پادریوں کو جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

ان پیہم اور مسلسل شکستوں کے بعد ہوا کا رخ بدلا، ہر شہر میں مقامی علماء نے عیسائیوں کے خلاف ایک محاذ کھول دیا اور کہیں بھی ان کو سکون سے کام کرنے کا موقعہ نہیں دیا اور ان کی ساری لن ترانیوں کے تار و پود بکھیر کر رکھدیئے، کہاں وہ عالم تھا کہ پادریوں کی بکواس کے خلاف کسی کو لب کھولنے کی ہمت نہ تھی اور کہاں اب یہ حال ہو گیا کہ جس مجمع میں علماء نے ان کو گھیرا تو ان کی زبان ہکلانے لگی، پادریوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، انگریزوں کے خوابوں کا

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے رسالہ "ندائے حرم" کراچی ۱۳۸۵ھ رپورٹ مولانا محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ۔

فیش محل چکنا چور ہوگیا اور بڑھتا ہوا سیلاب سمٹ کر پھر اسی مقام پر واپس چلا گیا جہاں سے چلا تھا اور عام ہندوستانیوں نے اطمینان کی سانس لی۔

علماء کے سیاست میں آنے کے قدرتی اسباب

علماء کا اپنا ایک مخصوص دائرہ کار رہا، ان کی دنیا تعلیم و تربیت اور اصلاح قوم تک محدود تھی لیکن قدرتاً ایسے اسباب پیدا ہوتے گئے کہ علماء کو سب سے پہلے سیاست کے میدان میں آنے کیلئے مجبور ہونا پڑا، جب انہوں نے عیسائیت کے خلاف عملی میدان میں قدم رکھا اور حکومت کے ایک بہت بڑے مقصد کو نقصان پہونچایا جس پر سارے انگلینڈ کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں اور یہ پروگرام انگریزی سیاست کا ایک بنیادی جز تھا تو حکومت تلملا کر رہ گئی اور اس کے انتقام کی تلوار بے نیام ہوگئی۔

جن جن لوگوں نے عیسائیت کا جنازہ نکالنے میں کاندھا دیا تھا اور انگریزی اقتدار کی راہ میں خلل اندازی کی کوشش کی تھی اُن میں سے کسی کو بخشا نہیں گیا، یا تو انکو گرفتار کرکے کالے پانی بھیج دیا گیا یا جیل، اگر قدرت نے مدد کی تو انہوں نے ہندوستان چھوڑ دینے میں کامیابی حاصل کرلی اور وہ یہاں سے ہمیشہ کیلئے ہجرت کر گئے، ان لوگوں کی جائدادوں کو کوڑیوں کے بھاؤ نیلام کردیا گیا، محلات کو ڈھا کر کھنڈر بنا دیا گیا، جیل کی مشقتیں ان کے حصہ میں آئیں، یا عدالتی کارروائیوں کے خارزار میں انکو گھسیٹا گیا، اس سلسلہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی مولانا فضل حق خیرآبادی حاجی امداد اللہ مہاجر کی مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا قاسم نانوتوی سیکڑوں ناموں میں سے چند نام ہیں۔

علماء نے بظاہر اپنے مذہب کی مدافعت میں یہ خطرناک اقدام کیا تھا لیکن آپ بنظر غائر اس جد وجہد پر اسباب و علل کی روشنی میں غور کریں تو یقیناً آپ اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اگر علماء نے عیسائیت کے طوفان کو نہ روکا ہوتا تو ہندوستان دوسرا اندلس بن کر رہ جاتا اور اس کی غلامی کی مدت اتنی طویل ہو جاتی کہ لغت میں آزادی کا لفظ ایک بے معنی لفظ بن کر رہ جاتا لیکن علماء نے اس بنیاد ہی کو ڈھا دیا جس پر وہ اپنی دائمی شہنشاہیت کا تاج محل تعمیر کرنا چاہتے

تھے، علماء کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ اسکو کبھی فراموش نہیں کر سکتی، یہ علماء کی سیاسی زندگی کا ایک روشن باب اور ان کی سیاسی بصیرت کا بے مثال شاہکار ہے۔

انگریزی حکومت کے حریف صرف مسلمان

ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے صرف مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھا، اسکی شہادت میں تاریخ کے پاس بہت سا ذخیرہ ہے ۱۸۵۷ء کی عام شورش کے بعد جب دہلی خالی کرائی گئی تھی تو کچھ ہی دنوں بعد غیر مسلم آبادی کو دوبارہ شہر میں آباد ہونے کی اجازت دیدی گئی لیکن مسلمانوں کو ایک عرصہ تک خانہ بدوش کی زندگی گذارنی پڑی اور ان کو دہلی شہر کا منھ بھی دیکھنے کی اجازت نہیں دیگئی، اسی طرح سرکاری ملازمتوں میں برادرانِ وطن کو ابتدا ہی سے لیا جانے لگا تھا لیکن ۱۸۷۱ء تک بذریعہ حکم ہر طرح کی سرکاری ملازمت کا دروازہ مسلمانوں پر بند رکھا گیا۔[1]

سر چارلس گرافٹ ڈائرکٹر اسیٹ انڈیا کمپنی نے اپنی رپورٹ ۱۷۹۲ء میں اپنے تجربات کی روشنی میں ایک فیصلہ کن بات لکھی کہ "ہندو اتنے کمزور دل ہیں کہ ان میں سیاسی آزادی حاصل کرنے کی اہلیت پیدا ہونے کی ہرگز امید نہیں"، یعنی ہندو ہر طرح انگریزی حکومت کے لئے قابل اعتماد ہیں کیونکہ ان سے کوئی خطرہ نہیں اس کے برعکس مسلمانوں کے متعلق مسٹر ہیرنگٹن ٹامسن نے اپنے کتابچہ "دی ریولیشن ان انڈیا" اور "فیوچر پالیسی" میں لکھا تھا کہ "میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے اصلی محرک ہندو نہ تھے، یہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا، یہ قوم خلیفہ اول کے وقت سے موجودہ زمانہ تک یکسانیت کے ساتھ مغرور غیر روادار، اور ظالم رہی ہے، ہمیشہ ان کا مقصد یہ رہا ہے کہ جس ذریعہ سے بھی ہو اسلامی حکومت قائم ہو اور عیسائیوں کے ساتھ نفرت کے خیالات کی نشو و نما ہو، مسلمان کبھی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے اسلئے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں ہے"

---

[1] مسلمانوں کے افلاس کا علاج شائع کردہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس ۱۹۲۴ء ص ۷۔

اس لئے انگریزوں کو اگر خطرہ تھا تو وہ صرف مسلمانوں سے تھا، ان کو کد اور دشمنی تھی تو صرف مسلمانوں سے، اور خود مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ ان کے اُمراء اور رؤسا کو تباہ و برباد کیا جا چکا تھا، اب وہ اس لائق ہی نہیں رہ گئے تھے کہ وہ قوم و ملت کے کسی کام آسکیں اب ملک میں صرف ایک ہی طبقہ ایسا بچ گیا تھا جو اپنی تعلیم، تدبر و فراست کی بنیاد پر انگریزی حکومت کے مذموم ارادوں کو سمجھتا تھا اور وہ طبقہ علماء کا تھا اور وہی سب سے پہلے انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کے میدان میں آیا۔

علماء حکومت کی بلیک لسٹ میں

لال قلعہ کے تخت پر بیٹھتے ہی انگریزوں کو ایک بار موت و زیست کے سمندر سے بڑی مشکلوں سے نکلنا نصیب ہوا تھا، وہ ہر طرف خطروں کی بُو سونگھ رہے تھے، جس جاگیردار اور علاقہ دار پر شک ہوا اسکی طاقت کو نیست و نابود کر دینے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر گوارا نہیں کی، لیکن ملک میں ایک طبقہ ایسا تھا جس کے پاس نہ ریاست تھی اور نہ جاگیر، نہ اس کا کوئی علاقہ تھا اور نہ فوج، لیکن اسکی طاقت کسی رئیس کسی جاگیردار کی طاقت سے کہیں زیادہ تھی، وہ علماء کا طبقہ تھا، انہوں نے تجربہ کر لیا تھا کہ انگریزی حکومت کے ایک عظیم پروگرام کو جسکی پشت پر انگلینڈ سے لیکر ہندوستان تک کی پوری فوج تھی کتنی آسانی سے ناکام بنا دیا تھا، لیکن ان کا مٹانا آسان نہیں تھا، مگر ان سے چشم پوشی بھی ممکن نہیں تھی، اس لئے انکا نام بلیک لسٹ میں لکھ لیا گیا اور جب بھی موقعہ آیا، کہیں کبھی کسی سازش اور بغاوت کی بُو محسوس ہوئی انگریزوں نے ان کی گرفتاری کیلئے جال پھیلا دیا اور عدالت کے کٹھرے میں لاکر کھڑا کر دیا، ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک سازش و بغاوت کے پانچ بڑے مقدمات علماء پر چلائے گئے جو تاریخ میں "مقدمہ وہابیان"، یا انبالہ سازش کیس کے نام سے مشہور ہیں، بغاوت کے ان مقدموں میں علماء اور رؤساء تھے جو ملک میں کئی حیثیتوں سے ممتاز تھے، ان تمام مقدمات میں بلا استثناء سب کو پھانسی کا حکم سنایا گیا لیکن اندرون ملک خلفشار اور بغاوت کے اندیشہ سے اسکو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا اور مجبوراً سب کو کالے پانی بھیج دیا گیا، اس غیر آباد اور مسموم

جزیرے میں سب سے بڑی آبادی انہیں علماء کی تھی جنہوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جہادِ آزادی جاری کر رکھا تھا، وطن سے ہزاروں میل دور اس دہشتناک جزیرے میں ابدی نیند سونے والوں میں علماء صادقپور کی بڑی تعداد کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں کے علماء کلکتہ کے مسلمان رؤسا اور اُمراء، پنجاب کے اہل علم اور کاروباری لوگ شامل ہیں[1]۔

مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند

زمامِ حکومت ہاتھ سے نکل گئی، جائداد اور جاگیریں تباہ و برباد کر دی گئیں صنعت و حرفت تہس نہس کر دی گئی، عزت و آبرو داؤ پر لگ گئی، سکون کی زندگی خواب پریشاں بن گئی، وہ کون سی قیامت ہے جو علماء کے سروں سے نہیں گذری، انگریزوں کا خواب "ایک ملک ایک مذہب ایک حکومت" جب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا تو انہوں نے تعلیم کی راہ سے ہندوستانی عوام میں ایک ایسی نسل پیدا کرنے کی جد و جہد شروع کر دی جو رنگ و خون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو لیکن مذاق، رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز[2] ہو اس کے لئے حکومت کے خرچ پر اسکولوں اور کالجوں کا جال پھیلایا، برادرانِ وطن نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس لئے کہ حکومت کی اُن پر نظرِ عنایت تھی ان کے لئے ملازمتوں کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور انہوں نے خود اپنے طرزِ عمل سے انگریزی حکومت سے اپنی مکمل وفاداری کا ثبوت فراہم کر دیا تھا اور خود انگریزوں کو برملا اس کا اعتراف تھا، اس لئے حکومت کا فیضانِ کرم ان کے لئے عام تھا، ان کے نزدیک قومی تہذیب یا مذہب کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، اس لئے بلغیر تذبذب کے اول روز سے انہوں نے ان اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی اور ہائی اسکول تک پہونچتے پہونچتے عروس ملازمت کا حسین و ملیح چہرہ نظر آنے لگتا تھا، چھوٹی ملازمتوں کیلئے انگریزوں کو ہندستانیوں کی ضرورت تھی ہندو طلبہ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے میدان میں آ گئے اور وہ معاش

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے "سرگذشت مجاہدین" مؤلفہ غلام رسول مہر اور تواریخ عجیب عرف کالا پانی مؤلفہ مولانا جعفر احمد تھانیسری۔ [2] تاریخ از میجر باسو ص ۷۸ بحوالہ روشن مستقبل ص ۱۲۷۔

کی طرف سے مطمئن ہو گئے، اس کے برعکس مسلمانوں پر ملازمتوں کا دروازہ قطعی طور پر بند تھا، پھر نظام تعلیم، طریقۂ تعلیم اور نصاب تعلیم کی طرف سے دلوں میں شکوک تھے اور شکوک بھی بلا وجہ نہیں تھے پھر بھی کچھ مسلمانوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور انہوں نے بھی برادرانِ وطن کی طرح ملازمت کا دروازہ کھٹکھٹایا تو معلوم ہوا کہ افسران بالا کے حکم سے مسلمانوں کیلئے بند کیا جا چکا ہے[1]۔ اگر انگریزوں نے بڑا کرم کیا اور چشم پوشی سے کام لیا تو کسی دفتر میں چپراسی یا چٹھی رساں یا چوکیداری کی ذلت آمیز نوکری دیدی، یہ انتقام تھا اس شورش کا جو بارہ تیرہ برس پہلے دہلی میں ہوئی تھی جسے غدر ۱۸۵۷ء کا مکروہ نام دیا گیا ہے، انگریزی حکومت کے سارے دفاتر میں ہندو عملہ بھرا ہوا تھا، کسی مسلمان کیلئے اُن دفتروں میں کوئی گنجائش نہیں تھی اس لئے جن مسلمانوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی وہ بھی بددل ہو گئے اور انہوں نے بعد میں اپنے بچوں کو اسکولوں میں جانے سے روک دیا کیونکہ انگریزی کا مقصد صرف ملازمت تھا اور جب ملازمت کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا تو اس تعلیم سے کیا حاصل ؟

انگریزی تعلیم یا یورپین تہذیب

انگریزوں نے قدیم نظام تعلیم کو کچھ دنوں بدرجہ مجبوری جاری رکھا لیکن جب انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب دفتروں کی زبان اب فارسی نہیں ہو گی تو مجبوراً ان کو ہندوستانیوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا پڑا کہ چھوٹے کاموں کیلئے آدمی مہیا ہو سکیں، لیکن تعلیم میں بھی وہی ڈپلومیسی کار فرما رہی، انہوں نے طے کیا کہ نصاب تعلیم ایسا مرتب کیا جائے کہ اسکول میں پڑھنے والے بچے اپنے مذہب سے منحرف ہو جائیں یا کم از کم اپنے مذہب سے ان کی وابستگی کمزور اور مضمحل ہو جائے، ان اسکولوں اور کالجوں سے ایسے افراد نکلیں جو انگریزی حکومت کے مکمل وفادار ہوں اور برطانوی حکومت کو رحمت سمجھ کر اس کے استحکام میں خلوص سے کام کر سکیں چونکہ برادرانِ وطن اس معیار پر پورے اُترے اسلئے حکومت سے وہ ساری مراعات کے مستحق قرار دیئے گئے۔

---

[1] "ہمارے ہندوستانی مسلمان"، از سر ولیم ہنٹر ص ۱۵۸ -

انگریزی تعلیم حاصل کر کے ان مدارس سے نکلے ہوئے طلبہ نے ملک، قوم اور مذہب کے سلسلہ میں جو رول ادا کیا اس سے علماء کے دلوں میں کھٹک پیدا ہوئی اس لئے انہوں نے انگریزی تعلیم کی تو مخالفت نہیں کی لیکن اس تعلیم کا جو نتیجہ مشاہدہ اور تجربہ میں آرہا تھا اس کو انہوں نے بڑی تشویش کی نگاہوں سے دیکھا، پھر انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزی تربیت کے پرجوش حمایتیوں نے جب کھلم کھلا اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنا شروع کردیا، قرآن وحدیث کی صریح تعلیمات کی تاویل اور تحریف کرنے لگے انگریزی تعلیم کی حمایت کا مطلب انگریزی حکومت کی وفاداری اور یورپین تہذیب کی فوقیت وبرتری کی تبلیغ تھی اور اُسے ثابت کرنے کیلئے اسلامی تعلیمات کو مورد طعن اور ہدف تنقید بنانا شروع کیا تو اسکی مخالفت ضروری کی اور پھر پوری مخالفت کی، کیونکہ اس سے ایک طرف ذہنی وفکری ارتداد بڑھتا جارہا تھا اور دوسری طرف انگریزی حکومت جو اپنے ذہن ومزاج کے لحاظ سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمن تھی اسکی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا کام انھیں اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ افراد سے لیا جارہا تھا اور یہ دونوں باتیں ایک غیرت مند اور باحمیت قوم کے ذہین اور حساس افراد کیلئے ناقابل برداشت تھیں اور انہیں دونوں پہلوؤں پر انگریزی تعلیم کے سب سے پرجوش داعی اور منادسرسید کا سب سے زیادہ زور تھا، آپ سرسید کے مضامین ان کے رسالہ تہذیب الاخلاق میں آج بھی دیکھ سکتے ہیں جن میں حکومت کی وفاداری یورپین تہذیب کی برتری پر ان کے اتنے "مواعظ حسنہ" موجود ہیں کہ ان میں سے کسی ایک تحریر یا تقریر کی نشاندہی کی ضرورت نہیں، شاید ان کے اسی مخلصانہ رویہ ہی کے نتیجہ میں وہ برطانوی حکومت جو مسلمان قوم کی اتنی بڑی دشمن کہ اپنی حکومت میں چھوٹی سے چھوٹی ملازمت دینا بھی پسند نہیں کرتی تھی اسی دشمن اور معتوب قوم کے ایک معمولی ڈپٹی کلکٹر کو اتنا طویل وعریض خطاب مرحمت کرائے کیا یہ حیرتناک بات نہیں ہے؟

سرسید انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزی تربیت بھی ضروری سمجھتے تھے اور اس کی وہ باقاعدہ تبلیغ کرتے تھے، اس کو حدیث وقرآن سے ثابت کرتے تھے، جہاں جہاں قرآن وحدیث کی تصریحات اسکے خلاف ملتی تھیں تو اس سے انکار کرتے تھے اور اجماع امت

سے جو حقائق متفق علیہ ہیں انکی تاویل کرتے تھے، اس طرح سیکڑوں اہم حقائق جو اسلامی روایتوں سے ثابت ہیں ان کا انکار کرتے تھے احادیث کا غلط محمل متعین کرتے تھے اور بیشتر کو حدیثِ رسول ماننے سے انکار کر دیتے، علماء سب کچھ برداشت کر سکتے تھے لیکن اسلام میں ترمیم و تحریف وہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے، علماء نے سرسید کے ان خیالات و نظریات کی مخالفت کی اور زبردست مخالفت کی اور ان کی تاویلات و تحریفات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے، رہی انگریزی تعلیم یا دنیا کی کسی زبان کی تعلیم یا جدید و قدیم علوم و فنون کی تحصیل تو اس کی علماء نے نہ پہلے مخالفت کی اور نہ بعد میں۔

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا سبب

قدیم نظام تعلیم معاش کا رشتہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے شکست و ریخت کا شکار ہو گیا، جب سرکاری زبان فارسی تھی، حکومت کا سارا کاروبار فارسی میں ہوتا تھا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد حکومت اور اس کے بعد بھی کچھ دنوں تک انگریزوں نے فارسی زبان کو جاری رکھا اس لئے قدیم نظام تعلیم کے مدرسوں ہی سے سرکاری دفاتر میں لوگ لئے جاتے تھے، اس لئے مسلمان تعلیم یافتہ بھی تھے اور ان کی خاصی تعداد سرکاری ملازمتوں میں موجود تھی۔

لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان قوم معتوب ہوئی تو جلد ہی فارسی کو بھی دیس نکالا دیدیا گیا اب قدیم مدارس بنجر ہو گئے، اب سرکاری ملازمتوں کیلئے انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے سرٹیفکٹ کی ضرورت تھی، مسلمانوں کو اسکولوں کے ماحول، نصاب تعلیم کی وجہ سے تذبذب تھا اس لئے قدرے تاخیر سے انہوں نے ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کیا اور جب مسلمان بچے تعلیم سے آراستہ ہو کر نکلے تو معلوم ہوا کہ حکومت نے ان پر ملازمتوں کا دروازہ ہی بند کر دیا اس لئے انگریزی تعلیم کی طرف سے اور بھی بددلی پیدا ہو گئی کیونکہ اس تعلیم کا واحد مقصد حصول ملازمت تھا اور جب مقصد ہی فوت ہو گیا تو اس تعلیم میں ان کے لئے کوئی وجہ کشش ہی نہیں رہ گئی اور وہ حالات میں تبدیلی کا انتظار کرنے لگے ملازمت کا یہ دروازہ تقریباً ۱۸۷۱ء تک بند ہی رہا کیونکہ

۱۴ جولائی ۱۸۶۹ء کے ایک اخبار کا حوالہ دیتے ہوئے ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "اس خبر کی کوئی تردید نہیں کی گئی کہ سندربن کے کمشنر نے گورنمنٹ گزٹ میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو ملازمتیں خالی ہوئی ہیں ان پر سوائے ہندوؤں کے کسی کا تقرر نہ کیا جائے" اور جب بادلِ ناخواستہ یہ دروازہ مسلمانوں کیلئے کھولا گیا اس وقت تک برادران وطن کی ایک سے زائد نسلیں تعلیم یافتہ ہو چکی تھیں اور ان کا قافلہ مسلمانوں سے کہیں آگے جا چکا تھا۔

مایوسیوں کا ہولناک اندھیرا

۱۸۵۷ء کے بعد چوتھائی صدی سے بھی کچھ زائد عرصہ تک پورا ہندوستان سہمی ہوئی دہشت زدہ زندگی گذار رہا تھا، خوف و دہشت، مظلومیت و بیچارگی، مایوسی و نامرادی، یاس و قنوطیت کا اتنا گہرا اور دبیز اندھیرا تھا کہ اُمید کی کوئی کرن کہیں نظر نہیں آتی تھی، ہر شخص اپنی جگہ ڈرا اور سہما ہوا تھا، جیسے مظلومیت و بیچارگی ان کا مقدر بنا دی گئی ہے، کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارے سروں پر سات سمندر پار کی جو قوم مسلط ہوگئی ہے اس سے نجات کی بھی کوئی صورت ہے، غلامی کی ذلت کو اپنا مقدر سمجھکر ہر شخص خاموش تھا، خود غرض اور ضمیر فروش افراد نے تملق و خوشامد اور چاپلوسی کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور خود ہندوستانی اقوام انگریزی حکومت کی دست و بازو بنتی جا رہی تھیں کیونکہ روزی روٹی کا مسئلہ حکومت کے چشم و ابرو کے اشارے سے وابستہ تھا، اب یہ تصور بھی مٹتا جا رہا تھا کہ آزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور اس حق کو حاصل کرنا اور اس کیلئے جدوجہد کرنا قومی و ملی فریضہ ہے، مظلومیت و بیچارگی کی اس مہیب تاریکی میں اگر کبھی کوئی کرن چمک اٹھتی ہے تو وہ صرف انہیں علماء کی جدوجہد کی تھی جو ابتداء ہی میں برطانوی استبداد سے ٹکرا گئے تھے، سرحد پار مجاہدین کی جماعت مصروفِ عمل تھی اور ہندوستان کے مسلمان ان مجاہدین کی آدمی اور مال سے مدد کرتے تھے اور علماء کا ایک مخصوص طبقہ اس جہاد آزادی کو ہر ممکن امداد کے ذریعہ جاری رکھے ہوئے تھا، بسا اوقات یہ راز فاش ہو جاتا تھا اور وہ گرفتار ہو جاتے تھے تو حکومت ان کو کڑی سے کڑی سزائیں دیکر اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیا کرتی تھی، زیادہ افراد کو کالے پانی بھیجدیا گیا

لیکن جو جگہ خالی ہو جاتی تھی دوسرے علماء اس جگہ کو پُر کرنے کیلئے فوراً آگے بڑھ جاتے تھے[1]

اس جد وجہد کے علاوہ ملک کے کسی گوشے میں انگریزی اقتدار کے خلاف سرگوشیوں کا بھی پتہ نہیں چلتا تھا ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا ظاہر ہے کہ جس تنظیم کا بانی انگریز ہو اور وہ بھی وائسرائے ہند کے مشورے سے قائم ہو اور اس کے جلسہ کی صدارت کیلئے حکومت سے سفارش کی جائے کہ کوئی گورنر کرے، ایسی تنظیم قومی و سیاسی تنظیم کیونکر ہو سکتی تھی، لیکن پھر بھی اس گہرے سناٹے میں یہ دھیمی آواز بھی سنائی دی تو غنیمت ہی تھی کیونکہ قدرت نے اسی بے زبان جماعت کو بعد میں وہ قوت گویائی دی کہ اسکی گونج سے برطانوی شہنشاہیت کا تاج محل لرزہ براندام ہو گیا، مگر بہت جلد ہی اس تنظیم کے قیام پر اس کے محرک اور بانی کو حکومت کا مورد عتاب ہونا پڑا اور حکومت کی جبینِ اقتدار پر جو شکنیں پڑ گئی تھیں اسے علیگڈھ کالج کے پرنسپل مسٹر بیک اور سر سید احمد خاں نے اس تنظیم کی بیخ کنی کی ہنگامہ خیز جد وجہد کا آغاز کرکے دور کیا[2]۔

علماء اپنی بے سروسامانی، بے بسی اور حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے انگریزی حکومت کے خلاف اپنی تیز تر سرگرمیوں کو جاری نہ رکھ سکے لیکن ان کی فکرِ فلک پیمانے آزادی کے جذبہ کو زندہ و پائندہ رکھنے اور اس جنگ کو زیادہ عرصہ جاری رہنے والے مسئلہ کی حیثیت سے دیکھا اس لئے انہوں نے وقت کا اسے اہم فریضہ تصور کیا کہ قومی و ملی غیرت و حمیت کی چنگاری سینوں میں بجھنے نہ پائے اپنی قومی و ملی خصوصیات و امتیازات اپنی مذہبی تعلیمات و روایات اگر باقی رہ جاتی ہیں تو پھر یہ جنگ آج نہیں تو کل کھلے میدان میں لڑی جا سکتی ہے، اسی نقطۂ نگاہ سے انہوں نے آزاد مذہبی مدارس کی بنیاد ڈالی، دیوبند، سہارنپور، مراد آباد، مظفر نگر وغیرہ کے مدارس اسی نقطۂ نگاہ سے قائم کئے گئے، یہ مدارس اگر ایک طرف اسلامی تعلیمات و روایات کو زندہ و پائندہ رکھنے کا ایک اہم ذریعہ تھے تو وہیں یہ مدارس ایسے افراد و اشخاص اور رجال کار

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے "سرگذشت مجاہدین" (تین ضخیم جلدوں میں) مؤلفہ مولانا غلام رسول مہر [2] تفصیل کیلئے دیکھئے "مسلمانوں کا روشن مستقبل" از طفیل احمد منگلوری۔

پیدا کرتے رہے جو اپنے اسلاف کے دلوں کی حرارت کے وارث و امین ثابت ہوئے، یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ اسی دار العلوم کے ایک بوریہ نشین عالم نے انگریزی حکومت سے ایک آخری ٹکر لینے کیلئے راہِ عمل ہموار کی اور اس کے شاگردوں نے اپنے استاذ کے نقش قدم پر چل کر ثابت کر دیا کہ یہ ادارے مجاہدین آزادی کی تربیت کے لئے ایک بہترین تربیت گاہ ہیں۔

تحریک شیخ الہند

اب ہم بیسویں صدی میں آ گئے ہیں، انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس ہو رہے ہیں سنہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ بھی وجود میں آ چکی ہے، سیاسی بیداری بڑھتی جا رہی ہے لیکن ابھی کوئی تنظیم اتنی جری ثابت نہیں ہوئی کہ آزادی کا لفظ بھی اپنی زبان پر لانے کی ہمت کر سکے ابھی آزادی کے لفظ کو زبان تک آنے کیلئے برسوں کا انتظار کرنا تھا، سلطنت برطانیہ کے ظلِ عاطفت میں زندگی بسر کرنے پر اظہار فخر کرتے ہوئے اور اس کے ثبات و دوام کی دعا کرتے ہوئے مؤدبانہ الفاظ میں بعض مراعات اور کچھ معاشرتی و سماجی سہولتوں اور رعایتوں کی درخواست کی جا سکتی تھی، حقوق و مطالبات جیسے گرانبار الفاظ کا تحمل بھی زود رنج حکومت کے لئے دشوار تھا، اور نہ ان الفاظ کو زبان پر لانے کی کسی میں جرأت و ہمت ہی تھی کیوں کہ ان دونوں جماعتوں پر ان لوگوں کا قبضہ تھا جو برطانوی حکومت کے وفاداران ازلی میں سے تھے، البتہ کہیں کہیں بعض جوشیلے نوجوانوں نے انگریز افسروں کو قتل کر دیا، بمبئی میں دو انگریز مارے گئے، بہار میں ایک انگریز افسر پر بم پھینکا گیا، مدراس میں ایک انگریز مجسٹریٹ تناولی کو ریلوے اسٹیشن پر گولی ماری گئی، اس طرح کہیں کہیں ہندوستانی نوجوان اپنے غصہ کا اظہار کرتے رہے لیکن یہ انفرادی واقعات تھے اس کے پیچھے کوئی منظم تحریک یا تنظیم نہیں تھی، البتہ یہ واقعات اس بات کی غمازی ضرور کرتے تھے کہ ہندوستانیوں میں اپنی غلامی کا احساس پیدا ہو گیا ہے اور انگریزی حکومت سے نفرت پیدا ہو چلی ہے سنہ ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کے وقت سیاسی بیداری کچھ اور بڑھی اور ہندوستانیوں کی ناراضگی کا حکومت

کو بھی احساس ہونے لگا۔

غلامی کی ذلت آمیز زندگی ایک ٹیس بن کر گوشہ نشین علماء کے سینوں میں ان کے زخموں کو کریدتی رہتی تھی، وہ اپنی خلوت اور گوشہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے اس ذلیل غلامانہ زندگی سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے، اس دور میں جماعت علماء کے سرخیل اور قافلہ سالار شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کی ذات گرامی تھی، قوم ملت کا درد اور سوز وگداز اسلاف کے سینوں سے منتقل ہوتا ہوا اب اس کمزور جسم اور پھٹے پرانے لباس والے ایک مدرسہ کے شیخ الحدیث کے سینہ میں جذب ہو کر رہ گیا تھا اور یہ زخم ناسور بنتا جا رہا تھا، شیخ الہند کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تھی اس میں بڑی صلاحیتوں کے لوگ تھے یہ شاگرد اپنے استاذ اور شیخ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کر کے ان کے چشم وابرو کے اشاروں پر جان دینے والے تھے، شیخ الہند نے جب یہ محسوس کر لیا کہ جو پلان صفحۂ دماغ پر مرتسم ہے اسے عملی میدان میں لے آنیکا وقت آگیا ہے تو انہوں نے بلا تاخیر اس پر عمل شروع کر دیا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سرحدی علاقوں میں سید احمد رائے بریلوی مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمہم اللہ کے زمانہ سے علماء کی ایک جماعت مجاہدین کو لے کر مصروفِ جہاد تھی، شیخ الہند نے انگریزوں کے خلاف محاذ جنگ قائم کرنے کیلئے انہیں سرحدی علاقوں کو مرکز قرار دیا، مجاہدین کی از سر نو تنظیم اور قبائلی علاقوں میں جوش جہاد پیدا کرنے کے لئے اپنے شاگردوں کے ذہین اور پرجوش افراد کو ان علاقوں میں بھیج دیا، مولانا محمد میاں منصور انصاری مولانا عبید اللہ سندھی مولانا سیف الرحمٰن وغیرہ نے حاجی ترنگ زئی اور دوسرے سرحدی مجاہدین کے تعاون سے اپنا کام شروع کر دیا۔

نقشۂ جنگ اس طرح مرتب کیا گیا کہ کابل کو ہیڈ کوارٹر بنایا جائے، کابل سے پنجاب تک پورے علاقے میں بہادر پٹھانوں کی آبادی ہے ان میں جوش جہاد پیدا کر کے ان کو اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا جائے اور ان کو ہر طرح مسلح کر دیا جائے، مولانا عبید اللہ سندھی حکومت افغانستان کو مجاہدین آزادی کی فوجی مدد پر آمادہ کریں، شیخ الہند ترکی حکومت

اور افغانستان کی فوجی مدد سے کر اس سرحدی علاقے سے ہندوستان میں داخل ہوں جس دن باہر سے آنے والی فوج ہندوستان میں داخل ہو ٹھیک اسی تاریخ میں پورے سرحدی علاقے پنجاب اور اتر پردیش کے مغربی اضلاع میں مسلح بغاوت کر دی جائے اور انگریزی حکومت کے نظام کو معطل کر دیا جائے، اس مقصد کیلئے پورے ہندوستان سے دو سو سے زائد علماء اور بااثر شخصیتوں کی فہرست مرتب کر لی گئی اور ان کے عہدوں اور ذمہ داریوں کی فہرست خفیہ طور پر شائع کر دی گئی کہ یہ حضرات اسی تاریخ میں اپنے اپنے علاقے میں بغاوت کر کے حکومت کو مفلوج بنا دیں۔

یہ منصوبہ کتنا مکمل اور جامع تھا؟ اسکی تائید اس ریکارڈ سے ہوتی ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے شیخ الہند اور مولانا عبیداللہ سندھی وغیرہ پر سازش و بغاوت کا ایک مقدمہ چلایا گیا جسکی مکمل مسل موجود ہے یہ مقدمہ "از ملک معظم شہنشاہ ہند بنام عبیداللہ وغیرہ" کے نام سے ہے اسی استغاثہ کا پہلا پیراگراف ہے۔

"مندرجہ ذیل اشخاص نے یکم جنوری ۱۹۱۳ء اور یکم جنوری ۱۹۱۷ء کے درمیان برطانوی ہند کے اندر اور باہر سازش کی ہے، ملک معظم شہنشاہ کی افواج کے خلاف جنگ کرنے جنگ کیلئے کوشش کرنیکی اور جنگ میں مدد دینے کی کوشش کرنے کی یا اس بات کی کوشش کی ہے کہ ملک معظم شہنشاہ کو برطانوی ہند کے اقتدار اعلیٰ سے محروم کر دیں"

اس کے بعد مدعا علیہم کے ۶۱ نام دیئے گئے ہیں اس فہرست میں پشاور، لائلپور، لاہور، سکھر، حیدرآباد سندھ، دہلی، ٹانڈہ ضلع فیض آباد، کلکتہ، گوجرانوالہ، انبیٹھہ ضلع سہارنپور ملتان، علیگڈھ، صوبہ سرحد، بھوپال، وزیرآباد، چارسدہ، کاکوری (یوپی) مظفرنگر، مدینہ منورہ کراچی، لدھیانہ، جالندھر، ریاست مرسالہ، دیوبند، قصور، مرادآباد، فتح پور، بجنور، سیالکوٹ، بنارس، رڑکی وغیرہ وغیرہ کے مجاہدین آزادی کے نام ہیں، اس کے بعد ۲۲۲ مجاہدین آزادی کی فہرست ہے۔ جو اس سازش و بغاوت میں کسی نہ کسی حیثیت سے شریک قرار دیئے گئے ہیں اس فہرست میں ہندوستان کے مایۂ ناز علماء، زعماء، قومی رہنما شامل ہیں، پولیس نے ان سب کو

اس سازش میں شریک قرار دیا ہے اور ان کا پورا تعارف کر دیا گیا ہے اور ان کی سرگرمیوں سے حکومت کو مطلع کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ الہند کی یہ تحریک کتنی ہمہ گیر اور کتنے وسیع پیمانے پر تھی۔

سارا پروگرام مرتب ہو چکا تھا، ہر محاذ پر سرگرمیاں تیز تر ہو چکی تھیں، شیخ الہند مدینہ پہونچ کر ترکی حکومت کے وزیر جنگ سے ملاقات کر کے اسکا فرمان حاصل کر چکے تھے فرمان کی کاپی ہندوستان آگئی کہ اسے چھپوا کر پورے ہندوستان بالخصوص سرحدی علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے، لیکن قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور تھا، ابھی ہندوستان کے مقدر میں ۳۲ برس کی غلامی مزید لکھی ہوئی تھی اسلئے ایک مار آستین نے شیخ الہند اور ان کے رفقاء کار کو ڈس لیا، آپ اور آپکے رفقاء شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل اور حکیم نصرت حسین کو مکہ مکرمہ میں گرفتار کر کے مالٹا کے قید خانے میں بھیجدیا گیا ؏ وہ چمن ہی لٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی، طاقت اور تشدد کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے کا یہ آخری پروگرام تھا جو علماء کرام کی جد و جہد پر ختم ہوا[1]

آزادی ، عدم تشدد کی راہ سے

بیسویں صدی کی دوسری دہائی ہندوستان میں تیز تر سیاسی سرگرمیوں کی لہرے کر آئی تشدد کے اکّا دکّا واقعات اس کی غمازی کرتے تھے، بمبئی، مدراس اور بہار میں انگریزوں پر قاتلانہ حملہ ہوا اور کچھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، یہ پرجوش نوجوانوں کی منچلی طبیعتوں کا نتیجہ تھا، اس کے پیچھے کوئی سیاسی تنظیم یا منصوبہ بند پروگرام نہیں تھا، قتل کے یہ واقعات در حقیقت انگریزی حکومت سے ہندوستان کی نفرت کا اظہار تھا اور بس۔

۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کی مخالفت میں جو سرگرمی دیکھنے میں آئی اس سے یہ اندازہ ہوا کہ سیاسی بیداری میں بنگال سب سے آگے ہے اس مسئلہ نے پورے بنگال کو جھنجھوڑ کر رکھدیا، دوسرے صوبوں میں بھی کہیں کہیں اپنی غلامانہ زندگی سے بیزاری کا اظہار کیا گیا، اسی دوران جنگ عظیم چھڑ گئی، اس جنگ میں حکومت نے ہندوستان سے لاکھوں سپاہی بھرتی کر کے محاذ جنگ

[1] تفصیل کیلئے دیکھیے "تحریک شیخ الہند" اردو ترجمہ ریکارڈ انڈیا آفس لندن استغاثہ از ملک معظم شہنشاہ ہند بنام علیہ اللہ وغیرہ شائع کردہ الجمعیۃ بکڈپو دہلی۔

کر بھیجے، اربوں روپیہ دار فنڈ میں لیا گیا اور اس کے بدلے انکو حکومت خود اختیاری کا لالچ دیا گیا لیکن انگریزوں کو جوں ہی جنگ سے نجات ملی انہوں نے حکومت خود اختیاری کے بجائے انڈیا رولٹ بل نافذ کر دیا جس میں حکام کو اندھا دھند اختیارات دیدیئے گئے، انکم ٹیکس اور مالگذاری کی شرحیں کئی گنا بڑھا دی گئیں مزید ستم یہ کہ جبری وصولی کا حکام کو اختیار دیدیا گیا اور انگریز بھوکے بھیڑیئے کی طرح ہندوستان پر ٹوٹ پڑے جلسے جلوس پر پابندی عائد کر دی گئی۔

۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو رولٹ بل نافذ ہوا چونکہ یہ بل انتہائی ظالمانہ تھا اس لئے اس کے خلاف پورے ملک میں احتجاج کیا گیا اسکی مخالفت کیلئے ستیہ گرہ کا پروگرام بنایا گیا اور اس پر عمل شروع کر دیا گیا، حکومت نے اس صورت حال سے نمٹنے کیلئے جو طریقہ کار اختیار کیا اسکا ایک مظاہرہ امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ہوا، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو حکومت نے گرفتار کرلیا، اس گرفتاری پر احتجاج کرنے کیلئے ایک جلسہ بلایا گیا اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی گئی جلیانوالہ باغ میں یہ جلسہ ہوا عوام کی بہت بڑی بھیڑ اس جلسہ گاہ میں جمع ہوئی جنرل ڈائر نے اس جلسہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر پورے مجمع پر مشین گنوں سے گولیوں کی بوچھار کر دی اور ڈیڑھ ہزار آدمیوں نے خاک وخون میں لوٹ لوٹ کر جان دیدی، اس واقعہ نے پورے ملک میں آگ لگا دی، ہر جگہ بے چینیوں کا اظہار کیا جانے لگا لیکن اب انگریزوں کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی، اور تشدد کے ذریعہ انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے والا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کا قیام

شیخ الہند کی تحریک جسے تاریخ میں ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہندوستان میں تشدد اور طاقت کے ذریعہ انقلاب برپا کرنے کی آخری تحریک تھی، اس وقت تک اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ جنگ دریافت نہیں ہوا تھا، جب شیخ الہند اپنی طویل اسارت کے بعد مالٹا سے ہندوستان آئے اس وقت ملک میں سیاسی بیداری کی ایک تیز لہر چل پڑی تھی اور ہندوستان ایک نئی کروٹ لے رہا تھا، جلیانوالہ باغ میں نہتے عوام نے سینوں پر گولیاں کھاکر اور خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر جان دیدی تو ہندوستانی عوام نے محسوس کیا کہ اس شکست میں بھی فتح کا ایک پہلو ہے، اس ناکامی میں بھی کامیابی کا ایک رُخ ہے، ظلم وجبر کے تیر سینوں پر کھانا اور زبان سے اُف نہ کرنا، تلوار چلانے والوں کے ہاتھ تھک جائیں مگر کٹنے والی گردنوں کا تسلسل نہ ٹوٹے، ہتھکڑیاں پہنانے والوں کی ہتھکڑیاں ختم ہوجائیں لیکن ہتھکڑی پہننے والی کلائیوں کا تانتا لگا رہے یہ بھی دشمنوں سے جنگ کا ایک طریقہ ہے۔

سامراج کے ہاتھوں میں زہر میں بجھے ہوئے تیر ہوں مگر مظلوم عوام کے پاس کھلے ہوئے سینوں کے سوا اور کچھ نہ ہو، اسکا ہر زخم ہماری مظلومیت وبیچارگی کی انمٹ علامت بن کر رہ جائے ہمارے درد وکرب کی چیخ فضائے آسمانی میں زلزلہ پیدا کردے، آسمان تھرا اُٹھے، زمین کانپ جائے، مشرق سے طلوع ہونے والے سورج کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوجائے، آسمان کے ستاروں کی نگاہوں سے چنگاریاں برسنے لگیں اور وطن عزیز کا ذرہ ذرہ اپنی بے بسی پر چیخ پڑے لیکن دشمن کو ہمارے ہاتھوں کوئی معمولی خراش بھی نہ پہونچے لڑائی اس طرح بھی جیتی جاسکتی ہے۔

انسانیت جب درد و کرب سے کراہیگی تو پہاڑوں کے جگر شق ہو سکتے ہیں، شرافت جب دم توڑنے لگے گی تو آسمان سے آگ اور خون کی بارش یقینی ہے، بے قصور اور بے گناہ انسانوں کے ہاتھوں میں ڈالے جانے والی ہتھکڑیاں ظلم وجبر کی گردنوں کا پھندا بن جائیگی، ہمارا یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا، شکست کی کوکھ سے فتح جنم لیگی، ناکامیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکی سے کامیابی کا سورج طلوع ہوگا، اب اُسے عدم تشدد کا نام دیا جائے یا اہنسا کے لفظ سے پکارا جائے یا اسکو حضور اکرمؐ کی مکی زندگی سے تشبیہ دیجائے، بہر حال اس طریقۂ جنگ کی کامیابی اپنی جگہ مسلّم ہے، اسی راہ پر چل کر ہندوستانی بھی اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو حاصل کر سکتا ہے، اسی طریقۂ جنگ اور عدم تشدد کے اسی ہتھیار سے ظلم وجبر کی طاقت کو، برطانوی امپریلیزم کو وطن عزیز کی سرزمین میں شکست دیجا سکتی ہے،

مسلمان طاقت کے ذریعہ انقلاب برپا کرنے کے طریقہ سے واقف تھا اس نے وہ راہ بھی اختیار کی اور حضور کی مکی زندگی اور عدم تشدد کی راہ سے بھی واقف تھا اس لئے اس نے جمعیۃ علمار ہند کی بنیاد ۱۹۱۹ء میں ڈالی، جس کا پہلا اجلاس ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء کو پنجاب کے مشہور شہر امرتسر میں مولانا عبد الباری فرنگی محل کی صدارت میں ہوا۔

نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس دہلی میں ہوئی، کانفرنس کی کارروائیوں سے فراغت کے بعد کانفرنس میں شریک علمار کی ایک علیحدہ مجلس مشاورت مولانا عبد الباری فرنگی محل کی صدارت میں منعقد ہوئی، اس میں فیصلہ کیا گیا کہ علمار کی ایک مستقل تنظیم ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کی رہنمائی اور جنگ آزادی جاری رکھنے کیلئے ایک مستقل لائحہ عمل کی تشکیل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انجام پا سکے، اس مجلس مشاورت میں دو درجن کے قریب علمار شریک ہوئے، اس نئی تنظیم کا نام ،،جمعیۃ علمار ہند،، طے کیا گیا اور اسکے عارضی صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور ناظم سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب دہلوی منتخب کیے گئے۔

اس تنظیم کی پہلی باقاعدہ نشست نومبر ۱۹۲۰ء میں پھر دہلی میں ہوئی جس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (اسیر مالٹا) کو مستقل صدر اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو نائب صدر اور مولانا احمد سعید صاحب کو مستقل ناظم بنایا گیا، ۲۰/ نومبر ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہند

کی وفات ہوگئی اس لئے حضرت مفتی صاحب قائمقام اور نائب صدر کی حیثیت سے صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر باضابطہ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء کو اجلاس مجلس منتظمہ منعقدہ لکھنؤ میں تیسرے اجلاس سالانہ تک کیلئے آپ کو صدر منتخب کیا گیا، پھر جمعیۃ علماء ہند کی مسند صدارت ۷/ جون ۱۹۴۰ء تک تقریباً بیس سال تک کیلئے حضرت مفتی صاحب کیلئے خاص ہوگئی۔

تحریکِ خلافت کا طوفانی دور

پہلی جنگ عظیم میں ترکی حکومت کے ساتھ برطانوی سامراج نے جو کچھ کیا اس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی ایک تیز لہر پیدا کر دی، اس گئے گزرے زمانے میں بھی ترکی کے خلیفہ کو خلیفۃ المسلمین کہا جاتا تھا اور عالم اسلام کی نگاہوں میں ترکی حکومت کو خلافتِ اسلامیہ کے مقدس لفظ سے یاد کیا جاتا تھا، مسلمانوں کے دونوں مقدس مذہبی شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حفاظت و نگرانی اسی حکومت کے تحت تھی کیونکہ پورا عرب ترکوں کے زیر حکومت تھا، انگریزوں نے ترکی حکومت کے حصے بخرے کر کے اسکی طاقت کو پاش پاش کر دیا اور مسلمانوں سے جو وعدہ تھا کہ مسلم حکومتوں سے ہماری کوئی جنگ نہیں، لیکن جنگ میں کامیاب ہونے کے بعد جو ذلیل شرائط حکومت ترکی کے سامنے پیش کی گئیں تو مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ کیا گیا حکومت کی اس بدعہدی نے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا، جس کا نتیجہ خلافت تحریک کی شکل میں رونما ہوا، یہ تحریک طوفان کی طرح ابھری اور آندھی کی طرح بڑھی اور پھیلی، اس کے رہنما بجلی کی طرح کڑکے اور رعد کی طرح گرجے، پورے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک انگریزی حکومت کے خلاف نفرت و حقارت کی ایک تیز لہر چل پڑی، اس تحریک کو دو عظیم المرتبت رہنما مل گئے مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی جو تاریخ میں علی برادران کے نام سے مشہور ہوئے، انکی گرم قیادت نے مسلمانوں کے دلوں میں آتش سیال بھر دی انکی قومی غیرت و حمیت کی رگوں میں گرم خون دوڑنے لگا جو ۱۸۵۷ء کے بعد سے ابتک منجمد رہا۔

خلافت کا مسئلہ خالص مسلمانوں کا مسئلہ تھا لیکن گاندھی جی نے اسکی تائید کر کے برادرانِ وطن کے دلوں میں بھی اسکی تائید کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ہندوستان کی یہ دونوں

قومیں ہندو اور مسلمان اس طرح شیر و شکر ہو گئے کہ اب تک کی تاریخ میں اس طرح کا عملی اتحاد کبھی پیدا نہیں ہوا تھا، پورے ملک پر خلافت تحریک اس طرح چھا گئی کہ دوسری کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، دوسری سیاسی پارٹیوں کے کیمپوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا، جمعیۃ علماء کا وجود ہی چونکہ خلافت کانفرنس میں شریک علماء کی تحریک پر ہوا تھا اس لئے اس کے تمام رہنما خلافت تحریک کو پروان چڑھانے میں لگ گئے، بدیسی مال کا بائیکاٹ کیا، جوش اور جذبے کا وہ عالم تھا کہ چوراہوں پر ولایتی کپڑوں کا انبار لگا کر اس میں آگ لگا دیجاتی تھی اور لوگ اپنے کپڑے اتار اتار کر اس آگ میں جھونکتے جاتے تھے، اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کیا گیا، عدم تعاون اور نان کواپریشن کی اتنی تیز آندھی چلی کہ حکومت کا نظام درہم برہم ہو گیا، شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں عوامی پنچایتیں قائم ہو گئیں، مقدمات انہیں پنچایتوں میں آتے ان کے فیصلے کئے جاتے اور فیصلوں کا نفاذ ہوتا، اور کسی شخص کو انگریزی عدالتوں میں جانے نہیں دیا جاتا کچہریوں میں سناٹا چھا گیا، وکلا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے کوئی مقدمہ ان کے پاس نہیں آتا تھا، شراب کی دکانوں پر پکٹنگ کیجاتی گاؤں اور قصبوں میں رضا کارانہ نظام قائم کیا گیا جو پہرہ دیتے ملزموں کو گرفتار کرتے، وردیاں، پٹی اور بلے اور عہدے تقسیم کر کے باقاعدہ پولیس کی حیثیت اسکو دی گئی، ترکوں کی مدد کیلئے گاؤں گاؤں میں جلوس نکالے جاتے، انگریزوں کے خلاف نظمیں پڑھی جاتیں ع بولیں اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دیدو، کے شور سے پورا ملک گونج اٹھا، جوش اور جذبہ کا وہ عالم تھا کہ عورتوں نے اپنے جسم سے زیور اتار اتار کر چندے میں دیدیئے۔

نان کواپریشن کی ابتدا مسلمانوں نے کی

۹ر جون ۱۹۲۰ء کو خلافت کانفرنس الہ آباد میں ہوئی اور متفقہ طور پر ترک موالات کا اصول منظور کیا گیا ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ ترک موالات کے اصول اور پروگرام واضح طور پر مرتب کرے ۲۲ر جون ۱۹۲۰ء کو مسلمانوں نے وائسرائے کو پیغام بھیجا کہ اگر یکم اگست ۱۹۲۰ء تک ترکوں کی شکایات رفع نہیں ہوئیں تو تحریک ترک تعاون شروع کر دیجائیگی۔ ۳۰ر جون ۱۹۲۰ء کو پھر خلافت کمیٹی کا جلسہ الہ آباد ہی میں ہوا اور طے ہوا کہ ایک مہینہ کا نوٹس وائسرائے کو دے کر

ترک موالات کا پروگرام شروع کر دیا جائے، پہلی اگست ۱۹۲۰ء کو نوٹس دیدیا گیا اور ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء کو تحریک، عدم تعاون شروع کر دی گئی، مسلمانوں کے جوش وخروش کا عالم یہ تھا کہ سرسے کفن باندھکر میدان جہاد میں وہ اتر چکے تھے، جیل جانا کھیل بن گیا تھا، سینہ پر گولیاں کھانا روزمرہ کا واقعہ تھا، یہ وہ زمانہ ہے جب انڈین نیشنل کانگریس بھی اتنی آگے تک نہیں جا سکی تھی، اور اتنی تیز اور گرم سیاسی سرگرمی کے بارے میں وہ سوچ نہ سکی تھی، خلافت کمیٹی کے اس جرأتمندانہ اقدام کو دیکھکر اس کے بعد کانگریس نے اپنے کلکتہ کے اجلاس میں نان کوآپریشن کی تجویز منظور کی۔

جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس

جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس دہلی میں نومبر ۱۹۲۰ء کو ہوا، اس اجلاس میں ترک موالات کے حکم شرعی ہونے کا فیصلہ کیا گیا، انگریزی حکومت سے تعاون کے حرام ہونیکا فتویٰ مرتب کیا گیا، یہ اجلاس شیخ الہند کی صدارت میں ہوا تھا عام مشاہیر علماء کے علاوہ بنگال، سندھ، سرحد وغیرہ کے تقریباً پانچ سو علماء شریک اجلاس ہوئے، اس اجلاس نے فیصلہ کیا کہ اس فتویٰ کو شائع کر دینا چاہیئے، فتویٰ ۴۷۴ علماء کے دستخط سے شائع کر دیا گیا، اس فتویٰ میں کہا گیا کہ انگریزی حکومت کی معاونت اور قتل مسلم کی ملازمت کرنا، ملازم رہنا، ملازم کرانا، فوج میں بھرتی ہونا، بھرتی کرانا، سب حرام ہے ۸ ر اگست ۱۹۲۱ء کو یہ فتویٰ اور اس کا خلاصہ دونوں گورنمنٹ نے ضبط کر لیا اور وسط ستمبر ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کو ملک کے مختلف مقامات سے گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا گیا اور دو دو سال کی قید بامشقت ہوئی، سیشن جج نے اپنے فیصلہ میں جو ریمارک دیئے ہیں ان سے جمعیۃ علماء ہند کے بارے میں حکومت کا نقطۂ نگاہ کا پتہ چلتا ہے، جج نے لکھا کہ ”ملزمان کے مذہب وجذبات وعقائد کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے یہ اندرون ہند اسلام نوازی ہے ان تمام کارروائیوں سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ در اصل موجودہ انقلاب اور بے چینی کا اصل باعث نام نہاد علماء کی سازشی جماعت جمعیۃ علماء ہند ہے جو خفیہ سازشیں نہیں عظیم الشان جلسے طلب کر کے بڑے بڑے پنڈالوں میں کھلم کھلا سازش کرتی ہے،،

ترک موالات کی جو تجویز پاس کی گئی اس میں واضح کیا گیا کہ موجودہ حالات میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات و نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنا حرام ہے جس کے تحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں، (۱) خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑنا (۲) کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور امیدواروں کیلئے رائے نہ دینا (۳) دشمنان دین کو تجارتی نفع نہ پہونچانا (۴) کالجوں اور اسکولوں میں سرکاری امداد نہ قبول کرنا اور سرکاری یونیورسیٹیوں سے تعلق قائم نہ رکھنا (۵) دشمنان دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا (۶) عدالتوں میں مقدمات نہ لے جانا اور وکیلوں کیلئے ان مقدمات کی پیروی نہ کرنا، مولانا احمد سعید ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے تجویز پیش کی اور تائیدی تقریر کرنے والوں میں مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری مولانا محمد داؤد غزنوی مولانا عبدالحلیم صدیقی لکھنوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔

گرفتاریاں اور سزائیں

۱۰/جولائی ۱۹۲۱ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند کے اس نقطہ نگاہ کو دہرایا گیا جس میں حکومت برطانیہ سے تعاون کو حرام کہا گیا تھا، اسی تجویز کی بنا پر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی پر کراچی کا مشہور مقدمہ چلایا گیا اس تجویز کی تائید کرنے والوں میں مولانا نثار احمد مولانا محمد علی مولانا شوکت علی بھی تھے اس لئے ان لوگوں پر بھی ایک ہی ساتھ مقدمہ چلایا گیا اس مقدمہ میں ان تمام حضرات کو دو دو سال کی قید با مشقت ہوئی، شیخ الاسلام مولانا مدنی کا عدالت میں بیان کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کا نادر نمونہ تھا، بیان کے بعد مولانا محمد علی جوہر نے شیخ الاسلام کے ہاتھوں کو چوم لیا اور زندگی بھر ان کا دل شیخ الاسلام کی عقیدت و احترام سے معمور رہا، جیل میں شیخ الاسلام سے ترجمہ کلام پاک کا درس اسی عقیدت کا عملی اعتراف تھا، دوسرے رہنمایان جمعیۃ علماء کے ساتھ ساتھ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی بھی سول نافرمانی کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے اور جیل گئے۔

جمعیۃ علماء ہند کا تیسرا سالانہ اجلاس

۱۸/۱۹/۲۰/نومبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس مولانا ابوالکلام آزاد کی

صدارت میں بمقام لاہور ہوا، اس اجلاس میں جمعیۃ علمار ہند نے اپنے مسلک کی وضاحت اور اعادہ کیا اور ایک تجویز کے ذریعہ اپنے سابق فیصلہ کی توثیق کی، تجویز میں کہا گیا کہ جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس توثیق کرتا ہے اور اپنے اس فیصلہ کا اعادہ کرتا ہے جو جمعیۃ علمار ہند کے اجلاس منعقدہ ۱۲ر نومبر ۱۹۲۱ئہ نے کراچی رزولیشن کے بارے میں کیا وہ فیصلہ یہ تھا "یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ گورنمنٹ نے مولانا شوکت علی مولانا حسین احمد مدنی پیر غلام مجدد ڈاکٹر سیف الدین کچلو مولانا نثار احمد کو خلافت کانفرنس کی ۱۰ر جولائی ۱۹۲۱ئہ کی جس تجویز کی بنا پر گرفتار کیا ہے وہ اسلام کی تعلیم اور مسلّم احکام میں سے ہے جو ۱۳ر سو برس سے موجود ہیں اس کا ہمیشہ اعلان ہوتا رہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا، مسلمان اس سے باز نہیں رہ سکتے۔

کھلے اجلاس میں جو دوسری تجویز منظور کی گئی وہ جمعیۃ علمار ہند کے مسلک کی مزید توضیح تھی اس میں کہا گیا کہ انگریزی گورنمنٹ کی فوج اور پولیس کی ملازمت کا حرام ہونا صرف اسی بات پر مبنی نہیں کہ فعلاً مسلمانوں کا قتل بھی اس وقت درپیش ہو بلکہ شرعاً اس قدر کافی ہے کہ انگریزی فوج مسلمان حکومتوں اور آبادیوں کے قتل یا پامالی حقوق انسانیت کے لئے استعمال میں لائی جاتی ہے۔

سبق فراموش نہ ہونے پائے

انگریزی حکومت کے خلاف پورے ملک میں ایک ذہنی وفکری انقلاب پیدا کر دینا جمعیۃ علمار کا نقطۂ نگاہ تھا اس لئے وہ اپنے ہر اجلاس میں اس سبق کو دہراتی رہی جسکو اس نے روز اول یاد کیا تھا ۹/۱۰ار فروری ۱۹۲۲ئہ کو مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمار ہند کی صدارت میں جو جلسہ دہلی میں ہوا اس میں پھر یہ رزولیشن منظور کیا گیا۔

"یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ انفرادی سول نافرمانی احکام شریعت کی رُو سے جائز ہے ایسے احکام جو کسی جابر حکومت کی طرف سے مذہبی یا قومی آزادی کے خلاف جاری کئے جائیں ان کو مذہبی وقار اور خودداری قائم رکھنے کیلئے نہ ماننا مستحسن ہے دہلی اجتماعی نافرمانی وہ عدم تشدد کی قید کے ساتھ ملک کی موجودہ

حالت کے لحاظ سے ہو سکتی ہے یہ جمعیۃ علماء کے زیر غور ہے"

یہ تجویز درحقیقت اس فتنہ کا جواب تھا جو حکومت کے چند کاسہ لیس ہواخواہ مولویوں نے اٹھایا تھا کہ ستیہ گرہ یا سول نافرمانی کی تحریک شرعی نقطۂ نگاہ سے جائز نہیں ہے، تاکہ جمعیۃ علماء ہند خلافت تحریک اور کانگریس کی اس تحریک کو کمزور کیا جائے۔

ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی تحریک

۱۹۲۲ء میں تحریک خلافت کی سرگرمیاں شباب پر تھیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں مثالی اتحاد تھا اس لئے سول نافرمانی کی تحریک شدت اختیار کرتی جا رہی تھی، جس طرح علی برادران اور جمعیۃ علماء ہند کے رہنما تحریک خلافت کی روح رواں تھے، اسی طرح گاندھی جی تحریک سول نافرمانی کی قیادت کر رہے تھے، دونوں تحریکیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں، کیوں کہ دونوں کا نشانہ برطانوی سامراج تھا، خلافت تحریک سے سیاسی بیداری عام ہوتی جا رہی تھی اور عوام اپنی طاقت پہچاننے لگے تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تحریک سول نافرمانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، انگریزی حکومت سے نفرت اتنی شدید ہو چکی تھی کہ ملک میں ہر طرف شورش برپا تھی بائیکاٹ اور عدم تعاون نے جس طرح عدالتوں کا بائیکاٹ کیا تھا اسی طرح پولیس اور انتظامیہ سے بھی نفرت اور غصہ عام ہوتا جا رہا تھا جسے عوام حکومت کی مشینری کے ایک ایک پُرزے سے اپنی بیزاری کا اظہار ضروری سمجھنے لگے تھے، اسی نفرت و غصہ اور انگریزی حکومت سے بیزاری کا نتیجہ تھا کہ دیوریا ضلع کے ایک مقام "چوری چورہ" میں عوام نے تھانے پر دھاوا کیا عمارت میں آگ لگا دی اور کچھ سپاہیوں کو قتل کر دیا، لوگ کچھ ایسا محسوس کرنے لگے تھے کہ انگریز ہندوستان میں کچھ دنوں کا مہمان ہے اور اس کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہیگا یہی وجہ تھی کہ سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحریک طوفان کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی اور اس نے حکومت کے ایوان میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔

حکومت جھک رہی تھی

تحریک کی ہمہ گیری اور شدت سے مجبور ہو کر حکومت سوچنے لگی تھی کہ ہندوستان کی منھ بھرائی کئے بغیر کام چلنے والا نہیں ہے اسی لئے "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ" ۱۹۱۹ء" کا اعلان کرتے

ہوئے کہا گیا کہ پارلیمنٹ کی پالیسی کا اعلان کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کی تعداد مسلسل بڑھائی جائے تاکہ اس سے برٹش انڈیا میں بحیثیت سلطنت برطانیہ کے اہم جزو کے ذمہ دار حکومت کا مسلسل احساس پیدا ہو پھر اسی اعلان کی تجدید ۹ فروری ۱۹۲۱ء کو جدید اسمبلی کے افتتاح کے وقت بادشاہ کی طرف سے ڈیوک آف کیناٹ نے کی، آپ نے کہا کہ سالہا سال سے بلکہ چند نسلوں سے ہمدردان ملک اور وفادار ہندوستانی اپنی بھارت ماتا کیلئے سوراج کا خواب دیکھ رہے ہیں آج میری سلطنت میں آپ کیلئے سوراج کی ابتدا ہو رہی ہے اور آپ کو ترقی کے وسیع ترین اور اعلیٰ درجہ کے مواقع مل رہے ہیں، جن سے میری نو آبادیات کے مانند آزادی حاصل ہو۔

اس کے بعد وائسرائے ہند اور دوسری بار ڈیوک آف کیناٹ کی تقریر ہوئی تو اس میں صاف لفظوں میں بیان کیا گیا کہ اب مطلق العنان حکومت کا اصول قطعی طور پر ختم کر دیا گیا پس اس وقت سے ہندوستان معتد بہ درجہ میں اپنا بوجھ خود اٹھائیگا۔

گاندھی جی سے بدگمانیاں

لیکن "چوری چورہ" کے واقعہ کے بعد جب گاندھی جی نے تحریک کے ختم کرنیکا اعلان کر دیا تو حکومت کا اندازِ سخن بدل گیا ۲ اگست ۱۹۲۲ء کو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ نے پارلیمنٹ کے اجلاس میں حکومت کی طرف سے دیئے گئے سابقہ تمام بیانات کے برعکس صاف صاف کہدیا کہ

"ہندوستان میں بغیر انگریزوں کے گاڑی چلنے والی نہیں ہے اگر انگریز ہٹ گئے تو یہ عمارت منہدم ہو جائیگی ہماری غرض اصلاحات دینے سے یہ نہیں کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے بالکل دست بردار ہو جائیں"

اسی لئے گاندھی جی کے تحریک کے یک بیک ختم کر دینے کی وجہ سے دلوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوئے بہت بعد تک زائل نہیں ہوئے، اعتراض کرنیوالوں نے گاندھی جی کی نیت پر بھی شک کیا اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کی پیش قدمی گاندھی جی کو پسند نہیں تھی، لیکن خود گاندھی جی نے جو وجہ بیان کی وہ بھی سی آر داس جیسے لیڈروں کو مطمئن نہ کر سکی، گاندھی جی نے تحریک

سول نافرمانی کی بنیاد عدم تشدد پر رکھی تھی ان کا عذر یہ تھا کہ چوری چورہ میں چھ کانسٹیبلوں کو قتل کر کے عوام نے ظاہر کر دیا کہ اہنسا کی تحریک چلانے کی ان میں صلاحیت ابھی نہیں پیدا ہوئی ہے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی مشہور کتاب "انڈیا ونس فریڈم" میں اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ

"گاندھی جی کے علاوہ اور سب لیڈر (خود مولانا آزاد بھی) جیل میں تھے گاندھی جی نے چوری چورہ واقعہ کی وجہ سے تحریک کو معطل کر دیا سیاسی حلقوں میں اس کا شدید رد عمل ہوا اور سارے ملک میں شکست کی فضا پیدا ہو گئی، مسٹر سی آر داس کو یقین تھا کہ تحریک بند کرنے میں گاندھی جی نے ایسی غلطی کی ہے جس سے شدید نقصان ہوگا، اس نے سیاسی کام کرنے والوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں کہ اب پبلک میں جوش برسوں تک پیدا نہ کیا جا سکے گا"

گاندھی جی کے اس فعل کی وجہ سے ایک طبقہ مسلمانوں میں وہ بھی تھا جو اگرچہ تحریک آزادی کا حامی تھا مگر اسکو گاندھی جی قیادت پر اعتماد نہیں تھا اسے خطرہ تھا کہ یہ مہاتما اپنے مخصوص عقیدہ کی وجہ سے کسی بھی مرحلہ پر بلا استصواب و بلا مشورہ تحریک بند کرنے کی پرانی غلطی دوبارہ لوٹ سکتے ہیں اس کے علاوہ یہ بھی ایک ظاہری اور کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ انگریزی حکومت چونکہ اس تحریک کا نشانہ تھی اس لئے اس نے اپنے جملہ ذرائع تحریک آزادی سے برگشتہ کرنے میں لگا دیئے تھے، ہندوستانیوں میں آزادی کی راہ میں پیش قدمی کرنے کے سلسلہ میں یہ تذبذب ایک زبردست رکاوٹ تھا، یہ صورت حال کم و بیش ۱۹۲۹ء تک رہی

جمعیۃ علماء ہند نے رہنمائی کی

جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس بمقام گیا دسمبر ۱۹۲۲ء میں زیر صدارت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ہوا، صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں اس امر پر اظہار مسرت کیا کہ جمعیۃ علماء ہند نے کونسلوں کے مقاطعہ کی تجویز پاس کر کے جو ملک کی رہنمائی کی تھی، خلافت کمیٹی اور انڈین نیشنل کانگریس نے اس رہنمائی کو قبول کیا، ان دونوں جماعتوں نے جمعیۃ علماء ہند کے فیصلہ کے بعد مقاطعہ کا فیصلہ کیا۔

شدھی سنگھٹن تحریک

کانگریس کی طرف سے چلائی جانے والی سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لیکر سوامی شردھانند جیل گئے، ابھی ان کی رہائی میں تاخیر تھی لیکن جیل میں کیا سازش رچی گئی کہ سوامی جی قبل از وقت جیل سے رہا کر دیئے گئے لوگوں کو حیرت ہوئی لیکن جب انہوں نے مسلمانوں میں شدھی سنگھٹن کی تحریک شروع کر کے ہندو مسلم اتحاد کو ڈائنامیٹ کیا تو یقین کرنا پڑا کہ سوامی شردھانند حکومت کا آلہ کار بن گئے اور ان کا ضمیر برطانوی حکومت کے ہاتھوں میں گروی ہو گیا ہے،

جمعیۃ علمار ہند کے رہنماؤں نے بھی اپنے اس فرض کو ہمیشہ یاد رکھا جو مذہب وشریعت کی طرف سے ان پر عائد تھا، یہی وجہ ہے کہ جب سوامی شردھانند نے شدھی سنگھٹن کی تحریک ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء میں چلائی تو جمعیۃ علمار ہند نے اس محاذ پر دلیرانہ اقدام کیا اور اس فتنہ کو دبانے میں اپنی پوری طاقت لگا دی اور اسوقت تک خاموش نہیں بیٹھے جب تک یہ فتنہ فرد نہیں ہو گیا، شردھانند نے یہ تحریک ملکانوں کے علاقہ سے شروع کی تھی اور ہزاروں ملکانوں کو مرتد کر دیا تھا اس زمانہ میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر اور مولانا احمد سعید صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمار ہند تھے ان دونوں حضرات نے مسلسل تبلیغی وفود مرتدین کے ان علاقوں میں بھیجے، سب سے پہلا وفد لیکر مولانا احمد سعید صاحب اچھنیرے کے مقام پر گئے، مفتی کفایت اللہ صاحب بھی کئی بار وفود لیکر ان علاقوں میں پہونچے دوسرے وفود کبھی مولانا وحید حسن ٹونکی کبھی مولانا محمد عرفان نائب ناظم جمعیۃ علمار ہند و مدیر اخبار الجمعیۃ کبھی دوسروں کی قیادت میں گئے، مرتد ملکانوں کے علاقے میں جانا خطرات سے خالی نہیں تھا، قدم قدم پر فتنہ وفساد کا اندیشہ اور جان کا خطرہ تھا لیکن ان خطرات کی پروا کئے بغیر صرف دو سالوں میں جمعیۃ علمار ہند نے اس فتنہ کو دفن کر دیا اور تمام مرتدین کو از سر نو اسلام پر قائم رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔

موپلاؤں کی دردناک کہانی

۲ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو دہلی جمعیۃ علمار ہند کی مجلس منتظمہ کے اجلاس میں اس کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی جو موپلاؤں پر ہونے والے ہولناک مظالم کی تحقیقات کیلئے بنائی گئی

تھی، یہ کمیٹی مولانا آزاد سبحانی کی سربراہی میں بنائی گئی تھی اس کمیٹی نے موقعہ پر جاکر تفصیلی معلومات فراہم کیں اور اپنی رپورٹ مرتب کرکے اجلاس میں پیش کی، جمعیۃ علماء ہند نے اس رپورٹ کو منظور کرکے شائع کر دیا، رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ موپلے انتہائی بردبار، شریف اور نرم دل ہیں جب سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو انہوں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور دفعہ ۱۴۴ توڑ دی، انگریز کلکٹر مسٹر ٹامسن نے تحریک کو کچلنے کیلئے نہایت بہیمانہ مظالم کئے، پہلے لیڈروں کو پکڑا گیا پھر کالی کٹ کی پولیس نے خلافت کمیٹی کے رضا کاروں کو مارا پیٹا، انکی وردیاں اُتروالیں اور پھر بلا امتیاز عام موپلاؤں کی گرفتاری شروع کردی ان کے مذہبی پیشوا تنگل کو گرفتار کیا گیا تو احتجاج کیلئے جمع ہونے والوں پر پولیس نے فائرنگ کی، اور اندھا دھند گولیاں برسائیں جسکی وجہ سے چار سَو موپلے موقعہ ہی پر ہلاک ہوگئے، فرعونیت کے اس مظاہرہ سے موپلے مشتعل ہوگئے، انہوں نے بجلی کے تار کاٹ دیئے، ریل کی پٹریاں اُکھاڑ دیں جیل کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو نکال لائے، پولیس والوں کے ہتھیار لوٹ لئے، شراب کی دو کانوں میں آگ لگا دی، کچہریوں کے فرنیچر کو توڑ پھوڑ دیا، تمام پل اور راستے تباہ و برباد کر دیئے، اس ہنگامے میں ہزاروں موپلے مارے گئے، جو پکڑے گئے ان کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔

گرمیوں کا موسم تھا، پولیس ایک سو موپلوں کو گرفتار کرکے مال گاڑی کے ایک ڈبے میں جانوروں کی طرح بند کرکے لے گئی ان میں سے ۶۴ آدمی گرمی حبس اور پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر ریل کے ڈبے ہی میں مرگئے اور بقیہ دوسرے نکالے گئے تو ان میں سے کسی میں بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی سکت نہیں تھی، اس وحشیانہ حرکت کے ذمہ دار حکام سے نہ باز پرس کی گئی اور نہ ان کے خلاف کوئی محکمہ جاتی کارروائی ہوئی، گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

ہمارے دل غم وغصہ سے بھر گئے

اس المناک حادثہ پر ۱۰ ار فروری ۱۹۲۳ء کو بارہ ہندو راؤ دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں رزولیشن منظور کیا گیا۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس گورنمنٹ کے اس فعل کو جابرانہ سمجھتا ہے کہ ۶۴ موپلوں کی دردناک موت اور بند گاڑی میں دم گھونٹ کر مار دیئے جانے پر

صرف ایک انگریز سارجنٹ پر مقدمہ چلایا گیا اور وہ بھی بری کر دیا گیا اور چوری چورہ
کے ۲۲ سرکاری ملازموں کے مارے جانے پر ۱۷۲ اکیلئے پھانسی کی سزا تجویز کی گئی،
اس فیصلہ کو یہ جلسہ محض ہندی اور یورپی قومیت کی باہمی تفریق کا اثر و نتیجہ سمجھتا
ہے اور گورنمنٹ کے اس فیصلہ کو حقارت اور غم و غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے
اور یقین کرتا ہے کہ یہ فیصلہ ہندوستانیوں کے قلب میں ایک عام نفرت و حقارت
کے جذبات برانگیختہ کرنے میں بے مثل ہوگا"

جمعیۃ علماء ہند کا نیا انتخاب

۱۵ جنوری ۱۹۲۵ء کو مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کا نیا انتخاب عمل میں آیا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری اور مولانا نثار احمد کانپوری نائب صدر، مولانا احمد سعید صاحب سحبان الہند ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے، مندرجہ بالا عہدیداران کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات ورکنگ کمیٹی کیلئے منتخب کئے گئے مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب بہاری ڈاکٹر سیف الدین کچلو (امرتسر) مسیح الملک حکیم اجمل خاں دہلی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی (دیوبند) شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی مولانا سید سلیمان ندوی (اعظم گڈھ) مولانا سید انور شاہ کشمیری (دیوبند) مولانا حسرت موہانی (کانپور) مولانا ابوالکلام آزاد (کلکتہ) مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار لاہور مولانا عبد الحلیم صدیقی (لکھنؤ) مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مولانا ثناء اللہ امرتسری مولانا محمد داؤد غزنوی۔

یہ مداخلت فی الدین ہے

حکومت نے انہیں دنوں ایک حکمنامہ جاری کیا کہ کوئی شخص بغیر واپسی ٹکٹ لئے ہوئے سفر حج کیلئے نہیں جا سکتا، جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ۲۶ جنوری ۱۹۲۵ء کے اجلاس میں اس حکمنامہ کی مخالفت کرتے ہوئے رزولیشن منظور کیا کہ جمعیۃ علماء ہند اُس مسودہ قانون کو مداخلت فی الدین سمجھتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حجاج کو واپسی ٹکٹ لئے بغیر سفر حج کی اجازت نہیں ہوگی۔

مجلس عاملہ میں اس مسودۂ قانون پر گرما گرم بحث کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اسکی پوری پوری مخالفت کی جائے، اور جبتک حکومت اس قانون کو واپس نہیں لیتی ہے جدوجہد جاری رکھی جائے۔

حکومت سے ترک موالات ضروری ہے

جنگ آزادی کا سب سے موثر حربہ نان کوآپریشن یا ترک موالات ہے ملک میں یہ تحریک بڑھتی اور پھیلتی جا رہی تھی مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا تھا جو جمعیۃ علماء ہند کے ترک موالات کے فیصلہ سے عوام کو بدگمان کر رہا تھا اس لئے نہیں کہ اس کے نزدیک کوئی شرعی قباحت تھی بلکہ یہ لوگ آزادی کے دشمن اور حکومت کے ہواخواہوں میں سے تھے اس لئے ان کی زبان بند کرنے کیلئے جمعیۃ علماء ہند نے ترک موالات پر شرعی نقطۂ نگاہ سے مکمل روشنی ڈالنے کیلئے مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مولانا محمد سجاد صاحب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل کی تھی، اس کمیٹی کی رپورٹ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس مورخہ ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۲ء میں پیش ہوئی اور اتفاق رائے سے رپورٹ کو منظور کیا گیا اس رپورٹ میں شرعی دلائل سے ثابت کیا گیا تھا کہ انگریزی حکومت سے ترک موالات بحالت موجودہ ضروری ہے۔

مسلم معاشرہ کے بعض مسائل کا حل

جمعیۃ علماء ہند کا ساتواں سالانہ اجلاس بمقام کلکتہ ۱۱/۱۲/۱۳/۱۴/ مارچ ۱۹۲۶ء کو مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ہوا، اس اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ صوبہ سرحد کے ساتھ جو امتیازی سلوک روا رکھا گیا ہے وہ صریح بے انصافی ہے فرنٹیئر کرائم ریگولیشن،، کا نفاذ صوبہ سرحد کیلئے دائمی مارشل لا ہے اسکو ختم کیا جائے اور اصلاحات نافذ کی جائیں۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنی مذہبی رہنمائی کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ایک رزولیشن کے ذریعہ پنجاب اور بمبئی میں لڑکیوں کو حق میراث نہ دینے کی مذمت کی تھی اور اس خلافِ شرع رواج کو ختم کرنے کیلئے متعدد وفود مرتب کرکے پنجاب اور بمبئی میں اس غلط رواج اور برائی کے استیصال کیلئے بھیجے تاکہ ان علاقوں میں رہ کر مسلمانوں کو خدا اور رسول کے صحیح احکام بتائیں اور مسلمانوں سے اس برائی کو دور کرنے کی مستقل جدوجہد کریں۔

اسی طرح اس اجلاس میں مسلمانوں کے ایک خاص سماجی مسئلہ کی طرف بھی توجہ کی گئی،

بعض شادی شدہ عورتیں سخت عذاب میں تھیں، شوہر حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا اور نہ اُسے طلاق دیتا ہے، اس مسئلہ کے حل کیلئے اجلاس نے قاضی بل کی ضرورت محسوس کی اور اس کے لئے جدوجہد کے آغاز کر دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن جب تک یہ جدوجہد کامیاب نہیں ہوئی اس وقت تک کیلئے مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ مسلمان یہ صورت اختیار کریں کہ شہروں اور قصبوں کے مسلمان جمع ہو کر عامہ مسلمین کے جلسہ میں کسی معتمد اور متدین عالم کو ایسے معاملات نکاح طلاق فسخ تاجیل کے فیصلوں کیلئے اپنا قاضی مقرر کر لیں، تاکہ عامہ مسلمین کی جانب سے شرعی فیصلہ کرنے کا شرعاً مجاز ہوگا، بعد کے دور میں اسی پروگرام کی شرعی پنچائت کے نام سے تکمیل کی گئی اور اس کی کارگذاری بحمد اللہ حدود شریعت میں مسلمانوں کی پریشانیوں کا ایک صحیح حل ہونے کی حیثیت سے کامیاب ہے۔

”رنگیلا رسول“ کے مقدمہ کا فیصلہ

ایک دریدہ دہن اور بدلگام انسان نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پر اپنی کتاب ”رنگیلا رسول“ میں ناپاک حملے کئے تھے جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہونا قدرتی تھا، پہلے کوشش کی گئی کہ عدالت سے چارہ جوئی کر کے اس کتاب کو ضبط کرا دیا جائے لیکن جج موصوف ذہنیت کا تھا اس لئے فیصلہ ایسا کیا جسے جمعیۃ علماء ہند کسی قیمت پر قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھی اس لئے عدالت کے فیصلہ پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اس خطرہ کی جانب بھی اشارہ کر دیا جو کل پیش آنے والا تھا جو مسلمانوں کی طرف سے ایسے دریدہ دہن کے پاگل پن کا آخری علاج تھا ۲۴/جون ۱۹۲۷ء کو لاہور میں ہونے والے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے کتاب ”رنگیلا رسول“ کے مقدمہ میں جو فیصلہ کیا ہے اس نے مقدس پیغمبروں اور مذہبی پیشواؤں کی توہین کا دروازہ کھول دیا ہے اس فیصلہ کے ہوتے ہی اسلام کے معاندوں اور دریدہ دہن دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں اور انہوں نے نہایت بیباکی سے رسول پاک کی ذات مقدس پر ناپاک حملے شروع کر دیئے ہیں یہ اجلاس اس فیصلہ کو سخت غم وغصہ اور رنج واضطراب کی نظر سے دیکھتا ہے، یہ واقعہ ہے کہ چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی مسلمان آقائے نامدار کی ادنیٰ توہین بھی برداشت نہیں کر سکتا ہے

مسلمانوں کے نزدیک توہین رسول سخت ترین جرم ہے جسکی اسلامی تعزیر قتل ہے، حکومت کتاب رنگیلا رسول کے مصنف، ناشر اور طابع کو قرار واقعی سزا دے اگر اس میں تاخیر کی گئی تو مسلمانوں کے جذبات میں اضطرابی ہیجان ہو جانا طبعی اور لازمی امر ہے جسکو کوئی طاقت روک نہیں سکیگی اگر بے خودی اور اضطراب کے عالم میں کوئی مسلمان کچھ کر بیٹھا تو مذہبی جذبات میں اضطرابی ہیجان پیدا کرنے اور تاوانوں کو جذبات بیخودی کے ہاتھوں میں دیدینے کی ساری ذمہ داری گورنمنٹ پر ہوگی، ــ جمعیۃ علماء ہند کی اس وارننگ پر چند ہی دن گذرے تھے کہ وہ سب کچھ ہوگیا جسکی نشاندہی کی گئی تھی۔

سائمن کمیشن کا بائیکاٹ

خلافت کانفرنس کی سرگرمیاں آہستہ آہستہ مسترد ہوتی چلی گئیں ترکی لیڈر مصطفیٰ کمال پاشا نے خود اپنے ہاتھوں تیار خلافت تار تار کر کے یہ مسئلہ ہی ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ جنگ آزادی میں تیز تر سرگرمیاں لانے میں اس تحریک نے نمایاں رول انجام دیا اس فخر میں خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء ہند کے سوا اسوقت تک کوئی جماعت ان کی شریک وسہیم نہیں رہی۔ اس تحریک کے دفن ہو جانے کے بعد سول نافرمانی کی تحریک بھی افسردہ اور پژمردہ ہوگئی سیاسی جوش وخروش میں اضمحلال آتا جارہا تھا کہ ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے ہندوستان میں آنے کا اعلان ہوگیا جمعیۃ علماء ہند نے سب سے پہلے کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

جمعیۃ علماء ہند کا ساتواں سالانہ اجلاس پشاور میں علامہ انور شاہ کشمیری کی صدارت میں ۲/۳/۴/۵ ستمبر ۱۹۲۷ء کو ہوا یہی وہ وقت تھا کہ ہندوستان میں سائمن کمیشن کی آمد کا شور برپا تھا یہ کمیشن اس لئے ہندوستان آرہا تھا کہ آئندہ کیلئے وہ اپنی سفارشات گورنمنٹ کو پیش کرے، جمعیۃ علماء ہند تجربات کی روشنی میں یہ خوب سمجھتی تھی کہ کمیشن کیا سفارشات پیش کریگا اور اس کا ردعمل ملک پر کیا ہوگا؟ ابھی تک کوئی جماعت اس طرف توجہ نہیں دے رہی تھی سب سے پہلے جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اس اجلاس میں اعلان کیا کہ آزادی عطا نہیں کی جاتی بلکہ اپنی جدوجہد اور قوت بازو سے حاصل کی جاتی ہے، ہندوستان کا دستور اساسی

وضع کرنے کا حق صرف ہندوستانیوں کو ہے کسی اجنبی قوم کو ان کی قسمت کا فیصلہ کرنیکا اختیار نہیں ہے اس لئے اس اجلاس میں تمام ہندوستانیوں سے اپیل کی گئی کہ وہ سب مل کر آنیوالے کمیشن کا متحدہ قوت کے ساتھ مقاطعہ کریں، اس اجلاس میں یہ بھی واضح کردیا گیا کہ جداگانہ حلقہ انتخاب مسلمانوں کیلئے ناگزیر ہے اور جمعیۃ علماء ہند اپنے اس حق پر مضبوطی سے قائم رہیگی، اور کسی ایسی تجویز کو منظور نہیں کریگی جس میں اس حق سے دستبرداری کرنی پڑتی ہو تا وقتیکہ ہندوستان کی ہندو اکثریت مسلم اقلیت کے حقوق کے تحفظ کیلئے حسب ذیل مطالبات کو بطور بنیادی اصول کے تسلیم نہ کرے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کران کے حصول میں کوشش نہ کرے اور حکومت کی منظوری کے بعد یہ مطالبات حاصل نہ ہوجائیں ہمارے مطالبات حسب ذیل ہیں، ۱- سندھ ایک مستقل صوبہ بنایا جائے ۲- صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی ملکی اصلاحات نافذ کی جائیں ۳- پنجاب اور بنگال میں بھی حق نمائندگی آبادی کے لحاظ سے دیا جائے ۴- رائے دہندگی کا حق بھی تعداد آبادی کے لحاظ سے قائم کیا جائے ۵- کسی انتخابی مجلس میں کوئی ایسا بل زیر غور نہ آسکے جسکو کسی اقلیت کے نمائندوں کی ۳/۴ تعداد اپنے مذہبی و قومی مفاد کے خلاف قرار دے ۶- مرکزی مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ۱/۳ سے کم نہ ہو۔

نہرو رپورٹ

وزیر اعظم برطانیہ نے لندن پارلیمنٹ میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے ہندوستانیوں کی غیرت کو چیلنج کیا اور کہا اگر ہندوستان آزادی کا مطالبہ کرتا ہے تو چاہیئے کہ وہ ایک دستور مرتب کر کے پیش کرے ہم اسکو منظور کریں گے، اس چیلنج کے جواب میں موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ایک کمیٹی بنائی گئی اور اس نے دستور کا ایک خاکہ مرتب کیا جو بعد میں نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوا، بدقسمتی سے رپورٹ میں مہاسبھائی ذہنیت کارفرما ہوگئی اور رپورٹ میں مسلمانوں کے شدید حق تلفی کی گئی، مسئلہ اہم تھا، لیکن جمعیۃ علماء ہند کیلئے اسکی تائید ممکن نہ تھی، جمعیۃ علماء کا کانگریس سے قریبی تعلق رہا- لیکن یہ رپورٹ جس مذموم و مسموم ذہنیت کے زیر اثر مرتب کی گئی تھی جمعیۃ علماء اس ذہنیت کے خلاف ہمیشہ لڑتی آئی تھی اسلئے اس موقعہ پر اس نے اپنی رائے دسمبر ۱۹۲۸ء کے اجلاس میں ان الفاظ میں مرتب کر کے شائع کی

"جمعیۃ علماء ہند کا مطمح نظر اور نصب العین مکمل آزادی ہے اور اس کے نمائندے اس نصب العین کے خلاف کسی تجویز یا قاعدہ یا دفعہ کی تصدیق و تائید نہیں کر سکتے ہم آزادی کے دستور اساسی کے مخالف نہیں ہیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ اس میں ایسی ضمانتیں شامل کر دی جائیں جن سے حفاظت حقوق کا یقین حاصل ہو جائے جمعیۃ علماء ہند مسلمانوں کیلئے کوئی ناواجب اور غیر منصفانہ رعائتیں نہیں مانگتی وہ صرف یہی چاہتی ہے کہ برائے قانون عقل و انصاف مسلمان جتنے حصے کے حقدار ہیں وہ ان کو دیئے جائیں اور اسکی حفاظت کا اطمینان ہو جائے، مذہبی مکمل آزادی کا مفہوم رپورٹ میں مبہم رکھا گیا ہے اور دفعات کے ذریعہ ان کی حدود نہیں بنائی گئی ہیں تو کیا آئندہ وہی قوم کامیاب نہیں ہوگی جسکی قانون سازاداروں میں اکثریت ہوگی؟ اور آزادی کا وہی مفہوم ہوگا جو اکثریت معین کریگی تو اس لفظی مکمل آزادی سے فرقہ وارانہ مناقشات کا عملی حل کس طرح ہو جائیگا نیز اقلیت کا اپنی تہذیب و تمدن کو فروغ دینا، بہت سے سیاسی و اقتصادی اسباب پر موقوف ہوتا ہے اور وہ تمام اسباب اور ان کی کنجیاں اکثریت کے ہاتھ میں ہوں گی اس لئے یہ الفاظ کہ ہر اقلیت اپنی تہذیب و تمدن کو فروغ دینے میں مختار ہے محض کاغذ کے پرزے پر ایک خوش کن جملے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا"

آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ

کانگریس نے نہرو رپورٹ پر غور و خوض اور اس کی منظوری کیلئے لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ۱۹۲۸ء کے آخر میں بلائی، اس میں جمعیۃ علماء ہند کے ایک وفد نے دعوت نامہ ملنے کے بعد شرکت کی وفد میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب مولانا عبدالحلیم صدیقی مولانا زیارت حسین مولانا محمد سجاد مولانا محمد عرفان مولانا محمد شفیع فرنگی محل مولانا حسرت موہانی مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی شامل تھے اس سے قبل جمعیۃ علماء ہند نے اپنی مجلس عاملہ کے ایک جلسہ میں جو فرنگی محل میں ۲۷ راگست ۱۹۲۸ء

کو ہوا تھا اس میں وہ تمام نکات مرتب کر لئے تھے جن کی بنیاد پر جمعیۃ علماء ہند کیلئے نہرو رپورٹ ناقابل قبول ہے مجلس عاملہ کے نزدیک نہرو رپورٹ میں گیارہ بنیادی خامیاں رپورٹ میں پائی گئیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی تھی انہیں خامیوں کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کے وفد نے اپنی رپورٹ کانفرنس میں پیش کر کے رپورٹ سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اور وفد کانفرنس ہال سے نکل کر چلا آیا اور اسکی جزوی بحثوں میں کوئی حصہ نہیں لیا آل پارٹیز کانفرنس اسکی وجہ سے رپورٹ پر کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہی، اس لئے نہرو رپورٹ پر دوبارہ غور کرنے کیلئے کلکتہ میں ایک کنونشن بلایا گیا جمعیۃ علماء ہند نے اس کنونشن میں اپنی تنقیدی رپورٹ بھیج دینے پر اکتفا کیا اور اس نے کوئی اپنا نمائندہ بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی البتہ اپنی رپورٹ کے آخر میں لکھدیا کہ اگر آل پارٹیز کمیٹی اب بھی مسلم جماعتوں سے باقاعدہ تجویز مطالبات حاصل کرے اور پھر کوئی کنونشن بلائے جس میں باہمی مفاہمت کے اصول دستور سیاسی کا مسودہ تیار کیا جائے تو جمعیۃ علماء ہند ایسے جلسے میں اپنا نمائندہ بھیجنے کیلئے تیار ہوگی۔

کانگریس کے ساتھ تعاون

۱۹۲۹ء میں سول نافرمانی کی تحریک نمک سازی کی ستیہ گرہ سے شروع ہوئی گاندھی جی نے بمبئی کے ایک مقام ڈانڈی میں نمک بنانے کی تحریک کی اس تحریک میں حصہ لینے والوں کو گرفتار کر لیا جاتا تھا اور جیل بھیج دیا جاتا تھا اس سال مولانا حفظ الرحمٰن کی گرفتاری ڈانڈی مارچ ہی کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔

۳/۴/۵/ مئی ۱۹۳۰ء کو جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس امروہہ ضلع مرادآباد میں زیر صدارت مولانا شاہ معین الدین اجمیری ہوا جس میں تحریک آزادی میں کانگریس سے تعاون کی تجویز منظور ہوئی اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے کانگریس کی ہم نوائی اور اس کی تحریکوں میں شرکت کا اعلان کر دیا گیا، کانگریس کی تحریک آزادی میں شرکت کی تجویز جو اس وقت آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی باعزت زندگی کیلئے بنیادی حیثیت رکھتی تھی ۱۹۲۹ء کے ماحول میں انوکھی اور اجنبی بھیانک اور بعض مصلحتوں سے خوفناک اور دہشت آفریں تھی کیونکہ ۱۹۲۲ء سے لیکر اب تک کے واقعات نے ہندوستان میں فضا کچھ ایسی بنا دی تھی کہ آزادی غیر متوقع ہی نہیں رہی تھی بلکہ

ایک بڑا طبقہ وہ تھا جو تحریک آزادی کو خودکشی کے مرادف سمجھتا تھا وہ بڑی تعداد جو تحریک خلافت اور ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۲ء سرگرم عمل رہ چکی تھی وہ آزادی کی حامی تھی مگر اب وہ بھی محتاط ہوگئی تھی چونکہ تحریک آزادی کا براہ راست نشانہ انگریزی حکومت تھی اس لئے حکومت کا رد یہ بھی بڑا ہی مستبدانہ تھا اور اس نے اپنے جملہ ذرائع سے کام لے کر عوام کو آزادی کے لفظ کے استعمال سے بھی ڈرا دیا تھا، خود ہندوستان میں ایسے لوگ بڑی تعداد میں تھے جو آزادی کا نام لینے والوں کے شدید دشمن تھے، ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ اس طرح کی کوئی تحریک نہیں چلنی چاہئے ان لوگوں کے برخلاف صرف جمعیۃ علماء ہند تھی جو آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی باوقار زندگی کا خواب دیکھ رہی تھی اور اس کے رہنماؤں کے دل اس جذبے سے معمور تھے اور وہ ایسا لائحہ عمل مرتب کرنا چاہتے تھے جس پر عمل کر کے آزادی کی منزل کی طرف قدم بڑھایا جائے۔

کانگریس کی طرف سے سرگرمی کے ساتھ آزادی کی تحریک شروع ہوچکی تھی، ہندوستان میں سیاسی بیداری عام ہوتی جارہی تھی گاندھی جی کی مقبولیت بڑھتی جا رہی تھی اور اب وہ "مہاتما،، کہے جانے لگے تھے، انہوں نے اپنی مقبولیت کی طاقت سے کام لے کر تحریک شروع کردی تھی، ہندوستان کا ہر شہر اور ہر قصبہ ہر گاؤں اور ہر حلقہ اس تحریک سے متاثر ہو رہا تھا مسلمانوں کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ صرف دور کے تماشائی بنے رہیں یا انگریزی حکومت کے دست و بازو بنے رہیں۔

اسی ماحول میں جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس امروہہ ضلع مرادآباد میں ہوا، اس اجلاس کی سبجیکٹ کمیٹی میں مولانا سید سلیمان ندوی نے اس صورت حال سے متاثر ہو کر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"انقلاب کی تحریک جب شروع ہوجاتی ہے تو تاریخ کی شہادت یہی ہے کہ وہ بے نتیجہ ختم نہیں ہوتی بیشک اس کو مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ نیست و نابود معلوم ہونے لگتی ہے لیکن اس کی خاک میں چھپی ہوئی چنگاریاں پھر دہکتی ہیں اور شعلہ بن کر مختلف طاقتوں کو نذر آتش کردیتی ہیں۔

اب کیا مسلمان یہ پسند کریں گے کہ مخالف انقلاب طاقتوں کا ضمیمہ بن کر وہ بھی نذر آتش ہو جائیں یا ساحل پر کھڑے ہوئے طوفان کا تماشہ دیکھتے رہیں اور جب طوفان ختم ہو تو وہ اپنی سیاسی طاقت بھی ختم کر چکے ہوں اور ان کا شمار بھی انہیں پسماندہ قوموں میں ہو جن کے لئے ہندوستان میں نفرت و حقارت کی پالیسی ہمیشہ کیلئے طے ہو چکی ہے؟"

اسی مجلس مضامین میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے ان مولویوں کی مدلل تردید فرمائی جو کہتے تھے کہ سول نافرمانی کی تحریک ناجائز ہے، اس اجلاس میں کچھ ایسے لوگ بھی شریک ہوئے تھے جو تحریک آزادی کو مسلمانوں کیلئے خودکشی سے تعبیر کرتے تھے اور اس جلسہ میں صرف اسلئے شریک ہوئے تھے کہ جمعیۃ علماء ہند کو تحریک آزادی میں تعاون کی تجویز کو منظور کرنے سے روکیں ان شرکاء میں ایک نواب صاحب اور کچھ حکومت کے خطاب یافتہ سر صاحبان تھے، ان سب کے علی الرغم مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اجلاس میں تجویز آزادی پیش کر دی، جن لوگوں کے دلوں میں حریت پسندی عزت نفس خودداری اور باوقار مستقبل حاصل کرنے کے جذبات تھے انہوں نے بسر و چشم اس تجویز کو منظور کر لیا لیکن اس کے باوجود بہت سے دل تذبذب کے شکار تھے اور کچھ اس کے انجام سے خائف تھے اس لئے اسکی منظوری میں لیت و لعل کرتے تھے اور جب جلسہ عام میں اس تجویز کو مولانا حفظ الرحمٰن نے پیش کیا تو اس تحریک کی تائید میں ہندوستان کے مشہور سحر البیان خطیب مولانا شاہ عطاء اللہ بخاری نے ایک مفصل تقریر کی آپ کی مدلل تقریر کا سلسلہ تقریباً تین گھنٹے جاری رہا اور بہت سے لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل دی اور بہت سے گوشہ نشین بھی جنگ آزادی کے سپاہی بن گئے اور قید و بند اور دار و رسن کو کھیل سمجھ لیا۔

کانگریس سے تعاون مگر کب اور کیسے؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے تحریک آزادی میں کانگریس سے تعاون کی جو تجویز پیش کی وہ کورانہ تقلید کیلئے نہیں تھی بلکہ اس کے کچھ حدود تھے کچھ شرائط تھیں آپ نے تجویز میں کہا تھا کہ چونکہ کانگریس نے بھی اپنے اجلاس لاہور میں مکمل آزادی کا نصب العین اپنا لیا ہے اور

اپنی تجویز میں یہ طے کر دیا ہے کہ آئندہ کوئی دستور اساسی اس وقت تک کانگریس قبول نہیں کریگی جس سے اقلیتیں پورے طور پر مطمئن نہ ہو جائیں اس لئے جمعیۃ علمار ہند کے اس اجلاس کے نزدیک بحالت موجودہ مسلمانوں کیلئے کانگریس سے علیحدہ رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن یہ واضح رہے کہ کانگریس کا کوئی بھی آئندہ عملی پروگرام اس وقت تک مسلمانوں کیلئے آخری فیصلہ نہ ہو گا جبتک جمعیۃ علمار ہند اسکی تصدیق وتصویب نہ کردے ،

صدر اجلاس شاہ معین الدین صاحب اجمیری نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ اگر جمعیۃ علمار ہند اور عام مسلمین تحریک خلافت کے سلسلہ میں کانگریس میں عمومی حیثیت سے شریک نہ ہوتے تو کانگریس اس قدر جلد اس مرتبہ پر نہیں پہونچتی جہاں آج وہ نظر آرہی ہے مسلمانوں کے حب وطنی اور شوق آزادی کا یہ کرشمہ ہے آج پھر کانگریس نے ایک نئی کروٹ لی ہے، خطبہ صدارت میں نہرو رپورٹ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا گیا "نہرو کمیٹی ہندوستان کی قومی حکومت کا خاکہ مرتب کرنے بیٹھی تھی اور جمہوریہ ہند کیلئے ایک ایسی رپورٹ تیار کی جس میں مہاسبھائی اسکیم غالب ہے اور مسلمانوں کو بحیثیت قوم دستوری حکومت سے نکال باہر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اس لئے تقریباً تمام مسلمانوں نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا جمعیۃ علمار ہند نے ایک مکمل تنقید نہرو رپورٹ کے متعلق تیار کر کے شائع کردی جبکہ اس قسم کی رپورٹ کسی مسلم جماعت کی طرف سے شائع نہیں کی گئی، اس سلسلہ میں مزید کہا گیا کہ " گاندھی جی نے اس رپورٹ کو کانگریس کی طرف سے ۱۹۲۸ء میں منظور کرا کے سخت غلطی کی ایک طرف مسلمانوں کو کانگریس کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی اور کانگریس کو آگے بڑھانے کے بجائے پیچھے ہٹادیا، پورا ایک سال اس منحوس رپورٹ کی وجہ سے ضائع کیا گیا، ۳۱/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگریس نے نہرو رپورٹ کو دریا برد کر کے مکمل آزادی کی تجویز منظور کی ،،

خطبہ صدارت کے یہ اقتباسات جمعیۃ علمار ہند کی جدید پالیسی کی واضح تصویر پیش کرتے ہیں اس فیصلہ کے بعد جمعیۃ علمار ہند کانگریس کے دوش بدوش ہر کٹھن مرحلہ میں رہی اور آزادی کی راہ میں اس سے ایک قدم آگے نہیں تو پیچھے بھی نہیں رہی۔

الجمعیۃ پر نظرِ عتاب

اسی سال جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان اخبار الجمعیۃ کی ضمانت ضبط کرلی گئی اور اسکی اشاعت پر پابندی لگادی گئی، حکومت کے اس رویہ کے خلاف ایک تجویز پیش ہوکر منظور ہوئی تجویز کے آخر میں جرأتمندانہ انداز میں کہا گیا

"جمعیۃ علماء ہند حکومت کو بتا دینا چاہتی ہے کہ اس قسم کی کارروائیوں سے جمعیۃ علماء ہند اظہار حق کے فریضہ کی ادائگی سے باز نہیں رہ سکتی، وہ اپنے فرض کو ادا کرتی رہے گی چاہے اسکی راہ میں پہاڑ ہی کیوں نہ حائل ہوں"

حکومت کا سخت رویہ

تحریک آزادی میں تعاون کی تجویز اجلاس میں پاس ہوگئی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجلاس کے دو تین ہفتے بعد ہی مولانا حفظ الرحمن صاحب کو گرفتار کرلیا گیا اور وہ میرٹھ جیل بھیج دیئے گئے ان سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد اور استاذ محترم مولانا سید فخرالدین احمد شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مرادآباد و استاذِ مکرم مولانا سید محمد میاں صاحب اور جمعیۃ علماء کے ممتاز لوگوں میں سے مولانا بشیر احمد بھٹہ گرفتار ہوکر میرٹھ جیل میں اقامت گزیں ہوچکے تھے، جمعیۃ علماء ہند پر انگریزی حکومت کی عنایتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

۱۹۲۹ء میں ڈانڈی مارچ اور نمک سازی کی تحریک سے جنگ آزادی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ گاندھی اِرون پیکٹ کے بعد مارچ ۱۹۳۱ء میں عارضی طور پر ملتوی ہوگیا اور اس پیکٹ کے نتیجہ میں جتنے سیاسی قیدی جیلوں میں تھے سب رہا کردیئے گئے حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب اور مولانا سید محمد میاں صاحب اکتوبر ۱۹۲۹ء میں گرفتار کئے گئے تھے اس عام رہائی سے مستفید ہوئے چونکہ ان حضرات کی سزا ایک سال کی تھی اور ابھی نصف مدت ہی ختم ہوئی تھی مگر مولانا حفظ الرحمن صاحب اس سے بہرہ یاب نہیں ہوئے کیونکہ وہ ان حضرات سے چند ماہ پہلے گرفتار ہوئے تھے۔

مگر جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کی یہ گرفتاری اور رہائی پائیدار ثابت نہیں ہوئی، لندن میں گول میز کانفرنس انہیں دنوں منعقد ہونے والی تھی، گاندھی جی اس کانفرنس میں

شریک ہونے کیلئے لندن گئے لیکن فرقہ وارانہ مسئلہ پر کوئی مفاہمت نہ ہوسکی اور کانفرنس ناکام ہوگئی اس دوران بمبئی کا نادرشاہ اور بدنام زمانہ گورنر لارڈ ولنگڈن وائسرائے بنکر دہلی آگیا اور اس نے آتے ہی سیاسی لیڈروں کی دار وگیر اور گرفتاری کی تیاریاں شروع کردیں، اور گول میز کانفرنس کے تیسرے ہی مہینے بعد پھر ہندوستانی لیڈروں کی گرفتاری شروع ہوگئی، اس طرح سول نافرمانی کی تحریک جو سرد پڑ چکی تھی اس میں از خود حرارت آگئی اور دوبارہ زندہ ہوگئی۔

نئی محاذ آرائی

جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس کراچی میں ۳۱ مارچ و یکم اپریل ۱۹۳۱ء کو زیر صدارت مولانا ابوالکلام آزاد ہوا اس زمانہ میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور دوسرے کئی رہنما اور ارکان مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند گرفتار تھے اور جیلوں میں بند تھے اجلاس میں ان کی گرفتاری پر غم وغصہ کا اظہار کیا گیا اور ان کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا اور ایک تجویز کے ذریعہ سول نافرمانی کی تحریک کو جاری رکھنے اور رضا کاروں کی بھرتی کا پروگرام منظور کیا گیا اور پھر سہارنپور میں مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں جو ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء کو ہوا تھا اس میں جمعیۃ علماء ہند کے نقطۂ نگاہ کو واضح کیا گیا اور یہ وضاحت کی گئی کہ جمعیۃ علماء ہند آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو کیا مقام دینا چاہتی ہے، اس سلسلہ میں فارمولا منظور کیا گیا اسکی روداد و تفصیل اردو اور انگریزی میں شائع کرکے مختلف ملتوں کے نمائندوں اور پارٹیوں کے ذمہ دار لیڈروں کو بھیجا گیا، اسکی تمہید میں کہا گیا کہ

"ہندوستان کی مختلف ملتوں نے کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کیا تھا جسکو کانگریس گول میز کانفرنس میں متحدہ فیصلہ کی حیثیت سے پیش کرتی اس لئے اب اس نے فیصلہ کیا ہے کہ کانگریس جو فارمولا پیش کر رہی ہے وہ آخری فیصلہ نہیں ہے بلکہ اس سے بہتر کوئی اسکیم مختلف ملتوں کے اطمینان کے ساتھ کانگریس کے سامنے آئے تو کانگریس بخوشی منظور کریگی اس لئے مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس نے کانگریس کے فارمولا کی بہت سی دفعات پر اعتراض کیا اور

اسکو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، آخر میں کہا گیا کہ جمعیۃ علماء ہند کو وہی فارمولا قابل قبول ہوگا جس کے اندر ہندوستان کی مختلف ملتوں کا کلچر زبان رسم الخط پیشہ مذہبی تعلیم، مذہبی تبلیغ، ادارے، مذہبی عقائد، مذہبی اعمال، عبادت گاہیں اوقاف آزاد ہوں گے حکومت ان میں مداخلت نہ کریگی، دستور اساسی میں مسلم پرسنلا کی حفاظت کیلئے خاص دفعہ رکھی جائیگی جس میں تصریح ہوگی کہ مجالس اور حکومت کی جانب سے اسمیں مداخلت نہیں کی جائیگی صوبوں اور فیڈرل اسمبلی میں اقلیتوں کے سیاسی و دیگر حقوق کے متعلق شکایت سننے اور فیصلہ کرنے کیلئے سپریم کورٹ قائم کیا جائیگا جو مختلف ملتوں کے ارکان پر مشتمل ہوگا اس کے فیصلوں کا نفاذ فیڈرل حکومت کریگی، طرز حکومت وفاقی ہوگا، تمام صوبے کامل خود مختار ہونگے، مرکز کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو صوبے متفقہ طور پر دیں گے، ملازمتوں پر تقرر ایک غیر جانبدار پبلک سروس کمیشن کی طرف سے کیا جائیگا نیز ماتحت ملازموں میں کسی خاص فرقہ کی اجارہ داری نہ ہوگی۔

تحریک سول نافرمانی شباب پر

۱۹۳۰ء کے اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند تحریک آزادی میں کانگریس سے تعاون کی تجویز منظور کر چکی تھی ۱۹۳۲ء میں کانگریس نے سول نافرمانی کی تحریک دوبارہ شروع کی، جمعیۃ علماء ہند کانگریس کا تعاون تو ضرور کرتی تھی لیکن اس کا اپنا ایک مستقل پلیٹ فارم تھا اسکا اپنا ایک علیحدہ اور مستقل نظام تھا، اس کے اپنے رضا کار ہوتے تھے جو علیحدہ تحریک میں حصہ لیتے تھے، حکومت نے تحریک شروع ہونے سے پہلے ہی صف اول کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا تھا اور اس کا رخ متشددانہ اور جابرانہ تھا اور وہ ہر قیمت پر اور ہر طرح کی منتقمانہ کارروائیاں کرکے اس تحریک کو ختم کر دینا چاہتی تھی، اس لئے جو لوگ سول نافرمانی کی تحریک میں گرفتار ہوتے تھے جیل کی سزا کے ساتھ ان کی جائداد بھی ضبط کر لی جاتی تھی، بڑے بڑے جرمانے عائد کئے جاتے اور اسکی وصولیابی کے لئے رضا کاروں کی جائدادوں کو نیلام کر دیا جاتا

تھا، اس طرح گرفتاریوں کے سلسلہ میں حکومت کی پالیسی پہلے سے بہت زیادہ سخت ہوگئی تھی، اس لئے اب کی بار تحریک چلانا ایک بڑا ہی مشکل معاملہ ہوگیا تھا لیکن مجاہدین آزادی کیلئے خاموش بیٹھنا بھی منظور نہیں تھا اور ہر حال میں تحریک کو چلانا تھا۔

پروگرام اس طرح ہوتا تھا کہ ہفتہ میں دو دن رضا کاروں کے جتھے بھیجے جاتے تھے جو برسرعام قانون کی خلاف ورزی کرتے تھے اور گرفتار ہوتے تھے، عام طور پر دفعہ ۱۴۴/۸۸ نافذ رہتی تھی، رضا کار خلاف قانون نعرے لگاتے، جو جماعتیں خلاف قانون قرار دیدی جاتی تھیں ان کا جھنڈا لہراتے یا ان کی طرف سے شائع شدہ لٹریچر تقسیم کرتے تھے، اور جب وہ جلوس بنا کر چلتے تھے تو دفعہ ۱۴۴/۸۸ کی خلاف ورزی بھی ہو جاتی تھی، پولیس کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ پتہ چلائے کہ رضا کاروں کا جتھہ کہاں سے روانہ ہوگا؟ تاکہ جتھے کی روانگی سے پہلے ہی گرفتار کرلیا جائے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو جیسے ہی جتھہ منظم ہو اور روانگی کا ارادہ کرے وہیں گرفتار کرے تاکہ شہر کی عام سڑکوں پر خلاف قانون اقدام کا مظاہرہ نہ ہو سکے۔

پورے ملک میں سول نافرمانی اور خلاف ورزی قانون کے اس پروگرام کو چلانے کے لئے ایک مستقل نظام کی ضرورت تھی، کانگریس نے اس مقصد کیلئے ایک جنگی کونسل قائم کر رکھی تھی جو سارے پروگرام کو چلاتی تھی، اسی طرح جمعیۃ علماء ہند نے بھی ادارہ حربیہ کے نام سے ایک جنگی کونسل بنالی تھی کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند دونوں نے اس زمانہ میں مجلس عاملہ، صدر اور سکریٹری وغیرہ کے عہدے اور ذمہ داریاں ختم کر کے ڈکٹیٹر شپ قائم کردی تھی، ڈکٹیٹر ہی یہ نظام چلاتا تھا اور جب وہ گرفتار ہو جاتا تھا تو اپنی گرفتاری کے وقت اپنے جانشین ڈکٹیٹر کے نام کا اعلان کر دیتا تھا۔

ایسے تمام حضرات کی فہرست خفیہ طور پر پہلے ہی سے تیار کرلی گئی تھی جو ڈکٹیٹر بنائے جانے والے تھے اور ان کی ترتیب بھی مقرر کردی گئی تھی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند صدر جمعیۃ علماء ہند، جمعیۃ علماء کی طرف سے سب سے پہلے ڈکٹیٹر تھے اور جب وہ گرفتار ہوگئے تو شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی دوسرے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے ان کی گرفتاری کے بعد تیسرے ڈکٹیٹر حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند تھے مگر وہ قبل از وقت

گرفتار کرلئے گئے اس لئے اس ترتیب میں ان کا نام نہ آسکا جمعیۃ علماء ہند کی جنگی کونسل کے ذمہ دار اعلیٰ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار تھے، اس زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کا دفتر بلی ماران میں تھا، اسی محلہ کی ایک تاریک گلی میں ایک اور مکان لے لیا گیا تھا مولانا محمد سجاد صاحب کا قیام اسی مکان میں رہتا تھا جس کا علم دفتر کے لوگوں میں صرف قاضی اکرام الحق صاحب کو تھا، جسکو جنگی کونسل کے ذمہ دار اعلیٰ سے ملنا ہوتا تھا تو چپکے سے قاضی صاحب موصوف ان کو اس مکان تک پہونچا دیتے تھے۔

مولانا محمد سجاد صاحب رضا کاروں کے نظام کے ذمہ دار تھے اور باہر فیلڈ میں کام کرنے، لوگوں کو رضا کاروں میں بھرتی کرنے اور سول نافرمانی میں شریک ہونے کیلئے تیار کرنا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ذمہ تھا اس طرح مولانا موصوف رضا کاروں کے نظام کے ناظم اعلیٰ یا کمانڈر تھے، آپ کا کام یہ ہوتا تھا کہ ملک میں گھوم پھر کر تحریک کا جائزہ لیں اور اس نظام کو کامیاب بنائیں اور لوگوں کو آمادہ کریں کہ رضا کاروں کی فہرست میں اپنے نام لکھائیں اور ان کیلئے جو پروگرام بنایا جائے ہر وقت حاضر ہو کر اس میں حصہ لیں، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کچھ ہی دنوں اس ذمہ داری کو پورا کیا تھا کہ ایک دن گرفتار ہو گئے اور جیل بھیج دیئے گئے۔

جمعیۃ علماء ہند اگرچہ ابھی خلاف قانون جماعت نہیں تھی لیکن حکومت کا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ ویسا ہی رہا جیسا ہر خلاف قانون جماعت کے ساتھ ہوتا تھا، اس کے دفتر پر پولیس کے چھاپے پڑتے تھے اور اس کے نمایاں کارکنوں کو گرفتار کر لیا جاتا تھا اور پولیس تمام کاغذات اٹھا لیجاتی تھی، جنگی کونسل کی طرف سے مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ ہر جمعہ کو مرادآباد سے دہلی جائیں اور جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ تقریر کریں اور لوگوں کو سول نافرمانی پر آمادہ کریں، دو تین جمعہ تو خیریت سے گذر گئے اور مولانا موصوف پولیس کی نگاہوں سے بچ گئے اور گرفتار نہ ہو سکے، کیونکہ جامع مسجد سے اس احتیاط کے ساتھ نکلنا ہوتا تھا کہ پولیس پتہ ہی نہیں پاتی تھی کہ وہ کدھر سے گئے؟ پھر بڑی احتیاط اور رازداری کے ساتھ صوبہ دہلی کے صدر سے باہر ہو جاتے تھے، کئی بار کی ناکامی کے بعد پولیس

جھنجھلائی ہوئی تھی اب کی بار پولیس چوکنی تھی، خفیہ راستہ سے مولانا موصوف جامع مسجد پہونچ گئے اور تقریر بھی ہوئی مگر واپسی میں گرفتار ہو گئے اور دہلی میں صدر کوتوالی کی حوالات میں آٹھ دن بند رہے اور پھر رہا کر دیا گیا۔

مولانا سید محمد میاں صاحب جمعیۃ علماء ہند کے نویں ڈکٹیٹر تھے، دہلی چاندنی چوک کوتوالی کی حوالات میں جب پہونچے تو آپ سے پہلے مولانا منت اللہ رحمانی صبح ہی سے اس حوالات میں مقیم تھے اور جمعیۃ علماء کے چند اور کارکن بھی سرکاری مہمان تھے جن کو اسی رات میں گرفتار کیا گیا تھا، مولانا محمد میاں دہلی سے نجات کے بعد مرادآباد میں بحیثیت ڈکٹیٹر شارع عام پر سول نافرمانی کرنے والے ایک جتھہ کی رہنمائی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے، چھ ماہ کی سزا با مشقت ملی اور سی کلاس دی گئی اور مشقت میں چکی پیسنے کا کام دیا گیا۔

دیوانگی و ہشیاری

جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کے دلوں میں آزادی کی کتنی لگن تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جمعیۃ علماء ہند کے رکن رکین ہونے کے ساتھ ساتھ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے اور کانگریس خلافِ قانون جماعت قرار دیجا چکی تھی، پھر بھی اس نے اپنے سالانہ اجلاس کا اعلان کر دیا اور شارع عام کو جلسہ گاہ قرار دیا گیا اس کے لئے گھنٹہ گھر کا مردم خیز بازار تجویز کیا گیا، چند ہی قدم پر کوتوالی ہے، پولیس اور سی آئی ڈی کو چوکنا کر دیا گیا ہے کہ جو کانگریسی جہاں ملے فوراً گرفتار کر لیا جائے، کسی کو مقام مقررہ پر پہونچنے نہ دیا جائے، باہر سے آنے والوں کی نگرانی کیلئے پلیٹ فارم پر سی آئی ڈی متعین کر دی گئی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو اس اجلاس میں سیوہارہ سے چل کر شریک ہونا تھا، مولانا موصوف نے اپنی وضع بدلی کھدر کا لباس گٹھری میں باندھا، نیچے کا پاجامہ ولایتی کپڑے کی شیروانی، جے پوری صافہ باندھا ایک عمدہ اور قیمتی چھڑی ہاتھوں میں لی، کسی ریاست کے راجہ کی طرح نوابی شان سے دہلی اسٹیشن پر اُترے، جمعیۃ علماء ہند کے دفتر سے قاضی اکرام الحق صاحب پلیٹ فارم پر استقبال کیلئے موجود تھے قاضی صاحب مولانا موصوف کو دیکھ کر ان کی طرف لپکے تو فوراً اشارہ سے ان کو روک دیا گیا پر سی آئی ڈی موجود تھی، پولیس دیکھ رہی ہے کہ ایک مولوی نما نوجوان نوابی شان سے اس کے

سامنے سے گذر رہا ہے اس کے متعلق پولیس کو شبہ بھی نہ ہو سکا کہ یہ مولانا حفظ الرحمن ہیں جو ہمیشہ کھدر میں ملبوس رہتے ہیں، پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آپ گھنٹہ گھر پہونچ گئے۔

پولیس سے آنکھ مچولی

کانگریس کا یہ اجلاس حکومت اور کانگریس دونوں کیلئے وقار اور عزت کا سوال بن گیا، حکومت نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر یہ جلسہ نہیں ہونے دیگی، دہلی کے گلی کوچوں میں سی آئی ڈی بھری ہوئی تھی مگر کوئی گرفتار نہیں ہو رہا تھا، کہیں کوئی کانگریسین نظر نہیں آرہا تھا اجلاس کے مقررہ وقت میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے، گھنٹہ گھر کے پاس نہ میز نہ کرسیاں تھیں نہ فرش فروش نہ رضا کار نہ والنٹیئر نہ کوئی ممبر، سی آئی ڈی مطمئن ہو گئی کہ پالا مار لیا اور کانگریس کو شکست فاش دیدی گئی، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اسی پولیس اور سی آئی ڈی کے سامنے آس پاس کی گلیوں سے کوچوں سے آئی سی سی کے ممبروں کی آمد شروع ہو گئی اور ایک جھپکے میں اُنکی اتنی بڑی تعداد آگئی کہ باوردی اور بے وردی پولیس جو وہاں موجود تھی اپنی تعداد کو نا کافی سمجھکر مزید پولیس بلانے کیلئے کوتوالی کی طرف بھاگی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جو ممبران دفعتہً یہاں برآمد ہو گئے تھے انہوں نے ٹھیک گھنٹہ گھر کے نیچے اپنا اجلاس شروع کر دیا، انقلاب زندہ باد، ہندوستان آزاد، کانگریس زندہ باد کے نعرے لگائے گئے یہ سب نعرے خلاف قانون تھے، یہ نعرے اتنی زور سے لگائے گئے کہ آسماں گونج گیا، پھر صدر نے حلفنامہ آزادی پڑھا، آزادی کی تجویز پیش کی جو بالاتفاق منظور ہوئی اور جلسہ بخیر وخوبی ختم ہو گیا، ابھی پولیس پہو نچنے بھی نہیں پائی تھی کہ یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا، پولیس پہونچی تو میدان خالی تھا اور کوئی ممبر ہاتھ نہ آسکا، حکومت جیتی ہوئی بازی ہار گئی۔

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء

حریت پسند جماعتوں کی تیز تر سرگرمیوں کے نتیجہ میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نفاذ ہوا جس میں بہت سے اختیارات مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو دیئے گئے، مگر مکمل آزادی کا مطالبہ ابھی تشنہ تھا، ایکٹ پر عملدرآمد کیلئے الکشن ضروری تھا کیونکہ انتخابات کے بعد ہی کونسلیں اور مرکزی اسمبلی قائم ہو سکتی تھی، یہی وہ زمانہ ہے جب مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند

میں پیکٹ ہوا جمعیۃ علماء ہند صوبہ دہلی کا اجلاس ہو رہا تھا کہ مسٹر محمد علی جناح صدر مسلم لیگ نے اس اجلاس میں شریک ہونے کی خواہش کا اظہار کیا اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے انکو دعوت دیدی اس اجلاس میں آنے والے الکشن کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء کی پالیسی متعین کرنی تھی اور لائحہ عمل تجویز کرنا تھا کہ آنے والے الکشن میں کامیابی حاصل کی جاسکے مسٹر جناح جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں کیوں آئے؟ وہ کیا مجبوریاں تھیں کہ وہ ایک آل انڈیا تنظیم کے سربراہ ہوتے ہوئے ایک ایسی جماعت کے کیمپ میں آئے جس سے ان کا ازلی بیر تھا، یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اسکی وضاحت کے بغیر مسلم لیگ کی غیر مخلصانہ قیادت کا راز فاش نہیں ہو سکتا اس لئے قدرے تفصیل سے اس پر گفتگو کی جاتی ہے۔

مسلم لیگ عوامی جماعت نہیں تھی

جب ۱۹۳۵ء کا انڈیا ایکٹ نافذ ہوا اور الکشن کا اعلان ہوا اس وقت مسلم لیگ عوامی جماعت نہیں تھی اور نہ عوامی مسائل سے اس کا کوئی تعلق تھا، مسلم لیگ پر ابتک سرکاری خطاب یافتہ اور مسلم جاگیرداروں اور حکومت کے بہی خواہوں اور برطانوی حکومت کے وفاداروں کا قبضہ تھا عوام پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا اور نہ عوام کو مسلم لیگ کی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی تھی، الکشن فرقہ دارانہ بنیاد پر تھا اور مسلم عوام پر جمعیۃ علماء کا اثر تھا اس لئے مسٹر جناح نے سمجھا کہ اگر قوم پرور مسلمانوں نے متحدہ محاذ بنالیا تو الکشن کے میدان میں مسلم لیگ تنہا رہ جائیگی اور اسکی کامیابی ناممکن ہوجائیگی اس لئے مسٹر جناح نے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں پر زور دیا کہ مسلم لیگ سے سمجھوتہ ہوجائے، مسلم لیگ بےچین تھی کہ وہ مسلم عوام سے کس بنیاد پر ووٹ کی اپیل کریگی اور ان کے کن مسائل کو الکشن کا ایشو بنائیگی؟

مسلم لیگ کی تجدید اور تعمیر جدید کا احساس اسی الکشن کے موقعہ پر ہوا، لیگی لیڈروں نے اپنی اس کمزوری کو محسوس کیا اور اکتوبر ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا اسی اجلاس میں مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کا فیصلہ ہوا ممبری کا دروازہ عام مسلمانوں کیلئے کھول دیا گیا اور سالانہ فیس ۲/ دو آنے رکھی گئی ابتک مسلم لیگ کا نصب العین حکومت خود اختیاری زیر سایۂ برطانیہ تھا اب اس سے ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا[1] ظاہر ہے انکشن کا معرکہ سامنے ہے

---

[1] حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری ص ۲۳۶۔

اور اب عوام تک پہونچنے کی تجویز منظور کی جارہی ہے ایسی جماعت کس الکشن میں کامیابی حاصل کرلیتی ہے تو قدرتی طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اسکی کامیابی کے کیا اسباب ہیں ؟ الکشن میں کامیابی کا واحد سبب صرف جمعیۃ علمار ہند سے اتحاد تھا مسلم لیگ کی اس کمزوری کو جمعیۃ علمار ہند نے عوام میں اپنے اثر ورسوخ سے دور کیا اور مسلم لیگ کی کمی کو پورا کیا لیکن جب الکشن کا معرکہ ختم ہوا اور معاہدہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ مسٹر جناح نے اس معاہدہ کو طاق نسیاں کی زینت بنا دیا۔

یہ میرا اپنا تجزیہ نہیں ہے بلکہ مسٹر محمد علی جناح کے ایک عقیدت کیش سوانح نگار کا بھی اعتراف ہے اور اس نے صاف لفظوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے مسٹر جناح نے جب جمعیۃ علمار ہند سے مفاہمت کی درخواست کی وہ صرف اس لئے کہ آنے والے الکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کے امکانات بہت ہی کم تھے کیونکہ ابتک مسلم لیگ خواص کی جماعت تھی، اس پر ذاتی مناصب اور سیاسی سربلندیاں حاصل کرنے والوں کا قبضہ تھا عوام سے اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا، وہ کون سا کارنامہ لیکر عوام کے سامنے جاتی ؟ مسٹر جناح نے جمعیۃ علمار ہند کے اثر ورسوخ اور اس کے عوامی رابطہ سے فائدہ اٹھانا چاہا[1] جمعیۃ علمار ہند کے پیش نظر ملک و وطن کے مفاد کے ساتھ مسلمانوں کا خصوصی مفاد بھی مد نظر تھا اس راہ میں جو بھی تعاون پیش کرتا جمعیۃ علمار اسکی پیشکش کو کیسے ٹھکرا سکتی تھی ؟ پھر بھی احتیاط کے طور پر جمعیۃ علمار نے مسٹر جناح کو مندرجہ ذیل باتوں کا پابند بنایا اگر مسلم لیگ ان شرائط کی پابند نہ ہوگی تو جمعیۃ علمار کوئی تعاون نہیں کرسکتی شرائط درذیل ہیں۔

۱۔ وہائٹ پیپر کو ان دفعات کے علاوہ جن پر کمیونل ایوارڈ مشتمل ہے مسترد کرنا۔

۲۔ تشدد دانہ قوانین کو منسوخ کرانا حکومت کی سخت پالیسی کی مذمت کرنا اور مخالفت کرنا اور ہر ایسے بل یا تجویز کی مخالفت کرنا جو ہندوستان کی تحریک آزادی یا سیاسی واقتصادی ترقی کے منافی یا اسکو کچلنے والی ہو، تمام ایسے مسودات قانون کے بارے میں جن کا مذہبی امور سے تعلق ہو جمعیۃ علمار ہند کی ہدایت کی پابندی، اس کے نقطۂ نگاہ کی ترجمانی اور حمایت کرنا۔

۳۔ جمعیۃ علمار ہند جن مسودات قانون کو پیش کرانا ضروری سمجھے ان کو پیش کر کے کامیاب بنانے کی

---

[1] حیات محمد علی جناح ص ۲۳۱۔

سعی کرنا اور اس امر کے متعلق کہ مسودہ قانون مذہب سے متعلق ہے یا نہیں جمعیۃ علماء ہند کے فیصلہ پر کاربند ہونا۔

مسٹر جناح نے ان تمام شرائط کو تسلیم کیا تو جمعیۃ علماء ہند نے مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کا اعلان کرایا، آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو مسٹر جناح کو انتخابی دستور العمل بنانے کا مجاز کیا، مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے جو انتخابی دستور العمل شائع کیا گیا اسکی پہلی دفعہ تھی،، مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت،، خالص مذہبی امور میں جمعیۃ علماء ہند اور مجتہدین کرام کی رائے کو اولیت دیجائیگی۔

جمعیۃ علماء ہند سے مفاہمت کے بعد مسٹر جناح نے مصلحت وقت یہی سمجھی کہ کانگریس کے سامنے بھی اظہار نیاز مندی کر کے راستہ ہموار کر لیا جائے کیونکہ اس زمانہ میں اگرچہ حریت پسند مسلمانوں پر اعتراضات کیئے جاتے تھے مگر مسلم لیگ یہ دیکھ رہی تھی کہ آزادی کی تحریک نے صرف ہندوؤں ہی کو نہیں بلکہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کو متاثر کر رکھا ہے، انتخابات اگرچہ جداگانہ ہیں مسلمان نمائندوں کا انتخاب صرف مسلمان ہی کریں گے لیکن وہ پھر بھی سمجھتے تھے کہ قوم پرور مسلمانوں نے اگر اپنا الگ ایک محاذ بنا لیا تو مسلم لیگ کیلئے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوگا، مسٹر جناح کے اس اقدام کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کے قوم پرور طبقے کو لیگ کی طرف کھینچ لیا اور انکو موقعہ نہیں دیا کہ وہ الکشن میں اپنا ایک علیحدہ اور مستقل محاذ قائم کریں اور اپنے بل بوتے پر الکشن لڑیں، اور جب قوم پرور مسلمانوں سے رابطہ قائم ہوا تو کانگریس سے بھی عملی طور پر تعاون کا رشتہ قائم ہوگیا، مسلم لیگ نے جو بساط سیاست بچھائی تو شطرنج کے سارے مہرے ٹھیک ٹھیک بیٹھتے چلے گئے، اس وقت مسٹر رفیع احمد قدوائی کانگریس کی طرف سے اتر پردیش میں الکشن کے انچارج تھے اور چودھری خلیق الزماں جو قوم پرور مسلمانوں میں شمار ہوتے تھے لیگ کی طرف سے انچارج تھے ان دونوں میں ذاتی طور پر گہرا رابطہ تھا اور جماعتی حیثیت میں بھی طور پر یہ طے تھا کہ جہاں مسلم حلقوں میں کانگریس کسی مسلمان کو کھڑا کریگی وہاں مسلم لیگ اپنا امیدوار نہیں کھڑا کریگی آپس میں مقابلہ نہ کرنے کا معاہدہ طے ہوگیا۔

---

[1] حیات محمد علی جناح ص ۲۴۳

جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے کبھی دھوکہ اور فریب کی سیاست نہیں سیکھی تھی، انہوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ جس طریقہ کار کو صحیح اور مسلمانوں کے لئے مفید سمجھا انتہائی بے لوثی کے ساتھ اسے اختیار کرلیا اور اس کیلئے ہر طرح کی قربانیاں دیں، جب مسلم لیگ سے معاہدہ ہوا انہوں نے اپنے اوپر قیاس کر کے یہ یقین کرلیا کہ مسلم لیگ بھی اپنے وعدوں میں سچی ہوگی اور کئے گئے معاہدہ کی پابند ہوگی اس لئے انہوں نے اس الکشن میں اپنے اثر ورسوخ سے پورا پورا کام لیا، انہوں نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کیلئے فضا کو ہموار کیا، ابھی تک مسلم عوام پر علماء سے زیادہ کسی لیڈر کا اثر نہیں تھا اسلئے علماء کی یہ جدوجہد انتہائی کامیاب رہی، جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے مسلم لیگ کو عوام سے روشناس کرایا اسکی طرف سے جو بدگمانیاں عام تھیں ان کو دور کیا، ان کے خلوص اور محنت کی وجہ سے پورے ہندوستان میں گویا مسلمان ایک محاذ پر جمع ہوگیا، دوسری کوئی بڑی طاقت اس متحدہ محاذ کے مقابلہ میں نہیں تھی، اس لئے الکشن کا میدان مسلم لیگ کے ہاتھ رہا۔

سو فی صدی کامیابی کا ریکارڈ

جو مسلم لیگ ابتک ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جنہوں نے اسکو اپنی اغراض کا کھلونا بنا رکھا تھا اور کچھ لوگوں نے اسے اپنے ذاتی مقاصد اور سربلندیاں حاصل کرنے کیلئے آلۂ کار بنا رکھا تھا اس کے امیدواروں کا عوام کے ووٹوں سے سو فی صدی کامیابی حاصل کرنا کیا کم حیرتناک ہے؟ کیا مسلم لیگ اپنے بل بوتے پر یہ کامیابی حاصل کرسکتی تھی؟ جبکہ عوام سے آج تک اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا، اس کے باوجود اس کا کوئی امیدوار نہیں ہارا، اسکی بنیادی وجہ یہی تھی کہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لیکر شب و روز دورے کر کے عوام کو اس راہ پر لگایا، ابتک ہندوستان میں علماء کا وقار بحال تھا اور مسلم لیگ نے علماء کے وقار کو دفن کرنے کا کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا اس لئے صرف جمعیۃ علماء کی جدوجہد کا ثمرہ تھا جس نے بے مثل کامیابی مسلم لیگ کی جھولی میں ڈال دی۔

---

[1] حیات محمد علی جناح ص ۲۳۱۔

لیگ مار آستین بن گئی

اس الکشن سے مسلم لیگ کو فائدہ پہونچا کہ جمعیۃ علماء ہند نے پورے ملک میں مسلم لیگ کو روشناس کرا دیا عوام سے لیگ کا قریبی رابطہ پیدا کر دیا، جمعیۃ علماء کے اثر و رسوخ کو دیکھکر مسٹر جناح نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ جماعت جسکی مخالفت کریگی اس کیلئے اس ملک میں کامیابی ممکن نہیں، مسلم لیگ کو اسی الکشن کے صدقے میں عوامی جماعت ہونے کا موقعہ مل گیا اور اپنی اس کمزوری کو دور کرنے کیلئے عوام کیلئے اس کا راستہ کھول دیا گیا دو آنہ فیس ممبری رکھی گئی، ہر شہر اور قصبہ میں اسکی شاخیں قائم کی گئیں اور جب یہ مرحلہ آسان ہوگیا تب مسٹر جناح نے علماء کے خلاف ایک زبردست محاذ کھول دیا ان کی عزت و وقار ادب و احترام کو مٹا دینے کیلئے مسلسل مہم چلائی، نوجوانوں اور کالج کے طلبہ کو اکسایا کہ ہندوستان سے علماء کے اثر و اقتدار کو مٹا دیں اور ان کی عزت و ناموس کو دفن کر دیں۔

۵/ فروری ۱۹۳۸ء کو مسٹر جناح نے طلبہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کو اُن کے رجعت پسند عناصر سے رہائی دلائی، اس نے اس خیال کی اشاعت کی کہ جن لوگوں کا مطمح نظر خود غرضی ہے وہ غدار ہیں، اس نے تمہیں مولوی مولانا کے ناگوار اور ناپسندیدہ عناصر سے بھی آزاد کرایا ہے ان میں ایک دو ضرور اچھے ہیں لیکن یہ فرقہ ہی ایسا ہے جو قطعی ناپسندیدہ و ناگوار خاطر ہے اور قطعاً ناقابل برداشت ہے۔[1]

کانگریسی وزارتیں بن گئیں

۱۹۳۷ء کے اوائل میں صوبائی مجالس انتخابات کامیابی کے ساتھ ختم ہو گئے، تمام صوبوں میں کانگریس غیر معمولی اکثریت کے ساتھ جیتی، اور جب حکومت سے یہ وعدہ لے لیا کہ گورنر وزارت کے کاموں میں دخل نہیں دیں گے تو اس نے اپنی وزارتیں بنائیں، صوبائی اسمبلیاں اور مرکزی اسمبلی ہندوستانی نمائندوں کی جولانگاہ بن گئی، جوں ہی تشکیل وزارت کا مسئلہ سامنے آیا مسلم لیگ کا رُخ بدل گیا اور گرگٹ کی طرح اس نے اپنا رنگ بدل لیا نہ جمعیۃ علماء ہند کے احسانات یاد رہے اور نہ کانگریس سے سمجھوتے کی شرم رہی، یوپی کی وزارت کی تشکیل نے جو طول کھینچا اور اسکی وجہ سے جو اختلافات رونما ہوئے اس نے پورے ملک کی سیاست پر اثر ڈالا چونکہ اب

---

[1] جناح کی تقریریں ص ۱۱۸ شائع کردہ اشاعت اُردو حیدرآباد دکن۔

مسلم لیگ الکشن کے میدان سے ایک طاقت بن کر ابھری تھی اس لئے اب اس میں یہ جرأت پیدا ہوگئی کہ وہ کانگریس کو آنکھیں دکھا سکے اور اسکو چیلنج کر سکے، یہ صورت تھا اس دھوکے اور فریب کی سیاست کا جو مسلم لیگ نے اپنائی تھی، ایک طرف کانگریس کے مجاہدین آزادی تھے اور دوسری طرف مسلم لیگ کے جیتے ہوئے نمائندے، قوم پرور مسلمانوں کا دور دور کہیں پتہ نہیں تھا، سیاسی تاریخ میں یہ جمعیۃ علماء کے صرف اپنے خلوص اور بے غرض سیاست کی وجہ سے ایک اہم اور تاریخی حادثہ وجود میں آگیا جس نے مستقبل کی تاریخ پر زبردست اثر ڈالا۔

دوسری جنگ عظیم اور سیاسی سرگرمیاں

۱۹۳۹ء

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو علی الصباح جرمنی کی فوجوں نے ہٹلر کی قیادت میں پولینڈ پر حملہ کر کے دوسری خوفناک جنگ عظیم کا آغاز کر دیا جو کم و بیش پانچ سال تک دنیا کو آگ اور خون کی بارش میں نہلاتی رہی اور انسانی جانوں کو حشرات الارض سے بھی زیادہ حقیر اور بے وقعت بنا دیا، تخلیق آدم سے لیکر ابتک اتنی بڑی تباہی و بربادی اور انسانی جانوں کی ہلاکت چاند اور سورج نے کبھی نہیں دیکھی تھی، خاتمہ جنگ کے بعد ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو واشنگٹن سے نقصانات جنگ کی جو تفصیلات شائع کی گئیں اس میں انسانی جانوں کے نقصان، ہلاک، بے کار اور زخمی ہونے والوں کی تعداد ساڑھے پانچ کروڑ بتائی گئی تھی، مجبور و مظلوم ہندوستان جس کا اس جنگ سے کوئی سروکار نہیں تھا اس کے باشندوں نے اپنے انگریز آقاؤں کے حکم پر ۱۷۹۹۲۵ کی تعداد میں برطانوی امپیریلزم کے دیوتا پر اپنی جانیں قربان کیں۔

جرمنی کی فوجیں طوفان کی طرح ابھریں اور تیز و تند سیلاب کی طرح یورپ پر چھا گئیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ برطانیہ، امریکہ اور روس جو آج دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں مانی جاتی ہیں ان کے اسلحۂ جنگ، فوجی طیارے اور ٹینک کاغذ کے کھلونے ہیں، اور جرمنی کا سرکش بچہ غصہ میں ایک ایک کو چور کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے، اس طوفان کے آگے کسی کے قدم ٹھہرتے ہی نہیں تھے جو سامنے آیا خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔

انگریزوں پر جب برا وقت آیا تو انہوں نے غلام ہندوستان کو بھی اسی جہنم میں

جھونک دیا، یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کی صبح کو جنگ کا آغاز ہوا اور ۳؍ستمبر کو شہنشاہ برطانیہ نے اپنے حاکمانہ اور مغرورانہ انداز میں اعلان فرمایا کہ "ہم نے طاقت اور زور کے چیلنج کو منظور کر لیا ہے اور اپنی رعایا کے ہر فرد سے خواہ وہ اس ملک میں رہتا ہو یا سلطنت برطانیہ کے کسی حصہ میں امید رکھتا ہوں کہ اس معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھے گا اور اس آزمائش کے وقت میں ٹھنڈے دل اور عزم صمیم کے ساتھ متحد ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا وقت مشکل ہے اور منزل کٹھن ہے لیکن ہم عزم و دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں گے تو خدا کے فضل و کرم سے کامیاب ہوں گے"

یہ تو وہ حکمنامہ تھا جو شہنشاہ برطانیہ نے اپنے ملک اور اپنے غلاموں کے نام جاری کیا تھا اس کے بعد ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہندوستان کے حاکم مطلق وائسرائے ہند لارڈ لن لتھگو نے ریڈیو سے ایک طویل تقریر براڈ کاسٹ کی جس میں آپ نے ہندوستانی عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "حکومت برطانیہ اور حکومت فرانس نے صاف صاف اعلان کیا تھا کہ اگر پولینڈ پر حملہ کیا گیا تو وہ اسکی مدد کریں گے اسی لئے اب جرمنی کے خلاف اعلان جنگ ہو چکا ہے، ملک معظم کی حکومت نے کسی ذاتی غرض کیلئے نہیں جنگ میں شرکت کی ہے اگر کوئی غرض ہے تو یہی کہ جو اصول بنی نوع انسان کیلئے ضروری ہیں ان کی حفاظت کیجائے تاکہ تہذیب و تمدن ترقی کر سکیں، ملک معظم کی حکومت ہر کوشش عمل میں لائیگی کہ موجودہ سانحۂ عظیم پیش نہ آئے"

مگر یہ بیان ڈسٹرکل لاج میں بیٹھکر مرتب کیا گیا تھا اور براڈ کاسٹ کر دیا گیا تھا، ہندوستان سے استصواب کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی، اس لئے کوئی ضروری نہیں تھا کہ پورا ملک اسکی تائید میں اٹھ کھڑا ہو، اب ہندوستانی عوام کے دل و دماغ میں قومی غیرت و حمیت پھر سے زندہ ہو چکی تھی اور دست بستہ امپیریلزم کی بارگاہ میں ان کا حاضر ہو جانا کچھ آسان نہیں تھا، اس لئے وائسرائے نے ملک کے ممتاز اور نمایاں لیڈروں سے الگ الگ تبادلہ خیال کرنا چاہا، سب سے پہلے گاندھی جی کو زحمت دی گئی، انہوں نے ذاتی حیثیت سے گفتگو کی اور کہا کہ کانگریس کی طرف سے اسکی ورکنگ کمیٹی گفتگو کی مجاز ہے اس لئے مجھے حق نہیں کہ میں

کی طرف سے کوئی گفتگو کروں، اس لئے یہ معاملہ یہیں ختم ہوگیا، بات ادھوری رہ گئی، ہندوستان جنگ میں تعاون دیگا یا نہیں، کچھ طے نہ ہوسکا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو بحیثیت صدر کانگریس دعوت دیگئی، انہوں نے دعوت رد کردی اور وائسرائے سے ملنے سے انکار کردیا، ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں نے ضرورت محسوس کیا کہ حکومت کو تعاون دینے یا نہ دینے کے سلسلہ میں ایک متفقہ اور واضح پالیسی طے کرلینا انتہائی ضروری ہے تاکہ ملک کو اس پالیسی پر چلنے کی ہدایت کی جاسکے، مسلم لیگ سے کسی جرأتمندانہ پالیسی کی توقع فضول تھی کیونکہ حکومت نے ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ ہی کی حمایت سے مرکزی اسمبلی میں ”آرمی بل“ پاس کیا تھا جس کا منشاء یہ تھا کہ فوجی بھرتی کیلئے گورنمنٹ جو صورت بھی اختیار کرے ان کی مخالفت قانوناً مستحق سزا قرار دیا جائے، حکومت نے مسٹر جناح کی تائید پر شکریہ ادا کیا جس جماعت کا یہ کارنامہ ہو اس سے یہ توقع کرنا وہ حکومت کی منشاء کے خلاف کوئی اقدام کریگی ایک انہونی بات تھی، چنانچہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ایک اہم رکن سر سکندر حیات خاں نے پہلے ہی اعلان کردیا کہ اس وقت حکومت پر وقت آپڑا ہے میں اپنے تمام پنجابی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس جنگ میں کسی قسم کے تعاون سے دریغ نہ کریں، اسی طرح کے بیانات سر عبدالحلیم غزنوی اور سر محمد یعقوب کی طرف سے شائع ہوچکے تھے خود مسلم لیگ نے بھی جنگ میں انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنیکا اظہار کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک بے جوڑ شرط بھی لگائی تھی ”کہ وائسرائے کانگریسی وزارتوں میں جبتک مسلمانوں کو پورا پورا انصاف نہیں دلائیں گے مسلم لیگ کی حقیقی اور ٹھوس مدد نہیں مل سکتی“، اس کا مفہوم یہ ہوا کہ حکومت کی امداد تو ہوگی مگر نیم دلی سے ہوگی اگر حکومت مسلم لیگ کے اس مطالبہ کو تسلیم کرلیتی تو اسکی ٹھوس اور حقیقی امداد دینے کا بھی ارادہ رکھتی ہے چاہے ہندوستان کبھی آزاد نہ ہو، کیونکہ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ ہی نہیں تھا، کانگریس نے اس جنگ میں حکومت کو تعاون دینے کیلئے اپنی شرائط کا اعلان کیا کہ ہندوستان اس جنگ میں اس وقت شریک ہوسکتا ہے جب

۱۔ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا جائے۔

۲۔ آزادیٔ ہند کیلئے بعد از جنگ ایک مدت مقرر کی جائے۔

۳- سردست مرکز میں ایک بااختیار قومی حکومت قائم کردی جائے جو آزادیٔ ہند کے لئے پیش خیمہ ہو اور ایفاء وعدہ کیلئے ضمانت ہو۔

۴- حق رائے دہندگی بالغان کے اصول پر ایک دستور ساز مجلس منتخب کی جائے۔

ہم کوئی تعاون نہیں کریں گے

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اصول اور ذہن و مزاج کے لحاظ سے دو ٹوک بات کہی اور اس نے صاف لفظوں میں کہدیا کہ ہم اس جنگ میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں پاتے ہیں۔

۱۶ ستمبر ۱۹۳۹ء یعنی آغاز جنگ سے صرف دو ہفتے بعد جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس میرٹھ میں ہوا، اور تجویز منظور کی گئی۔

"آزاد حکومتیں تو اپنے نفع و نقصان کے پیش نظر اس جنگ میں شریک ہو رہی ہیں لیکن غلام قوموں کو اپنے آقاؤں کے حکم کی وجہ سے مجبور ہو کر اس جنگ میں حصہ لینا ہے، برطانوی حکومت نے اس جنگ میں اس لئے شرکت کی ہے کہ برطانوی حکومت اقوام کی آزادی کی داعی ہے اور ہٹلر دوسروں کو غلام بنانا چاہتا ہے، برطانوی حکومت جمہوریت کی علم بردار ہے اور ہٹلر کی حکومت آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کی حکومت ہے، ہٹلر نے جارحانہ اقدام کیا ہے اس لئے ظالم ہے اور پولینڈ مظلوم ہے اور مظلوم کی حمایت ضروری ہے، پولینڈ جمعیۃ اقوام کا رکن ہے اور برطانیہ بھی اسکی ممبر ہے اس لئے پولینڈ کی آزاد حکومت کی مدد جمعیۃ اقوام کے ہر رکن پر ضروری ہے، ان وجوہ کی بناء پر انگلینڈ کی حکومت نے اس جنگ میں شرکت کو اپنا اخلاقی و انسانی فریضہ سمجھا اور شریک ہوئی، ملک معظم اور وائسرائے نے اپنی دلیل میں کہا کہ آزادی، جمہوریت، غلام اور مظلوم کی حمایت اور معاہدہ کے احترام کے نام پر برطانیہ کی امداد کریں اور جنگ میں اس کے ساتھ تعاون کریں۔

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اس نازک موقعہ پر اعلیٰ ترین اسلامی، وطنی،

اخلاقی اصولوں کو مد نظر رکھ کر غور کیا، برطانیہ کے بیان کئے گئے اسباب پر غور کیا تاکہ صحیح نتیجہ پر پہونچنے میں سہولت ہو، جہانتک حکومت برطانیہ کی نیت کا تعلق ہے وہ خود زیادہ بہتر جانتی ہے لیکن تجربات وحقائق کی روشنی میں ان پر یقین کرنے کی کوئی وجہ ہم کو نظر نہیں آتی، بہت سے کمزور ملکوں کی آزادی سلب کی گئی مگر اس کے کانوں پر جوں نہیں رینگی ہندوستان اور فلسطین کو غلام بنا کر انگریزی حکومت کی آمریت ان پر مسلط ہے، اسی طرح بہت سے ایسے ملک ہیں جو طاقتور حکومتوں کے ظلم سہتے رہتے ہیں مگر برطانوی حکومت نے ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ ان کو تباہ وبرباد کرنے میں خود عملی اقدام کیا، ترکی اور مقاماتِ مقدسہ کے ساتھ انگریزی حکومت کا جو معاملہ رہا ہے وہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے، یہ تمام وجوہ ہمارے پیش نظر ہیں اس لئے حکومت کے بیان کردہ عذروں پر یقین نہ کرنے پر ہم مجبور ہیں، پھر اگر ہم اسکو ہندوستان یا مسلمانوں کے مفاد کے نقطۂ نظر سے دیکھیں کہ اگر برطانیہ کے ساتھ تعاون کرنا ہندوستان یا مسلمانوں کیلئے مفید ہوگا یا نہیں تو جہانتک واقعات وتجربات کا تعلق ہے ہمارے سامنے کوئی روشنی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہم نے دیکھا ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم میں ہندوستان نے ہر قسم کی تباہی وبربادی اٹھا کر بیش از بیش جانی ومالی قربانیاں دیکر برٹش امپیریلزم کو مضبوط کیا اور اپنی غلامی کی مدت بڑھائی تو اب انہیں کیسے اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس موقعہ پر برطانیہ کی حمایت ان کو آزادی سے ہمکنار کریگی یا برطانوی شہنشاہیت کی فتح برطانوی سامراج کے استحکام کا باعث نہیں ہوگی، گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کر کے صدیوں کی ادھوری آزادی کو مجروح کرنے کا تازہ واقعہ ہمارے لئے خطرہ کا الارم ہے،

جمعیۃ علماء ہند کا نصب العین ہمیشہ سے مکمل آزادی رہا ہے اور وہ اس کو پانا شرعی، سیاسی اور اخلاقی حق سمجھتا ہے اور کوئی چیز جو اس حق کے راستہ میں مزاحم ہو اس کے نزدیک قابل برداشت نہیں ہے، بہرحال جمعیۃ علماء ہند کے

Scanned by CamScanner

مجلس عاملہ کسی نقطۂ نظر سے بحالت موجودہ جنگ میں برطانوی امپریلزم کی امداد کرنے کیلئے کوئی وجہ جواز نہیں پاتی، نیز اس کے نزدیک لازمی اور ضروری ہیکہ موقعہ کی اہمیت و نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام مسلمان بلکہ تمام ہندوستانی مل کر ہندوستان کی طرف سے اپنی خودداری اور وقار کے لحاظ سے ایک فیصلہ کریں اور سب مل کر ایک ہی راستہ اختیار کریں کہ اسی فیصلہ پر ان کی نجات اور آزادی کا حقیقی مدار ہے،،

کانگریسی وزارتوں کا استعفاء

۲۳/اکتوبر ۱۹۳۹ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ ۳۱/اکتوبر ۱۹۳۹ء تک تمام کانگریسی وزارتیں مستعفی ہو جائیں، ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۹ء یوپی کی وزارت مستعفی ہو گئی یہ استعفاء درحقیقت اس شدید بیزاری کا اظہار تھا جو برطانوی حکومت سے ہندوستان کو تھی، حکومت کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کانگریس یہ قدم بھی اٹھا سکتی ہے، حکومت نہیں چاہتی تھی کہ وزارتیں استعفاء دیں لیکن ایک خوددار اور غیر تمند قوم کی طرح وزارتوں کو اس شان بے نیازی سے چھوڑ دیا جیسے کوئی میلے کپڑے اتار ڈالتا ہے، استعفاء درحقیقت اس بات کا اعلان تھا کہ ہم غلام بن کر مجبوری کا سودا نہیں کر سکتے، اور ہم ان لوگوں کو تعاون دیں جو زیادہ سے زیادہ طاقتور ہو کر ہماری غلامی کے شکنجوں کو اور طاقت سے کس دیں؟ وائسرائے ہاوس سے لیکر لندن پارلیمنٹ تک حیرت زدہ ہو کر رہ گئے پھر بھی حکومت نے نظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا،

گرفتاران بلا

شہنشاہ معظم اور وائسرائے ہند کی اپیلوں کا ردعمل توقع کے برخلاف تھا اور ہندوستان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا، اس لئے حکومت کے رویہ میں سختی آگئی اور معمولی معمولی باتوں پر دارو گیر شروع ہو گئی، حکومت اور آزادی پسند جماعتوں کے درمیان براہ راست ٹکراؤ شروع ہو گیا، جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں میں مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء اترپردیش مولانا احمد علی صاحب صدر جمعیۃ علماء پنجاب مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری ڈیفنس آف انڈیا کے تحت گرفتار کرکے جیلوں میں بند کر دیئے گئے، مولانا سید محمد میاں صاحب کی کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی"

حکومت نے ضبط کرلی اور مصنف پر مقدمہ چلا یا گیا۔

۱۳،۱۴ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دہلی میں مولانا سید محمد میاں صاحب کی کتاب کی ضبطی پر غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے تجویز میں کہا گیا کہ یہ آزادی رائے آزادی ضمیر اور آزادی بیان کی صریح خلاف ورزی ہے اور ایک تجویز میں جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کی گرفتاری کو جابرانہ اور ظالمانہ فعل سے تعبیر کیا گیا اور حکومت کے اس رویہ کی پر زور لفظوں میں مذمت کی گئی۔

مسلم لیگ کا یوم نجات

کانگریس نے وزارتوں کو ٹھکرا کر اعلان کر دیا کہ ہم اس جنگ میں حکومت برطانیہ کی کسی طرح مدد کرنے کیلئے تیار نہیں، دوسری طرف مسلم لیگ نے وزارتوں کے استعفار اور حکومت کے نظام کو انگریزی حکام کے ہاتھوں میں چلے جانے پر بڑی بے غیرتی کے ساتھ اظہار مسرت کیا اور یوم نجات منایا اور اس سلسلہ میں ہونے والے جلسوں کی تجویزوں میں جو تملق پسندانہ درخواست کی گئی وہ ایک خود دار اور غیرتمند قوم کے کسی طرح شایان شان نہیں تھی،

مسلم لیگ نے کانگریس اور حکومت کے فرضی مظالم کی ایک رپورٹ تیار کی جسے تاریخ میں "پیر پور رپورٹ،، کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس رپورٹ کو لیکر مسلم لیگ انگریز بہادر کے دربار میں گئی اور اس کے مراحم خسروانہ سے اپیل کی کہ آپ ہماری فریاد کو سنیں اور ہماری مدد فرمائیں، اور ان مظالم کی تحقیقات فرمائیں، حکومت نے کوئی توجہ نہیں کی کیونکہ حکومت کے سامنے جو مسئلہ درپیش تھا وہ جنگ میں تعاون کا تھا اور کانگریسی وزارتوں کے استعفار نے صورت حال کو اور مایوس کن بنا دیا تھا، اور پیر پور رپورٹ ایک بے وقت کی راگنی تھی اور اسکی کوئی بنیاد نہیں تھی، صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد نے رپورٹ کی صداقت کو بار بار چیلنج کیا لیکن اسکی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے کوئی سامنے نہیں آیا۔

تجویز پاکستان

مسلم لیگ کا ابتک کا کارنامہ صرف یہ تھا کہ آزادی کا مطالبہ کرنے کی راہ میں روڑا اٹکایا جائے اور انگریزی حکومت کو حریت پسند طاقتوں کو کچلنے میں تعاون دیا جائے سنہ ۱۹۰۶ء اس کے

یوم پیدائش سے لیکر ابتک اسکی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو تاریخ کے ہر موڑ پر اس کا یہ کردار نمایاں ہوکر سامنے آئیگا، مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس بڑے کروفر کے ساتھ ہوتے رہے مگرکسی اجلاس میں آزادی کے مطالبہ کا کہیں ذکر نہیں ملیگا کیوں کہ اس جماعت کے اندر مسلمانوں کا جو طبقہ حاوی تھا اس کا مفاد اسی میں تھا کہ زیادہ سے زیادہ حکومت کی خوشنودی حاصل کی جائے، مسلم لیگ کا خاص کردار ہندو مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنا تھا، اور برطانوی حکومت اول روز سے یہ یقین کئے ہوئے تھی کہ ہندو مسلم اتحاد جس دن وجود میں آجائیگا وہ ہندوستان میں ہماری حکومت کا آخری دن ہوگا اور اس ذمہ داری کو مسلم لیگ نے جس تندہی اور لگن سے پورا کیا ہندوستان کی سیاسی تاریخ اس کی شاہد ہے، ہندوستان میں سب سے طاقتور اور ترقی پسند جماعت انڈین نیشنل کانگریس تھی جس میں ہندوستان کے تمام لوگ بلا لحاظ مذہب وملت وقوم ونسل شامل تھے، مسلم لیگ ہمیشہ اسکو ہندوؤں کی جماعت کہکر مسلمانوں کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتی رہی کانگریس نے جب بھی کسی اقدام کا فیصلہ کیا، حکومت سے کوئی مطالبہ کیا مسلم لیگ حکومت کے جواب دینے سے پہلے ہی بیچ میں حائل ہوجاتی اور اس راہ میں سنگ گراں بن کر آجاتی، لیکن جب ہندوستان میں آزادی کا جذبہ عام ہوچکا تو اب اس سے صرف نظر کرنا مسلم لیگ کیلئے بھی ناممکن ہوگیا اس لئے اس نے اپنا ایک نصب العین متعین کرنا ضروری سمجھا اور لطف یہ کہ اپنا نصب العین متعین کرنے میں بھی ہندو مسلم اختلاف ہی کو مشعل راہ بنایا اور تقسیم ملک کی اسکیم پیش کی،

ہندوستان میں جب سے مسلمانوں نے قدم رکھا، انھوں نے پورے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا، اپنے دور عروج میں بھی اپنے لئے کسی مخصوص علاقہ کو خاص کرنا اسلام کی ہمہ گیری کے پیش نظر مناسب نہیں سمجھا، اسی لئے اسلام ہندوستان کے دور دراز حصوں تک پہونچ گیا اور ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا جہاں اسلام نہ پہونچا ہو اور مسلمان وہاں آباد نہ ہوں اور جب مسلمانوں کے قدم اس ملک کے چپہ چپہ میں پہونچ گئے تب پھر اسلام کے دائرے کو سمیٹنے کی کوشش کیگئی یہ تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے۔

ہندوستان کی قدیم تاریخ بتاتی ہے کہ جب آرین قوم راہ خیبر سے ہندوستان میں داخل

ہوئی تو اس نے اپنی قومی نسلی برتری کو محفوظ رکھنے کیلئے یہاں کے قدیم باشندوں کولی بھیل، دراوڑ اور آدیباسیوں کو پہاڑیوں جنگلوں اور ملک کے دور افتادہ علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا اور وہ صدیوں اپنی پسماندگی کے عذاب میں گرفتار رہے اور آج بھی ان میں تہذیب و تمدن کی وہ روشنی نہیں آسکی جو سورج کی روشنی کی طرح عام ہو چکی ہے وہ طاقت کے زور سے قلب ہندوستان سے نکالے گئے تھے یہاں مسلم لیگ خود مسلمانوں کو قلب ہندوستان سے نکال کر ہندوستان کے کناروں پر پھینک دینے کیلئے خاکہ مرتب کرنا چاہتی ہے کیا یہ مسلمانوں کی تاریخ کا المناک حادثہ نہیں ہے؟

۲۲/۲۳/۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا اس اجلاس میں ایک بنیادی تجویز منظور ہوئی، یہی تجویز اس اجلاس کا حاصل تھی، تجویز بلفظہ درج ذیل ہے۔

”مسلم لیگ کی یہ پختہ رائے ہے کہ کوئی دستور حکومت بغیر اس کے کہ ذیل کے اصول پر مبنی نہ ہو نہ قابل عمل ہو سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کیلئے قابل قبول“

۱۔ یہ کہ جغرافیائی حیثیتوں سے متصل وحدتوں میں حد بندی کر دی جائے جو اس طرح بنائی جائیں اور ان میں ضرورت کے مطابق ایسی سرحدی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ رقبے جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے مثلاً ہندوستان کے شمالی مغربی اور مشرقی منطقے ایک مستقل ریاست بن جائیں اور اس ریاست کے اجزاء ترکیبی اندرونی طور پر خود مختار اور مطلق العنان ہو۔

۲۔ یہ کہ ان علاقوں اور منطقوں کے اجزاء ترکیبی میں اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، اسلامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کیلئے اس میں معقول اور موثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور میں شامل کر دیئے جائیں جن سے ان کے مذہبی ثقافتی اقتصادی و سیاسی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو جائے۔

۳۔ یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ وہ دستور کی ایک اسکیم مرتب کرے جو ان بنیادی اصولوں پر مبنی ہو اور وہ اس قسم کی ہو کہ اس میں یہ گنجائش ہو کہ ان علاقوں کو اس قسم کے اختیارات مل جائیں جیسے دفاع، امور خارجہ، رسل و رسائل، کروڑ گیری

اور نیز ایسے ہی دوسرے امور جو ضروری ہوں۔

طنبورہ من چہ می سراید؟

یہ تجویز ایسے وقت میں سامنے لائی جا رہی ہے جب فضائے آسمانی جنگی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سے گونج رہی ہے، حکومت ہندوستان سے جنگ میں تعاون حاصل کرنے کیلئے بے چین ہے، کانگریس، جمعیۃ علماء، فارورڈ بلاک، سول نافرمانی کی تیاریاں کر رہی ہیں اور دشمن کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسکو اپنے مطالبہ آزادی سے قریب لانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور دار و رسن کو گلے لگانے والی جرأتمندانہ گفتگو چل رہی ہے، ایسے وقت میں تقسیم ملک کی یہ تجویز کون سننے والا تھا، یہ تجویز اس وقت تو اس نقطۂ نگاہ سے پیش کی گئی کہ ہندوستان میں ہندو مسلم کی خلیج کو اتنی گہری بنا دی جائے کہ پھر اسکو پاٹا نہ جا سکے اور حکومت کے خلاف کانگریس اور اس کی ہمنوا جماعتوں کے اقدام کو غیر موثر بنا دیا جائے، تاکہ پنجاب کے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرا کے انگریزی اقتدار کی چوکھٹ پر کٹوایا جا سکے، کیونکہ اس اجلاس کے اندر ملک کی اس بحرانی صورت حال کا کوئی ذکر نہیں اور نہ حکومت کے مطالبہ تعاون کا جواب ہے، شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ ارباب لیگ عملی طور پر تعاون خود دے رہے تھے اس لئے انہیں الفاظ میں ادا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

ڈی آئی آر کی ننگی تلوار

فوجی بھرتی کی مخالفت کرنا قانوناً جرم تھا ۱۹۳۸ء میں آرمی بل، مسلم لیگ کی حمایت سے پاس ہو چکا تھا، آج وہ قانون ننگی تلوار بن کر آزادی کا مطالبہ کرنے والوں کے سروں پر لٹک رہا تھا، ٹھیک اسی ماحول میں جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس ۷/۸/۹/ جون ۱۹۴۰ء کو جونپور میں ہوا اجلاس کی صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے فرمائی،

صدر محترم نے اس اجلاس میں جو خطبۂ صدارت پڑھا وہ جرأت ایمانی، حق گوئی دنیا کی کا شاہکار ہے، جمعیۃ علماء ہند انگریزی حکومت سے کتنی بیزار اور مطالبۂ آزادی میں کتنی سخت تھی؟ اس کا اظہار اس خطبہ کے لفظ لفظ سے ہو رہا ہے، اس کا ہر جملہ مغرور حکومت کیلئے ایک چیلنج ہے اس کے کچھ ضروری اجزا آپ کے سامنے پیش ہیں، آپ نے انگریزی حکومت کی عہد شکنیوں کی تاریخ

تفصیل دیتے ہوئے کہا

"آج وہ قوم جو صدیوں سے ہندوستان کو اپنے ظلم و جبر کے لئے تختہ مشق بنائے ہوئے ہے اس کے بارے میں ناسمجھ اور بے عقل بھائی کہتے ہیں کہ ایسے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہیں کرنا چاہیئے، یہ بالکل غلط فلسفہ ہے، ایسے ہی وقت میں برطانیہ کی خیر خواہی اور محبت کا مظاہرہ لازم ہے، برطانیہ نے اپنے فرائض کو عرصہ دراز سے چھوڑ رکھا ہے، اس کے ادا کرنے میں کوتاہی اور ٹال مٹول کر رہی ہے، خدا کے ۳۵ کروڑ بندوں کو انتہائی ذلت اور تکلیف میں ڈالے ہوئے ہے، مظلوم قلوب سسک رہے ہیں، خداوند قدوس کا عذاب اسی وجہ سے جوش میں آرہا ہے وہ اپنے مظلوم بندوں کے انتقام پر تُلا ہوا ہے اور جس طرح اس نے ظالم قوموں اور بادشاہوں کو اپنے ضعیف بندوں کی امداد اور ان کی آہ وزاری کی دادرسی میں ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہے اسی طرح ان یورپین بادشاہتوں انگلینڈ اور فرانس پر قہر کی بجلی گرا رہا ہے، ہم پر لازم ہے کہ اسی خیر خواہی اور ہمدردی کی بنا پر جو ہم کو تاج برطانیہ اور اسکی قوم سے چلی آتی ہے اس کو ان موجبات قہر الٰہی اور اسباب غضب غیر متناہی سے روکیں اگر وہ کہنا نہ مانے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور قوت کا استعمال کریں۔

آج بہت سے، ناعاقبت اندیش یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی امداد و اعانت اس میں ہے کہ اس کو لڑنے کیلئے سپاہی اور مال دیا جائے اور اسکی فتحمندی کی کوشش کی جائے، ہمارے خیال میں حسب نصوص شرعیہ یہ لوگ برطانیہ کے سخت ترین دشمن ہیں اور اس کو تو جہنم میں جھونکنا چاہتے ہیں، وہ برطانیہ جس نے دنیا کی قوموں کی آزادی سلب کر لی ہو جو انسانی اُمتوں کو غلامی کے عذاب الیم میں مبتلا کرتی اور رکھتی ہو اور جو بجز یورپین اقوام کے تمام ایشیائی اور افریقی اقوام وغیرہ کو انسانیت سے خارج اور مثل بہائم سمجھتی ہو جو کہ خدا کے کروڑوں بندوں پر مظالم کے پہاڑ نہایت سنگدلی سے ڈھاتی ہو جو قوموں کی

تجارت، دستکاری، دولت، حکومت، رفاہیت، علوم، زراعت، صنعت وغیرہ وغیرہ کو چھین کر اپنا پیٹ پالتی ہو جو کہ ابلہ فریبی کو دغابازی جھوٹے وعدوں اور عہد شکنیوں سے خدا کی پیدا کی ہوئی قوموں کو ستاتی رہتی ہو اسکی امداد اسی میں اور صرف اسی میں ہے کہ اسکو ان افعال شنیعہ سے روکا جائے اور اگر خدانخواستہ اسکی امداد مال یا فوج یا رسد سے کی گئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ امداد کرنیوالے ان تمام مظالم اور گناہوں کے مؤید اور نشر کرنیوالے ہیں وہ خلق خدا کو ادر ستانا چاہتے ہیں بیشک ایسے لوگ خدا کے قہر عظیم کے مستحق ہوں گے اور سخت ترین پکڑ میں مبتلا کئے جائیں گے۔

اسی بناء پر میرٹھ کے جلسہ میں جمعیۃ علماء ہند نے اپنا اعلان موجودہ جنگ کے متعلق صاف صاف اور واضح الفاظ میں شائع کر دیا تھا جس کا حرف حرف صحیح اور قابل عمل تھا۔

محترم بزرگو! حالات موجودہ اور زیادہ مجبور کرتے ہیں کہ آزادی ہند کیلئے اپنی مساعی میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی عمل میں لائی جائے اور تمام خلق کو عموماً اور اہل ہند کو خصوصاً اسی ذریعہ سے ہر قسم کے عذاب الیم سے نجات دلائی جائے، ہماری غلامی نہ صرف ہمارے لئے باعث مصائب وآفات ہے بلکہ بہت سی غیر ہندوستانی قومیں بھی اسکی وجہ سے انتہائی تکلیف میں مبتلا ہیں، اگرچہ یہ فرض تمام ہندوستانیوں کا ہے مگر مسلمانوں پر یہ فریضہ سب سے زیادہ ہے۔ آپ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا، "کہ اس زمانہ میں پاکستان کی تحریک زبان زد عوام ہے اگر اس کا مطلب اسلامی حکومت علی منہاج النبوۃ ہے جس میں تمام احکام اسلامی حدود وقصاص وغیرہ جاری ہوں، مسلم اکثریت والے صوبوں میں قائم کرنا ہے تو ماشاء اللہ نہایت مبارک اسکیم ہے، کوئی بھی مسلمان اس میں گفتگو نہیں کر سکتا، مگر بحالت موجودہ یہ چیز متصور الوقوع نہیں، اور اگر اس کا مقصد انگریزی حکومت کے تحت کوئی ایسی حکومت قائم کرنا ہے جسکو مسلم حکومت کا نام دیا جاسکے تو میرے نزدیک یہ اسکیم محض

بزدلانہ اور سفیہانہ ہے جو ایک طرف برطانیہ کے لئے "ڈیوائڈ اینڈ رول" کا موقع بہم پہونچا رہی ہے اور یہی عمل برطانیہ نے ہر جگہ جاری کر رکھا ہے، ترکی کو اسی طرح تقسیم کیا گیا عرب ممالک اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹے گئے اور یہی عمل ہندوستان میں مختلف پیرایوں سے ظاہر ہو رہا ہے، کچھ عجب نہیں کہ اسکی وحی لندن، آکسفورڈ کیمبرج، شملہ یا نئی دہلی وغیرہ سے ہوئی ہو، دوسری طرف اسلامی ہمہ گیری کے آگے سخت روڑا ہے بلکہ چٹان ہے، مدافعت وطنی کے متحدہ محاذ کے راستہ میں بہت بڑی خندق ہے، فرقہ وارانہ جنگ و جدال کیلئے نہایت زہریلا سفوف ہے ہندوستانی امن و امان، خوش حالی اور فارغ البالی کے لئے سم قاتل ہے، مسلم اقلیت والے صوبوں کیلئے موت کا پیغام ہے جو جو بھلائیاں آج تک اس میں دکھائی گئی ہیں ہم ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں نے مسلم عوام کو جذب کرنے کیلئے ایک ڈھونگ نکالا ہے کیونکہ کانگریسی حکومت کے استعفار سے انکی جاذبیت کم ہو گئی ہے، واللہ اعلم،

حکومت کے رویہ میں لچک

وائسرائے کی تعاون کی اپیل پر کانگریس نے شرطیں لگائی تھیں اور اسکی تائید میں کانگریسی وزارتوں نے استعفا بھی دیدیا تھا، حکومت نے دیکھا کہ ہندوستانی عوام کے رویہ میں کوئی لچک نہیں تو وہ خود کچھ جھک گئی، وائسرائے نے لندن سے مشورہ کے بعد اعلان کیا کہ "حکومت جنگ کے خاتمہ کے بعد فوراً ایک نمائندہ جماعت قائم کریگی اور تمام متعلقہ مسائل کے جلد از جلد تصفیہ کرنے میں حتی المقدار مدد دیگی، ہندوستان کے لیڈر باہمی مفاہمت کر کے بتائیں کہ آئین کے اصول اور طریق کیا ہوں؟ نمائندہ جماعت کی تشکیل کیا ہو؟ عارضی گورنمنٹ کے سلسلہ میں کہا کہ" ایگزیکٹیو کونسل میں ہندوستان کے نمائندوں کو شامل کیا جائیگا اور ایک جنگی مشاورتی کونسل قائم کی جائیگی جس میں ریاستوں اور مجموعی طور پر ہندوستان کی قومی زندگی کے دوسرے مفاد کے نمائندے شامل ہونگے"

اسی طرح حکومت نے کانگریس کے مطالبہ نمائندہ اسمبلی کو منظور کر لیا البتہ دوران جنگ با اختیار کابینہ کے مطالبہ کو نظر انداز کر دیا گیا اس لئے کانگریس نے اسکو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا،

جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے وائسرائے کی اس پیشکش کو سنا تو اُسے در خور اعتنا ہی نہیں سمجھا کیونکہ جمعیۃ علماء ہند کے سامنے تو ہندوستان کی مکمل آزادی کا نصب العین ہے جب تک اس کا واضح اعلان نہیں ہوتا جمعیۃ علماء ہند جنگ میں انگریزوں کی امداد سے قطعًا انکار کرتی ہے اور کرتی رہے گی، ۲؍اگست ۱۹۴۰ء کو جمعیۃ علماء ہند کے ناظم مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا

"گذشتہ ستمبر میں ہم نے جو فیصلہ کیا تھا کہ برطانوی حکومت کی مدد کے لئے ہم کوئی وجہ جواز نہیں پاتے ہیں وہ صداقت و دیانت کی حکمت پر مبنی تھا اس لئے جمعیۃ علماء ان بیانوں اور پیش کشوں پر کوئی دھیان نہیں دے سکتی ہے کیونکہ ہندوستان کی مکمل آزادی ہمارا فطری حق ہے جس کو حاصل کرنا ہے اس کا جنگی لاؤ سے کوئی تعلق نہیں ہے، مکمل آزادی کے اعلان کے بعد بھی اس وقت تک مدد کرنا ضروری نہیں ہے جبتک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہماری آزادی کا اعلان حقیقت پر مبنی ہے اور ہم مدد کرنے نہ کرنے میں مختار ہیں نیز یہ کہ جنگ صرف غلاموں اور کمزوروں کی مدد کے لئے لڑی جا رہی ہے سامراجی مقصد کو پورا کرنے کے لئے نہیں"

۲۹ تا ۳۱؍دسمبر ۱۹۴۰ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں ہوا اس جلسہ میں مندرجہ ذیل بیان مرتب کیا گیا اور اخبارات کو اشاعت کے لئے جاری کیا گیا۔

"برطانیہ کی طرف سے اس نازک ترین تاریخی موقعہ پر بھی ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہ کرنا، بعد از جنگ ہندوستانیوں کی آزادی کا اعلان نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق اور کسی قسم کا اقتدار دینا ہی نہیں چاہتی، اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا جنگ میں برطانیہ کے ساتھ جس قدر تعاون اور امداد ہے وہ رضا کارانہ ہرگز نہیں ہے ان کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف جنگ کا

اعلان کر دیا گیا ہے جمعیۃ علماء ہند اپنے وطن ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے اس کا مطمحِ نظر اور نصب العین ہے نہ وہ نازی ازم کو ہندوستان پر مسلط دیکھنا چاہتی ہے نہ فاشزم کو نہ اشتراکیت کو پسند کرتی ہے نہ جاپانی پالیسی اور اقتدار کو، وہ اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا حق چاہتی ہے اور بس، لہٰذا وہ علی رؤس الاشہاد اعلان کرتی ہے کہ اس کی پالیسی جو ستمبر ۱۹۳۹ء میں میرٹھ میں تجویز کی شکل میں شائع ہو چکی ہے اور جس کی تصریح مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے اپنے مکتوب ۱۲ جنوری ۱۹۴۰ء میں بنام وائسرائے ہند کر چکے ہیں، باوجود ایک سال گذر جانے کے اور مختلف مدارج و منازل سے گذر چکنے کے بعد آج بھی بدستور قائم ہے اور وہ یہی ہے کہ برٹش سامراج کی اس تحفظ شہنشاہیت کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں پاتی ہے۔"

دار و رسن کی آزمائش ہے

جمعیۃ علماء ہند نے جنگ میں تعاون نہ دینے کی پالیسی کا پہلے دن جو اعلان کیا تھا اس پر مضبوطی سے قائم رہی اور مجلس عاملہ نے دوبارہ اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی، جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے ہر جگہ، ہر اجلاس میں اپنی اس پالیسی کا غیر مبہم الفاظ میں اعلان کیا تو حکومت کی قوت ضبط و تحمل جواب دے گئی اور اس نے طاقت کے زور سے اس آواز کو دبا دینے کا پروگرام بنایا اور سب سے پہلے جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کی گرفتاری کا سلسلہ شروع کر دیا مولانا احمد علی صاحب لاہور صدر جمعیۃ علماء پنجاب مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مولانا محمد قاسم شاہجہانپوری مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری مولانا شاہد میاں فاخری الہ آبادی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی ایم ایل اے اور مولانا سید اختر الاسلام مراد آباد وغیرہ وغیرہ کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا، کانگریسی رہنماؤں نے بھی انفرادی ستیہ گرہ کا پروگرام چلایا اور اس کے ہزاروں رضا کار اور رہنما پورے ملک میں گرفتار کر لئے گئے اور آزاد ہندوستان کے حسین تصورات کے موقلم سے نقش و نگار بنانے اور رنگ بھرنے کیلئے جیل کی کوٹھریوں میں

بند کردیے گئے ع بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے۔

اگست ۱۹۴۲ء کی انقلابی تحریک

ہندوستان کے سیاسی کلنڈر نے ایک ورق اور پلٹ دیا اب ۱۹۴۲ء آگیا اور وہ اپنے ساتھ جذبات کا سیلاب اور غم و غصہ کا طوفان لے کر آیا، یہ طوفان اتنا بڑھا اور پھیلا کہ سارے ہندوستان کو بہائے گیا، حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ پڑ گیا اقتدار کے کنگرے گر گئے، غرور سے بھرا ہوا جود ماغ عرش معلیٰ پر تھا وہ باغی ہندوستان کے قدموں پر سجدہ کرنے کیلئے مجبور ہو گیا تخریب میں تعمیر کے پہلو ڈھونڈھے گئے، بربادی کے کھنڈر میں تعمیر کا خواب دیکھا گیا، غلام ہندوستان کی غیرت و حمیت نے جب کروٹ بدلی اور اس نے غصہ بھری نگاہوں سے برطانوی سامراج کی طرف دیکھا تو انگریزوں کے قدم لڑکھڑا گئے اور مستقبل تاریک نظر آنے لگا، دنیا آنکھوں میں اندھیری ہو گئی۔

انفرادی ستیہ گرہ کے سلسلہ میں جو رہنما جیلوں میں تھے اکتوبر ۱۹۴۲ء میں جیلوں سے باہر آگئے تھے، اب جنگ بہت آگے بڑھ چکی تھی اسکی تباہیوں اور بربادیوں کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا یورپ، افریقہ اور ایشیا ہر جگہ اس کے شعلے بھڑک رہے تھے اسکی تیز آنچ ہندوستان کی سرحدوں تک محسوس ہونے لگی تھی، اسی ماحول میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوا جس میں کانگریس نے اپنے اس فیصلہ کا اعادہ کیا جو ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۰ء کو بمبئی میں کیا تھا کہ غلام ہندوستان گستاخ امپریلزم کو امداد نہیں دے سکتا۔

مسلم لیگ کیا کرتی رہی؟

ان دو سالوں میں مسلم لیگ کے کئی رہنما فوجی بھرتی کی حمایت کرکے حکومت کی مدد کرتے رہے اور لیگ کی اجتماعی قیادت حکومت سے زیادہ خود آزادی کی راہ میں زبردست رکاوٹیں پیدا کرتی رہی، غصہ سے کھولتی ہوئی برطانوی حکومت سے حریت پسند جماعتیں کانگریس، جمعیۃ علماء اور دوسری سیاسی پارٹیاں آزادی کے اعلان کا سخت اور گرم لہجہ میں مطالبہ کرتی رہیں مسلم لیگ کا چونکہ کوئی مطالبہ حکومت سے نہیں تھا اور نہ اُسے آزادی کے مسئلہ سے دلچسپی تھی اس لئے جب ترقی پسند پارٹیوں کی طرف سے حکومت کے سامنے کوئی مطالبہ آیا بیچ میں کود کر ایک پیچیدگی پیدا کر دیتی تھی، مسٹر جناح کا بیان اس کی خود غمازی کرتا ہے کہ وہ کس کس طرح آزادی کی راہ میں رکاوٹ ڈال کر غلامی کی مدت دراز کرتے رہے ۱۲/ جنوری ۱۹۴۲ء کو انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ "کانگریس نے مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان کی فوری آزادی کا غیر مشروط اعلان کیا جائے، ہندوستانیوں کو دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ اپنا آئین مرتب کرنے کا حق دیا جائے اور دستور ساز اسمبلی بالغ کی رائے دہی کی بنا پر منتخب کیا جائے ان مطالبات کو منظور کرنے کا مطلب ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے"

گویا مسٹر جناح نے بیان دیکر حکومت کو مطمئن کر دیا کہ آزادی کا مطالبہ غلط ہے مسلم لیگ اس کی تائید نہیں کرتی ہے، انہوں نے حکومت کو بتا دیا کہ مسلم لیگ آپ کے غم میں شریک ہے، آزادی کا لفظ کانگریس کی زبان سے نکلا کہ اس آواز کو غیر مؤثر بنانے کے لئے فرقہ وارانہ اختلاف کا اس انداز میں ذکر کر دیا گیا کہ مسلم لیگ کی آزادی حکومت کی طرف سے کانگریس کا جواب ہوگئی خود کبھی بھی مسلم لیگ نے حکومت سے پورے ہندوستان نہیں کم از کم مسلمانوں کی آزادی ہی کا مطالبہ حکومت سے کیا ہوتا تو اسکی بے عملی پر پردہ پڑ سکتا تھا، اس کے اسی رویہ نے لوگوں کے دلوں میں یہ شک پیدا کر دیا کہ مسلم لیگ حکومت برطانیہ کے چشم و ابرو کے اشارے پر کام کرتی ہے اور یہ ٹوڈیوں کی جماعت ہے جس کا مقصد ہندوستان میں آزادی کا مطالبہ کرنے والوں کی آواز کو کمزور کرنا یا دبا دینا ہے اور ہندو مسلم کی خلیج

وسیع سے وسیع تر کرنا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف اتنی نفرت اور بیزاری پیدا کرنا ہے کہ ایک دوسرے کا دشمن بن جائے، مسلم لیگ کا یہ عمل مسلسل جاری رہا، جس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بعد میں بہت تلخ نکلا اور اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور ان پر جب قیامت ٹوٹ پڑی تب احساس ہوا کہ مسلسل دس سال تک مسلم لیگ نے جو ذہنوں میں نفرت و عداوت کی کاشت کی تھی یہ اسی کا ثمرہ ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے، لیکن اب اس احساس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

ہندو مسلمانوں کا یہ اختلاف ہی درحقیقت برطانوی سامراج کے بھوت کی خوراک تھی اسی پر یہ بھوت زندہ تھا اور مسلم لیگ برابر یہ خوراک بہم پہونچاتی رہی، جنگ آزادی کے پورے دور میں عام ہندوستانیوں کا یہی احساس تھا اس زمانہ کے اخبارات میں اس کا بڑا ذخیرہ ہے لیکن اب اس دور میں مسلم لیگ کی آزادی کی مخالفت حکومت کے لئے کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی تھی اس کو ہندوستان کا جنگ میں بھرپور تعاون چاہئے تھا اور وہ کانگریس اور اس کی ہمنوا جماعتوں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے حکومت کانگریس کے مطالبات سے صرف نظر نہیں کر سکتی تھی اور آزادی خواہ جماعتوں کو مطمئن کرنے کی راہیں ہموار کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

کرپس مشن

برطانوی حکومت نے آزادی کا مطالبہ کرنے والی جماعتوں کے مطالبات پر گفتگو کرنے کے لئے ایک ذہین اور تیز وطرار فرد کو منتخب کیا وہ سر اسٹیفورڈ کرپس تھے جنگ اپنے شباب پر تھی، آگ اور خون کا سیلاب ہندوستان کی سرحدوں سے ٹکرانے لگا تھا کئی اہم مورچوں پر جاپانی فوجوں نے قبضہ کر لیا تھا، سنگاپور اور رنگون جو ہندوستان میں داخل ہونے کے دروازے تھے اس پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا صورت حال یہ ہو چکی تھی کہ اگر پوری طاقت سے اس سیلاب کو روکنے کی جدوجہد نہیں کی جاتی ہے تو یہ سیلاب آناً فاناً بنگال کے راستے ہندوستان میں داخل ہو جائیگا اور پورے ملک کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیگا۔

ہندوستانی عوام حملہ آوروں سے ٹکر لینے سے انکار کر رہے ہیں، کسی ملک کے عوام اگر بیرونی حملہ آور کی مدافعت میں آگے نہیں آتے ہیں تو دشمن کی کامیاب مدافعت ممکن نہیں اس لئے برطانوی حکومت نے آزادی پسند عوام کو مطمئن کرنے کے لئے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کیلئے سر اسٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجا اور وہ ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو یہاں پہونچ گئے وہ اپنے ساتھ ایک طے شدہ تجویز کا مسودہ لائے تھے، ہندوستانی لیڈروں سے ایک ہفتہ گفتگو کرنے کے بعد ۲۹ مارچ ۱۹۴۲ء کو اپنا فارمولا انہوں نے ملک کے سامنے پیش کر دیا تاکہ ملک کا ردعمل معلوم کر سکیں اس کے بعد مزید ایک ہفتہ ہندوستان میں ٹھہرے رہے تاکہ وہ اپنی تجویز کی وضاحت کر سکیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنی تجویزمیں پاکستان کو تسلیم کر لیا ہے؟ تو انہوں نے صاف کہا کہ "یقیناً نہیں"

مسٹر کرپس کی تجویز میں کانگریس کے مطالبات کا بیشتر حصہ تسلیم کر لیا گیا تھا، انہوں نے تجویز میں متحدہ ہندوستان کی ایک حکومت تجویز کی تھی اور اُسے ہر طرح با اختیار تسلیم کیا تھا، تجویز میں کہا گیا تھا

"جنگ کے خاتمہ پر دستور ساز اسمبلی کا الکشن ہوگا اور اس دستور ساز اسمبلی میں ہندوستانی ریاستیں بھی شریک ہونگی، یہ دستور ساز اسمبلی جو بھی فیصلہ کریگی اُسے برطانوی حکومت منظور کریگی اور اسکو عملی جامہ پہنائے گی اس منظوری کیلئے مندرجہ ذیل شرطیں ہوں گی۔

برطانوی ہند کا جو صوبہ دستور ساز اسمبلی کا آئین منظور نہ کرنے اس کو موجودہ آئینی حیثیت قائم رکھنے کا حق ہوگا اور اگر چاہے تو بعد میں اس آئین میں شریک ہو، جو صوبے نئی انڈین یونین میں شریک نہ ہوں اگر وہ چاہیں گے تو ملک معظم کی حکومت ان کے لئے ایک نیا آئین منظور کرنے کو تیار رہے گی جس میں اسکو انڈین یونین جیسی مکمل حیثیت حاصل ہوگی اور اُن کا آئین جس ضابطہ سے بنے گا وہ اس کے مطابق ہوگا جو یہاں درج کیا گیا ہے ملک معظم کے

افرادوں کے مطابق اس معاہدہ میں نسلی اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کی شرطیں رکھی جائیں گی (اس کے بعد تجویز میں طریقۂ انتخاب وغیرہ کی پوری تفصیل ہے، آخر میں کہا گیا ہے کہ) ہندوستان کے ڈیفنس کی ذمہ داری اور اس کا کنٹرول اور اسکی نگرانی برطانوی حکومت کے ہاتھ میں رہے گی،،

سر اسٹیفورڈ کرپس نے پریس کانفرنس میں یہ وضاحت کی کہ حکومت کی تشکیل کے متعلق ساری تفصیلات کا فیصلہ گورنر کے ہاتھ میں ہے ہم نے یہ ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش نہیں کی، دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ موجودہ آئین اس وقت بدلا نہیں جاسکتا اس کے حدود کے اندر رہتے ہوئے ہندوستان کو جو اختیار سونپا جاسکے سونپ دیا جائے گا، ایگزیکٹیو کونسل میں وائسرائے کسی تبدیلی کے پابند نہیں، تیسری اہم بات انہوں نے یہ کہی کہ سب پارٹیاں متفقہ طور پر بھی مطالبہ کریں تب بھی محکمہ دفاع ہندوستان کے ہاتھ میں نہیں دیا جائیگا، انہوں نے پریس کانفرنس میں مزید وضاحت کی کہ دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونا سب صوبوں پر فرض ہوگا اور یہ تجویز ہندوستان کو تقسیم کرنے کے خیال پر مبنی نہیں ہے برطانیہ ہندوستان کو متحد دیکھنا چاہتا ہے۔

جہاں تک تفصیلات کا تعلق ہے وہ بڑی حد تک آزادی پسند جماعتوں کے مطالبات سے قریب تر ہیں لیکن ساری تجویز ایک موہوم وعدہ ہے اور اس وعدہ کا ایفاء خاتمہ جنگ کے بعد ہوگا اور اس وقت تک موجودہ آئین برقرار رہیگا، بروقت کچھ نہیں دیا جارہا ہے اس وعدہ کی بنیاد پر ہندوستانی عوام جنگ میں ہندوستان سے تعاون کریں اور یہی بات ہندوستان کو منظور نہیں تھی کیونکہ حریت پسندوں نے جس موقعہ کی نزاکت سے فائدہ اٹھاکر وہ برطانوی حکومت کو اس مرحلہ تک لے آئے ہیں ان کے لئے اس سنہرے موقعہ کو کھوکر وعدۂ فردا پر بھروسہ کرنا ممکن نہیں تھا، اور نہ قرین دانشمندی تھا، اس لئے حریت پسندوں نے سر کرپس کی اس تجویز کو ٹھکرادیا اور صاف اعلان کر دیا کہ ہم کو یہ تجویز منظور نہیں اگر بروقت اختیارات منتقل کر دیئے جائیں تو ہندوستان اس جنگ میں حصہ لے سکتا ہے ورنہ نہیں، اور حکومت اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھی۔

مسلم لیگ نے اپنا ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا جبکہ سر کرپس نے پاکستان کو تسلیم کرنے سے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا اس لئے سب سے پہلے مسلم لیگ کو اس تجویز کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا چاہیئے تھا، لیکن انکار سے حکومت کی ناراضی کا احتمال تھا اور مسلم لیگ ایسی غلطی کرنے کے لئے تیار نہ تھی کہ شاید حکومت کے ابرووں پر بل آجائے اس لئے وہ خاموش رہی اور جب حریت پسندوں کی طرف سے اس تجویز کو ٹھکرا دیا گیا تو مسلم لیگ نے بھی بعد میں اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔

جمعیۃ علمار ہند کا بروقت انتباہ

۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو مسٹر کرپس ہندوستان آئے اور ابھی انہوں نے ہندوستانی لیڈروں سے گفتگو شروع نہیں کی تھی اسی دوران ۲۰/۲۱/۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علمار ہند کا سالانہ اجلاس لاہور میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں ہو رہا تھا، جمعیۃ علمار کے رہنما خوب سمجھ رہے تھے کہ پرانا شکاری کوئی نیا جال لے کر آرہا ہے اگر ہوشیاری اور فراست سے کام نہیں لیا گیا تو ہندوستانی پھر شکار کر لیے جائیں گے اور اسکی وجہ سے مکمل آزادی کی راہ میں مشکلات آجائیں گی، اس لئے قبل اس کے کہ لندن سے آنے والے مداری کی شعبدہ بازیوں کا مظاہرہ ہو اس سے پہلے ہی مسلمانوں کو کوئی متفقہ لائحہ عمل طے کر لینا چاہیئے تاکہ حالات کی تیز رفتاری میں کوئی غلط قدم نہ اُٹھ جائے اور ہم اپنا نقطہ نظر مؤثر طور پر واضح نہ کر سکیں اس لئے اس اجلاس میں یہ تجویز منظور کی گئی۔

”ہندوستان کی آزادی کے متعلق سر اسٹیفورڈ کرپس برطانوی حکومت کا کوئی نظریہ لائے ہیں، معلوم نہیں وہ نظریہ کیا ہے؟ اس لئے اس کے متعلق اظہار رائے کا کوئی موقع نہیں تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ برطانوی حکومت کے اس کام کا بہترین وقت اپنی ناعاقبت اندیشی اور مغرورانہ بے پرواہی کی وجہ سے ضائع کر دیا ہے پھر بھی ان نازک حالات میں ہندوستانیوں کے فرائض بہت اہم ہو گئے ہیں، جمعیۃ علمار ہند مسلمانان ہند اور مسلم جماعتوں پر زور دیتی ہے اور توجہ دلاتی ہے کہ

اس وقت تمام مسلم جماعتیں اور ادارے اشتراک عمل سے کام لیں اور پورے غور و فکر
اور تبادلۂ خیالات کے بعد کسی متحدہ فیصلہ پر سب متفق ہوں، ظاہر ہے کہ آزادی
کی کسی گفتگو کے موقعہ پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا فیصلہ وہی ہونا چاہئے
جو بلا استثنار تمام مسلمانوں کیلئے یکساں مفید ہو اگر مسلم جماعتوں کے مختلف نظریات
سامنے آئے تو خطرہ ہے کہ ہم آزادی کی راہ میں کوئی بہتر رول نہ ادا کر سکیں اور آزادی
ہمارے لئے غلامی سے بدتر ہو جائے،،

اس لئے جمعیۃ علمار ہند نے تمام مسلم سیاسی جماعتوں کو دعوت دی کہ وہ سب مل کر کوئی متفقہ فارمولہ مرتب کر لیں اس واسطے کہ جمعیۃ علمار محسوس کرتی تھی کہ اگر آزادی کی گفتگو میں چوک ہو گئی تو آزادی تو ہندوستان کو مل کر رہے گی اب کوئی طاقت اس میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی مسلمان بڑے گھاٹے میں ہو گا، خصوصیت کے ساتھ اجلاس عام میں تجویز پیش کرتے رہے مسلم لیگ کو خصوصیت سے دعوت دیگئی کہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو مد نظر رکھکر کوئی فارمولہ تیار کر لیا جائے کیونکہ اس کی تجویز ،،تقسیم ہند،، غلامی سے بدتر حالات مسلمانوں کیلئے پیدا کر سکتی ہے، لیکن افسوس کہ مسلم لیگ اس کے لئے تیار نہیں ہوئی حالانکہ اس وقت کے ماحول میں ایک بہتر مستقبل کی ضمانت کے ساتھ مسلمانوں کا مسئلہ حل کیا جا سکتا تھا ہندوؤں میں تنگ دلی اور تنگ نظری کا شکار ایک حلقہ ہونے کے باوجود ابھی اس جارحانہ فرقہ پرستی کا وجود نہیں تھا جو آزادی کے مُابعد پیدا ہو گیا، اور ایک بہتر وقت مسلم لیگ کی ضد کی وجہ سے ملت اسلامیہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔

دوسری قوم پرور جماعتیں جمعیۃ علمار ہند کے نقطۂ نگاہ سے متفق تھیں اس لئے جمعیۃ علمار نے ایک فارمولہ ایسا مرتب کرنا ضروری سمجھا جو آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو آبرو اور وقار کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقعہ فراہم کر سکے، اس کی تہذیب و ثقافت مذہب اور زبان کے مسائل کی حفاظت کی ضمانت بن سکے کیونکہ یہ قدرتی بات تھی کہ آزادی کا مطالبہ کرنے والوں کیلئے ضروری تھا کہ وہ بتائیں کہ وہ آزادی کا کیا مفہوم لیتے ہیں اور آزاد ہندوستان کے لئے کن بنیادی اصولوں کو ضروری سمجھتے ہیں اور جب تک یہ مسئلہ واضح نہیں ہو جاتا آزادی کی گفتگو بے معنی تھی اور جو تجویز مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرتی جا رہی ہے اس کے بیک گراؤنڈ میں

کروڑوں مسلمانوں کیلئے دیکھتے ہوئے انگاروں کی جو بھٹی بن سکتی ہے اُسے "فراست مومن"
کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں اور جمعیۃ علماء مسلمانوں کو اس "طلسم سامری" سے بچانے کی ہر ممکن کوشش
اپنا فرض سمجھ رہی تھی اس لئے اسی اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند نے آزاد ہندوستان کے بارے
میں اپنے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کیلئے ایک فارمولہ مرتب کیا اور ملک کے سامنے پیش کردیا۔

جمعیۃ علماء ہند کیا چاہتی ہے؟

جمعیۃ علماء بارہا اس کا اعلان کرچکی ہے کہ اس کا نصب العین مکمل آزادی ہے
اس پر تمام مسلمانان ہند متفق ہیں اور اسی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں جمعیۃ علماء ہند نے یہ بھی
واضح کردیا ہے کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے ان کا مذہب آزاد ہوگا، مسلم کلچر اور
تہذیب وثقافت آزاد ہوگی وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی
پر نہ رکھی گئی ہو، جمعیۃ علماء ہند ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کی
زبردست حامی ہے جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں اور مرکز کو صرف
وہی اختیارات حاصل ہوں جو صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں
سے یکساں ہو جمعیۃ علماء کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور
مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب وثقافت کی مالک نو کروڑ
نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک
لمحہ کیلئے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے
مذہبی، سیاسی اور تہذیبی مسائل کی طرف سے مطمئن ہوں اس فارمولا کے چار اصول پیش
کئے گئے ہیں۔

۱۔ آزادی کامل۔

۲۔ ایسی وطنی آزادی کہ مسلمان اپنے مذہب، کلچر، تہذیب وثقافت کے لحاظ سے بھی آزاد
ہوں۔

۳۔ صوبے کامل خودمختار ہوں، مرکز کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوں جنکو صوبے طے
کردیں باقی غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں۔

۴- ہندوستان کا ایک وفاق ہو مگر وہ اس طرح مرتب کیا گیا ہو کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں وہ کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر مجبور نہ ہوں۔

خطرات کا سدباب

یہ فارمولہ کامل غور وفکر کے بعد اس بات کو مدنظر رکھکر مرتب کیا گیا تھا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہاں کا سارا مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوگا اور وہ صوبے اندرونی معاملات میں خود مختار اور آزاد ہوں گے چند چیزیں جو مرکزی حکومت سے تعلق رکھتی ہیں وہی مرکز کے اختیار میں ہوں گی اور جن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں بھی ظلم وزیادتی ممکن نہ تھی کیونکہ مرکزی حکومت کی تشکیل کے سلسلہ میں جو طریقۂ کار اختیار کیا تھا وہ بذات خود ضمانت تھا اس تجویز کے مطابق نظام حکومت کی ترتیب میں اس ردعمل کا کوئی احتمال نہیں تھا جو تقسیم ہند کی تجویز کے نتیجہ میں ہو سکتا تھا اور بعد کی تاریخ نے اس کا ثبوت بھی فراہم کیا۔

یہ فارمولہ اتنا لچک دار تھا کہ جہاں اس میں مسلمانوں کو چاہے وہ اکثریت کے علاقوں میں ہوں یا اقلیتی صوبوں میں ہوں ہر طرح کا تحفظ حاصل تھا وہیں یہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور طاقتور جماعت انڈین نیشنل کانگریس کے نقطۂ نگاہ سے بھی معتدل تھا اور اس کے لئے قابل قبول تھا کیونکہ کانگریس نے ۶/اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی کے اجلاس میں اس فارمولہ کے بنیادی اجزاء کی تائید میں ایک تجویز بھی منظور کی تھی اور حق خود ارادیت کے اصول کو بطور پالیسی کے تسلیم کر لیا تھا اور اس کا باقاعدہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ جب کانگریس نے مجبور ہو کر تقسیم ہند کو تسلیم کیا تو جمعیۃ علماء ہند کے اعتراض پر اس نے یہی جواب دیا کہ ہم حق خود ارادیت کو تسلیم کر چکے ہیں اس لئے اس سے انحراف نہیں کر سکتے اس لئے اگر تقسیم ملک کے نظریہ کو ترک کر کے اس فارمولے پر عمل کیا گیا ہوتا تو ملت اسلامیہ کو ہندوستان میں اس قیامتِ صغریٰ سے گذرنا پڑا ہوتا جو تقسیم کے بعد مسلمانوں پر ٹوٹی اور جس کا خمیازہ آج تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے

نادر شاہی جاگ پڑی

مسٹر کرپس حکومت اور آزادی پسندوں کے درمیان مفاہمت اور سمجھوتہ کرانے آئے تھے لیکن وہ ملک میں اور اختلافات بڑھا کر چلے گئے ۔

آئے تھے دل کی پیاس بجھانے کے واسطے ۔ دل میں اک اور آگ لگا کر چلے گئے

اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہو گئی، اب ہندوستان کے نادرشاہ لارڈ لن لتھگو کے ابرو در، پر بل آیا اور انہوں نے طاقت کے ساتھ ابھرنے والی آزادی کی آواز کو طاقت کے ذریعہ دبا دینا چاہا، سب سے پہلے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کو ۲۵ / جون ۱۹۴۲ء کو بچھرایوں ضلع مراد آباد کی ضلع کانفرنس میں ایک تقریر کو بہانہ بنا کر گرفتار کرلیا اور مراد آباد جیل بھیج دیا، اور پھر اس کے بعد پورے ملک میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں شروع کردی گئیں نیشنلسٹ مسلمانوں کی فہرست تیار کی جانے لگی حکومت کے غصہ کی آگ بھڑکی اور اس کی آنچ کی شدت بڑھنے لگی تو مجاہدین آزادی نے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر جواب دیا، کانگریس نے بغاوت کا تہیہ کرلیا اور جمعیۃ علماء ہند نے ایک بیان دیکر جنگ کا آغاز کردیا۔

انگریزو! ہندوستان چھوڑ دو

۵ / اگست ۱۹۴۲ء کو مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند مولانا عبد الحلیم صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مندرجہ ذیل بیان اخباروں میں شائع کیا گیا

"ہندوستان کی مکمل آزادی تمام ہندوستانیوں کا متحدہ و متفقہ مطالبہ ہے حکومت برطانیہ نے اس متفقہ و متحدہ مطالبہ کو تسلیم کرنے اور حکومت کے اختیارات ہندوستانیوں کی طرف منتقل کرنے میں جس تساہل اور شہنشاہیت کی ضد اور ہٹ سے کام لیا ہے وہ تمام ہندوستان پر روشن ہے اس نازک ترین دور میں بھی جبکہ ہر طرف سے مصیبتوں کے بلاخیز طوفان امنڈ رہے ہیں حکومت استعمار کے نشہ سے اس طرح سرشار ہے جس طرح ۱۹۳۹ء سے

پہلے تھی، متعلقہ ممالک جن کو اس ناگہانی آفت نے لرزہ براندام کر رکھا ہے اپنی حفاظات کے سلسلہ میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں بدقسمت ہندوستان بھی انہیں ممالک میں شامل ہے، اس تباہ کن جنگ کی مصیبت سے نجات کا راستہ تلاش کر رہے ہیں بلکہ اس کو بہت زیادہ خطرات درپیش ہیں کیونکہ وہ اپنی حفاظات اور نجات کا خاطر خواہ سامان کرنے کے لئے بھی آزاد نہیں ہے اس کے لامحدود وسائل اور وسیع قدرتی ذخائر غیروں کے کام آرہے ہیں اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی انہیں اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کام نہیں لے سکتا اس لئے قدرتی طور پر ہر ہندوستانی اپنی زندگی کی خاطر آزادی حاصل کرنے کے لئے مضطرب اور بے چین ہے اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس قیامت خیز اور ہلاکت انگیز دور میں آزادی کامل کے سوا نجات کا اور کوئی راستہ نہیں ہے، کانگریس اس حقیقت کے پیش نظر آزادی کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے ایک ہمہ گیر اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر رہی ہے جو عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے، یہ جنگ غلام ہندوستان اور اس پر جبری قبضہ رکھنے والے سفید فام آقاؤں کی جنگ ہوگی مگر اس تاریخی جنگ کو کامیابی تک پہونچانے کے ذرائع پر غور کرلینا دانشمندوں اور بالغ نظر مدبروں کا اہم ترین فرض ہے، ہمارا خیال ہے کہ اس جنگ آزادی میں کامیابی کی شرط اولیں تمام ہندوستانیوں کا اتحاد اور متحدہ محاذ ہے اگر تمام ہندوستانی متحد ہو کر حکومت کے مقابلے پر کھڑے ہو گئے تو فتح یقینی ہے اور حکومت کا پاؤں اکھڑنے میں دیر نہیں لگے گی، وقت آگیا ہے کہ انگریزوں سے کہدیا جائے حکومت کے سارے اختیارات ہندوستانیوں کو دیکر خود دست بردار ہوجائیں ہندوستان کی آزادی کامل کے مقصد عظیم اور نصب العین میں کانگریس جمعیۃ علماء ہند مجلس احرار اسلام اور دیگر تمام ترقی پسند جماعتیں متحد و متفق ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آزادی کی جنگ سے علیحدہ رہنا اور محض تماشائی بن کر دور سے

تما سے دیکھتے رہنا پسند کریں، اگر ہندوستانیوں میں کوئی بھی بے اعتمادی اور شبہات ہوں تو ان کو باہمی سمجھوتہ سے جلد از جلد دور کردینا وقت کا اہم ترین فریضہ ہے۔

امید ہے کہ مسلم لیگ اور اسکے محترم صدر مسٹر محمد علی جناح وقت کی نزاکت کا پورا پورا احساس فرمائیں گے اور اس تاریخی موقعہ کو ضائع نہ ہونے دیں گے اور مسلمان قوم کو دشمنان آزادی کے کیمپ میں شامل ہونے اور فدا کاران وطن کے مقابلہ پر آنے کی رسوائی اور ذلت سے بچانے کی کوشش کریں گے،،

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، فقیر احمد سعید کان اللہ لہ، محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہ
عبد الحلیم الصدیقی دہلی ۵/ اگست ۱۹۴۲ء

بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی

اگست ۱۹۴۲ء میں عالمی جنگ نازک ترین مرحلہ میں داخل ہوگئی تھی جاپان کے جنگی جہاز کلکتہ تک پرواز کرنے لگے تھے اور ادھر کانگریس کی تحریک اندرون ملک شعلۂ جوالہ بن گئی، ۸/ اگست ۱۹۴۲ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اہم اجلاس ایک خطرناک فیصلہ کرنے کے لئے بمبئی میں منعقد ہونے والا تھا، ایک طرف کانگریس اجلاس کو کامیاب بنانے کی فکر میں تھی دوسری طرف حکومت اس کو ناکام کرنے پر تلی ہوئی تھی، کمزور دل والے تو حکومت کی تیاریوں کی خبر ہی سن کر دہل جانے والے تھے کیونکہ مسلح پولیس اور فوج کو تیار رہنے کا حکم دیدیا گیا تھا، مشین گنیں اور ٹینک شاہراہوں اور چوراہوں پر کھڑے کر دیئے گئے تھے مسلح پولیس اور فوج کا بمبئی کی سڑکوں پر مارچ کرایا گیا تاکہ ہندوستان سمجھ لے کہ بمبئی دوسرا جلیانوالہ باغ یا پشاور کا قصہ خوانی بازار بننے والا ہے، اخبارات حکومت کی دہشتناک تیاریوں کی خبروں کو ملک میں خوب پھیلا رہے تھے ان خبروں کو سن کر کانگریس کے اس اجلاس میں شرکت کی وہی ہمت کرسکتا تھا جو سر بکف اور کفن بردوش ہو، پھر چپہ چپہ پر سی آئی ڈی مسلط تھی اور حکم تھا کہ جہاں بھی ورکنگ کمیٹی کا کوئی ممبر مل جائے فوراً گرفتار کرلیا جائے، جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی آئی، سی، سی، کی ورکنگ

کمیٹی کے ممبر تھے اس لئے ان کو بھی اس اجلاس میں شریک ہونا تھا آپ نے سیوہارہ سے
بمبئی تک کا سفر تمام خطرات کے باوجود کیا، کانگریس ابھی خلاف قانون جماعت نہیں تھی لیکن
جس تجویز کو منظور کرنے کے لئے یہ اجلاس کیا جا رہا تھا اس کا علم حکومت کو ہو چکا تھا،
حکومت جانتی تھی کہ تجویز میں "ہندوستان خالی کر دو" کا مطالبہ کیا جائیگا، اس تجویز کے
منظور ہو جانے کے بعد کانگریس کو اگر خلاف قانون کسی مصلحت کی وجہ سے نہ بھی قرار دیا جائے
لیکن ہمہ گیر اور عالم گیر جنگ کے اس خطرناک دور میں ہندوستان خالی کر دو (کوئٹ انڈیا)
کا مطالبہ سراسر بغاوت ہے اور اس کو پاس کرنے والے باغی، حکومت کو اس میں تامل نہیں
تھا کہ جو ممبر بھی اس اجلاس میں شریک ہوگا وہ باغیانہ سرگرمی کا مرتکب ہوگا اور اس
کو گرفتار کر لینا ضروری ہوگا، سوال صرف یہ تھا کہ گرفتاری کی ذمہ داری کون لے؛ بمبئی کی
حکومت اس کے لئے تیار نہ تھی کہ بمبئی جیسے شہر میں سیکڑوں ممبروں کو گرفتار کر کے طوفان برپا
کرے، پھر جیل خانوں میں ان کی نازبرداری کا فرض، غیر محدود مدت تک انجام دیتی رہے
لہٰذا سرکاری پالیسی یہ قرار پائی کہ گرفتار کرنے کا فرض دوسرے صوبوں کی حکومتیں انجام
دیں یعنی جو ممبر جس صوبے کا ہو اسی صوبے کی حکومت اسکو گرفتار کرے، تمام بڑے لیڈر
گاندھی جی مولانا ابوالکلام آزاد جواہر لال نہرو سردار پٹیل وغیرہ اسی شب گرفتار کر لئے گئے
اس افراتفری میں مولانا حفظ الرحمٰن نے اپنی وضع بدل لی اور خفیہ طور پر بمبئی سے نکل گئے
مگر بھوپال کے بعد یوپی کی حدود شروع ہو جاتی ہیں، گرفتاری لازمی تھی مگر مولانا موصوف
بچتے بچاتے سیوہارہ پہونچ گئے اور دو اسٹیشن پہلے ہی ٹرین چھوڑ دی اور دوسرے
ذرائع سے خفیہ سیوہارہ میں داخل ہوئے کیونکہ صوبائی پولیس آپ کی تلاش میں تھی پھر
آپ کو دہلی پہونچنا بھی ضروری تھا اس لئے آپ نے دیہاتیوں کا لباس اختیار کیا اور کسی
کسی دور کے اسٹیشن سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے، دہلی میں آپ کی گرفتاری نہیں ہو سکتی
تھی کیونکہ آپ کا وارنٹ یوپی گورنمنٹ نے جاری کیا تھا جبتک وارنٹ یوپی سے منتقل
ہو کر دہلی پہونچے تبتک آپ محفوظ تھے آپ نے اس فرصت سے فائدہ اٹھایا اور دہلی پہونچتے
ہی جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا، ۲۷، ۲۸ راگست ۱۹۴۲ء کو یہ اجلاس

ہوا صدر جمعیۃ علماء ہند شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے اس لئے اجلاس کی صدارت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی، مجلس عاملہ نے کانگریس کے اقدام کی حمایت میں ایک تجویز منظور کی اور طے یہ کیا گیا کہ اسکو کثیر تعداد میں چھپوا کر ملک کے گوشے گوشے میں پہونچا دیا جائے تاکہ تحریک سرد نہ پڑنے پائے، خلاف قانون تجویز کا طبع کرانا خود ایک خطرناک مرحلہ تھا اور پھر اسکو پورے ملک میں تقسیم کرنا اور چپہ چپہ میں پہونچانا اس سے بھی زیادہ خطرناک کام تھا، یہ خدمت استاذِ محترم مولانا سید محمد میاں صاحب اور مولانا عبدالماجد دہلوی اور بعض دوسرے حضرات کے ذمہ ہوئی دہلی سے مشرقی ہندوستان کے آخری کنارے تک تقسیم کرنا اور پہونچانا مولانا سید محمد میاں صاحب کے ذمہ اور پنجاب اور فرنٹیر میں مولانا عبدالماجد دہلوی کے سپرد کیا گیا اور جنوبی ہند میں ایک تیسرے صاحب کو ذمہ داری دی گئی۔

ہندوستان جاگ اُٹھا

بمبئی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کو گرفتار کرکے جس رازداری کے ساتھ گمنام مقام پر لیڈروں کو بھیج دیا گیا تھا اسکی وجہ سے ملک میں طرح طرح کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں ۹ اگست ۱۹۴۲ء کی صبح کو پورے ملک میں یہ خبر گونج گئی کہ ہندوستان کے تمام اہم لیڈر گرفتار کرلئے گئے، کسی نے کہا ان کو افریقہ کے جنگلوں میں بھیجدیا گیا، کسی نے کہا ان کو گمنام مقام پر لے جاکر گولی ماردی گئی، اب ان میں سے شاید ہی کوئی واپس آئے، ہزاروں افواہیں ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک بڑی تیزی سے گشت کرگئیں، عوام نے غصہ میں آکر حکومت کے سارے نظام کو تہس نہس کرنا شروع کردیا ریلوے لائنیں اُکھیڑ دی گئیں، اسٹیشنوں کی عمارتوں میں آگ لگادی گئی، بجلیوں کے کھمبوں کو زمین پر گرادیا گیا، تار کاٹ دیئے گئے، تھانوں کو پھونک دیا گیا، گر پولیس مزاحم ہوئی تو انکو بھی عدم کی راہ پر لگادیا گیا، عدالتوں اور کچہریوں کی عمارتوں کو اور فرنیچر کو توڑ پھوڑ دیا گیا، ڈاک خانوں اور مال گاڑیوں کو لوٹ لیا گیا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا ہے اور ہر ہندوستانی اپنے لیڈروں کے بارے میں تشویشناک خبریں

دشمن کر دیوانہ ہو گیا ہے۔

حکومت اس گرفتاری کے ردعمل سے واقف تھی، پورے ملک کی خفیہ پولیس اور سی آئی ڈی، کو چوکنا کر دیا گیا تھا اور ہر شہر کے سرگرم سیاسی کارکنوں کی فہرست تیار کر لی گئی تھی، صبح ہوتے ہی ہر شہر کی پولیس حرکت میں آگئی اور پورے ملک میں گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، سیاسی ورکروں کو بھی صورت حال کا احساس تھا انہوں نے بھی خفیہ طور پر حکومت کے اس اقدام کے خلاف اپنی پالیسی طے کر رکھی تھی، جن لوگوں نے صبح کا انتظار کیا وہ گرفتار کر لئے گئے جو بیدار مغز تھے وہ شب ہی میں انڈر گراؤنڈ ہو گئے اور بغاوت کی اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے پورے ملک میں پھیل گئے۔

تحریک مرادآباد میں

راقم الحروف کی تعلیم کا آخری سال تھا اور جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد کا طالب علم تھا، حسب معمول بعد نماز فجر شمائل ترمذی کے درس کے لئے مولانا سید محمد میاں صاحب کی خدمت میں پہونچے ہم ۴ ۵ طلبہ تھے جونہی کتاب کھولی مولانا نے فرمایا۔

"میرے پاس وقت کم ہے، آپ حضرات کی کتابیں بحمداللہ پوری ہو گئی ہیں اور اب آپ ضابطہ سے علماء کی صف میں آگئے ہیں لیکن حالات نے آپ پر بلا تاخیر وہ ذمہ داری بھی عائد کر دی جسے ابتداء سے ہندوستان کے علماء پوری کرتے آرہے ہیں، انگریزوں کے خلاف ہماری جدوجہد تقریباً ایک صدی سے جاری ہے، آج کی تاریخ سے اس جدوجہد نے ایک نیا رخ اختیار کیا ہے آج وقت کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ آپ لوگ میدان میں آجائیں اور وقت کے تقاضے کو پورا کریں، سڑک پر جائیں اور حکومت کے خلاف نعرے بلند کریں پورے شہر میں گشت کر کے تاروں کے کھمبے بجلی کی لائنیں ڈاک خانے، انگریزی حکومت کے تمام دفاتر، ریلوے لائن، رسل و رسائل کے جتنے ذرائع ہیں توڑ پھوڑ کر برباد کر دیں اگر اس سلسلہ میں جان کی بھی بازی آجائے تب بھی قدم پیچھے نہ ہٹائیں، کیوں کہ ہمارے مذہب ہماری قوم اور ہمارے

وطن کی جانب سے ہمارے اوپر یہ فرض عائد کیا گیا ہے میں اب آپ لوگوں سے غیر معین مدت تک کے لئے رخصت ہو رہا ہوں اگر زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی،،

یہ فرمایا اور مولانا موصوف درسگاہ سے فوراً اٹھے اور کہاں تشریف لے گئے؟ کچھ پتہ نہیں، جامعہ قاسمیہ کے دوسرے اساتذہ میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مولانا سید اختر الاسلام جیل جا چکے تھے، شب میں استاذ محترم فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ و دار العلوم دیوبند نے ختم بخاری کی تقریب میں ہمیں نصیحت فرمائی تھی، عام نصیحت کے وقت زبان اردو تھی اور جب حالات حاضرہ پر گفتگو شروع فرمائی تو یک بیک زبان عربی ہوگئی کیونکہ آج سی آئی ڈی ہمارے درس میں موجود تھی آپ نے فرمایا کہ

"آج سے آپ علماء کی صف میں شامل ہو گئے ہیں امید ہے کہ آپ ہمارے مسلک کو حرز جاں بنائیں گے اور عملی جدوجہد کے لئے آپ کے سامنے قدرت نے میدان مہیا کر دیا ہے آپ جائیں اور انگریزی حکومت کے نظام کو جتنا بھی معطل کر سکیں اس میں کوتاہی نہ کریں سڑکیں اور ریلوے لائنیں اکھیڑ دو، تاروں کو کاٹ دو، کھمبوں کو توڑ کر زمین بوس کر دو اسٹیشنوں کو پھونک دو، دفتروں میں آگ لگا دو اور بتا دو کہ ہم تمہاری غلامی میں اب زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے، تمہارے سارے بڑے لیڈروں کو گمنام مقامات پر لے جا کر ان کے ساتھ کیا جلادانہ اور بے رحمانہ سلوک کیا گیا ہے کچھ پتہ نہیں اس لئے اب تمہارا فرض ہے کہ اس حکومت سے پورا پورا انتقام لو اور جو کچھ بھی تمہاری بساط میں ہے اس حکومت کو تہس نہس کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑو، اللہ تمہارا حافظ و ناصر اور مددگار ہے، میری دلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں"

ان ولولہ انگیز نصیحتوں ہدایتوں اور دعاؤں کے بعد نوجوانی کے خون میں حرارت بڑھ گئی،

ہم طلبا رشاہی سڑک پر آگئے اور فضائے آسمانی انقلاب زندہ باد کے پرشور نعروں سے
گونج اٹھی، لوگوں کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی ہم یہ جلوس لیکر گورنمنٹ کالج کی طرف بڑھے،
کالج کے طلبا ر اپنی کلاسوں میں تھے ہم نے چھٹی کا گھنٹہ بجا دیا تمام طلبہ باہر آکر جلوس
میں شامل ہو گئے، کالج کی باؤنڈری سے ہم باہر آنا چاہتے تھے کہ گھوڑ سوار پولیس
آگئی اور جلوس پر ڈنڈے برسانے لگی، پھر بھی جلوس گیٹ سے باہر نکل کر سڑک
پر آگیا اور چل پڑا جب جلوس پان دریبہ پہونچا تو سامنے سے پولیس کپتان
جو انگریز تھا آگیا، اس کی جیپ نے راستہ روک لیا، اسکی جیپ کے پیچھے پولیس
کی گاڑیاں تھیں، ایک انگریز کی منحوس صورت دیکھ کر مجھے غصہ آگیا، چھت سے پولیس
پر پتھراؤ کی ابتدار ہوئی، ایک مکان کی دیوار سے متصل سڑک پر اینٹوں کے کچھ ٹکڑے پڑے
ہوئے تھے ہم نے ان سے کام لیا، ایک اینٹ گاڑی کے شیشے کو توڑ کر کپتان کے چہرے کو
زخمی کرگئی، اس نے فوراً ریوالور سے ایک شخص کو نشانہ بنایا وہ وہیں شہید ہوگیا، یہ اعلان تھا
پولیس کو گولی چلانے کا، پولیس ہندوستانی سپاہیوں پر مشتمل تھی اس نے اپنے بھائیوں
کی طرف نال سیدھی کردی، سڑک لاشوں سے پٹ گئی، جلوس منتشر ہوگیا، رات میں ہم
چند دوستوں نے تہیہ کیا کہ مرنے والوں کی تعداد کا پتہ چلایا جائے اور ہم نے شہر میں گشت کر
کے جو معلومات حاصل کیں تو ہمارے کاغذ پر ۹۴ آدمی پولیس کی گولی سے مجروح ہوئے، دوسری
صبح جب اخبار دیکھا تو گورنمنٹ رپورٹ میں مرنے والوں کی تعداد صرف چار تھی۔
جلوس کی پولیس سے مڈبھیڑ ۲ بجے دن میں ہوئی، ہم نے اگلا پروگرام کل کے
لئے ملتوی کردیا لیکن ۴ ½ بجے شام کو کالج کے طلبہ اپنے ایک زخمی ساتھی کو جسے پولیس
کی گولی لگی تھی اور خون سے اس کے کپڑے تر تھے یکہ پر بٹھا کر انقلاب زندہ باد کا نعرہ
لگاتے ہوئے جگہ جگہ رک کر حکومت کے خلاف تقریر کرتے نظر آئے ہم طلبار قاسمیہ کے لئے
بڑی غیرت کی بات تھی کہ ہم نے مرادآباد میں بغاوت کا بگل بجانے میں پہل کی اور کالج کے
طلبہ ہم سے سبقت لے جا رہے ہیں، ان کا یہ پروگرام ہمارے لئے قابل صد رشک رہا۔
دوسرے دن صبح کو پھر ہم مدرسہ شاہی کے دروازے پر آئے اور انقلاب زندہ باد

کے نعروں سے اہل شہر کو جگایا، عوام تو جیسے منتظر ہی تھے آج جلوس کا رخ کمپنی باغ کی طرف تھا آج پورا شہر امنڈ آیا تھا، کانگریس کے مقامی لیڈروں نے ایک ٹرک کا انتظام کر لیا تھا جس پر لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا تھا، جلوس آہستہ آہستہ انقلاب زندہ باد کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھنے لگا لوگوں کے اندازے کے مطابق ہندو مسلمانوں کا یہ مجمع اسی ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھا اور یہ اندازہ کرنا تو اور بھی مشکل تھا کہ اس جلوس میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے یا ہندوؤں کی، سب دوش بدوش چل رہے تھے، راستہ میں کہیں پولیس سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی، یہ ہمارے لئے حیرت کی بات تھی، جلوس کمپنی باغ پہونچ گیا ہر طرح سناٹا چھایا ہوا تھا کوئی انگریز نظر نہیں آیا اس لئے دو چار بنگلوں کے شیشے وغیرہ توڑ کر جلوس ریلوے اسٹیشن پہونچا، بکنگ آفس پر دھاوا ہوا ٹکٹ الماریوں سے نکال کر پلیٹ فارم پر اڑا دیئے گئے تار کے کھمبے توڑ کر قینچیوں سے تار کاٹ دیئے گئے، باہری حصے میں ہزاروں کی تعداد میں کبوتر بیٹھے ہوئے تھے جلوس نے سارے کبوتروں کو دربوں سے نکال کر نیک فال کے لئے اڑا دیا کہ آج سے قفس کی زندگی ختم، اب آزادی کی فضاؤں میں اڑو، پھر اسٹیشن روڈ سے شہر کی طرف لوٹے تو راستے میں بجلی کے سارے کھمبے جلوس کے احترام میں سر بہ سجود نظر آئے اور پولیس بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تماشا دیکھتی رہی یہ صرف ایک شہر کا حال تھا، اسی طرح پورے اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش وغیرہ کے شہروں میں ہوا اور کہیں کہیں اس سے بھی کہیں زیادہ ہوا میلوں میل ریلوے لائنیں سیکڑوں اور ہزاروں مقامات سے اکھاڑ کر ایک طرف پھینک دی گئی تھیں ریلوے نظام اتنا درہم برہم ہو گیا کہ مہینوں بند ٹرینوں کی آمدورفت شروع ہوئی۔

جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کی گرفتاری

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ابھی چند ہی دنوں دہلی میں ٹھہرے تھے کہ ان کا وارنٹ دہلی پہونچ گیا اور ایک دن ندوۃ المصنفین قرولباغ سے گرفتار کر کے مرادآباد جیل بھیجدیئے گئے، مولانا سید محمد میاں صاحب باغیانہ لٹریچر کی تقسیم کے لئے مغل سرائے سے آگے نہ جا سکے کیونکہ اس سے آگے ریلوے نظام درہم برہم تھا ٹرینوں کی آمدورفت بند تھی اس لئے

آپ مشرقی یوپی میں خفیہ لٹریچر کی تقسیم میں مصروف رہے، فرنٹیئر پولیس میں ایک سرکلر پکڑا گیا جس کے شائع کرنے والوں نے مولانا موصوف کے نام سے شائع کیا تھا غالباً یہ کسی اُردو سرکلر کا پشتو زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا فرنٹیئر پولیس نے یوپی پولیس کو وہ سرکلر بھیجا جو پشاور کالج کے طلبہ نے تقسیم کیا تھا اسکی بنیاد پر آپ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں گرفتار کر کے مراد آباد جیل بھیجے گئے مسلمانوں کے متعلق حکومت کی عام پالیسی یہی تھی کہ ان کی گرفتاری کم سے کم ہو پھر بھی اکابر جمعیۃ علماء میں مولانا حسین احمد مدنی مولانا حفظ الرحمٰن مولانا احمد سعید مولانا سید محمد میاں مولانا نور الدین بہاری مولانا عبد الماجد دہلوی مولانا مفتی نعیم الدین لدھیانوی مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مولانا داؤد غزنوی مولانا اسمٰعیل سنبھلی مولانا قاری عبد اللہ مراد آبادی مولانا عبد الوہاب بستوی مولانا محمد شاہد میاں فاخری الٰہ آبادی مولانا منیر الزماں اسلام آبادی مولانا عبد الباری عباسی مولانا منظور النبی سہارنپوری وغیرہ وغیرہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیئے گئے جمعیۃ علماء آسام اپنی باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے خلاف قانون قرار دیدی گئی اور اس کے تمام نمایاں کارکن گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے۔

مسلم لیگ نے کیا کیا؟

انگریزی حکومت کے خلاف پورا ملک جدوجہد کے میدان میں آگیا، کانگریس اور قوم پرور مسلمانوں نے آزادی کی جنگ کو تیز سے تیز تر کر دیا اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ایک فیصلہ کن جنگ کا آغاز کر دیا اس کے برعکس مسلم لیگ اگر خاموش بھی رہتی تو مسلمانوں کی آبرو رہ جاتی لیکن انگریزی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نے ۲۰ اگست ۱۹۴۲ء کو اپنے ایک اجلاس میں "کوئٹ انڈیا" کی تجویز کی مذمت میں ایک رزولیشن منظور کیا اور مسلمانوں کو اس تحریک سے دور رہنے کی ہدایت کی، اس وفاداری کے صلہ میں پانچ صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں قائم ہوئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ پاکستان کی شہنشاہیت کا تخت طاؤس ان کو حاصل ہوگیا، اس دوران اپنی تقریروں اور بیانوں میں کانگریسی لیڈروں سے پاکستان تسلیم کرنے

کی رٹ لگاتی رہی۔

★

جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لئے تین صورتیں ہیں:۔

ایک تو یہ کہ وہ غریب الوطن اور غیر ملکی کی طرح زندگی بسر کریں جن کا کوئی حق اور کوئی حصہ حکومت میں نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ وہ ہندو قومیت اختیار کرلیں اور ہندو ہو جائیں۔

تیسری شکل یہ ہے کہ وہ پاکستان ہجرت کر جائیں۔

اسکے علاوہ کوئی دوسرا علاج نہیں۔

محمد علی جناح صدر مسلم لیگ۔

(ایک پریس نمائندہ کے سوال کے جواب میں)

پاکستان

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں پاکستان کی تجویز منظور ہوئی یہی تجویز بعد میں مسلم لیگ کا نصب العین بن گئی، تجویز کی پبلسٹی کچھ اس انداز سے ہوئی کہ پانچ سالوں کے اندر یہ تجویز ایک طاقتور تحریک کی شکل اختیار کر گئی اور جب ہندوستان میں کرپس مشن اور اس کے بعد وزارتی مشن آیا اس وقت یہ تحریک اتنی اہمیت اختیار کر چکی تھی کہ اس سے صرف نظر کرنا ممکن نہ تھا اس تجویز میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان کے وہ علاقے جن میں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے ان کو ایک مستقل، آزاد، خود مختار حکومت تسلیم کیا جائے جس کا بقیہ ہندوستان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، باقی وہ تمام علاقے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے بارے میں اس تجویز میں کچھ نہیں کہا گیا تھا، تھوڑے ہی دنوں میں "سینے پہ گولی کھائیں گے، پاکستان بنائیں گے" کے پرشور اور فلک شگاف نعروں سے ہندوستان کی فضا گونج گئی اس تجویز کو عوام کے سامنے اس نفسیاتی نقطہ نگاہ اور مسلمانوں کی ذہنی ساخت کو مدنظر رکھ کر پیش کیا گیا جو مذہب سے والہانہ شیفتگی وعقیدت نے ان میں پیدا کر دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کے لفظ کو ایک گونہ تقدس حاصل ہو گیا، اس کا مقدس تصور ان کے دل ودماغ میں اس طرح پیوست ہو گیا کہ کسی ایسی تجویز کو سننے کے بھی وہ روادار نہیں تھے جس میں پاکستان کے تصور سے ہٹ کر بات کی گئی ہو۔

اس تجویز کا سب سے حیرت ناک پہلو یہ تھا کہ اس اسکیم سے جن لوگوں پر سب سے زبردست زد پڑنے والی تھی اور ان پر مستقبل میں قیامت ٹوٹنے والی تھی اور ان کے اپنے گھروں میں تباہیوں اور بربادیوں کا سیلاب آنے والا تھا انہوں نے ان لوگوں سے زیادہ جوش وخروش کا اظہار کیا جو اس اسکیم سے بہرہ مند ہونے والے تھے، تمام وہ صوبے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے بالخصوص اترپردیش، بہار وغیرہ میں مسلمانوں نے اس تجویز کی حمایت میں دماغی توازن کھو دیا تھا،

انہوں نے اس اسکیم کو اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ بنا دیا اور وہ اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ جو اس اسکیم کی حمایت میں ہے وہ مسلمان ہے اور جو شخص اس اسکیم کی مخالفت کرتا ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے ان کا نعرہ تھا ؎

"مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ"

پاکستان کی حیثیت مدینہ منورہ کی ہے

پاکستان کی تجویز کو چند علماء نے مذہبی تقدس کا درجہ دیدیا تھا اور ان کا طائر فکر عہد نبوی کی بابرکت فضاؤں میں پرواز کرنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہوگیا، وہ اس خوش فہمی کا شکار تھا کہ اسکو یہ سعادۃ عظمیٰ حاصل ہو رہی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہجرت نبوی کی ایک سنت پر عمل کرنے کی راہیں ہموار کر رہا ہے اب ایسے شخص کے معراج تخیل کی عظمت وسعادت کے مقام بلند کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ تحریک پاکستان کے سب سے بڑے علمبردار مسٹر محمد علی جناح نے پاکستان کی حمایت میں کبھی جو بات نہیں کہی جبکہ سب سے زیادہ حق کہنے کا انہیں کو تھا کیونکہ اس اسکیم کی توضیح و تشریح کرنے والے وہی تھے چند علمائے جو مسلم لیگ کے ساتھ تھے اپنے مدرسوں میں بیٹھکر اس کے لئے شرعی دلائل کے وہ پہلو تراشے جس کا مستقبل سے کوئی تعلق نہیں تھا نہ حقیقت سے اس کو کوئی واسطہ تھا، انہوں نے دلیل یہ دی کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالت موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنالینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جاسکے لازم اور ضروری ہے اور اسکی نظیر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے۔ مکہ معظمہ میں اسلامی سلطنت اور نظام اسلامی قائم نہ ہوسکا تو مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا، اس مرکز سے اسلام کو جو ترقی ہوئی دنیا پر ظاہر اور روشن ہے۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ پاکستان سے بھی اسلام کو ترقی حاصل ہو غلبہ امت کا ذریعہ اور غلبۂ اسلام کا زینہ بنے ہے

قرآنی حکومت

دینی و مذہبی ذہن و مزاج رکھنے والے عوام کو سمجھایا گیا کہ پاکستان ایک ابتدائی قدم

ؔ مولانا ظفر احمد تھانوی ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۵ء حیات محمد علی جناح ص ۵۳۴ ۴۳۴ ۵۴ -

کے قائم ہونے پر منتہی ہے جو انجام کار اسلامی اصولوں کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ کے قائم ہونے پر منتہی ہو سکتا ہے جب ۱۹۴۵ء میں استصواب رائے کے لئے الکشن ہونے والا تھا تو عوام سے اپیل کی گئی کہ "تمام مسلمان آئندہ انتخابات اسمبلی و کونسل میں صرف ان امیدواروں کی تائید کریں جن کو مسلم آل انڈیا سیاسی قومی مجلس مسلم لیگ نامزد کرے گی وہ کسی حال میں کسی ایسے شخص کی تائید نہ کریں جو مسلمانوں کی اس مسلمہ سیاسی و ملی جماعت مسلم لیگ کے ضبط و نظام کے خلاف ہو ایسا کرنا اتحاد ملت، مفاد امت محمدیہ، استقلال اسلام اور مسلم قوم کے مقاصد کے سخت خلاف ہے کیونکہ پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک ان انتخابات کے نتائج پر منحصر ہے۔[۲]

پاکستان کے لئے عزم شہادت

پاکستان کے لئے استصواب رائے کی جنگ اتنی مقدس قرار دی گئی کہ مسلمان کی ایک اہم شخصیت نے یہاں تک کہا کہ اگر حصول پاکستان کے لئے میرے خون کی ضرورت ہو تو اس راہ میں اپنا خون دینا باعث افتخار سمجھوں گا اور اس سے ہرگز دریغ نہ کروں گا اس ملک میں ملت اسلامیہ کا وجود و بقاء اور مسلمانوں کی باعزت زندگی قیام پاکستان سے وابستہ ہے میں اپنی زندگی کو کامیاب سمجھوں گا اگر اس مقصد کے حصول میں کام ..... آجاؤں[۳]

خانقاہوں کے اوراد سحر گاہی

صوفیاء اور مشائخ کی خانقاہوں سے آواز آئی کہ حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ صرف مسلم لیگ ہی میں شریک ہو کیونکہ صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو حرمت اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کے لئے کوشاں ہے۔

درگاہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے مقدس نعرہ بلند ہوا کہ میں اپنے سلسلہ کی تمام خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جد امجد حضرت خواجہ غریب نواز کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک حالت میں اسلام کی خدمت کے لئے نکل پڑیں اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے کمر باندھ کر میدان میں آجائیں۔[۴]

خواجہ حسن نظامی نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور اپنی الہامی آواز میں ارشاد فرمایا میری چشتی برادری کے مسلمان ممبر اور میرے سب مرید اور نظامیہ خاندان کے سب متوسل مسلم لیگ

کا ساتھ دیں، ہر مسلمان پر جو علماء مشائخ کو مانتا ہو مسلم لیگ کا ساتھ فرض ہوگیا ہے[۳]

متولی درگاہ بو علی قلندر نے نعرہ قلندرانہ لگایا ہے۔ اس وقت مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور پاکستان مسلمانان ہند کا بہترین نصب العین ہے اس لئے اس کے حصول کی جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا اہم ترین فرض ہے[۶]۔

پیر سید جماعت علی شاہ کو الہام ہوا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو نہیں ٹال سکتی حکومت اور کانگریس کان کھول کر سن لیں کہ اب مسلمان بیدار ہو چکا ہے اور اس نے اپنی منزل مقصود متعین کرلی ہے اور وہ پاکستان ہے۔ میں سید ہوں اور میں موت سے نہیں ڈرتا ہوں[۷]۔

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں۔

ایک مشہور عالم دین نے اس بات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا کہ اپنی قیادت علماء کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے اور قدرت انگریزی تعلیم یافتوں کے سپرد یہ ذمہ داری کر رہی ہے انہوں نے تحریر فرمایا کہ -

علماء دیوبندہی نہیں طبقہ علماء کا حال ہر جگہ قابل رحم حد تک پہونچ چکا ہے اپنی فوج کو خود اپنے ہاتھوں انہوں نے ضائع کر دیا ہے اگر مذہبی بے باکیوں کے گروہ کی طرف سے کوئی اقدام پیش آیا تو ان مولویوں سے کوئی پوچھے کہ اپنی کس قوت کا دباؤ دیکر ان شرارتوں کا مقابلہ کریں گے ،، جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ نے ایک محاذ قوموں کے لئے قائم کر دیا ہے، افسوس، خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی ان مولویوں نے چلائی، تاہم محمد رسول اللہ کے دین کا محافظ رہی ہے، جس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، خدا کا شکر ہے کہ علماء ہمارے یہاں کسی نسل کا نام نہیں ہے مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ تعلیم یافتوں کی تعلیم میں دین کا عنصر شریک کر کے علماء

---

[۱] بیان مولانا شبیر احمد عثمانی عصر جدید کلکتہ ۲۱ر نومبر ۱۹۴۵ء حیات محمد علی جناح ص ۴۵۶ -
[۲] منجانب جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ نومبر ۱۹۴۵ء حیات محمد علی جناح ص ۴۵۷ [۳] بیان مولانا شبیر احمد عثمانی حیات محمد علی جناح ص ۴۵۸ [۴] [۵] [۶] [۷] حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری ص ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ -

کی قیادت کی باگ قدرت نئے تعلیم یافتوں کو سپرد کرے گی، آئندہ میدان انشاء
اللہ، محمد علیوں اور اقبالیوں کے ہاتھ میں رہے گا۔[1]

پاکستان میں اسلامی حکومت

تائید کی ایک اور قسم واز ۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء اخبار صدق میں مولانا عبدالماجد دریابادی
رقم طراز ہیں۔

" ایک معاصر انگریزی اخبار لکھتا ہے، اسلامی حکومت اس ایک لفظ میں نہ جانے
کتنی دل ربا کہانیاں چھپی ہوئی ہیں؟ سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھیں اس چمک
دمک کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں دل بے اختیار اس کی طرف بھاگتا ہے اور دماغ
تھوڑی دیر کے لئے اس نام کی لذت سے سرشار ہو کر معطل ہو جاتا ہے ذرا دیر کے
بعد یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت کیسی ہوگی؟ حجازی قسم کی یا عباسی قسم
کی؟ یا ہندی مغلئی قسم کی؟ پھر یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ وہاں سنی فقہ چلے گی یا شیعہ
فقہ؟ اور سنی فقہ حنفی ہوگی یا حنبلی؟ اس طرح کے بہت سے سوالات،
الزامی جوابات (مثلاً یہ کہ یہ سوراجی حکومت کس کے خیالات کے مطابق ہوگی؟
گاندھی جی کے پنڈت جواہر لال نہرو کے نقشہ کی یا سوبھاش چندر بوس کے نظریات
کے مطابق؟ وقس علی ہذا) سے قطع نظر کرلی جائے جب بھی پیش کردہ سوالوں
کا جواب بہت ہی آسان ہے، اسلامی حکومت اپنی بد سے بدتر شکل میں اور کسی
فرقہ کی فقہ کے مطابق بھی سہی بہرحال کافرانہ حکومت سے بہتر و قابل ترجیح ہوگی،
صحت کمزور سے کمزور سہی بہرحال بیماری کی ہم سطح تو نہیں ہو سکتی، روشنی دھیمی
سے دھیمی ہی سہی بہرحال تاریکی سے تو غنیمت ہی رہے گی "

بڑے سے بڑے محقق اور بال کی کھال نکالنے والے لوگ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے
کہ پاکستان میں اسلامی حکومت ہوگی اور وہاں کا دستور اسلامی دستور اور فقہ اسلامی کا کوئی ماہر
بنائے گا کیونکہ قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی دینداری اور بزرگی خلوص و للہیت اور اسلام سے

---

[1] خط مولانا مناظر احسن گیلانی بنام مولانا عبدالماجد دریابادی اخبار صدق لکھنؤ جنوری ۱۹۴۶ء، حیات محمد علی جناح
ص ۴۵۱ – ۴۵۲۔

بے پناہ اور والہانہ محبت نے شاید ایسا حسن ظن قائم کرنے پر مجبور کر دیا تھا، یہ تو بہر حال کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پاکستان جیسی اسلامی حکومت کا دستور ایک غیر مسلم ہریجن بنائے گا، جس پر اس سلطنت خداداد کی بنیاد رکھی جائے گی شاید تاریخ میں جنت الحمقا کی اس سے بہتر اور کوئی مثال نہیں مل سکتی، اسلامی حکومت اور قرآنی دستور کی بشارت دینے والے علماء کا دور دور کہیں پتہ نہیں چلتا، ماننا پڑتا ہے کہ مسٹر محمد علی جناح آج کے دور کا ماہر سیاستداں تھے جنہوں نے بڑے بڑے علماء کو وہ جھانسے دیئے کہ رعد و برق کی طرح اسٹیجوں پر کڑکنے اور گرجنے والوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں،

اسلامی حکومت کی ایک جھلک

بات بے موقع ضرور ہے لیکن جب اسلامی حکومت کی بات آگئی ہے اور ان کی زبان سے آئی جو بال کی کھال نکالتے ہیں اور ہر بات سے ایک نکتہ پیدا کرنے میں کمال رکھتے ہیں انہیں کی زبان سے انہیں کے اخبار سے ایک رائے پاکستان بننے سے پہلے کی اور دوسری رائے پاکستان بننے کے بعد کی۔ اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ مسلمانوں کا ایک بڑا حلقہ کتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا آپ نے تحریر فرمایا۔

•آل پاکستانی زمینس ایسوسی ایشن نے اعلان کیا ہے کہ اب کی سنیچر ۶ ستمبر کی رات میں ہوٹل میٹروپول کے بائیں باغ میں ایک رقص کا پروگرام ہوگا اس رقص کی آمدنی سے مہاجرین کی امداد کی جائے گی اور یہ پروگرام سفیر اٹلی کی خاتون صاحبہ کی سرپرستی میں ہوگا، رقص اور موسیقی کلاسیکل قسم کی ہوگی، پروگرام کے آخر میں «بفے ڈنر» (کھڑے کھڑے کھانا) اور رقص ہوگا، یہ ٹولیاں یونان انڈونیشیا، ہالینڈ، اسکاٹ لینڈ، امریکہ اور خود پاکستان کی ہونگی، کمیٹی کی ممبرس میں بیگم نذیر احمد، بیگم ایچ، ایم، ایس چودھری بیگم ایس، اے رحیم شامل ہیں،

یہ اعلان وہ ہے جو کراچی کے مشہور انگریزی روزنامہ سی سام گزٹ یکم ستمبر کے صفحۂ اول پر دہری سرخیوں کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، خبر پر تبصرہ معتدل اور محتاط لفظوں میں کیوں کر کیا جائے اپنی بہنوں کی اتنی کھلی ہوئی بے غیرتی

پر کسی مسلمان مرد کے لئے صبر وضبط ممکن ہے؟ آج تو ہماری اسلامی تہذیب
ومعاشرت میں فسق کی شاید پست ترین اور ذلیل ترین صورت تھی، شریف بہو،
بیٹیاں، بیواؤں کے سایہ سے دور رہتی تھیں ان سے باقاعدہ پردہ کرتی تھیں
جس طرح نامحرم مردوں سے کیا جاتا ہے اور اگر اتفاق سے سامنا ہو جاتا تھا
تو جھوٹ بول کر اپنی شخصیت کو چھپا دیا جاتا تھا اور اب یہ نوبت ہے کہ یہ ناچنے
والی اور رنجوانے والی بیگمات فخر کیساتھ اپنے ناموں کا اعلان کر رہی ہیں اور
شاید متوقع ہیں کہ اب بھی ان کی شرافت وعزت بدستور جاری رہیگی، پاکستان
اسی بے غیرتی کے مظاہرہ کے لئے بنا ہے؟ بانی پاکستان اقبال کے ذہن میں
شائبہ بھی اس بے حیائی کی آزادی کا آیا تھا؟ کراچی اور پاکستان کا سارا اسلامی
پریس ان ساری بے ہودگیوں کو دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے بجز ان معدودے
چند مستثنیات کے جن کا علم اسی شذرہ کے پریس میں جانے کے وقت ہوا[1]
یہ اقتباس کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ۔ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔

نیم حکیم خطرۂ جان

ہندوستان کے وہ صاحبان سجادہ وطریقت مشائخ اور خانقاہوں کے پیران عظام
جن کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی سیاسیات حاضرہ سے ان کا کوئی لگاؤ نہیں
تھا اور نہ اسکی ابجد سے واقف تھے اس لئے انتقال اختیارات کے نازک اور پیچیدہ مسائل تقسیم
ملک اور پاکستان کی تجویز کے نتائج وعواقب کے بارے میں انکی معلومات کتنی تھیں؟ کیا کہا جا سکتا
ہے؟ لیکن ان لوگوں کو مسٹر محمد علی جناح کی قیادت سعیدہ پر ایمان بالغیب ضرور حاصل ہو گیا
تھا اور ان کو یقین ہو گیا کہ ہندوستان کے ایک حصہ میں "خلافت راشدہ" قائم کی جا سکتی ہے تو
وہ صرف محمد علی جناح کی تجویز پاکستان سے قائم ہو سکتی ہے اور انہوں نے ان سارے علماء
کو جو تجویز پاکستان کے اپنے علم وبصیرت کی روشنی میں مخالف تھے مطعون کرنا شروع کر دیا

پاکستان مخالف علماء سے نفرت وعداوت

پاکستان کی حمایت کرنے والے عوام کو اپنی راہ کے صحیح ہونے کا یقین اور بھی اس لئے

[1] مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق الجمعیۃ دہلی ۱۴ ستمبر ۱۹۵۲ء

رہا تھا اور رہا تھا کہ کانگریس تقسیم ملک کی سب سے بڑی مخالف تھی اور کسی قیمت پر ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی روادار نہیں تھی اور مسلم لیگ کے لیڈروں نے عوام کے ذہنوں میں یہ بات پیوست کر دی تھی کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے اور اس میں جو مسلمان ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے کانگریس میں انکی حیثیت زرخرید غلام اور شو بوائے کی ہے، اس ضمیر فروش طبقے کو کانگریس میں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے، ان پڑھ عوام کو بتایا گیا کہ ہندو اسلامی حکومت کی دشمنی اس لئے کرتا ہے کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو یہ موقعہ نہیں دینا چاہتا۔ کہ پاکستان بنایا جائے اور وہاں مسلمانوں کی ایک اسلامی حکومت قائم ہو اور اس میں اسلامی قوانین نافذ ہوں، اس لئے عوام کانگریس دشمنی اور نیشنلسٹوں کی دشمنی اور عداوت میں اور پرجوش ہو گئے اور پاکستان کے مسئلہ کو کفر و اسلام کا مسئلہ بنادیا اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے ساتھ عوام کی دشمنی اور بھی بڑھ گئی کہ وہ ہندوؤں کی مدد کر رہے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم نہ ہو۔

میں مولویوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء کو "یوم پاکستان" کے موقعہ پر دہلی میں تقریر کرکے مسٹر محمد علی جناح صدر مسلم لیگ نے جمعیۃ علماء ہند کے رہناؤں کے بارے میں کہا

یہ صحیح ہے کہ برطانیہ اور کانگریس کے چند دلالوں کے ذریعہ مسلم لیگ میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی گئی یہ کانگریس کے پروردہ ہیں برطانوی شہنشاہیت کے معین و مددگار، کسی نہ کسی طرح ان کی تشہیر ہندو اخبارات میں ہوتی رہتی ہے۔ میں ان مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا [۱]

تصویر کا ایک اور رخ

ایک طرف پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی بات کہی جا رہی ہے کہ اس میں قرآنی دستور کے مطابق نظام حکومت قائم کیا جائیگا، دوسری طرف دوسرے صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں پاکستان کی مالی ایک بڑی جماعت کے جو افکار و نظریات تھے اُسے بھی پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ ہو سکیگا کہ ایمان و اسلام کی ان کے سینوں میں کیا قدر و منزلت تھی؟

---

[۱] جناح کی تقریریں ص ۱۹۴ شائع کردہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن۔

اور عام امت مسلمہ کے بارے میں ان کے دینی جذبات کیا تھے؟ ایک طرف پاکستان کی حمایت کے سلسلہ میں دین و مذہب کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار اور آئیڈیل کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف بڑے بڑے مدعیان رشد و ہدایت اور حکومت الہیہ فی الارض کے داعیین کے نزدیک ہندوستان کے بقیہ تین کروڑ مسلمانوں کے جان و مال عزت و آبرو کی قیمت تو دور رہی ان کے عقیدہ و ایمان کا بھی کوئی وزن نہیں تھا، ایک طرف پاکستان میں خلافت راشدہ اور قرآنی حکومت کی داغ بیل ڈالی جانے کا وعدہ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف اسلامی ہند کے تین کروڑ مسلمانوں کے بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ یہ ہے۔

> اب یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ ملک تقسیم ہو جائے گا ایک حصہ مسلم اکثریت کو سپرد کیا جائے گا اور دوسرا حصہ غیر مسلم اکثریت کے زیر اثر ہوگا پہلے حصہ میں ہم کوشش کریں گے کہ رائے عامہ کو ہموار کر کے اس دستور و قانون پر ریاست کی بنیاد رکھیں جسے ہم مسلمان خدائی قانون اور دستور مانتے ہیں، غیر مسلم حضرات وہاں ہماری مخالفت کرنے کے بجائے ہمیں کام کرنے کا موقع دیں اور دیکھیں کہ ایک بے دین قومی جمہوریت کے مقابلہ میں خدا پرستانہ جمہوری خلافت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت پر قائم ہوگی کہاں تک خود باشندگان پاکستان کے لئے اور کہاں تک پوری دنیا کے لئے رحمت و برکت ثابت ہوتی ہے۔

ہندوستان میں ہندو راج قائم کیجئے

دوسرے حصہ میں آپ کی اکثریت ہوگی اور ہماری اقلیت ہوگی وہاں ہم آپ سے عرض کریں گے کہ خدارا دنیا کی بگڑی ہوئی قوموں سے وہ نہ لیجئے جن کی وجہ سے وہ خود بھی خراب ہو رہی ہیں اور دنیا کو بھی خراب کر رہی ہیں، رام چندر جی، کرشن جی، مہاراج گرو نانک، اور دوسرے رشیوں منیوں کی تعلیم اور سیرتوں کا جائزہ لیجئے ویدوں، پرانوں، شاستروں اور گرنتھوں کو دیکھئے اگر ان میں کوئی ہدایت آپ کو ملے تو ہم کہیں گے کہ آپ ہندوستان کی ریاست کا نظام اسی پر قائم کیجئے، اور ہم سے وہی برتاؤ کیجئے جو آپ کا دین ہمارے لئے تجویز کرتا ہے ہم اس نظام کی مزاحمت نہیں کریں گے اسے کام کرنے کا موقع دیں گے[۱]

---

[۱] سید ابو الاعلیٰ مودودی "جماعت اسلامی اور اسکی دعوت" مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند طبع ششم ص ۲۹-۳۰

دیکھا تحریک پاکستان کا پس منظر، آٹھ کروڑ کے لئے قرآنی حکومت اور تین کروڑ کے لئے ویداور پران کا شاشن، تین کروڑ مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے ہاتھوں فروخت کیا جارہا ہے کہ آپ کا مذہب جو بھی اجازت دے ان مسلمانوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرنے کے آپ حقدار ہیں،

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ⁂ گہے بر پشت پائے خود بہ بینم

دس کروڑ مسلمانوں کے پرخچے اڑانے کے لئے تیار ہوں۔

۲۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو مسٹر محمد علی جناح نے کانپور میں تقریر کرتے ہوئے غیر پاکستانی منطقوں میں رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں کہا۔

ساتھ کروڑ مسلمانوں کی آزادی اور رہائی کے لئے اگر ضرورت پڑے تو دو کروڑ مسلمانوں کے پرخچے اڑاکر آخری رسم شہادت ادا کرنے کے لئے تیار رہوں[1]

جھوٹا وعدہ

مسٹر جناح نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے علماء کے سامنے ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا
"مسلم اقلیت کے صوبوں میں رہنے والے مسلمان خود دارا ور بلند حوصلہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ہم اپنے بھائیوں کو ہندو اکثریت کا حلقہ بگوش نہ ہونے دیں گے، ایسی خود مختار ریاستوں کی تخلیق درحقیقت اقلیتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی بہترین ضمانت ہوگی اور جب گفت و شنید اور مشوروں کا وقت آئے گا تو صوبجات اقلیت کے مسلمانوں کی یقیناً پوری مدد کیجائیگی[2]

اسلامی حکومت کا نعرہ ایک سیاسی فریب ہے

دوسری طرف جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جو حقیقت افروز بیانات دیئے ہیں وہ بھی پیش نظر رکھ لیں۔

"قوم پرور مسلمانوں کو شکست دینے شخصی یا پارٹی اقتدار حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے بارے میں یہ کہنا کہ ہم اسلامی حکومت بنارہے ہیں، بہت بڑا سیاسی فریب ہے جو ایسے نازک وقت میں اور زیادہ قابل نفرت ہوجاتا ہے جبکہ مسلمانوں

---

[1] جناح کی تقریریں ص ۱۰۷ [2] جناح کی تقریریں ص ۱۲۲ ۔

کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ مسلم مفکرین اور ارباب سیاست ان مختلف اسکیموں پر غور و خوض کریں جو ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے ہندوؤں کے مساوی آزاد رہنے کا حق دیتی ہوں اور پھر تبادلہ خیالات کے بعد کسی ایک اسکیم اور فارمولے کو وضع کر کے حکومت اور کانگریس دونوں کے سامنے متحدہ آواز کیساتھ پیش کر سکیں ایسے وقت میں کسی ایک سیاسی نظریہ یا اسکیم کو مذہب اور ایمان بنا کر عوام کو فریب دینا معلوم نہیں ایمانیات کے کس قسم میں شامل ہے[۱]۔

مسلمان تباہ ہو جائیں گے

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے تجویز فرمایا کہ۔

• یہ صحیح ہے کہ پاکستان اور اسلامی حکومت کے نعرے بڑے دلفریب معلوم ہوتے ہیں یہ بھی سچ ہے کہ اسلامی حکومتوں کے قیام کا تخیل عام مسلمانوں میں ایک خاص قسم کا سرور اور جوش پیدا کر دیتا ہے اور یہ بھی سچ ہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کافی اختلافات ہیں مگر اس کے باوجود یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ محض ہندوؤں کی تنگدلی سے شاکی ہو کر ہم ایسی غلطی کر بیٹھیں جو مستقبل میں ہمارے لئے تباہ کن اور ملت کے لئے باعث بربادی ہو[۲]

ہم نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری

آج تک کسی قوم نے کوئی بھی تحریک اس انداز پر نہیں چلائی کہ اسی قوم کی ایک بہت بڑی تعداد کو دانستہ طور پر دہکتے انگاروں میں جھونک دیا جائے، تین کروڑ انسانوں کو جو ایک بڑے ملک کی آبادی کے برابر ہیں یرغمال بنا کر چھوڑ دیا جائے اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ جن لوگوں میں ان کو چھوڑا جائے ان کے سینوں میں نفرت و عداوت کی تیز آگ دہکا دی جائے اور ان کو موقعہ دیا جائے کہ یہ تین کروڑ قربانی کی بھیڑیں تمہارے حوالے ہیں تم مستقل اور مسلسل ان پر اپنے خنجروں کی تیزی آزما سکتے ہو، ان کی عزت و آبرو تمہارے ہاتھوں کا کھلونا ہے چاہے محفوظ رکھو یا چور چور

---

[۱] تحریک پاکستان پر ایک نظر مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی [۲] پاکستان کیا ہے ص ۳۸ - ۲

گرد دو اس کی جتنی بھی قومی وملی خصوصیات و امتیازات ہیں ایک ایک کو مٹا دو اس پر سیاہی پھیر دو ان کو جانوروں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کر سکتے ہو لیکن ہم کو عیش و تنعم کی فردوس بریں میں چلے جانے کا موقع دو، یہ انسانی تاریخ میں خود غرضی کی انتہا کی بدترین مثال ہے ۔

پھر پاکستان کے خاکے میں جن جذبات و خیالات کا رنگ بھرا جا رہا تھا اس تحریک کے قائدین کی زندگیوں پر اسکی پرچھائیں بھی نہیں پڑی تھی اور نہ وہ علاقے اس قوم کی سرگرمیوں کے محور و مرکز رہے اور نہ اس قوم کی خصوصیات و امتیازات تعلیمات و روایات کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے اس علاقہ کو کوئی خصوصیت و برتری حاصل تھی البتہ اس قوم کی قیادت جن مٹھی بھر لوگوں کے ہاتھوں میں تھی یقیناً ان کا ان کے خاندان کا ان کے اعزہ و اقربا کا مستقبل ضرور روشن ہو سکتا تھا، قومی توانائیوں کے تخلیقی مرکزوں پر غیروں کو قبضہ دیکر سپلائی کی لائنوں کو اپنے حصہ میں پاکر خوش ہونا اس قوم کی خوش بختی نہیں کہا جا سکتا ۔

اسلامی ہند کا دل و دماغ

دہلی اور اتر پردیش ہزاروں برس سے اسلامی تہذیب و تمدن ....

کے سارے آثار جاہ و جلال، شوکت و عظمت کی ساری نشانیاں انہیں علاقوں میں ہیں یہی وہ علاقے ہیں جہاں اسلامی تہذیب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر رہا ہے، ان کے در و دیوار پر ہمارے آباد و اجداد کے علمی، دینی، تہذیبی و مذہبی کارناموں کی داستانیں کندہ ہیں اس کے چپے چپے پر ہمارے شاندار تمدن ہمارے بے مثال تہذیب کے نقش و نگار بکھرے پڑے ہوئے ہیں یہی وہ علاقے ہیں جہاں سے علم و فن کا سورج طلوع ہوا اور اس کی روشنی سارے ہندوستان میں پھیلی ہے، جتنی بھی مذہبی دینی اور اصلاحی تحریکیں ابھری ہیں وہ اسی سرزمین سے ابھری ہیں یہ علاقے دین و مذہب کی تقسیم و ترویج کے لئے ہمیشہ مردم خیز اور ایک زرخیز علاقے رہے ہیں، یہاں مسلمان اقلیت میں ضرور تھا لیکن جوہر قابل تھا جو اکثریت کے علاقوں کے لئے قومی و مذہبی توانائیوں کے پیدا کرنے کا مرکز رہا ہے، اس کے چپے چپے پر ہزاروں دینی و اسلامی مدارس و مکاتب، خانقاہیں، درگاہیں اولیاء اقطاب کے مزارات، بڑے بڑے علماء و مشائخ، محدث و مفسر ان کے قصبات اور گاؤں حافظوں مولویوں اور عالموں کے لئے انتہائی زرخیز مردم خیز واقع ہوئے ہیں پورے ہندوستان پر

اس علاقے کو دینی و مذہبی سیادت حاصل تھی اگر کوئی تحریک مذہبی بنیاد پر چلائی جا سکتی تھی تو اس کے لئے ضروری تھا کہ اس قوم و مذہب کے اہم ترین علاقہ کو ویران اور بنجر بنا کر نہ چھوڑا جائے لیکن پاکستان کی تحریک میں اس کا کوئی محل نہیں تھا، بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے ایک پریس نمائندہ کے جواب میں کہا تھا۔

"جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لئے تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ غریب الوطن اور غیر ملکی کی طرح زندگی بسر کریں جن کا کوئی حق اور کوئی حصہ حکومت میں نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ وہ ہند و قومیت اختیار کرلیں اور ہندو ہوجائیں، تیسری شکل یہ ہے کہ وہ پاکستان ہجرت کرجائیں ہم وہاں ان کے استقبال کے لئے تیار رہیں گے"

نیشنلسٹ مسلمان اور جمعیۃ علماء ہند کے رہنما اسی لئے پاکستان کے شدید مخالف تھے اور تاریخ نے ثابت کردیا کہ جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کا ہی نقطۂ نگاہ صحیح تھا، جمعیۃ علماء ہند ابتدا ہی سے تجویز پاکستان کو ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں اور ملت اسلامیہ کے لئے مضرت رساں اور تباہی کا باعث سمجھتی تھی، پاکستان کے حامیوں نے مخالفت کرنے والوں کو ضمیر فروش اور اسلام دشمن کہہ کر ان کی آواز کو غیر موثر بنادیا اور ان کے وقار کو مجروح کرنے کے لئے ان پڑھ عوام کو اکسایا اور علماء سے نفرت و عداوت کی آگ سینوں میں دہکائی اور پھر عوام کا طبقہ پاگل ہوگیا، علی گڈھ اسٹیشن پر مولانا ابوالکلام آزاد کے سامنے ننگا ناچ کیا گیا اور مولانا حسین احمد مدنی کو دھکا دے کر ان کے عمامہ کو پیروں سے روندا گیا مولانا حفظ الرحمٰن کی ٹرین پر آتی سنگباری کی گئی کہ ڈبے کی ساری کھڑکیاں چور چور ہوگئیں۔

نقارخانے میں طوطی کی آواز

اس گئے گذرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی زود حسی کم نہیں ہوئی تھی جو بات مذہب کی زبان میں کہی جائے گی اگرچہ مسلمان اس پر اپنی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے عمل نہ کرے پھر بھی اسکی اہمیت و عظمت و احترام میں اس کی جبین عقیدت یقیناً خم رہے گی اور اگر کسی کے بارے میں اس کو علم ہوجائے کہ وہ اس کی مخالفت کرتا ہے تو اس کی رگ حمیت اور بھی پھڑک اٹھتی ہے اس کا غم و غصہ

عروج پر ہو جاتا ہے اس کی نگاہوں سے چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں، پاکستان کے نام پر جو سبز باغ دکھایا گیا وہ اس کے مذہبی دل و دماغ کو انتہائی اپیل کرنے والا تھا، اس نے سادہ دلی کی وجہ سے یقین کر لیا کہ ایک بار پھر خلافت راشدہ کا ایک منظر نگاہوں کے سامنے آجائے گا اور اس ملک میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق کا نظام حکومت اپنی تمام خصوصیات کیساتھ جلوہ گر ہوگا اور جب اُسے یہ یقین حاصل ہو گیا تو اس نے از خود یہ بھی سمجھ لیا کہ جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ ہندوں کے زر خرید ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں وفور جذبات کی وجہ سے صورت حال ایسی ہو گئی کہ عوام سنجیدگی سے جمعیۃ علماء ہند کی بات بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے پوری دلسوزی اور دلی درد و کرب کے ساتھ اس تحریک کے انجام کی طرف توجہ دلائی، اس تحریک کے نتیجہ میں آنے والی قیامتوں کی نشاندہی کی لیکن جوش و جذبات کی فضا میں ان کی آواز تحلیل ہو کر رہ گئی۔

جمعیۃ علماء ہند ایک متبادل تجویز ملک کے سامنے پیش کر رہی تھی جس میں ان تمام خطرات سے نجات بھی جو تحریک پاکستان کے نتیجہ میں درپیش تھے، وہ تجویز ایسے اصولوں کی بنیاد پر تھی کہ کلی طور پر نہ اسے حکومت رد کر سکتی تھی اور نہ کانگریس پارٹی، یہ تجویز ہندوستان کو ایک متحدہ ملک مان کر مرتب کی گئی تھی اور مسلمان اپنے کسی ایسے علاقے سے محروم بھی نہیں ہوتا تھا جہاں وہ صدیوں سے رہتا رہا ہے اور نہ برادران وطن کو اس طعنہ کا موقع تھا جو پاکستان تسلیم کر لینے کے بعد متوقع تھا۔

جمعیۃ علماء کا موقف

جمعیۃ علماء ہند کے رہنما تجویز پاکستان کے فوائد سے زیادہ اس کے مضر پہلوؤں کو دیکھ رہے تھے ان کے سامنے کچھ ٹھوس حقیقتیں تھیں کہ ان سے صرف نظر کرنا ایک اسلام دوست فرد کے لئے ممکن نہ تھا، کوئی بھی تجویز جس سے ملت اسلامیہ کا وقار گھٹتا ہو اور اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ حاصل ہوتا ہو تو سب سے زیادہ قربانی دینے والی جمعیۃ علماء ہند کیسے پیچھے رہتی وہ تجویز پاکستان کو پوری دیانت داری و صداقت کیساتھ ملک و وطن کی حیثیت سے بھی اور ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کی حیثیت سے بھی ایک تباہ کن تحریک سمجھتی تھی اور اس کے رہنما

عوام کو اس سبز باغ سے دھوکہ کھانے سے روکتے تھے، وہ دل سے چاہتے تھے کہ جذبات میں آکر صرف ایک ہی پہلو کو نہ دیکھا جائے بلکہ نقصان اور فائدہ دونوں پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کرکے فیصلہ کیا جائے کہ پاکستان سے جو فوائد متوقع ہیں اس کی مضرتیں اس سے زیادہ تو نہیں ؟ اگر ایسا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان یہ راہ اختیار کرے، ان کے سامنے تجویز پاکستان سے پیدا ہونے والے جو امکانی خطرات تھے وہی ان کو اس تجویز اور تحریک کی حمایت سے روکتے

یہ سودا مہنگا ہے ۔

سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ مجوزہ پاکستان جن علاقوں تک محدود ہے ان علاقوں کے باہر بھی مسلمان ہیں اور ان کی تعداد تین کروڑ سے کم نہیں ہے اتنی بڑی تعداد کو یرغمال بنانے کی قیمت پر یہ سودا قطعاً مہنگا ہے، تین کروڑ مسلمانوں کی زندگی جہنم بن جائے گی، مسلمانوں کا سب سے حساس، زرخیز اور اسلامی تہذیب وتمدن کا شاہکار علاقہ مسلمانوں کے لئے آتش کدہ بن جائے گا اور وہاں کا مسلمان انگاروں پر لوٹنے کے لئے مجبور ہوگا دہلی اور اتر پردیش ہی نہیں پورے ملک میں پھیلے ہوئے یہ مسلمان اور ان کی آبادیاں بھڑکتے ہوئے شعلوں کا بھٹیاں بن جائیں گی، نہ ہزاروں لاکھوں مسجدیں محفوظ ہوں گی نہ مسلمانوں کا جان و مال محفوظ ہوگا، نہ عزت و آبرو، پاکستان کا ردعمل اتنا یقینی ہے کہ کوئی احمق ہی اس سے انکار کرسکتا ہے ، ہندوستان میں اسلامی تہذیب وثقافت کا عطر ان علاقوں میں کھنچکر آگیا ہے اس کی تباہی ایک عبرتناک تباہی ہوگی، کیا ان تین کروڑ انسانوں کے جان و مال ان کی عزت و آبرو کی کوئی قیمت نہیں ؟ ان کے مدارس ان کی مساجد ان کی خانقاہوں اور درگاہوں کی اگر کوئی قیمت ہے تو پاکستان بن جانے کے بعد یہ تباہ و برباد نہ ہوں اس کی کون گارنٹی دیتا ہے؟ اگر تجویز پاکستان میں ان کی حفاظت کے لئے ایک بھی حلہ ہو تو پاکستان کی تجویز پر ضرور غور کیا جاسکتا ہے ۔

ایک کے بدلے دس ۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی الکشن کے دوران مرے وطن تشریف لائے اور ایک جلسہ میں تقریر فرمائی، جلسہ کا آغاز شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

[illegible] میں ایک زہریلی نظم کی نغمہ سرائی سے ہوا، مولانا تھانوی نے پاکستان سے مسلمانوں کو
حاصل ہونے والے فوائد پر ایک مبسوط اور جذبات انگیز تقریر فرمائی، میں نے ایک رقعہ میں لکھ
کر ان سے یہی سوال کیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان پاکستان بن جانے کے بعد لاوارث بن کر
رہ جائیں گے آج ادری میں آپ تقریر فرما رہے ہیں کل پاکستان بن جانے کے بعد اگر یہاں کے غیر
مسلموں نے اس چھوٹے سے قصبہ پر چڑھائی کر کے ہماری تمام مسجدوں کو شہید کر دیا مدارس کو
منہدم کر دیا اور مسلمانوں کو شہید کر دیا تو ان کی حفاظت کون کرے گا اور انکو تباہی سے کون بچائے
گا۔ کون ہماری مدد کے لئے آئے گا آپ حضرات نے کیا حل اس کے لئے سوچا ہے؟ پرچہ مولانا موصوف
تک ایک لڑکے کے ذریعہ پہونچا دیا، پڑھ کر آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ پاکستان بنجانے کے
بعد اگر ہندوستان میں ایک مسلمان کی نکسیر بھی کسی ہندو کی وجہ سے پھوٹ گئی تو ہم پاکستان میں ان
ہندوؤں کو سزا دیکر اس طرح کی زیادتیوں کا انسداد کر دیں گے پھر کسی ہندو کو مسلمانوں پر زیادتی
کرنے کی ہمت نہ ہو سکے گی، جی میں آیا کہ آپ سے پوچھوں کہ یہ اچھی پاکستان کی خلافت راشدہ ہے
جہاں بے قصور انسانوں کو سزا دیجائے گی، لیکن فتنہ کا اندیشہ تھا، خاموش رہ گیا، مگر مولانا موصوف
کے برجستہ جواب پر عوام نے جوش میں نعرہ تکبیر بلند کر کے ان کے جواب کی تحسین کر دی اور مطمئن ہو گئے
کہ ایسا ہی ہوگا،

نفرت و تلخی کا سیلاب

عوام کی جذباتی تائید حاصل کرنے کے لئے لیگ کے رہنماؤں نے جو جارحانہ انداز
گفتگو اختیار کیا، ہندو قوم اور ہندو تہذیب کے خلاف جو دل آزار اور زہریلا پروپگنڈہ شروع
کر دیا اس کی وجہ سے فضا میں تلخی، نفرت کا ایک سیلاب آگیا، لیگ کے رہنماؤں کی زبان میں تلوار
کی کاٹ پیدا ہو گئی، دونوں قوموں میں دوری بڑھتی گئی، ہندوؤں میں بھی جارحانہ فرقہ پرستوں کی
کمی نہیں تھی۔ انہوں نے اس کو اور ہوا دینی شروع کی، یہ لیگ کی جارحانہ سرگرمیوں کا رد عمل تھا
مطالبہ پاکستان پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنا روئے سخن کانگریس کی طرف رکھتے تھے، اور ہندوؤں
کی طرف، کانگریس کو اپنا حریف سمجھتے تھے اور اسے خالص ہندوؤں کی جماعت اور نیشنلسٹوں
کو شو بوائے (نمائشی لونڈے) کی گالی دیتے تھے، اپنی تقریروں اور اخباروں میں ہندو

تہذیب کا استہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے تھے جسکی وجہ سے بتدریج مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے دلوں میں نفرت بڑھتی جارہی تھی، پھر الکشن بھی فرقہ وارانہ بنیاد پر تھا اس نے اس خلیج کو اور بڑھادیا، ایسی صورت حال اور فضاء میں پاکستان کی تحریک کامیاب ہوجاتی ہے تو ہندوستان میں رہنے والے تین کروڑ مسلمانوں سے اگر یہاں کے فرقہ پرست جل بھن کر کہیں کہ تمہارے لئے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں، تمہارا مطالبہ پاکستان تھا وہ ملگیا اس لئے تمہیں یہ ملک چھوڑنا ہوگا اس کا آخر کیا جواب ہوگا ؟ اور جب صورت حال بگڑنے لگی تو اس کو سدھارنے کے لئے کون سی طاقت کام آئے گی ؟

جمعیۃ علماء ہند کا فارمولہ

جمعیۃ علماء ہند آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے قومی، مذہبی، سیاسی، لسانی، تہذیبی اقتصادی وسماجی تحفظات کو پیش نظر رکھتی تھی وہ پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے دکھ درد اور ان کے مسائل کو سمجھتی تھی وہ تین کروڑ فرزندانِ توحید کی لاشوں پر پاکستان کے نام پر یونیورسٹیوں کالجوں کے تعلیم یافتہ افراد اور مسلم جاگیرداروں کے لئے شیش محل تیار کرنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی اسکی نگاہ میں ایک ایک مسلمان کے جان ومال عزت وآبرو اور اس کے دین وایمان کی قدر وقیمت تھی، وہ ہر ایک کا تحفظ چاہتی تھی وہ خودغرضی کی سیاست سے بہت بلند تھی، وہ اسلام کے پھیلے ہوئے دائرے کو پورب اور پچھم کے چھوٹے سے علاقہ میں سمیٹ دینا نہیں چاہتی تھی، وہ اپنے اسلاف کے خون پسینہ سے تعمیر کئے ہوئے مدارس، مساجد اور خانقاہوں اور درگاہوں کو اصطبل بنائے جانے کے لئے کسی قیمت پر بھی تیار اور روادار نہیں تھی اس لئے پاکستان کو جو تقدس کا مقام دیا جارہا تھا اسے فریب نظر ہی نہیں فریب عقل سمجھتی تھی اور اس نے اس کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت لگادی کیوں کہ وہ سمجھتی تھی کہ ایک چھوٹے سے خطے کے مسلمانوں کو امن وسکون دے کر کروڑوں مسلمانوں کو غیر معین مدت تک کے عذاب میں مبتلا کرنا دانشمندی نہیں ہے اس لئے اس نے انتہائی دلسوزی اور کامل سنجیدگی سے آزاد ہندوستان کے لئے جو تجویز مرتب کی وہی درحقیقت آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل کا بہترین حل تھا، لیکن جمعیۃ علماء ہند کی آواز کو بے اثر بنانے کے لئے خود علماء کے خلاف ایک زبردست محاذ کھول دیا

دار ہی نے جمعیۃ علماء کا فارمولہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ گیا جمعیۃ علماء ہند نے جو فارمولہ مرتب کیا تھا جسے وزارتی مشن بھی ایک حد تک تسلیم کرنے کی طرف مائل تھا کیونکہ صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد نے وزارتی مشن کے سامنے یہی فارمولہ پیش کیا تھا، اس فارمولہ کو ایک طرح سے خود کانگریس کی حمایت حاصل ہو گئی تھی کیوں کہ اس نے خود وزارت کو قبول کر لیا تھا،

فارمولہ کیا تھا؟

فارمولہ مختصر طور پر درج ذیل ہے -

۱ - صوبے خود مختار ہوں گے

۲ - مرکز کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو تمام صوبے متفق ہو کر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو -

۳ - ان مشترک اختیارات کے علاوہ جن کی تصریح مرکز کے لئے کر دی گئی ہو باقی تمام تصریح کردہ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے -

۴ - مرکز کی تشکیل ایسے تناسب سے ہو کہ اقلیت پر اکثریت زیادتی نہ کر سکے مثلاً پارلیمنٹ کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو ــــ ہندو ۴۵ مسلمان ۴۵ دوسری اقلیتیں ۱۰ کل ۱۰۰

۵ - جس مسئلہ کے متعلق مسلم ممبران پارلیمنٹ کی اکثریت فیصلہ کر دے کہ اس کا تعلق مذہب سے ہے وہ پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو سکے -

اس فارمولہ کا مفاد یہ ہوتا -

(الف) اہم پورٹ فولیو (قلمدان وزارت) کی تقسیم مساوی طور پر ہوتی -

(ب) صوبہ سرحد، صوبہ بلوچستان اور اگر کشمیر کو ایک صوبہ کی حیثیت دی جاتی تو صوبہ کشمیر مذہبی و تمدنی امور میں قطعاً خود مختار ہوتے -

(ج) پورا صوبہ پنجاب راولپنڈی سے لیکر سہارنپور تک

(د) پورا صوبہ بنگال جس کا دار الحکومت کلکتہ ہوتا مسلم اکثریت کے زیر اقتدار ہوتے -

(ہ) صوبہ دہلی اور صوبہ آسام کی سیاست اور حکومت میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً مساوی ہوتا کیونکہ ان دونوں صوبوں میں مسلمان ۳۴ فی صد تھے -

(۵) ہندوستان کے بقیہ صوبوں میں مسلمان لاوارث اور یتیم کی طرح نہ ہوتے کیوں کہ

۱۔ ملازمتوں اور اسمبلیوں میں ان کا حصہ ۳۰ یا ۳۳ فی صد ہوتا۔

۲۔ وزارتوں میں ان کی مؤثر شمولیت ہوتی۔

۳۔ مذہبی اور تمام فرقہ وارانہ امور میں ان کو حق استرداد حاصل ہوتا۔

۴۔ وہ ایسے مرکز کے ماتحت ہوتے جس میں انکی تعداد مساوی ہوتی ورنہ کم از کم ۳۳ فی صد ہوتی اور تمام فرقہ وارانہ امور کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوتی کیوں کہ اسمبلی، پارلیمنٹ یا کیبنٹ مسلم ممبران کی موافقت کئے بغیر فیصلہ صادر نہ کر سکتی۔

یہ فارمولہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس منعقدہ لاہور مارچ ۱۹۴۲ء میں مرتب کیا گیا تھا اور جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ مئی ۱۹۴۵ء سہارنپور میں اسکی مزید تشریح و توضیح کی گئی تھی۔

فارمولہ وزارتی مشن کے سامنے پیش کیا گیا۔

ابھی صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات چل رہے تھے کہ وزارتی مشن ہندوستان آیا جس میں لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند، سر اسٹیفورڈ کرپس اور مسٹر الگزانڈر شامل تھے وزارتی مشن نے یکم اپریل ۱۹۴۶ء سے ہندوستانی لیڈروں سے ملاقات اور تبادلہ خیال کرنا شروع کر دیا، کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے صدر کی حیثیت سے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کو دعوت دی گئی چونکہ پارلیمنٹری بورڈ میں کئی جماعتیں شامل تھیں اس لئے صدر کو اجازت دی گئی کہ اپنے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی لا سکتے ہیں اس لئے عبدالمجید خواجہ صدر آل انڈیا مسلم مجلس شیخ حسام الدین صدر آل انڈیا مجلس احرار اسلام شیخ ظہیر الدین صدر آل انڈیا مومن کانفرنس اور حافظ محمد ابراہیم بحیثیت ترجمان اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند[۴۴] کا فارمولہ وزارتی مشن کے سامنے رکھا، مشن نے اس فارمولے سے یہاں تک دلچسپی لی کہ مقررہ وقت سے آدھے گھنٹہ وقت زائد لگ گیا تاکہ فارمولہ کے مضمرات اور اس کے مفادات کو پورے طور پر سمجھ سکے اور اس کی افادیت اور قابل عمل ہونے کا جائزہ لے سکے۔

وزارتی مشن نے اس ملاقات سے ایک ماہ بعد ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو جو سفارشات پیش کیں

---

۴۴ کو پریس کانفرنس سے خطاب کرنے کیلئے وفد میں شریک کیا گیا ۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو وفد سے ملاقات ہوئی وفد نے جمعیۃ علماء ہند

وہ انہیں لائنوں اور انہیں خطوط پر تھیں جن کی طرف جمعیۃ علماء کے فارمولے میں اشارہ کیا گیا تھا اور پھر انہیں سفارشات کی بنیاد پر ۲؍ستمبر ۱۹۴۶ء کو انٹرم گورنمنٹ (عبوری حکومت) کا قیام عمل میں آیا تو کیبنٹ کے ۱۴ ممبروں میں پانچ مسلمان تھے یعنی ۱/۳ سے کچھ زیادہ اور مالیات کا اہم ترین محکمہ ایک مسلمان وزیر کے سپرد کیا گیا۔

انٹرم گورنمنٹ کی تشکیل ایک بہترین کسوٹی تھی جو بڑی حد تک جمعیۃ علماء کے فارمولہ سے قریب تر تھی اگر تدبر و فراست سے کام لیا گیا ہوتا تو اس عبوری حکومت میں جس طرح مسلمانوں کو تحفظات و اختیارات حاصل ہوئے وہ فیصلہ کن ثابت ہوتے اور تقسیم ہند کے مطالبہ کو واپس لے لیا گیا ہوتا تو تین کروڑ مسلمانوں کو قربانی کا بکرا نہ بننا پڑتا ہوتا، مشہور ہے کہ سردار پٹیل کی ضد تھی کہ وزارت داخلہ کا ہمارے ہاتھوں میں ہونا ضروری ہے، ان کی شرط پوری کر دی گئی اور وہ خود وزیر داخلہ بنا دیئے گئے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سردار پٹیل کو اس سے سخت کوفت ہوئی کہ وہ اپنے اختیارات سے ایک چپراسی بھی نہیں رکھ سکتے، چپراسی رکھنے کے لئے بھی وزیر مالیات لیاقت علی خاں کی منظوری کے محتاج ہیں، اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو جمعیۃ علماء ہند کی یہ دلیل قطعی طور پر مضبوط ثابت ہو رہی ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان ایک فیصلہ کن پوزیشن حاصل کر سکتے تھے بلکہ ان کی حیثیت ایسی بن سکتی تھی کہ اکثریت ان کی دست نگر بن جاتے اور حکومت میں ہر گروپ ان کے تعاون کو اپنے لئے ذریعہ کامیابی سمجھنے پر مجبور ہو، اس بات نے سردار پٹیل جیسے ہندو ازم کے حامیوں کو یہ سبق دیدیا کہ تقسیم ضروری ہے کیونکہ سیاسی اقتدار میں اگر مسلمانوں کی شرکت رہی تو ان کو ہندو ازم کو چمکانے اور من مانی کارروائی کرنے کی کھلی چھٹی نہیں ملے گی۔

قحط بنگال

ابھی جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے بیشتر ممبران جیلوں میں تھے کہ ۲۵، ۲۶؍اکتوبر ۱۹۴۳ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا اس اجلاس میں مجلس عاملہ کے صرف سات ممبران جو جیل سے باہر تھے شریک ہو سکے، یہ اجلاس خصوصیت کیساتھ قحط بنگال سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کرنے کے لئے بلایا گیا تھا، بنگال کا یہ قحط تاریخ کا ایسا ہلاکت آفریں قحط تھا جسکی دوسری مثال مشکل سے ملیگی، لاکھوں آدمی بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئے، خاندان کا خاندان اجڑ گیا

آبادی کی آبادی ویران ہوگئی، کوڑے خانے پر پھینکی ہوئی روٹی کے ٹکڑے پر آدمی اور کتے ایک ساتھ دوڑتے تھے، جنگ شباب پر تھی حکومت جنگی تیاریوں میں مصروف تھی نہ مرکزی حکومت نے اسکی طرف توجہ کی اور نہ بنگال گورنمنٹ نے صورت حال کو سدھارنے کی کوشش کی، انسان مکھی اور مچھروں کی طرح مر رہے تھے، کوئی لاش اٹھانے والا نہیں تھا جمعیۃ علماء نے اپنے اس اجلاس میں ایک اپیل مرتب کرکے اخباروں میں شائع کی اور ملک کے انسانیت دوست لوگوں کو اس دردناک صورت حال کی طرف متوجہ کیا، اور ان کی ہر طرح مدد کرنے کی اپیل کی، خود جمعیۃ علماء ہند نے ہزاروں روپے جمع کرکے مولانا بشیر احمد صاحب رکن مجلس عاملہ کے ذریعہ کلکتہ بھیجا کہ وہاں ہفتہ عشرہ ٹھہر کر امداد و تعاون کی ہر ممکن شکل پیدا کریں دوسری طرف تمام تعلیمی اداروں، درس گاہوں، مدارس اور یتیم خانوں سے اپیل کی گئی کہ بنگال میں ہزاروں بچے یتیم ہوگئے کہیں ان کا کوئی والی وارث نہیں انہیں لاکر اپنے اپنے اداروں میں داخل کرکے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کریں، متعدد علماء کو مقرر کیا گیا کہ وہ ملک میں دورہ کرکے مدرسوں اور یتیم خانوں کے منتظمین، عام اہل خیر حضرات کو مصائب کی تفصیلی کیفیت سے آگاہ کریں، ان سے امداد و اعانت اور معصوم بچوں کی کفالت کی اپیل کریں، مولانا بشیر احمد صاحب نے اپنی امکانی جدوجہد کے ذریعہ کلکتہ میں جو کچھ بن سکا کیا اور اپنی کارگذاری رپورٹ ۱۷، ۱۸، ۱۹ جون ۱۹۴۴ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں پیش کی۔

رہائی کا مطالبہ

۸ نومبر ۱۹۴۳ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد سعید، مولانا داؤد غزنوی، مولانا نورالدین بہاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ارکان مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کی فوری اور غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا گیا اور مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی کے خلاف جو صوبائی گورنمنٹ نے پابندیاں عائد کر رکھی تھیں ان پابندیوں کو ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا اور اس کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔

جنگ آزادی کا فیصلہ کن دور

۸ ر اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک کے سلسلہ میں جیل جانے والوں میں سب سے پہلے گاندھی جی طبی رپورٹ کی بنا پر مئی ۱۹۴۴ء میں رہا کئے گئے آپ نے جیل سے باہر آکر ہندو مسلم مفاہمت کے لئے جدوجہد شروع کردی اور اس مسئلہ پر مسٹر محمد علی جناح سے ۱۰ ستمبر ۱۹۴۴ء سے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۴ء تک گفتگو کی تاکہ آزادی کی راہ کے اس سنگ گراں کو دور کیا جاسکے مسٹر جناح نے دو بنیادی مطالبہ رکھا، پہلی بات تو یہ کہ آپ ۸ اگست ۱۹۴۲ء کا رزولیشن واپس لے لیں اور دوسری بات یہ کہ کانگریس پاکستان کو تسلیم کرے، صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ، بنگال اور آسام کو بحالت موجودہ مسلم اکثریت کے صوبے تسلیم کرے ان کو پاکستانی علاقہ قرار دے اور یہ تسلیم کرے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور کانگریس صرف ہندوؤں کی نمائندہ ہے۔ گاندھی جی نے مسٹر جناح کو راضی اور مطمئن کرنے کی کوشش کی اور انکو مطالبہ آزادی میں شریک ہونے کی دعوت دی لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا اور مطالبہ آزادی میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔

آج خود دوار زنداں نظر آتا ہے مجھے

اگست ۱۹۴۴ء کے قیدیوں کے لئے جیل خانے کا دروازہ کھل گیا جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں میں اپریل ۱۹۴۴ء میں مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند مئی میں اور ۲۶ اگست ۱۹۴۴ء کو شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند جیلوں سے باہر آگئے جیل سے باہر آتے ہی ان حضرات نے محسوس کیا کہ ملک میں بڑی تبدیلیاں ہو رہی ہیں عالمی جنگ اپنی آخری اسٹیج پر ہے حکومت بھی ۱۹۴۲ء کی باغیانہ تحریک کی وجہ سے مرعوب ہے اور اس کے رد یہ میں لچک آتی جارہی ہے ہندوستان کا نادر شاہ

لارڈ لن لیتھگو وائسرائے ہند لندن جاچکا ہے اور اس کی جگہ ایک فوجی جنرل لارڈ ویول ہندوستان کا وائسرائے بنکر آیا ہے، ملک میں تیز تر سیاسی سرگرمیاں جاری ہیں اور آزاد ہندوستان کا نقشہ مختلف جماعتیں مرتب کررہی ہیں ایسا محسوس ہورہا تھا کہ تخریب کا آخری عمل ختم ہوچکا ہے، اب ہر شخص تعمیر کی فکر میں ہے اس ماحول میں ۳ر فروری ۱۹۴۵ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علمار ہند کا اجلاس دہلی میں بلایا گیا اس اجلاس میں مختلف مسلم سیاسی جماعتوں کی طرف سے قومی حکومت کے سلسلہ میں متعدد تجویزیں جمعیۃ علمار ہند کو موصول ہوئی تھیں جس میں آل انڈیا مسلم مجلس اور سر سپرو کا سوالنامہ اور بعض دوسری جماعتوں کے فارمولے شامل تھے، جمعیۃ علمار ہند ان تمام فارمولوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی کہ لاہور کے اجلاس میں جمعیۃ علمار ہند نے جو فارمولہ منظور کیا تھا اسکی توضیح کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایک جامع اسکیم ہوجائے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ جمعیۃ علمار ہند کا سالانہ اجلاس جلد سے جلد منعقد کیا جائے اور جنگ آزادی کی تدریجی رفتار سے مسلمانوں کو واقف کرایا جائے اور آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے مقام کی وضاحت کیجائے، سہارنپور کو اجلاس کے لئے منتخب کیا گیا، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو صدر اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ناظم اعلیٰ اور مولانا سید محمد میاں صاحب کو ناظم منتخب کیا گیا، ۴ر ۵ر ۶ر ۷ر مئی ۱۹۴۵ء کو یہ اجلاس بڑی شان وشوکت سے ہوا اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی اس اجلاس میں جمعیۃ علمار ہند نے اپنے فارمولے کی مزید تشریح وتوضیح کرکے اسے ایک مکمل اور جامع اسکیم کی شکل میں مرتب کیا اور ملک کے سامنے اس کو پیش کیا۔

ویول کانفرنس

اب برطانوی حکومت محسوس کرنے لگی تھی کہ ہندوستان میں ہماری حکومت کا نیر اقبال مائل بہ غروب ہے، ہندوستان اب بغاوت پر آمادہ ہوچکا ہے اگر سنجیدگی کے ساتھ معاملہ کو سلجھایا نہیں گیا تو وہ برا دن بھی آسکتا ہے کہ باغی ہندوستان زبردستی نظام حکومت پر قابض ہوجائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک بھی انگریز ہندوستان سے صحیح وسالم انگلینڈ واپس نہ ہوسکے گا، پولیس میں اب پہلی جیسی وفاداری نہیں، بحریہ میں بغاوت نے خطرہ کی نشاندہی کردی تھی۔
اگرچہ ابھی تک ۱۹۴۲ء کی بغاوت میں حصہ لینے والے سارے رہنما جیلوں میں بند تھے لیکن نے

[illegible] لارڈ ویول نے آزادی کے مسئلہ میں صلاح و مشورہ کا آغاز کر دیا ۵ مارچ ۱۹۴۵ء میں
ہندوستان کے مسئلہ کے حل کرنے کے سلسلہ میں لندن گئے اور ابتداء جون ۱۹۴۵ء میں واپس آئے
لارڈ ویول کے آتے ہی ۱۴ر جون ۱۹۴۵ء کو احمد نگر قلعہ کی جیل سے مولانا ابوالکلام آزاد پنڈت جواہر لال
نہرو، سردار پٹیل اور دوسرے تمام ارکان ورکنگ کمیٹی رہا کر دیئے گئے، اسی دن شام کو وائسرائے
نے ریڈیو سے اپنی اسکیم کا اعلان کیا، ان کی اسکیم کا خاکہ یہ تھا،

ہندوستان کے لئے ایک نیا دستور بنایا جائے، جدید آئین بننے تک جو وقفہ ہوگا اس
کے لئے ایک انتظامی کونسل، ایگزیکٹیو کونسل بنائی جائے جو زیادہ نمائندہ ہو، اس
کونسل کے تمام ممبر ہندوستانی ہوں گے کمانڈر انچیف اور وائسرائے بدستور رہیں
گے، سوائے فوج کے تمام محکمے اس کونسل کے سپرد ہونگے، وائسرائے اس کونسل
کے فیصلہ کو تسلیم کرے گا، بشرط مجبوری اسکو ویٹو (حق استرداد) حاصل ہوگا
یہ کونسل ۱۹۳۵ء ایکٹ کے مطابق کام کرے گی، کونسل میں سورن ہندو اور
مسلمان کی تعداد برابر ہوگی صلاح و مشورہ کے لئے جن لوگوں کو مدعو کرنا طے تھا
اس میں ہر صوبے کے موجودہ وزیر اعظم یا سابق وزیر اعظم بھولا بھائی ڈیسائی، نواب
زادہ لیاقت علیخان کونسل آف اسٹیٹ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈر، اسمبلی میں
نیشنلسٹ پارٹی اور یورپین گروپ کے لیڈر مسٹر گاندھی مسٹر جناح کے نام تھے،

اسکیم کے شائع ہونے پر گاندھی جی نے وائسرائے سے کہا کہ میں کانگریس کا نمائندہ نہیں ہوں یہ
پوزیشن صدر کانگریس مولانا آزاد کی ہے، دوسری بات یہ کہ سورن ہندو کی اصطلاح غلط ہے
میں اسکو تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوں وائسرائے نے ان دونوں باتوں کو تسلیم
کرلیا اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد کو دعوت دی کیوں کہ اس وقت وہی کانگریس کے صدر تھے
مسٹر محمد علی جناح نے کہا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے، صرف ہندوؤں کی نمائندگی
کرسکتی ہے، مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اس لئے مسلمانوں کی طرف سے صرف
مسلم لیگ کو بولنے کا حق ہے -

قوم پرور مسلمان نظر انداز

مسلم لیگ نے اپنی واحد نمائندگی کا دعویٰ کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کے دوسرے مخلص رہنماؤں کے لئے اپنی رائے کے اظہار کا راستہ بند کر دیا، مسٹر جناح نے اپنی قانونی مہارت کا ستم ظریفانہ استعمال کیا، ایک طرف نیشنلسٹ مسلمانوں کی لیڈرشپ پر کاری ضرب لگائی اور دوسری طرف کانگریس کے پچاسوں برس کے دعوی کی روح نکال دی کہ وہ ہندوستان کے سبھی فرقوں کی نمائندہ ہے ڈیول پلان میں چونکہ خود اس طرف اشارے موجود تھے اس لئے مسٹر جناح نے اس سے فائدہ اٹھایا اور قوم پرور لیڈروں کو اسٹیج سے نکال دیا اور مسلم لیگ نے نو کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا سارا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسی دن ہندوستان کے تین کروڑ مسلمانوں کا ستارہ گردش میں آگیا کیوں کہ مسٹر جناح نے گاندھی جی سے گفتگو کے وقت صاف طور پر کہدیا تھا کہ آپ پاکستان تسلیم کرلیں میں تین کروڑ مسلمانوں کو ہندوؤں کے سپرد کرنے کے لئے تیار ہوں اس کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں اور الٹے ہزاروں تار مسٹر جناح کے نام روانہ کئے گئے کہ تنہا مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ ہے جبکہ جمعیۃ علماء ہند اور دوسری قوم پرور جماعتیں سب سے زیادہ فکرمند انہیں مسلمانوں کے لئے تھیں جو تین کروڑ کی تعداد میں اقلیتی صوبوں میں رہتے ہیں اور مجوزہ پاکستان سے باہر ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند نے ۸ اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک میں شریک و سہیم بن کر حصہ لیا تھا اور اس تحریک کو عام کرنے اور پورے ملک میں پھیلانے، خطرناک اور باغیانہ لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی اس وقت بھی جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانوں کے مستقبل کے مسئلہ کو فراموش نہیں کیا تھا اس نے تقسیم کئے جانے والے لٹریچر میں صاف صاف کہا تھا۔

"اس موقعہ پر ہم یہ واضح کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جمعیۃ علماء ہند کو اس امر کا ذرہ بھر بھی وہم ہوتا کہ جدوجہد آزادی کا نتیجہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے تو وہ ایک لمحہ کے توقف کے بغیر اسکی شدید مخالفت کرتی

ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب ، انکی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں ، مسلمان جو انگریزی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بیش بہا اور شاندار قربانیاں کریں گے ان کی نسبت ہندوؤں کی غلامی قبول کرنے کا تصور بھی ان کی سخت توہین ہے "

ان تمام حقیقتوں اور وضاحتوں کے باوجود اس کی پیچیدگی کچھ اس طرح آپڑی کہ قوم پرور مسلمان مجبور و بے بس ہو کر رہ گئے ، اگر مسٹر جناح نے واحد نمائندگی کا دعویٰ کیا تھا تو ان کا فرض تھا کہ چالیس فی صدی مسلمانوں کی نمائندگی جمعیۃ علماء کرتی ہے اسکی چوتھائی صدی سے زائد کی قربانیاں ہیں تو اس کے ذمہ داروں کو بھی مشورے میں شریک کرتے اور آزادی کے مسئلہ پر وسیع نقطۂ نگاہ سے غور کرتے لیکن مسٹر جناح کی انانیت اور خودسری نے اسے گوارا نہیں کیا ، ان کے نزدیک ہندوستان میں رہ جانے والے تین کروڑ مسلمانوں کی اتنی بھی قیمت نہیں تھی جتنی قربانی کے جانوروں کی ہوتی ہے ۔

جمعیۃ علماء کا احتجاج

جب یہ صورت حال سامنے آئی تو جمعیۃ علماء نے مجلس عاملہ کا فوری اجلاس بلایا اور اس جلسہ میں دوسری قوم پرور جماعتوں کے لیڈروں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی ، اجلاس میں مسلم مجلس ، مومن کانفرنس ، انجمن وطن بلوچستان ، اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کے عہدیدار اور ذمہ دار شریک ہوئے اور متفقہ طور پر ذیل کی تجویز منظور کر کے صدر کانگریس اور وائسرائے کو بھیجی گئی ۔

" آزاد خیال مسلم جماعتوں کا یہ مشترک جلسہ اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ دیول پلان جو موجودہ سیاسی جمود کو ختم کرنے اور ملک میں حکومت کا عارضی نظام جاری کرنے کے لئے زیر بحث ہے وہ نہ صرف ہندوستانی مطالبات کے لحاظ سے قطعاً ناکافی ہے بلکہ اس میں ویٹو کا اختیار جمہوری اصول کے بھی سراسر منافی ہے ،

یہ جلسہ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ مسلم لیگ ملک میں مسلمانوں
کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے اس کے علاوہ آزادی پسند اور ملک کے
حقیقی مفاد کی امین اور اس کے لئے کام کرنے والی دوسری جماعتیں بھی
ہیں جن کی اپنے وطن کے لئے قربانیاں تمام ملک کے سامنے ہے۔،،

کانفرنس ناکام ہوگئی

۲۵ر جون ۱۹۴۵ء کو لارڈ ویول وائسرائے ہند کی صدارت میں شملہ میں یہ کانفرنس شروع ہوئی بحث وتمحیص کے بعد لارڈ ویول کی تحریک پر یہ طے کیا گیا کہ ۱۵ نشستوں کے لئے ہر پارٹی فہرست بنا کر پیش کرے مگر وائسرائے کو اس میں رد وبدل اور ترمیم کا اختیار ہوگا کانگریس نے مسلم کوٹہ میں دو نشستوں کا اختیار چاہا تھا مگر لارڈ ویول اس تجویز کو منظور کر لینے کے بعد کہ صدر کو رد وبدل اور ترمیم کا اختیار ہوگا اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوگئی مسلم کوٹہ میں پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کی طرف سے ملک خضر حیات خاں کے ایک آدمی کو وائسرائے کے لئے لینا ضروری تھا مگر مسٹر جناح اس کے لئے تیار نہیں ہوئے مسٹر جناح کی اس ضد کی وجہ سے کانفرنس ناکام ہوگئی اور ۲۹ر جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے نے پندرہ دنوں کے لئے کانفرنس کا اجلاس ملتوی کر دیا کہ اس عرصہ میں فہرستیں مرتب کر کے پیش کر دی جائیں، کانفرنس کی مجلس عاملہ ۲ر جولائی ۱۹۴۵ء کو ہوئی جمعیۃ علماء ہند کے نمائندہ کی حیثیت سے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کو اس میں مدعو کیا گیا مولانا حفظ الرحمٰن ناظم جمعیۃ علماء ہند بحیثیت رکن عاملہ ۳ر ۴ر جولائی کی میٹنگوں میں شریک ہوئے ۶ر جولائی ۱۹۴۵ء کو کانگریس نے پندرہ ناموں کی فہرست مرتب کر کے وائسرائے کو بھیجدی جس میں پانچ سورن ہندو پانچ مسلمان تین اقلیتوں کے نمائندے وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے نام تھے، مسٹر جناح نے وائسرائے سے یہ گارنٹی لینی چاہی کہ جو مسلم نمائندے لئے جائیں گے وہ صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ ہوں گے، لارڈ ویول اس کے لئے تیار نہ ہوئے، کیونکہ خضر حیات خاں کا ایک آدمی لینا ضروری تھا اس لئے لارڈ ویول نے سمجھ لیا کہ مسٹر جناح کی ضد کام نہیں کرنے دیگی اور انہوں نے ۱۴ر

جولائی ۱۹۴۵ء کو کانفرنس کی ناکامی کا باقاعدہ اعلان کر دیا، کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے لارڈ ویول نے اپنے بیان کے آخر میں کہا کہ

"میرے لئے یہ ناممکن تھا کہ میں کسی پارٹی کی تمام مانگیں پوری کروں، جب میں نے مسٹر جناح کو اپنا حل بتایا تو انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کو یہ حل منظور نہیں میں نے محسوس کیا کہ اب بات چیت کا جاری رکھنا بے سود ہے میں نے پورا انتخاب مسٹر جناح کو نہیں دکھایا تھا اور نہ ہی دوسرے لیڈروں کو فہرستیں دکھائیں کانفرنس ناکام ہوگئی اور اس ناکامی پر مجھ سے زیادہ اور کوئی شخص افسوس نہیں کر سکتا"

جمعیۃ علماء کا وقار مجروح ہوا

ویول کانفرنس نے جو صورت حال پیدا کردی اس نے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کو انگاروں پر لٹا دیا، مسلمانوں کی طرف سے گفتگو کی واحد اجارہ دار مسلم لیگ بن گئی اور عملاً اس کو تسلیم بھی کر لیا گیا، سب سے زیادہ افسوس ناک طرز عمل کانگریس کا ہوا کانگریس کا ہمیشہ سے یہ دعوی رہا اور صحیح رہا کہ وہ ہندوستان کے ہر فرقہ کی نمائندہ ہے لیکن اس نے مسلم لیگ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے مسلم لیگ نے جب ضد کی کہ مسلم کوٹہ کے سارے ممبر مسلم لیگ کے نامزد کردہ ہونگے تو اس نے اپنے اصول کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ان پر دعوی واحد نمائندگی کو باقی رکھنے کے لئے محض ایک نام جو خضر حیات خاں کی طرف سے تھا وائسرائے کے منظور کر لینے کی وجہ سے مسٹر جناح نے پورے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا، دوسری طرف کانگریس کی ہر فرقہ کی نمائندگی کے دعوی کا قلعہ زرّیں ایک یا دو مسلم ممبر کی نامزدگی سے دست برداری کی وجہ سے زمین بوس ہوگیا، جس طرح مسلم لیگ سارے مسلم ممبروں کی نامزدگی کو اپنا حق سمجھتی تھی کیا کانگریس اس کو چیلنج نہیں کر سکتی تھی؟ کانگریس ۲۴ کروڑ ہندوؤں کی نمائندہ اور کانگریس کے دوش بدوش لڑنے والے قوم پرور مسلمان جو چالیس فی صدی مسلمانوں کی نمائندگی کرتے تھے وہ کانگریس کے ساتھ تھے اس طرح کانگریس ۷ ممبروں کا حق رکھتی تھی جس میں لازمی طور پر دو قوم پرور مسلمان ہوتے اس طرح مسلم لیگ کو مسلم کوٹہ میں سے صرف تین

ممبروں کو منتخب کرنے کا حق تھا کیونکہ وہ صرف ایک فرقہ مسلمانوں کے ساتھ فی صدی نمائندگی تھی، لیکن مسلم لیگ اپنے حق سے زیادہ لینے کے لئے بضد اور اس پر مضبوطی سے قائم اور دوسری طرف کانگریس اپنے حق سے کم لینے پر راضی اور وہ بھی اپنے بنیادی اور اصولی دعووں کی مٹی پلید کرکے، یہ کانگریس کی ایک زبردست غلطی تھی اور کمزوری تھی۔

دیول کانفرنس کے موقعہ پر کانگریس کی یہ شکست یقیناً جمعیۃ علماء ہند کے لئے ایک بڑی تکلیف دہ حقیقت تھی کانگریس کے اس اعتراف شکست نے قوم پرور مسلمانوں کے وقار کو سخت مجروح کردیا، ابھی ابھی وہ کانگریس کی تحریک بغاوت میں مجاہدانہ حصہ لیکر جیلوں سے باہر آئے تھے اور ان کی قربانیوں کا یہ صلہ ملا کہ ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز بنکر رہ گئی جس کو کوئی سننے والا نہیں۔

مسلمانوں کا ستارہ گردش میں آگیا

دیول کانفرنس اپنی ناکامی کے باوجود ایک زبردست ذہنی انقلاب پیدا کر گئی اور اس نے مستقبل میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے راہیں ہموار کردیں، اس کانفرنس میں مسلم لیگ اپنی ضد پر قائم رہ کر کانفرنس کے ناکام ہونے کے باوجود کامیاب ہوگئی، آنے والے الیکشن میں اسکی نمایاں کامیابی کی بنیاد اسی کانفرنس کی ناکامی پر پڑی تھی عملاً وائسرائے اور کانگریس دونوں نے مسلم لیگ کے دعوے واحد نمائندگی کو تسلیم کرلیا اس لئے مسلم لیگ کو یہ کہنے کا حق مل گیا کہ مسلمان صرف مسلم لیگ کو ووٹ دیں کیونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔ اور صرف مسلم لیگ، اسی نعرے کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کی ۶۵ فیصدی سے زائد رائیوں کی مالک ہوگئی جو ملک کی تقسیم کے لئے سب سے مضبوط بنیاد بنی، اور اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے اسی دعوی واحد نمائندگی کے جھانسے میں آکر اپنی رائے مسلم لیگ کی زنبیل میں ڈال کر اپنی دائمی بدقسمتی پر اپنے ہاتھوں خود مہر لگادی، اور مسلمانوں کے قائداعظم کے طلسم سامری نے وہ شعبدہ دکھایا کہ ہوش کی آنکھیں بند ہوگئیں اور جوش کی سیاست نے دائمی عذاب کی بھٹی میں ان کو جھونک دیا، علماء ہند سو سالہ جد وجہد کو یوں رائیگاں جاتے ہوئے دیکھکر سر تھام کر بیٹھ گئے۔

نازک انداز پریشان نظر آتا ہے مجھے

جولائی ۱۹۴۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ کا الکشن ہوا اور کنزرویٹو پارٹی کو شکست دیکر لیبر پارٹی کے لیڈر مسٹر ایٹلی نے حکومت بنائی ۲۵ اگست ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول دوبارہ لندن گئے وزیر اعظم اور وزیر ہند سے صلاح و مشورہ کے بعد ۱۶ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ہندوستان واپس آئے ۱۸ ستمبر ۱۹۴۵ء کی شب میں انہوں نے ریڈیو سے اعلان کیا کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مستقبل قریب میں کرائے جائیں گے، انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ صوبائی اسمبلیوں کے الکشن کے فوراً بعد منتخب شدہ ممبران کا اجلاس بلا کر غور کیا جائے گا کہ کرپس مشن قابل قبول ہے یا کسی دوسری اسکیم مرتب کرنی ضروری ہے ابتدائی مشورے کے بعد مجلس دستور ساز کا اجلاس شروع ہو جائے گا جو ہندوستان کا آئین مرتب کرے گا الکشن کے بعد ہی وائسرائے کی انتظامی کونسل کی نئی تشکیل کیجائیگی اور اسے ہندوستان کی خاص پارٹیوں کی حمایت حاصل ہوگی دستور ساز اسمبلی جو آئین تیار کرے گی اس میں کسی فرقہ وارانہ جماعت کو رکاوٹ ڈالنے کا موقعہ نہ ہوگا۔

وائسرائے کے اس اعلان کے بعد تمام سیاسی پارٹیاں سرگرم عمل ہو گئیں اور پورے ملک میں جلسوں اور جلوسوں کا سیلاب آگیا اور فلک شگاف نعروں کی دھوم مچ گئی، یہ الکشن در حقیقت ہندوستان میں آزادی کی پہلی منزل تھی اور یہی الکشن آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والا تھا، یہ الکشن کسوٹی تھی مسلم لیگ کی واحد نمائندگی اور کانگریس کے اس دعوی کی وہ ہندوستان کے ہر فرقہ کی نمائندہ ہے، الکشن فرقہ وارانہ بنیاد پر تھا، مسلمانوں کو صرف مسلم امیدواروں کو منتخب کرنا تھا، اس طرح براہ راست مقابلہ مسلم لیگ اور جمعیتہ علماء ہند اور دوسری قوم پرور جماعتوں کے درمیان ہو گیا، اگر مسلم لیگ اس الکشن کے میدان سے سرخ رو ہو کر نکلتی ہے تو کوئی طاقت اس کو پاکستان حاصل کرنے سے نہیں روک سکتی ہے اس لئے مسلم لیگ نے اپنی ساری طاقت اور اپنے سارے حربے اس الکشن میں استعمال کئے۔

الکشن کی ہنگامہ آرائیاں

یہ الکشن درحقیقت ایک سوال پر تھا کہ پاکستان بنایا جائے یا نہ بنایا جائے اگرچہ بظاہر ایسا نہیں تھا کیوں کہ الکشن کے میدان میں کانگریس کے ہندو امیدواروں کا کوئی حریف نہیں تھا کچھ مقامات پر مہاسبھا نے اپنے امیدواروں کو کھڑا کیا لیکن سب کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں ایک امیدوار بھی کامیاب نہیں ہوا، بہت سے مقامات پر کانگریس کے امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو گئے، اصل معرکہ مسلم سیٹوں کے لئے تھا اور یہی معرکہ فیصلہ کن تھا، جمعیۃ علماء پاکستان کو مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کے لئے مضرت رساں اور تباہی و بربادی کا پیش خیمہ سمجھتی تھی اور ہر قیمت پر مسلمانوں کو اس طلسم سامری سے نکالنے کی کوشش کرتی تھی، دوسری طرف مسلم لیگ کے رہنما اور اس کے ساتھ چند علماء نے پاکستان کی تجویز کو ایک پر تقدس عقیدہ کی شکل میں پیش کیا تھا، مسلم لیگ نے اپنے الکشنی پروپیگنڈہ میں صرف دو باتوں پر خصوصیت سے زور دیا تھا، ایک یہ کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے اس لئے وہ پاکستان مخالف ہے ہندوستان کا کوئی ہندو نہیں چاہتا کہ یہاں مسلمانوں کی کوئی اسلامی حکومت ہو، ہندوؤں نے گویا مسلمانوں کو چیلنج کر دیا ہے کہ وہ کسی قیمت پر پاکستان بننے نہیں دیں گے، دوسری بات یہ کہ جو مسلمان کانگریس میں ہیں یا کانگریس کے ساتھ ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں ان کا کانگریس میں کوئی محمڈن نہیں وہ کانگریس کے خیمہ بردار ہیں اور ہندوؤں کے اشارے پر ناچنے والی طوائف ہیں یہ ہندوؤں کے زرخرید غلام ہیں[1] اور ضمیر فروش ہیں، علماء عوام کے پیسوں پر موج کرتے ہیں اور انہوں نے مسلم عوام کو بیوقوف بنا رکھا ہے، اور مذہب کا نام لیکر مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں، ان کا ضمیر مر چکا ہے، اپنے ذاتی مفاد اور ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی حکومت کی مخالفت وہی کر سکتا ہے جس کے اندر ایمان کا جوہر نہیں ہے ورنہ کون بدبخت مسلمان ہے جو ایک اسلامی حکومت کے قیام کی مخالفت کرے؟

---

[1] اخبار مدینہ بجنور ۱۲ / اپریل ۱۹۴۶ء بحوالہ علماء حق جلد ۲ ص ۲۸۵ — ۲۸۶۔

مسلم لیگ کے ہتھکنڈے

مسلم لیگ نے ہر جگہ "مسلم نیشنل گارڈ" کے نام سے نوجوانوں کو باوردی رضاکار کی شکل دیدی تھی جس میں کچی عمر کے نوجوان شامل تھے، راقم الحروف کے وطن میں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ان کا باوردی جلوس نکلتا تھا، پاکستان زندہ باد، سینہ پر گولی کھائیں گے پاکستان بنائیں گے، ہندی ہندو ہندوستان، لے کے رہیں گے پاکستان، کے نعرے اس جوش اور جذبے سے لگاتے تھے جیسے سچ مچ نوجوانوں کا یہ دستہ محاذ جنگ پر ہے، یہ جلوس پورے قصبہ میں گشت کرتا تھا اس کے ساتھ پرجوش عوام کی بھیڑ ہوتی تھی، مسلمانوں کے بعض فرقے جو علماء دیوبند کے سخت دشمن ہیں، ان کی دشمنی اور ضد میں سو فیصدی اور بعض خانقاہوں سے وابستہ مریدین کا ایک زبردست حلقہ مسلم لیگ اور پاکستان کا زبردست حمایتی تھا، اور قصبہ کے اکثر مالدار افراد بھی ہمنوا تھے اس طرح کے سارے لوگوں کا مجمع اس جلوس میں شامل ہوتا تھا یہ جلوس جب ہمارے جیسے لوگوں کے سامنے سے گذرتا تھا تو وہ ناشائستہ حرکتیں کرتا تھا کہ دل و دماغ دونوں کھول جاتے تھے شیخ الاسلام مولانا مدنی اور مولانا آزاد پر تبرہ بازی ہوتی اور سارا جلوس قہقہے لگاتا تھا، ضبط کے باوجود قوت برداشت جواب دے جاتی تھی لیکن بے بسی کا عالم یہ تھا کہ ہم کچھ نہیں کرسکتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہمارے جیسے لوگ اس دن گھروں سے نکلنا بند کردیتے تھے غنڈہ گردی کا عالم یہ تھا کہ ہمکو مسجدوں میں تقریر کرنے کی اجازت نہیں تھی، جب بھی کچھ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے لوگ دیوانوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑے اپنے وطن میں ایک الکشنی جلسہ میں ہمارے حلقہ کے امیدوار مولانا عبد المجید حریری جو بعد میں حکومت ہند کے سفیر بنا کر جدہ بھیجے گئے، آئے ان کے ساتھ ہمارے ضلع کے ممتاز اور معزز علماء میں سے استاذ محترم مولانا حبیب الرحمن اعظمی جو عالم اسلام کے مشہور محدث ہیں اور مناظر اسلام مولانا عبد اللطیف نعمانی بھی آئے، جلسہ ایک کھلے میدان میں تھا، راقم الحروف نے جلسہ کی غرض و غایت اور حریری صاحب کے تعارف کے بعد حریری صاحب کو مائک پر آنے کی زحمت دی، جوں ہی وہ کھڑے ہوئے کہ تین طرف سے جلسے پر پتھراؤ شروع ہوگیا، اکابر اسٹیج پر

تو مزدور رہ گئے اور ہمارے جیسے دیوانے لیکن مجمع پتھروں کی تاب نہ لا کر منتشر ہو گیا، اور کوئی تقریر نہ ہو سکی، اطراف و جوانب سے آنے والوں کی سائکلیں ایک مقام پر رکھوائی گئی تھیں جب وہ اپنی سائکلیں لینے پہونچے تو معلوم ہوا کہ ساری سائکلوں میں پنکچر کر دیا گیا ہے، اس طرح پورے الکشن کے دور میں ہمیں کوئی باقاعدہ جلسہ نہیں کرنے دیا گیا جبکہ ہمارا ضلع قوم پرور مسلمانوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، یہیں مسلم لیگ کے جلسے بڑی شان و شوکت سے ہوتے رہے ان کے جلسے جب بھی ہوئے تو شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی مذمت میں کسی نظم سے جلسہ کا آغاز کیا گیا، ایک بار مولانا ظفر احمد تھانوی بھی ایک جلسہ میں موجود تھے اور انہیں کی خانقاہ سے وابستہ ایک معمر مرید نے لاؤڈ اسپیکر پر خوب لہک لہک کر یہ نظم سنائی اور بار بار نعرۂ تکبیر بلند ہوتا رہا۔

یہ ایک چھوٹے سے قصبے کا چھوٹا سا نمونہ ہے، یہی حال پورے ہندوستان کا تھا بعض مقامات پر کشت و خون کی بھی نوبت آئی مار پیٹ اور جھگڑے لڑائی اور تو تو میں میں سے تو کوئی جگہ خالی نہیں تھی، مسلمان قوم ہمیشہ کی پرجوش رہی ہے، اس جوش و جذبے نے تاریخ میں بڑے اہم کارنامے بھی انجام دیئے ہیں لیکن اس جوش و جذبہ کا یہ کتنا بے محل استعمال تھا؟ نوجوان غنڈوں کو اپنی غنڈہ گردی کے لئے ایک مذہبی نعرہ مل گیا اس لئے انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو سڑکوں پر شراب میں بدمست لفنگے کرتے ہیں، جب ہم لوگ پولنگ بوتھ کی طرف چلے تو لیگی نوجوانوں نے ہمارے مجمع میں گھس کر ہمارے آدمی کے ہاتھ سے جھنڈا چھین کر ہماری آنکھوں کے سامنے جلا دیا اور ہم کچھ نہ کر سکے، ہمارا یہ علاقہ جمعیۃ علماء اور نیشنلسٹوں کا مضبوط علاقہ سمجھا جاتا تھا — قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

علماء کے خلاف اعلان جنگ

علماء و مشائخ کا ادب و احترام تو دور کی بات تھی ان کے ساتھ انسانیت و شرافت کا بھی سلوک کرنا مسلم لیگ والوں کے لئے حرام تھا، عوام میں غنڈہ گردی کی ایک لہر چل پڑی تھی، سماج میں باوقار لوگ کس طرح انسانیت کی سطح سے بھی نیچے اتر آئے تھے؟ سمجھ میں نہیں آتا اس کے سوا کیا کہا جائے کہ پاکستان کے سحر نے ان کو مسحور کر دیا تھا اور وہ دیوانوں کی

لوگ ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالتے تھے، غنڈوں اور بازاری لوگوں کی طرح حرکتیں کرتے تھے، سیدپور میں مولانا حسین احمد مدنی کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی، علیگڈھ میں مولانا آزاد پر حملہ کیا گیا کلکتہ میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی پر اور مولانا محمد نصیر صاحب پر فیض آباد میں چھرے سے حملہ کر کے زخمی کیا گیا، بھاگلپور میں مولانا مدنی پر کار میں پیچھے سے حملہ کیا گیا، گیا میں مولانا محمد قاسم شاہجہانپوری اور مولانا محمد اسماعیل سنبھلی کو ایک مسجد میں گھیر کر قتل کرنے کی کوشش کی گئی، استصواب رائے کا یہ الکشن اسی ماحول میں ہو رہا تھا،

اسی الکشن کے زمانہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ملتان سے واپس ہو رہے تھے لاہور سے پنجاب میل میں سوار ہوے، لاہور اسٹیشن کے لیگی عناصر نے ریلوے کے ٹیلیفون سے آگے والے اسٹیشنوں کو فون کر دیا کہ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن اس ٹرین سے جا رہے ہیں ان کے خلاف شاندار مظاہرہ ہونا چاہیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرتسر، جالندھر، لدھیانہ وغیرہ پنجاب کے جن جن اسٹیشنوں پر پنجاب میل رکنے والا تھا ہر جگہ آبرو باختہ لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا اور ڈبے کو گھیر کر نہایت گندے اور فحش نعرے لگائے، مغلظات گالیاں دیں، ہندوؤں کا دلال، زرخرید غلام، عوام کے چندہ کا حرام خور مردہ باد اور سب کی تان ٹوٹتی تھی، "پاکستان زندہ باد" "لے کے رہیں گے پاکستان" پر، اور جب نعروں سے تسلی نہیں ہوئی تو ریلوے لائن سے پتھروں کے ٹکڑے لیکر ڈبے پر برسانا شروع کر دیا، صرف ۲ نفر عمر رسیدہ مقدس مظلوم ایک طرف سیکڑوں اور ہزاروں کی بے قابو بھیڑ دوسری طرف اور ہر حرکت پر آمادہ، اللہ حافظ تھا، ان دونوں بزرگوں کو کوئی خاص چوٹ نہیں آئی البتہ مجاہد ملت کے ایک ہاتھ پر چوٹ آئی کھڑکیوں کے شیشے چور ہو گئے، پھر لکڑی اور جالیوں والی کھڑکیاں چڑھا دی گئیں تو وہ بھی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئیں۔

مولانا آزاد شملہ سے کلکتہ جا رہے تھے، اسی ٹرین سے لیگی لیڈروں کی ایک ٹیم بھی سفر کر رہی تھی روانگی کے وقت یونیورسٹی میں ٹیلیفون کر دیا گیا کہ طلبہ اسٹیشن پر آجائیں، مولانا آزاد اسی ٹرین سے چل رہے ہیں یونیورسٹی میں خبر پھیل گئی، طلباء کا ایک جم غفیر ٹرین پہونچنے سے پہلے ہی اسٹیشن پر پہونچ گیا، جو زیور تعلیم سے آراستہ، مسلمان گھرانوں کے چشم و چراغ، مہذب خاندانوں کی اولاد

نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اپنی شرافت و تہذیب کا وہ مظاہرہ کیا کہ شرافت و انسانیت نے اس طرف سے نگاہیں پھیر لیں کیونکہ ان کی پتلونیں کھلی ہوئی تھیں، اور جب ٹرین چلنے لگی تو زنجیر کھینچکر ٹرین کو روکدیا گیا، اس طرح ایک گھنٹہ مسلسل اور بار بار ٹرین کو روک کر مولانا آزاد کے ڈبے کے سامنے ننگا ناچ ہوتا رہا، غلاظت سے بھرے ہوئے جملے، گالیاں، فحش نعرے اس رقص بے حیا کے لئے تال سر کا کام دے رہے تھے مسلم لیگ کے اخبار "ڈان" نے اس حرکت کی تائید و تحسین کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "گلدستہ کے مقابلہ میں تو ان لوگوں کے حصہ میں اینٹ پتھر ہی آئیں گے جو شوبوائے کا کام کرتے ہیں، گویا مسلم لیگ کی قیادت کے نزدیک پاکستان کی "خلافت راشدہ" کے قیام کے لئے یہ سب جائز بلکہ مستحسن تھا۔

شیخ الاسلام کی ذات نشانہ

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی شان میں ایک منظوم سپاسنامہ لکھ کر ہینڈبل کی شکل میں الہ آباد سے شائع کیا گیا، اس نظم میں جو کچھ کہا گیا تھا اسے سن کر انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی، اور شرافت کی آنکھیں جھک گئیں، یہ سپاسنامہ بطور تبرک مسلم لیگ کے کارکن اطراف و جوانب میں تقسیم کرتے پھرتے تھے۔

سید پور ضلع رنگ پور میں جو واقعہ ہوا اس دور میں ہر شخص جانتا تھا، سب سے زیادہ مسلم لیگ کی غنڈہ گردی کا نشانہ شیخ الاسلام مولانا مدنی کی ذات گرامی تھی کیونکہ ملک میں جو عزت و مقام حضرت شیخ کو حاصل تھا وہ مسلم لیگ کے لئے راستہ کا سنگ گراں تھا اس لئے ہر جگہ مسلم لیگ کے نوجوان اپنی بدترین حرکتوں کے مظاہرہ کے لئے بے چین ہو جاتے تھے، سید پور ضلع رنگپور میں جب حضرت شیخ پہونچے تو لیگیوں کا ایک جم غفیر اسٹیشن پر پہونچ گیا، مولانا ریاض احمد صاحب جو سید پور کے ایک معزز رئیس اور بنگال کے ایک بڑے علاقے کے مصلح اور بزرگ تھے انہوں نے بنگال میں بڑی مذہبی و دینی خدمات انجام دی ہیں ان کی چشم دید گواہی ہے کہ جب شیخ الاسلام اسٹیشن پر پہونچے تو چھ سات سو آدمی "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے موجود تھے مولانا مدنی کے ٹرین سے نکلتے ہی مجمع نے وحشیانہ حملہ شروع کر دیا، ریلوے اسٹیشن کے پل پر سے ایک شخص بھونپو میں اعلان کر رہا تھا کہ جلدی آؤ، دوڑو، آگیا ہے وہ غدار مولانا، اس آواز پر

سیکڑوں آدمی ٹوٹ پڑے ہمارے چند آدمیوں نے جو دس بارہ کی تعداد میں تھے مولانا مدنی کو گھیرے میں لے لیا، غنڈے ہم پر ٹوٹ پڑے، لاتوں اور گھونسوں سے ہماری خوب مرمت کی گئی، سب کے سب چلا رہے تھے گرادو بے ایمان کو، "اپنے پیروں سے روند ڈالو" بوٹی بوٹی کاٹ لو، جہنم میں پہونچادو، ہمارے آدمیوں نے بمشکل تمام حضرت شیخ کو اسٹیشن سے باہر اپنی بیل گاڑی تک پہونچایا، گاڑی چلنے ہی کو تھی کہ ہجوم نے بیل گاڑی پر حملہ کر دیا، گوبر اور کیچڑ پھینکنے لگے، کچھ نے گاڑی پر چڑھ کر لاٹھی مارنے کی کوشش کی، مولانا کی ٹوپی سر سے اتار کر جوتوں سے روندتے ہوئے نوجوان نے کہا کہ تم ہندوؤں کے غلام ہوا اور پھر ٹوپی کو وہیں جلا دیا، کچھ مولانا کی عبا کو کھینچنے لگے، ان کا ارادہ یہ تھا کہ کسی ویرانہ میں لے جاکر شہید کر ڈالیں لیکن ہمارے مدرسہ کے طلبہ نے جان پر کھیل کر مولانا کو بچالیا اگرچہ سب کے سب خون میں نہا گئے، فوراً مولانا اسٹیشن ویٹنگ روم میں لوٹ آئے، مولانا نے طلبہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

> آج جو سانحہ میرے ساتھ پیش آیا ہے اس طرح کا واقعہ ہندوستان کے سورماؤں کو پیش آتا رہا ہے اور آتا رہے گا، اب وہ دن دور نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ اس سے بڑا حادثہ پیش آنے والا ہے، اس حادثہ کو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے"[1]

شیخ الاسلام کی پیشن گوئی کس طرح اور کب پوری ہوئی؟ ۱۹۴۷ء کے خونیں حادثوں کی تفصیل آپ اسی کتاب میں پڑھیں گے۔

کٹیھار میں طوفان بدتمیزی

شیخ الاسلام نے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں شب بھر قیام کیا اور وہیں سے کٹیھار تشریف لے گئے، کٹیھار مسلم لیگ کے نوجوانوں اور اسکول کے طلبہ نے جو کچھ کیا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس الکشن میں عوام کے ذہن کو کس سانچے میں ڈھالا گیا تھا، لیگی نوجوانوں نے ایک گھڑے میں کیچڑ گھولی، بوسیدہ جوتوں کا ایک ہار بنایا اور شہد کا ایک چھتہ ایک نالی کی غلاظت میں ڈبو کر لائے اور سیاہ جھنڈیاں لیکر "ہندوؤں کے غلام مردہ باد" کے نعرے لگانے شروع کئے حضرت شیخ

---

[1] شیخ الاسلام پر شرمناک حملہ ص۔ ۸ ــ ۹

بھاگلپور جانے والی گاڑی کے سکنڈ کلاس کے ڈبے میں تشریف فرما تھے ہجوم ڈبے کے پاس آکر فحش اور گندی گالیاں اور نعرے لگاکر ایک ہنگامہ برپا کئے ہوئے تھا اور ساری گندگی جوان کے ہاتھوں میں اور دلوں میں تھی اس ٹرین کے ڈبے میں انڈیل دی، دیہاتی ماحول کے وہ تمام مغلظات جو ایک بے لگام آوارہ بک سکتا ہے وہ دینی خدمت سمجھ کر استعمال کر رہے تھے حضرت شیخ ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہے اور سفر کرنے والوں کو ان کا جواب دینے سے روک دیا۔

بھاگلپور میں حملہ

شیخ الاسلام جب بھاگلپور پہونچے یہاں ایک جلسہ میں جاتے ہوئے مسلم لیگ والوں نے راستہ میں گھیر لیا، غدار قوم مردہ باد" کے نعرے لگاتے رہے گھونسے اور دھکے چلائے، ایک غنڈے نے پشت کی جانب سے آکر چاقو سے وار کیا، اتفاق سے چاقو کار کی باڈی پر لگا اور حضرت شیخ بال بال بچ گئے اور جب پولیس نے آکر اپنی حفاظت میں لیا تب یہ غنڈے وہاں سے ہٹے، لیکن حملہ کا خطرہ بدستور باقی تھا اس لئے پولیس نے اپنی حفاظت میں اسٹیشن پہونچایا، اتفاقاً ٹرین چھوٹ گئی تو واپس لاکر پولیس نے رات بھر کوتوالی میں رکھا کیونکہ شہر میں جان کا خطرہ موجود تھا، شیخ الاسلام سے وابستہ حضرات نے بھی اسی کوتوالی میں رات بسر کی دوسرے دن پولیس نے اپنی حفاظت میں لے جاکر ٹرین پر سوار کیا۔

جمعیۃ علماء کا جرم کیا تھا؟

ہزاروں واقعات میں سے یہ چند واقعے بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں، ورنہ الکشن کے ان چند مہینوں میں علماء حق پر جو قیامت گذری یہ انہیں بزرگوں کا ظرف اور حوصلہ تھا جو برداشت کر گئے اور ایسے لوگوں کے لئے بددعا کے بھی ایک لفظ زبان سے نہیں نکالا، ان کا جرم یہی تھا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ پاکستان کا نظریہ مسلمانوں کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے، اسلامی ہند تباہ ہو جائے گا، ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی نمونہ قیامت بن جائیگی، پاکستان کوئی بت نہیں جس کی پوجا کیجائے، کعبہ نہیں کہ جس کی طرف مسلمان رخ کرکے نماز پڑھتے ہوں، صحیفہ آسمانی نہیں کہ جسے بغیر وضو ہاتھ نہ لگایا جاسکے، وہ ایک غیر دینی ماحول میں رہنے والے شخص کا ایک خودساختہ نظریہ ہے جو مسلمانوں کے قتل کا محضر ہے، ایک اسکیم ہے ان دماغوں کی

جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں سوچا جنہوں نے شریعت کے مقرر کردہ حرام و حلال کو کبھی نہیں جانا، جنہیں دین و شریعت کے تقاضوں کی حقیقت و اہمیت معلوم نہیں، جو شادی بیاہ تک میں مسلمان اور کافر کے فرق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے وہ کیسے یک بیک اسلام کے سب سے بڑے داعی اور منادی بن گئے؟ مسلمانو! اپنے دل اور دماغ سے کام لو، اور سوچو اور سمجھو، جسے اپنی نجی زندگی میں کبھی اسلام اور مسلمانوں سے لگاؤ نہیں رہا وہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ کیسے بنا سکتا ہے؟ یہ جذبہ تو ان دلوں میں پیدا ہونا چاہئے تھا جو دین اور اس کے تقاضوں سے والہانہ محبت رکھتے ہیں جنکی پوری زندگی دین و شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے اس کے برعکس اس تحریک کا علمبردار وہ شخص ہے جسکی زندگی پر سوائے نام کے کبھی دین کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی وہ تاریخ کا عمر بن عبدالعزیز کیسے بن سکتا ہے؟ کیا یہ حیرتناک بات نہیں ہے؟

سادہ لوحوں کی خوش فہمیاں

جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کو یقین تھا کہ مسلم لیگ سے وابستہ کچھ علماء نے پاکستان کے نظریہ کو جتنا مقدس اور بابرکت بنا کر پیش کیا ہے اسکو اسلامی حکومت، حکومت الٰہیہ، خلافت راشدہ، قرآنی دستور کی حکومت کے نام سے یاد کیا اور عوام کو ان مقدس الفاظ سے غلط فہمی میں مبتلا رکھا اسکو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور مسٹر جناح کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوگی، کیوں کہ انہوں نے اپنی زبان سے پاکستان کی اس خصوصیت کا کبھی ذکر نہیں کیا اور نہ انہوں نے کبھی اپنی زبان سے یہ مقدس الفاظ دہرائے جو علماء بار بار دہرا رہے تھے، ورجنوں بار مسٹر جناح نے پاکستان کے نظریہ کو سمجھایا اسکی ایک ایک خصوصیت کا تفصیلی ذکر کیا مگر انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ مدینہ کی طرح دارالہجرت ہوگا، وہاں خلافت راشدہ کے طرز کی حکومت ہوگی، وہاں قرآنی دستور نافذ ہوگا، یہ تو جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کے بزرگ پاکستان کے بارے میں اپنی سادہ لوحی اور خوش فہمی کی بنا پر کہتے تھے یہ تو مدعی سست اور گواہ چست کی مثال تھی، یہ بچارے... تو قائد اعظم کے خیمہ بردار تھے، اسلامی نظام برپا کرنے کا ان کو کہاں اختیار حاصل تھا؟ یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد اسلامی نظام حکومت کا کوئی ذکر بھی نہیں آیا اور اس کا

دستور ایک ہریجن مسٹر منڈل نے بنایا، اس اسلامی حکومت کا دستور بنانے کے لئے کسی مسلمان کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی، کہاں خلافت راشدہ؟ کہاں قرآنی دستور؟ اور دستور بنائے ایک غیر مسلم ہریجن، یہ جواب تھا لیگ میں شامل علماء کی سادہ لوحی اور خوش فہمیوں کا، ان تمام لوگوں کی زبانیں گنگ ہوگئیں جنہوں نے جمعیۃ علماء ہند کے خلاف تقریروں کا سیلاب بہار کھا تھا، مگر ان میں سے کسی میں اتنی بھی ہمت وجرأت نہیں تھی کہ لب کھول سکے اور اس کے خلاف معمولی سا احتجاج بھی کرسکے جیسے ایک سازش تھی جو کامیاب ہوگئی، اب اس سلسلہ میں کسی لب کشائی کی ضرورت ہی کیا تھی؟ -

جمعیۃ علماء ہند کے رہنما عوام کو اسی فریب سے آگاہ کرتے تھے لیکن ان کی آواز پر کوئی کان دھرنے والا نہیں تھا، قوم پاگل ہوئی جارہی تھی، آگ کی خندق کے کنارے کھڑی تھی اور اس میں گرنا چاہتی تھی جمعیۃ علماء بے چین ہو کر ان کو کنارہ سے کھینچ کر ہٹانا چاہتی تھی، لیکن اس ہمدردی کے صلہ میں ان کو دشنام طرازیوں اور سنگ باریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، یہ تاریخ کا ایک عبرتناک حادثہ تھا،

قوم پرور جماعتوں کا متحدہ محاذ

جمعیۃ علماء ہند کی نگاہ تحریک پاکستان کے نفع سے زیادہ اس کے مضر پہلوؤں پر تھی وہ چاہتی تھی کہ مسلمان فریب کا شکار نہ ہوجائے اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کی غلطی نہ کرے اس کا واحد علاج یہی تھا کہ الکشن کے میدان میں ان تمام پارٹیوں کا ایک متحدہ محاذ بنایا جائے جو اس نقطۂ نگاہ سے متفق ہیں، اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے آل انڈیا مسلم مجلس، مجلس احرار اسلام، آل انڈیا مؤمن کانفرنس، خدائی خدمت گار (سرحد) انڈی پنڈنٹ پارٹی (بہار) کرشک پرجا پارٹی (بنگال) کو دعوت دی، یہ جماعتیں نیشنلسٹ مسلمانوں پر مشتمل تھیں، ان جماعتوں کے پچاس سے زیادہ ذمہ داروں اور نمائندوں نے اس "آل مسلم پارٹیز کانفرنس" میں شرکت کی مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ایک آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل کی گئی جسکے صدر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند بنائے گئے اسی بورڈ کے امیدواروں نے الکشن میں حصہ لیا -

جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ

ہندوستان کے مسلمانوں کا ستارہ گردش میں آچکا تھا، عقلوں پر پردے پڑ چکے تھے اور وہ دوست دشمن کی تمیز سے عاری ہو گئے تھے، سورج کی طرح روشن صداقت چھپ گئی کھرے سونے کے بجائے قلعی چڑھے ہوئے پیتل کو قبول کرنے پر بضد تھے، الکشن کا نتیجہ وہی ہوا جو ہوا کے رخ نے ایک سال پہلے ہی بتا دیا تھا۔

مسلم لیگ مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ جماعت بن گئی ۸۴ فیصدی نشستیں مسلم لیگ کو ملیں ۱۶ فی صدی نشستیں قوم پرور جماعتوں کے حصہ میں آئیں، الکشن میں کامیابی پاکستان کے مقدمہ کا سب سے مضبوط ثبوت بن گئی اور اب کوئی طاقت تقسیم کو نہیں روک سکتی، ہندوستان کے مسلمانوں کا مقدر پھوٹ گیا، اس نے اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلا دی، کاری زخم لگ چکا تھا، اب وہ اس درد و کرب سے نسلاً بعد نسل کراہتا رہے یا چیخے، اسکا علاج اس کے اختیار سے باہر ہے

نئی منزل نئی راہیں

الکشن کی سرگرمیاں ابھی ملک میں جاری ہی تھیں اور کئی علاقوں میں انتخابات باقی تھے کہ وزیر اعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی نے اپنی تقریر میں ہندوستان کے متعلق بہت امید افزا باتیں کہیں انھوں نے کہا کہ

"اب ہندوستان میں آزادی کا جذبہ عام ہو چکا ہے اور اب ہر شخص اور ہر جماعت آزادی کا مطالبہ کرنے لگی ہے، پولیس اور فوج میں بھی وطنیت کا احساس بڑھتا جا رہا ہے اس لئے اب زیادہ دنوں ہندوستان کو غلام نہیں بنایا جاسکتا، اب وقت آگیا ہے کہ ہم سنجیدگی کیساتھ ہندوستان کے مسئلہ پر غور کریں اور اس کا حل نکالیں"

اور پھر انھوں نے عملی اقدام کا آغاز بھی کر دیا، ہندوستان میں وزارتی مشن بھیجا، یہ وزارتی مشن ۲۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو کراچی پہونچا، لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند سر اسٹیفورڈ کرپس اور جنرل الگزینڈر وفد کے ارکان تھے، یکم اپریل ۱۹۴۶ء سے مشن نے ہندوستانی لیڈروں

سے ملاقاتیں شروع کردیں، ان ملاقاتوں کے فوراً بعد وفد نے اپنی سفارشات شائع کردیں انہیں سفارشات کی بنیاد پر ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو عبوری حکومت کا قیام عمل میں آیا جوایک سال تک رہی۔

نفرت کی کاشت شروع کردی گئی

وزارتی مشن کی ہندوستان میں آمد اس بات کا ثبوت تھی کہ اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک بحریہ کی بغاوت، پولیس کی سول نافرمانی، آزاد ہند فوج کے نوجوانوں کی ہمدردی کے بے پناہ مظاہرہ نے برطانوی حکومت کو لرزہ براندام کردیا تھا اور بین الاقوامی حالات ایسے ہوگئے کہ حکومت صدق دلی کیساتھ ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے آمادہ ہوگئی، اس نے بااختیار کمیشن بھیجا، وزارتی مشن کی آمد، کانگریسی رہنماؤں کی طرف خصوصی توجہ، پاکستان کے نظریہ کو تسلیم کرنے سے انکار نے مسلم لیگ کے رہنماؤں کو پاگل بنادیا، انہوں نے محسوس کیا کہ "پاکستان" کی کشتی ساحل پر آکر غرق ہوجانا چاہتی ہے، مسٹر جناح نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں اور تمام صوبائی مسلم لیگ کے عہدیداروں کا ایک فوری کنونشن بلایا اور موجودہ صورت حال کی نزاکت واہمیت پر غور کرکے ایک خفیہ پالیسی بنائی گئی اور پھر اس پر ہندوستان گیر پیمانے پر عمل شروع کردیا گیا مسلم لیگ کی یونٹ کمیٹیوں اور ضلع کمیٹیوں اور ریاستی کمیٹیوں کے عام کارکنوں کو مشتعل کردیا گیا اور ہر جگہ ہندوؤں کے خلاف نہایت گرم اور دل ودماغ کو کھولا دینے والی تقریریں کی گئیں، اور نعرے لگائے گئے اور پورے ملک میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کردی تاکہ وزارتی مشن یہ محسوس کرے کہ دونوں قوموں میں سخت منافرت ہے، ہندو اور مسلمان متحدہ ہندوستان میں اب ایک ساتھ نہیں رہ سکتے اسی ماحول میں دہلی میں ایک کنونشن بلایا گیا، دہلی میں بے پناہ جوش سے بھرے ہوئے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اکٹھا ہوگئی مقررین کا سارا زوربیان ہندو مسلم منافرت کے اظہار پر صرف ہوا، اس کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے سر فیروز خاں نون نے تو یہاں تک دھمکی دی کہ اگر پاکستان منظور نہیں کیا گیا اور ہم کو کانگریس کے ہندو راج میں رہنے پر مجبور کیا گیا تو ہم کمیونسٹ بن جائیں گے، ہمارے پنجاب میں کمیونزم جڑ پکڑ چکا ہے ہم روس سے مدد لے کر برطانیہ سے جنگ کریں گے۔

تمام ممبران مرکزی وصوبائی اسمبلیوں کو ایک ایک مطبوعہ عہدنامہ دیا گیا جسکی خانہ پری

کرائی گئی اور دستخط لیے گئے جس میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کیا گیا کہ اگر پاکستان منظور نہیں کیا گیا تو مسلم لیگ جو بھی سخت سے سخت قدم اٹھائیگی اور مشکل سے مشکل اقدام تجویز کرے گی ہم اسکو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

ہندوستان کے مسلمان ہندو ہو جائیں

کنونشن کے بعد ایک پریس نمائندہ نے مسٹر جناح سے سوال کیا کہ پاکستان سے باہر اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے مسئلہ کا آپ کے نزدیک کیا حل ہے؟ مسٹر جناح نے اس کا جو جواب دیا وہ بھی اقلیتی صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھا لیکن ان پر تو صیاد کے اقبال کا سحر تھا اور اپنے ہاتھوں اپنا جال کسنے کی دیوانگی میں مصروف تھے، مسٹر جناح نے اقلیتی صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں پریس نمائندوں کے سوال کے جواب میں کہا۔

"جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے لئے تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ غریب الوطن اور غیر ملکی کی طرح زندگی بسر کریں جن کا کوئی حق ہندوستان میں نہ ہوگا نہ ان کا کوئی شہری حق ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ تین کروڑ مسلمان ہندو قومیت اختیار کرلیں اور ہندو ہو جائیں تیسری صورت یہ ہے کہ وہ پاکستان چلے جائیں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں"

اس کے پہلے انہوں نے کوئٹہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے بھی اس صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تھا کہ۔

"میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کو مٹادیں گے جیسے جرمنی میں یہودیوں کو مٹادیا گیا مگر اس کا دوسرا کوئی حل نہیں ہے"

تیز رفتار تبدیلیاں۔

۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو وزارتی مشن نے اپنی سفارشات پیش کر دیں اور پاکستان کے نظریہ کو سرطرح ناقابل قبول اور مضرت رساں کہکر رد کر دیا مسلم لیگ نے بڑی رد وقدح کے بعد وزارتی مشن کی سفارشات کو تسلیم کرتے ہوئے ۶ جون ۱۹۴۶ء کو نمائندہ اسمبلی میں شرکت منظور کرلی

۱۶؍جون ۱۹۴۶ء کو لارڈ ویول وائسرائے ہند اور وزارتی مشن نے ایک بیان جاری کیا کہ
سفارشات کی منظوری کے بعد ایک عارضی حکومت کی تشکیل فوری طور پر ضروری ہے، ہندوستان
کی دو بڑی پارٹیوں کے مشورہ سے انٹرم گورنمنٹ (عبوری حکومت) میں وائسرائے عہدوں
کی تقسیم کریں گے اگر یہ تجویز منظور کر لی گئی تو وائسرائے ۲۶؍جون ۱۹۴۶ء تک حکومت قائم کر دیں
گے، ۱۲؍اگست ۱۹۴۶ء کو صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو کو عبوری حکومت قائم کرنے کی دعوت
دی گئی کیونکہ مسلم لیگ نے عارضی حکومت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا، ۲؍ستمبر ۱۹۴۶ء کو عہدوں
کی تقسیم کر دی گئی اور قلمدان وزارت نامزد ارکان کو سونپ دیا گیا، تین ہفتے کی ذہنی کشمکش کے
بعد مسلم لیگ نے بھی ۱۴؍اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عارضی حکومت میں شمولیت اختیار کی،

مسلم لیگ کا نعرہ جہاد

وزارتی مشن کا پاکستان کو تسلیم کرنے سے انکار اور مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت
دینے پر جبکہ کانگریس انکار کر چکی تھی لیگی لیڈروں میں سخت برہمی پیدا ہوئی اور اپنے غم وغصہ کے
اظہار کے لئے مسلم لیگ نے ۲۹؍جون ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں ڈائرکٹ ایکشن کی تجویز پاس کی تاکہ ایسے
حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ حکومت پاکستان ماننے پر مجبور ہو جائے، اس ڈائرکٹ ایکشن کو
کامیاب بنانے کے لئے مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف جہاد کا نعرہ دیکر ورغلایا گیا اور خوب بھڑکایا
گیا کلکتہ میں مسلم لیگ کی حکومت تھی سید حسن سہروردی وزیر اعلیٰ تھے انہوں نے کلکتہ کے مسلمانوں
کو ورغلا کر ایک زبردست اور ہولناک فساد کرا دیا جس میں ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار
لیکن محتاط روایت کے مطابق تقریباً چار ہزار آدمی صرف کلکتہ شہر میں مارے گئے، مارے جانے
والوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی دو ارب روپے کی جائداد تباہ ہوئی مسلم لیگ نے دانستہ
طور پر یہ فساد شروع کرایا تھا اور اجتماعی حملہ کا طریقہ نکالا تو عوام اس پر چل پڑے اور یہی طریقہ
ہندوؤں نے اپنا لیا، کلکتہ کے بعد نواکھالی (بنگال) میں بھی مسلمانوں سے مسلم لیگ نے بلوا کرا
دیا اور وہاں کی ۱۵ فی صدی غیر مسلم آبادی کو تباہ و برباد کر دیا گیا بہت سے دیہات اور
گاؤں ایک دم تباہ کر دیئے گئے قتل و غارت گری، زنا، اغوا، آتش زنی وہ کون سا پاپ
تھا جو ان مسلمانوں سے نہیں کرایا گیا اور مسلم لیگ کے مجاہدین نے نہیں کیا،

کلکتہ اور نواکھالی کا ردعمل

نواکھالی کے تباہ حال ہندو دہلی آئے اور انہوں نے اپنی دردناک سرگذشت سنائی تو اس سے متاثر ہوکر گاندھی جی نے اپنی پرارتھنا سبھا میں اعلان کر دیا کہ اپنے بھائیوں کے غم میں امسال دیوالی میں چراغاں نہ کیا جائے یہ جملہ فرقہ پرستوں اور غنڈوں کے لئے بہانہ بن گیا دوسری طرف انڈین نیشنل کانگریس کے صدر اچاریہ کرپلانی نے نواکھالی کا دورہ کرنے کے بعد جو بیان دیا اس نے جلتی ہوئی آگ میں گیلن کا گیلن پٹرول ڈال دیا اور پھر پورے بہار میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور پورا بہار جلنے لگا، آٹھ فی صدی مسلمانوں پر بانوے فیصدی ہندو ٹوٹ پڑے، یہ جواب تھا نواکھالی اور کلکتہ میں مسلم لیگ کے نعرۂ جہاد کا وہ دردناک تباہی پھیلی کہ الحفیظ والامان، یہ عمل اور ردعمل کا چکر تھا جو مسلم لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن سے شروع ہوا اور اس کی بنیاد مسلم لیگ نے کلکتہ میں ڈالی اور اس نے ہندوستان میں کہاں کہاں مسلمانوں کے لئے عذاب کی بھٹی دہکادی،

ضلع میرٹھ میں گڈھ مکتیشر ایک تیرتھ گاہ ہے اس میلے میں چھ سات لاکھ ہندوؤں کا مجمع ہوتا ہے اس میلہ میں انتقام کا چکر چل پڑا اور میلہ میں شامل ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک مسلمان کو ذبح کر دیا گیا پھر جب میلہ میں ایک بھی مسلمان نہیں رہا تو یہ بھیڑ شہر کی طرف چل پڑی گڈھ مکتیشر میں مسلمانوں کا جو محلہ بھی سامنے آیا اس کا وجود مٹا دیا اس کا ردعمل شاہجہاں پور میں ہوا، یاتریوں کے ایک ایک قافلہ کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا گیا، ڈاسنہ میں قتل و خونریزی کا بازار گرم ہوگیا،

یہ مسلم لیگ کے ایک پروگرام کا انجام ہوا یہ پروگرام اس لئے منایا گیا تھا کہ وزارتی مشن نے پاکستان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، ان فسادات نے جہاں ہزاروں بے گناہوں کو خاک وخون میں لوٹ لوٹ کر جان دینے پر مجبور کیا لاکھوں مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا اور نان شبینہ کو محتاج بنا دیا ہزاروں بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ بنا دیا وہیں ان فسادات نے ہندوستان کے ۳۵ کروڑ غیر مسلموں کے ذہن میں مسلمانوں کی طرف سے شدید نفرت اور غصہ بھر دیا اور

اس نفرت و غصہ کا بھرپور ظہور اس وقت ہوا جب مسلم لیگ کے یہ رہنما ہندوستان میں یہ آگ لگا کر پاکستان کے چمن زاروں میں جا چکے اور اپنے شیش محل کی تزئین و آرائش میں مصروف ہو گئے اور اس آگ میں تین کروڑ مسلمانوں کو جلنے بھننے کے لئے چھوڑ گئے۔

اگر یہی کٹا پٹا پاکستان مسلم لیگ کے پیش نظر تھا تو سال بھر پہلے راجہ جی فارمولا کو قبول کر لیا ہوتا تو یہ خون خرابا نہ ہوتا اور نہ تقسیم ملک کا یہ ردّ عمل ہوتا، کیونکہ راجہ جی کے فارمولا میں وہ سب کچھ تھا جو اس تباہی کے بعد مسلم لیگ کو ملا، لیکن انانیت اور ضد نے جب ہر طرف ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے انگارے دہکا لئے تو اسی چیز کو کانگریس کے بجائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ہاتھ سے قبول کر لیا ؎

آنچہ دانا کند، کند ناداں ۔۔ لیک بعد از خرابی بسیار

۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء کو نئی دلی میں مسٹر جناح نے مسلمانوں کی اس دردناک تباہی کو قربانی سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ یہ قربانی رائگاں نہیں جائے گی یہ قربانی ہمارے پاکستان کو تسلیم شدہ حقیقت بنا گئی

تقسیم ہند کا فیصلہ ہو گیا

۳ جون ۱۹۴۷ء کو نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ملک کی تقسیم کا اعلان کر دیا اور پاکستان کو تسلیم کر لیا، اس کی تائید مسٹر جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے کی ۱۴ جون ۱۹۴۷ء کو کانسٹی ٹیوشن ہاؤس نئی دہلی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا اور مسٹر ولبھ پنت وزیر اعلیٰ اترپردیش نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔

جمعیۃ علماء تقسیم کو قبول نہیں کرتی ہے۔

کانگریس نے ہمیشہ متحدہ ہندوستان کا نعرہ لگایا، لیکن وہی کانگریس تقسیم ہند کی تجویز پیش کرتی ہے اس کا پچاس سالہ تاریخی کردار ملیا میٹ ہو گیا، کانگریس انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے میں ضرور کامیاب ہو گئی اگر با اصول جماعت کی کامیابی کا مدار اس کے اصولوں کی کامیابی پر رکھا جائے تو یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کانگریس ناکام ہو گئی جب مسٹر پنت نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تو اس کی تائید میں مولانا آزاد نے جو بات کہی وہ اعتراف شکست کے سوا اور کچھ نہیں آپ نے کہا،

"حالات نے ہر دماغ کو مجبور کر دیا ہے کہ جو حل بھی موجودہ الجھاؤ کو ختم کر سکتا ہے اسکو تسلیم کرے کانگریس کے سامنے یہ سوال نہیں تھا کہ کون سا منصوبہ منظور کیا جائے بلکہ سوال یہ تھا گومگو اور غیر اطمینانی کی موجودہ تباہ کن حالت باقی رہے یا سب سے پہلی فرصت میں اس کو ختم کر دیا جائے، کانگریس متحدہ ہندوستان کے نظریہ سے جدا نہیں ہوئی لیکن وہ حق خود ارادیت کو بھی تسلیم کر چکی ہے کہ جو علاقے یونین میں شامل نہ ہونا چاہیں انہیں مجبور کرنے کے خلاف ہے"

جمعیۃ علماء ہند کے اکابر میں صرف مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے انہوں نے اس اجلاس میں شرکت کی تھی جس میں تقسیم ہند کی یہ تجویز پیش ہوئی تھی چونکہ کانگریس کا ہائی کمان تجویز کے حق میں تھا اس لئے اس کی مخالفت میں کسی ممبر کو بولنے کی ہمت و جرأت نہیں ہوئی صرف مولانا حفظ الرحمٰن کی ذات تھی جنہوں نے حق گوئی اور جرأت و صداقت کا کھلے بندوں میں مظاہرہ کیا اور آپ نے تجویز کی مخالفت میں ایک مدلل اور گرم تقریر کی آپ نے اپنے سلسلۂ تقریر میں فرمایا کہ۔

"حالات کے جس دباؤ اور جن الجھنوں کے باعث آج ہندوستان کی تقسیم کو منظور کر لینے کا مشورہ دیا جا رہا ہے میں اپنے لیڈروں کے پورے احترام کیساتھ کہوں گا کہ ہندوستان کی تقسیم کا نتیجہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہوگا اور آج اگر کانگریس کے اسٹیج پر تقسیم ہند کی اسکیم منظور کر لی گئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم آج اپنی پوری تاریخ اور ہمیشہ کے اپنے یقین و اعلان پر خود اپنے ہاتھ خط تنسیخ کھینچکر اٹھیں گے اور دو نوں نظریہ کے سامنے سرینڈر ہو جائیں گے"

لیکن جب پورا ہاؤس ایک تجویز پر متفق ہو چکا ہو پھر اس کو رد کرا دینا ممکن نہ تھا اس لئے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ مخالفت کی اور کوئی دوسری آواز ہاؤس میں نہیں اٹھی اگر مخالفت کی بھی تو صرف مہاشرم شری پرسوتم داس ٹنڈن نے جو اپنے خصوصی ذہن و مزاج کے لئے پورے ملک میں مشہور تھے چھ سو ارکان میں کسی کو بھی اپنے اصولوں کے شکست کی آواز نہیں سنائی دی اتنی بڑی تعداد کے مقابلہ میں صرف دو آوازیں کیا وزن

رکھتی ہیں، لیکن مولانا حفظ الرحمن صاحب نے جمعیۃ علماء ہند کی اصول پرستی کی آبرو رکھی اور کھری سچائی اس ماحول میں بھی پیش کردی جس کی تائید میں ایک آواز بھی نہیں تھی، اس لئے جمعیۃ علماء کو یہ اطمینان ضروری ہے کہ وہ اس تباہ کن اور خونریز تقسیم کی ہر طرح کی ذمہ داریوں سے محفوظ رہی۔

۳ر جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کی تجویز کا اعلان ہوا اور ۱۶ر جون ۱۹۴۷ء کو کانگریس اور مسلم لیگ نے اس کی منظوری دیدی اس سے ایک ماہ پہلے جب کانگریس پارٹی میں تقسیم کے مسئلہ کو قبول کرنے کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا تو ۱۰ر مئی ۱۹۴۷ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں ایک تجویز کے ذریعہ تقسیم ملک کی تجویز سے اپنی بے زاری کا اظہار کیا اور جب کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے متفقہ طور پر اس کو تسلیم کرلیا تو پھر ۲۴ر جون ۱۹۴۷ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ایک تجویز میں اس فیصلہ کی پرزور لفظوں میں مذمت کی۔

تجویز تقسیم ہند کی منظوری کے ٹھیک دو ماہ بعد ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی کا اعلان کردیا گیا۔

آزادی کے بعد

کسی بھی جائز شکایت کے موقعہ پر پاکستان یا لیگ کا نام لیکر ہماری آواز کو دبانے کی کوشش نہ کی جائے، ہم نے وطن کی آزادی کیلئے اسی طرح اپنی جان کی بازی لگائی ہے، جس طرح دوسروں نے،

آج وطن کی سرزمین پر جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل اپنا حق رکھتے ہیں تو حسین احمد، کفایت اللہ، اور حفظ الرحمٰن کو بھی وہی حق حاصل ہے، ان سے اس حق کو چھینا نہیں جا سکتا،

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی ایک تقریر سے۔

آزادی کے بعد

اگر ہندوستان کا بنیادی دستور کوئی زندہ حقیقت ہے تو ہند یونین کے پانچ کروڑ مسلم شہریوں کو یرغمال نہیں بنایا جاسکتا، ان مسلمانوں کی وفاداری کا مسئلہ ایک فرسودہ سوال بن چکا ہے، باربار اس کو زیر بحث لانا نہ ملک کی کوئی خدمت ہے نہ دماغ کی کوئی ذہانت،
اگرکچھ مسلمان اسلئے غیروفادار ہیں کہ انہوں نے ملک کی تقسیم کے لئے رائے دی تھی اور ایک ہی رات میں ان کے دل نہیں بدل سکے تو آر، ایس، ایس۔ اور دوسری فرقہ پرست جماعتیں جو آج تک جمہوری قدروں کو تباہ کرتی رہی ہیں اکانگریس میں شامل ہوکرکس طرح ایک رات میں اپنے دل ودماغ کو بدل سکتی ہیں اگران کو اپنانے کی تدبیریں کی جاسکتی ہیں تو یہ کیوں ناممکن ہے کہ انصاف اور جمہوریت کی فضا پیدا کرکے ان مسلمانوں کے دلوں کو بھی اپنایا جائے

مجاہد ملت، مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند
(۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی ایک تقریر سے

ہندوستان نے آزادی جیت لی

نوے سال پہلے کاروان آزادی نے جب اپنے سفر کا آغاز کیا تھا اس وقت مستقبل اتنا تاریک تھا کہ کوئی قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی تھی کہ یہ قافلہ کب اپنی منزل پر پہونچے گا، شدائد و مصائب کے طوفان ان گنت بار راہ میں حائل ہوئے، خاردار وادیوں نے اس کے دامن تارتار کئے، دہکتے ہوئے شعلوں اور بھڑکتے ہوئے انگاروں پر اس کو چلنا پڑا اور بار بار خون کے دریا بھی تیرا، اس کو اپنا سفر جاری رکھنا پڑا، اس جہد مسلسل اور عزم مصمم کا صدقہ ہے کہ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو ۱۲ بجے شب میں آزادی کا یہ کاروان اپنی منزل پر پہونچ گیا،

انسانیت چیخ اٹھی

مسرت و شادمانی کی شہنائیاں بج اٹھیں، دل کے کنول کھل گئے، آرزؤں کا دامن گلہائے مراد سے بھر گیا، ہر طرف رقص و سرود کی رنگینیوں نے نکہت و نور کی بارش کر رکھی تھی فضا شادمانی و مسرت کے نغموں سے معمور تھی، ارباب بہجت و مسرت کی تانیں کیف و سرور کے نغمے بکھیر رہی تھیں، لیکن مسرت و شادمانی کی ان شہنائیوں کی تان ابھی ٹوٹی بھی نہیں تھی کہ درد و کرب اور سوز و گداز سے بھری انسانی چیخوں نے یک لخت فضا کو کربناک بنادیا ابھی فضا نور و نکہت اور بہجت و مسرت کی رنگینیوں سے مکمل طور پر معمور بھی نہیں ہوئی تھی کہ سلگتے ہوئے مکانوں اور آگ اگلتی ہوئی عمارتوں کے کثیف دھوئیں نے فضا میں ہولناک تاریکی بھردی اور انسانی خون سے ہولی کھیلی جانے لگی، صدیوں برطانوی امپریلزم کے خنجروں سے ہمارے سینے فگار ہوئے لیکن ہم ہنس کھیل کر ان قیامتوں سے گذر گئے، لیکن آج بھائی کا بھائی گلا کاٹ رہا ہے، انسانیت چیخ رہی ہے، شرافت دم توڑ رہی ہے، آگ اور خون کی اس بارش

میں ہم یہ بھی بھول گئے کہ شدائد و مصائب کے برے دنوں میں ہم نے انسانیت و شرافت کا جو بلند معیار پیش کیا تھا، ہندو اور مسلمانوں نے دوش بدوش ہو کر برطانوی سامراج سے ٹکر لی تھی، ہر ایک دوسرے کے غم میں برابر کا شریک تھا، آج آزادی کی فرحت بخش فضا میں ہم انسانیت کے بلند مرتبہ سے حیوانیت کی پست سطح پر کیوں اتر آئے؟ اور ہم پر دیوانگی کیوں طاری ہوگئی،

ہماری زندگی کا کربناک دن

یہ نتیجہ تھا اس جوش کی سیاست کا جس نے ملک کو تقسیم کرا کے ہماری مسرت کے سب سے خوبصورت دن کو ہماری زندگی کا سب سے کربناک دن بنا دیا تھا، آزادی کی صبح جب ہماری آنکھیں کھلیں اور ہم چمنستانِ آزادی کی بہاریں دیکھنے کے متمنی تھے کہ ہم پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی، ہماری پتھرائی ہوئی آنکھوں کے سامنے عزیز و اقارب کے تڑپتے ہوئے لاشے خاک و خون میں لوٹ رہے تھے اور ہم بے بس تھے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے، ہمارے جلتے ہوئے مکانوں سے آگ کی لپٹیں آ رہی تھیں لیکن ہمیں بجھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، مسلمانوں کی زندگی ایک بار پھر ابتلاء و آزمائش کی بھٹی میں ڈال دی گئی، غلامی کی کانٹوں بھری وادی اور چمن آزادی کے درمیان آگ اور خون کا دریا حائل ہو گیا، اب یا تو مسلمان خون کے اس دریا میں ڈوب جائے یا دہکتے ہوئے شعلوں میں جل کر خاکستر ہو جائے، یا ایمان و یقین کا جوہر موجود ہے تو آگ کو گلزار اور خون کے دریا کو پایاب بنالے۔

مسیحا چلے گئے

اسلام اور مسلمانوں کے نمائشی مسیحاؤں نے رخت سفر باندھ لیا، آفات و مصائب کے دہاڑتے ہوئے سیلاب کو روکنے کیلئے متحدہ ہندوستان کا جو بند باندھا گیا تقسیم ہند کی کداوں اور پھاوڑوں سے توڑ دیا اور جب طوفان ابل پڑا تب تک وہ پاکستان کے قلعہ روئیں میں جا چکے تھے ان تمام علاقوں کے مسلمانوں نے جو اقلیت میں تھے جنکو پاکستان کے بجائے ہندوستان

میں رہنا تھا سب سے زیادہ جوش وخروش سے تعمیر پاکستان میں حصہ لیا تھا اب احمقوں کی طرح ایک دوسرے کا منھ دیکھ رہے ہیں، ہم نے کیا سمجھا تھا؟ ہم کو ہمارے لیڈروں نے کیا سمجھایا تھا اب کیا ہو رہا ہے؟ آج ہندوستان کے مسلمان مجرموں کی طرح کونوں اور کھدروں میں اپنی زندگی کی خیر منا رہے تھے لیکن موت پیچھا کرتے ہوئے ان کے گھروں اور پناہ گاہوں تک پہونچ گئی وہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان ذبح کیا جا رہا ہے، غنڈوں کا ریلا آتا ہے اور بھیڑ، بکری کی طرح لوگوں کو ذبح کرکے چلا جاتا ہے، ماں، بہن، بیٹیوں کی عفت وعصمت، عزت وآبرو، زندگی وہمیت کی بھینٹ چڑھتی جا رہی ہے، ابھی کل کی بات تھی کہ پاکستان زندہ باد کا فلک شگاف نعرہ لگانے والوں سے جمعیۃ علماء، انتہائی دلسوزی اور لجاجت سے کہہ رہی تھی کہ اپنی زبان سے اپنی موت کو دعوت مت دو، شدائد ومصائب کے بند دروازوں کو مت کھولو، اس دروازے کے پیچھے آگ اور خون کا موج مارتا ہوا دریا ہے، جن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان پر قیامت ٹوٹ پڑیگی، لیکن جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کے چہروں پر تھوک دیا گیا، بڑے بڑے اہل علم اور مشائخ کو دھکے دئیے گئے، ان کے عماموں کو پاؤں سے روندا گیا، ان کی گاڑیوں پر ان کے جلسوں پر اینٹ اور پتھر کی بارش کی گئی، انہیں ہندوؤں کا زرخرید غلام اور اسلام دشمن کی گالیاں دی گئیں لیکن پھر بھی دلی درد وکرب کے ساتھ اس نادانی سے انہیں روکتے رہے اور آج جب اپنے ہاتھوں لائی ہوئی قیامت اپنی مہیب شکل میں سامنے آگئی تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور ان طوطوں نے ہمالیہ سے اونچی چوٹی پر آشیانہ بنالیا جہاں سے ان کو نہ خون کا دریا نظر آتا ہے نہ غریب مسلمانوں کے جلتے ہوئے مکانوں کا دھواں دکھائی دیتا ہے، مسلم لیگ کے تمام رہنما لاہور اور کراچی پرواز کرگئے،

رحمت کے فرشتے

اب یہ آگ انہیں خود بجھانی ہے اور ان لوگوں کو بجھانی ہے جو اپنے اصول اپنی ایمانی قوت ایمانی، اور مضبوط قوت ارادی کے بل بوتے پر ہندوستان میں ٹھہر گئے تھے اس محشرستان میں سوائے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کے اور کون اس کی دستگیری کرنے والا رہ گیا تھا، سال

پھر پہلے الکشن کے ہنگاموں میں پاکستان کے حامیوں کی طرف سے ہزاروں قومی و جسمانی چوٹ کھائے ہوئے بھی ان کا دل نفرت کے بجائے محبت کی آماجگاہ تھا، انہوں نے ایک لمحہ کیلئے بھی نادان عوام کی نادانیوں کو یاد نہیں کیا اور سر ہتھیلی پر رکھ کر اس دہکتی ہوئی آگ میں کود گئے، قدرت نے ان کی آبرو رکھ لی اور تین کروڑ مسلمانوں کو اس سیلاب سے بچا لانے میں کامیاب ہوئے۔

تاریخ کا یہ کھلا اعتراف ہے کہ آج ہندوستان میں چھ کروڑ مسلمانوں کی آبادی جمعیۃ علماء کی اس بے لوث خدمت اور جرأت ایمانی کا زندہ ثبوت ہے، جس کا انہوں نے ۱۹۴۷ء کی قیامت میں مظاہرہ کیا تھا، اگر انہوں نے اس بے مثال استقامت کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو نہ دارالعلوم دیوبند ہوتا نہ مظاہر علوم، نہ ندوۃ العلماء ہوتا نہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، نہ دہلی کی جامع مسجد ہوتی نہ ہندوستان میں لاکھوں مساجد و مدارس کا یہ نظام، کیوں نہیں ہوتا؟ کیسے نہیں ہوتا؟ یہ ۱۹۴۷ء میں ہونے والی آگ اور خون کی بارش میں بیٹھ کر سوچنے کی بات تھی، آج ۳۵ برس بعد اس کا سمجھانا مشکل ہے۔

قیامت ٹوٹ پڑی

۱۹۴۷ء کے لرزہ خیز ہنگاموں جن سے صرف انسانوں کے دل ہی نہیں لرزتے تھے بلکہ خود انسانیت بھی درد و کرب سے چیخ پڑی تھی، اس دور کا سب سے بڑا المیہ مشرقی و مغربی پنجاب کے تبادلۂ آبادی کا فیصلہ تھا، جو چند چوٹی کے لیڈروں اور برطانوی ایجنٹوں نے اس طرح کیا کہ ان کروڑوں انسانوں کو اس کی خبر تک نہیں تھی کہ وہ اس خونیں فیصلے سے تباہ و برباد ہونیوالے ہیں، تبادلۂ آبادی کے نتیجہ میں ہندوستان اور پاکستان کی اقلیتوں کا واسطہ ایسی بھیڑ سے پڑا جو غصہ اور نفرت سے بھری ہوئی تھی، تباہی و بربادی کی آگ سے جھلسے ہوئے جسے انتقام انتقام چلا رہے تھے، یہ بھیڑ اپنے وطن سے جو اب پاکستان بن چکا ہے لٹ پٹ کر، تباہ و برباد ہو کر آ رہی تھی، ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے، جو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو چھوڑ کر یہاں آ رہے تھے، بہتوں کی بہنیں اور بیٹیاں چھین لی گئی تھیں، ان میں وہ لوگ تھے جنکی بیویوں کی آبرو ان کی آنکھوں کے سامنے لوٹی گئی تھی، وہ اس بے عزتی سے مضطرب اور بپھرے ہوئے تھے

ان کے دل و دماغ جوشِ انتقام سے کھول رہے تھے، آنکھوں سے خون ابلا پڑ رہا تھا چہروں سے وحشت و درندگی برس رہی تھی۔

تقسیم ملک کے ساتھ فوج بھی منقسم ہو گئی، فوج کی مدد سے درندگی و بہیمیت پر آمادہ یہ بھیڑ کئی لاکھ کی تعداد میں تھی جگہ جگہ مسلح ہو گئی کہ اگر حکومت امن بھی قائم کرنا چاہتی تھی تو اس کا بس نہیں چلتا تھا، یہی حالت پولیس کی تھی وہ خود بخود تقسیم ہو گئی، دہلی پولیس میں مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی، اس نے سب سے پہلے اپنی جانوں کی فکر کی، وہ دوسروں کی حفاظت کیا کرتی، وردی اور ہتھیار پھینک کر وہ پناہ گزینوں کے کیمپ میں چھپ گئی اور دہلی کی پولیس خالص ایک فرقہ ہو کر رہ گئی،

مسلمانوں کیلئے ہندوستان میں جگہ نہیں

جب پاکستانی علاقہ سے نکالے گئے لوگ تباہ و برباد ہو کر دہلی پہونچے تو انہوں نے الٹی میٹم دیدیا کہ مسلمانو! سن لو! پاکستان بنانے کے تم ذمہ دار ہو، تمہاری وجہ سے ہم کو اپنا صدیوں کا وطن چھوڑنا پڑا، تمہاری ہی وجہ سے ہم تباہ و برباد ہوئے، تمہاری ہی وجہ سے ہماری بہن بیٹیوں کی عزت و آبرو لوٹی گئی، کان کھول کر سن لو! تم میں سے ایک بھی مسلمان کیلئے اب ہندوستان میں جگہ نہیں ہے یہ ذرہ بم بن کر یا کوہ آتش فشاں بن کر مسلمانوں پر پھٹ پڑا، ہندوستان کے فرقہ پرستوں نے ان پناہ گزینوں سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہندوستان کی پوتر بھومی کو ان ملیچھ اور ناپاک مسلمانوں سے پاک کرنے میں تن، من، دھن سے ہم تمہارا ساتھ دیں گے، بہت سی ہندو ریاستوں کے حکمران جو اپنے اپنے علاقوں میں بے تاج کے بادشاہ تھے ان راجوں مہاراجوں نے کانگریس کی اس حکومت کو اپنے لئے موت کا پیغام سمجھا اسلئے ان ہندو ریاستوں نے بھی فرقہ پرستوں کی تائید کی ان ریاستوں کے راجوں اور مہاراجوں کے پاس نہ دولت کی کمی تھی اور نہ اسلحہ کی انہوں نے سب کچھ اس جنگ میں جھونک دیا۔

ہمہ گیر طوفان

اس قیامت خیز طوفان نے پورے صوبہ دہلی اور مغربی یوپی کے ایک درجن ضلعوں اور

راجستھان کے ان تمام مسلمانوں کو جو پاکستان کی سرحد سے ملتے تھے جن میں الور، بھرت پور کو خاص شہرت حاصل ہوئی، تباہی و بربادی کے اس سیلاب میں غرق کردیا جو مغربی پاکستان کے صوبہ پنجاب، سندھ اور فرنٹیر وغیرہ سے اٹھ اٹھ کر آرہا تھا۔

یہ تھا وہ خونیں ماحول جس میں ہندوستان کا مسلمان گھرا ہوا تھا، نہنگ اجل انکو نگل جانے کے لئے منھ پھاڑے کھڑا تھا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے، وہ اپنے کو نہتا، لاوارث بے یار و مددگار اور امت کا سب سے بڑا مجرم سمجھ رہے تھے، جرم کا احساس انسان کو بزدل بنا دیتا ہے اور جب خود جرم برملا ان پر عائد کردیا گیا تو رہی سہی طاقت بھی فنا ہوگئی، غداری اور وطن دشمنی کا ایک عام الزام تھا جو پاکستان سے آئے ہوئے شرنارتھی اور ہندوستان کے فرقہ پرست مسلمانوں پر خونخوارانہ انداز میں لگا رہے تھے۔

انسانیت کا بلند معیار

اس اعتراف میں کوئی شرم نہیں کیونکہ تاریخ ہمارے لئے جھوٹ نہیں بولے گی کہ مسلمانوں کی اکثریت جو پاکستان کی حامی تھی جمعیۃ علماء کو ٹھکرا چکی تھی اور سیاست کے میدان میں پاکستان کی علمبردار مسلم لیگ سے شکست کھا چکی تھی، جمعیۃ علماء ہند کے ہم نواؤں کی تعداد مشکل سے ۳۰ فیصدی تھی لیکن ۷۰ فیصدی وہی لوگ تھے جنہوں نے ۱۵ / اگست ۱۹۴۷ء تک جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کو ہمیشہ قابل گردن زدنی سمجھا لیکن اس کے باوجود ایک لمحہ کے لئے بھی ان بزرگوں کے دلوں میں اپنے نقطۂ نگاہ سے ہٹنے کا داعیہ بھی نہیں گذرا اور انہوں نے اخیر دم تک قیام پاکستان کی مخالفت کی اور اس کو ملت اسلامیہ کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھتے رہے اسلئے وہ ایک خوددار انسان کی طرح ہندیونین میں تین کروڑ مسلمانوں کو لاوارث چھوڑ کر پاکستان جا نہیں سکتے تھے، لیکن ہندوستان میں رہیں تو کس حیثیت سے؟ خود ان کی پوزیشن کیا ہو؟ اور عام مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہو؟ بالخصوص ان مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہو؟ جو پاکستان کے حامی تھے۔

لیکن وہ زیادہ دیر اس تذبذب کا شکار نہیں رہے اور نہ حالات کی تیز رفتاری زیادہ دیر تک سوچنے کی مہلت دے رہی تھی ان کو اپنا اور اپنے ساتھ تمام مسلمانوں کے

مستقبل کا فیصلہ کرنا تھا اور یہ فیصلہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کرنا تھا اور انہوں نے یہی کیا یعنی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور ان حضرات سے وابستہ تمام حضرات نے اس مسئلہ کو انسانیت اور مذہب کے اس بلند مقام پر کھڑے ہو کر دیکھا جو ان مقدس حضرات کے شایان شان تھا، انہوں نے عوام کی طرف سے مسلسل دس سال تک آنے والی ذہنی وجسمانی مصیبتوں کو ماضی کے تہ خانے میں دفن کر دیا، ان کے سامنے صرف حال اور مستقبل تھا، آزاد ہندوستان میں ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کا مستقبل تھا، انہوں نے پوری قوت ایمانی کے ساتھ فیصلہ کیا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ بہکے اور بہکائے ہوئے بھائیوں کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اور ایک بار پھر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہندوستان میں ملت اسلامیہ کو بچا لے جائیں اور ہر طرح کے اختلافات وامتیازات کو فراموش کر دیں، کون ہمارا ساتھی تھا اور کون ہمارا مخالف! کس نے ہمیں گالیاں دیں اور پتھر برسائے؟ یہ حضرات ان تمام باتوں سے بلند ہو کر اس سیلاب کے دہانے پر جان کی بازی لگا کر کھڑے ہو گئے اور ببانگ دہل کہہ دیا کہ یہ قیامت ہمارے سروں سے گذر کر ہی عام مسلمانوں تک جا سکتی ہے، ان حالات میں جمعیۃ علماء ہی یہ کر سکتی تھی اور اسی نے کیا بھی" ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

ایک کی تکلیف سب کی تکلیف،

مولانا حفظ الرحمن ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے پوری بلند آہنگی کے ساتھ بھرے اجتماع میں کہا کہ:۔

"ہندوستان ہمارا وطن ہے، یہ ہماری روایات کا مخزن ہے، ہماری تہذیب وثقافت کا گہوارہ ہے اس کے در و دیوار پر ہماری ہزار سالہ تاریخ کے نشانات کندہ ہیں اگر پنڈت جواہر لال نہرو کو یہاں رہنے کا حق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں جیسا ہمارا حق بھی اس سرزمین میں نہ ہو، وطن عزیز

پر بہت سے حوادث آئے، ایک حادثہ وہ تھا کہ برطانوی سامراج یہاں مسلط تھا، ایک حادثہ وہ تھا کہ مسلمانوں میں فرقہ واریت کا بھوت ناچ رہا تھا، ایک حادثہ یہ بھی ہے کہ ہندو فرقہ واریت کا دیو حملہ آور ہو رہا ہے، اگر ہم نے اپنی تمام مجبوریوں اور لاچاریوں کے باوجود برطانوی سامراج کے مظالم کا مقابلہ کیا، اگر ہم مسلم فرقہ واریت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہندو فرقہ پرستی کے مقابلہ میں بہادر نہ بنیں اور مرعوب ہو کر وطن کو خیرآباد کہدیں، ہمیں یہیں رہنا ہے اور باعزت طور پر رہنا ہے اور ان تمام حقوق کے ساتھ رہنا ہے جو ایک باعزت شہری کو حاصل ہو سکتے ہیں، بیشک ہم مظلوم ہو سکتے ہیں مگر غلام نہیں بن سکتے، اگر ہم نے برطانیہ کی غلامی برداشت نہیں کی تو ہم اکثریت کی بھی غلامی برداشت نہیں کر سکتے ہم آزاد شہری کی حیثیت سے یہاں رہیں گے اور نہ حفظ الرحمٰن، ابوالکلام آزاد، نہ صرف قوم پرور مسلمان بلکہ وہ کروڑوں مسلمان جو ہندیونین میں ہیں، سب باعزت شہری کی حیثیت سے رہیں گے پاکستان بن چکا ہے، اس کی حمایت یا مخالفت کا سوال بھی ختم ہو چکا، اب ہندیونین کے تمام مسلمان ایک کشتی میں سوار ہیں، ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ایک کی ذلت سب کی ذلت ہے"

دہلی میں قیامتِ صغریٰ

دہلی جو دارالسلطنت تھا اس میں مسلمانوں کی تعداد ہی کتنی تھی، اتفاق سے آنے والے شرنارتھیوں کی سب سے زیادہ بھیڑ اسی شہر میں آئی، جوش انتقام میں بھرے ہوئے، غصہ سے کھولتے ہوئے سینوں اور ابلتے ہوئے دماغوں کے ساتھ اتنی بڑی تعداد آگئی کہ سارا شہر پناہ گزینوں کا شہر بن گیا اور آتے ہی یہ بھیڑ بھو کے بھیڑیوں کی طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی، ہر گلی، ہر چوراہے اور ہر سڑک پر خون ہی خون، لاش ہی لاش، ایک قیامت برپا ہو گئی، پورے شہر میں ایک زبردست قسم کا بھونچال آگیا، دکانوں کو لوٹنا، گھروں میں آگ لگانا، چلتے پھرتے لوگوں کو گولی ماردینا

خنجر بھونک دینا، پوری دہلی میں جنگل کا قانون ہوگیا، کوئی ان بھیڑیوں کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا، حکومت کے انتظامیہ کی نیت خود خراب تھی، اسلئے بلوائیوں کو اور موقع مل گیا، من مانی کرنے میں اور آزاد ہوگئے، جب حالات انتہائی خراب ہوگئے تو ۷ رستمبر ۱۹۴۷ء سے چھتیس گھنٹے کا کرفیو لگا یا گیا، پورے شہر پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا، ایک ہو کا عالم تھا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اگر سنائی دیتی تھی تو گولیوں کی آواز، بے بس مظلوموں کی درد و کرب میں ڈوبی ہوئی چیخ و پکار، رات بھر خوفناک اور دل دہلانے والے نعروں کے ساتھ ہزاروں بلوائیوں کی پورے پورے مسلم محلوں پر چڑھائیاں اور حملے اور دور تک آگ کی لپٹیں، دھوئیں کے غول، ہر طرف چھرے بازی، جلاد لیڈروں کی حکومت تھی، ایک اندازے کے مطابق تین چار دنوں کے اندر دہلی میں چالیس ہزار بے گناہ مسلمان ان بلوائیوں کے ہاتھوں مارے گئے، یہ قیامت جن کے سروں سے گذری وہ ایک طرف، جو اب تک بچے ہوئے تھے وہ ان سے بھی زیادہ عذاب میں تھے، دم بخود، انتہائی بے بسی، اور مایوسی کے عالم میں موت کا انتظار کر رہے تھے،

ہم اپنے وطن میں پناہ گزیں بنکر نہیں رہ سکتے

حکومت اس بھیڑ کو قتل و غارت گری سے روکنے میں کس درجہ بے بس اور مجبور تھی اس کے لئے صرف ایک واقعہ کافی ہے، دہلی ٹاؤن ہال میں جب امن کمیٹی کا دفتر تھا، امن و امان کیلئے کوشش کرنے والے ہندو مسلمان لیڈر یہیں جمع ہوتے تھے اور یہیں سے پروگرام بنا کر شہر میں کام ہوتا تھا، ایک دن جب شہر میں خونریزی اور قتل و غارت گری شباب پر تھی، دفتر آنیوالے ہندو لیڈروں نے اپنے اپنے راستوں میں متعدد مقامات پر بلوائیوں کو حملہ کرتے ہوئے دیکھا اور مسلمانوں کے قتل عام کے دلدوز مناظر انکی نگاہوں کے سامنے گذرے، انہوں نے دیکھا کہ بلوائیوں کے ہجوم کے سامنے پولیس اور فوج ہتھیار ڈال چکی ہے اور فسادیوں پر کسی کا قابو نہیں چل رہا ہے، جب وہ دفتر آئے تو ان تمام ہندو دوستوں اور ساتھیوں نے مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا احمد سعید اور ان کے ساتھیوں سے بڑی لجاجت اور ندامت سے کہا کہ مولانا!

آپ اور آپ کے ساتھی ہمیشہ قوم پرور رہے ہیں، آپ حضرات کی تاریخ ایک دم بے داغ رہی ہے، ہماری ندامت کی کوئی انتہا نہیں رہے گی اگر آپ حضرات پر آنچ آ گئی یہ وحشی ہجوم کسی کے بس کا نہیں، یہاں ہمارے تمام حفاظتی انتظامات ناکام ہو چکے ہیں، اوکھلے میں مسلمانوں کی حفاظت کے لئے ایک کیمپ بنا دیا گیا ہے وہاں یہ ہجوم نہیں پہونچ سکتا ہے، وہاں فوجی دستے لگا دیئے گئے ہیں آپ اور آپکے ساتھی وہاں تشریف لے چلیں تو آپ حضرات کی بڑی مہربانی ہوگی

یہ ہندو دوستوں کی مخلصانہ درخواست تھی اس میں کسی طرح کا تصنع اور نمائش نہیں تھی، وہ صحیح معنی میں قائدین جمعیۃ کے قدر شناس تھے، موت سامنے کھڑی قہقہے لگا رہی ہے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ کب ان لوگوں کو نگل جائے گی، بسا اوقات آتے جاتے جمعیۃ کے ان رہناؤں کے دائیں بائیں سے موت نکل کر جا چکی تھی، صبح کو دفتر سے نکلتے تھے تو یقین نہیں ہوتا تھا کہ شام کو پھر دفتر واپسی ہوگی یا نہیں، راستہ میں موٹر پر کئی بار بم پھینکے گئے، پاگل بلوائیوں نے گھیر کر گاڑی پر لاٹھیاں بھی برسائیں، ڈھیلوں اور پتھروں کی بارش بھی کی گئی، کئی بار قتل کی سازش بھی ہو چکی تھی، ایک بار تو موت کے منھ سے نکل کر آئے تھے، ٹرینوں پر بلوائیوں کے حملے شروع ہو چکے تھے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جس ٹرین سے دہلی آ رہے تھے اس ٹرین پر بھی ایک ہجوم نے حملہ کر دیا، مولانا جس ڈبے میں تھے اس میں بلوائی گھس آئے اور چاہا کہ ایک وار میں کام تمام کر دیا جائے کہ ایک ہم سفر سکھ فوجی بیچ میں آ گیا اور اس نے بلوائیوں کو ڈرا دھمکا کر واپس کیا اور جان بچ گئی، یہ تھے وہ حالات جنہیں مولانا حفظ الرحمٰن اور ان کے ساتھی گھرے ہوئے تھے ان حالات میں ہندو دوستوں کی اپیل کتنی موثر ہو سکتی تھی آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں اس وقت وہاں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء، اور ان کے دو اور ساتھی تھے، مگر سب سے پہلے جس شخص نے ترنت کر جواب دیا وہ مولانا حفظ الرحمٰن تھے، آپ نے اپنے ہندو ساتھیوں سے کہا کہ

"ہمارے لئے اس سے زیادہ شرم اور بزدلی کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ خود اپنے وطن میں ہم پناہ گزیں بن کر رہیں، بیشک یہ سخت آزمائش ہے مگر ہمیں ڈٹ کر اس بحران کا مقابلہ کرنا ہے"۔

جمعیۃ علماء کے ان رہنماؤں نے شکریہ کے ساتھ اپنے ہندو دوستوں کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور دہلی کے شعلہ زار میں کود پڑے۔

روشنی کا مینار

مایوسیوں کے اس گھنے اندھیرے میں گاندھی جی کی ذات منارۂ نور بن کر ظاہر ہوئی گاندھی جی نواکھالی اور کلکتہ میں امن بحال کرکے ۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو دہلی پہونچے، دہلی اسٹیشن کی حالت ناگفتہ بہ تھی پورا ریلوے پلیٹ فارم خونخوار اور بپھرے ہوئے پناہ گزینوں سے بھرا ہوا تھا انکے مال واسباب اور امور خانہ داری سے کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی اس لئے گاندھی جی کو شہر سے چار میل دور شاہدرہ اسٹیشن پر اتار لیا گیا اور وہ برلا ہاؤس میں مقیم ہو گئے۔

گاندھی جی کے آنے سے پہلے مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا احمد سعید اور دوسرے جماعتی رفقاء کو لے کر دیوانوں کی طرح کبھی مولانا آزاد کبھی وزیر اعظم پنڈت نہرو کے پاس اور کبھی وزیر داخلہ سردار پٹیل کے پاس جا جا کر دہلی کی صورت حال بتاتے رہے اور ان لوگوں سے کچھ کرنے کیلئے اصرار کرتے رہے۔ اگر اب تک اس سلسلہ میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہو سکی تھی بلکہ فساد روز بروز بڑھتا ہی جارہا تھا، روز کسی نہ کسی مسلم محلہ پر حملہ کی خبر آتی ہی رہتی تھی۔

گاندھی جی کے دہلی پہونچتے ہی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب ان کے پاس پہونچے اور ساری صورت حال کھول کھول کر بتائی اور حکومت کی کوتاہی اور انتظامیہ کی لاپرواہیوں کے بارے میں بتایا، گاندھی جی دہلی کی صورت حال سن کر بے چین ہو گئے، وہ درحقیقت امن چاہتے تھے وہ اس مسئلہ میں اتنے صاف ذہن تھے کہ انکی شخصیت کا اثر فوراً عوام پر پڑتا تھا اور ان کو کامیابی مل جاتی تھی، بنگال میں فوراً فساد پھوٹ پڑا تھا اور ہزاروں جانیں اس کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں، لیکن گاندھی جی نے اس علاقہ میں جا کر جس طرح فساد کی آگ کو بجھایا کہ دنیا حیرت زدہ ہو کر رہ گئی اور جب وہ وہاں سے فارغ ہو کر دہلی آئے تو جمعیۃ علماء کے کارکنوں کو امید کی ایک کرن نظر آئی اور انہوں نے ان سے فوراً مل کر صورت حال سے آگاہ کیا، انہوں نے خاموشی سے سنا، کیونکہ بیان یکطرفہ تھا، انہوں نے اپنے طور پر بیان کو پرکھا اور دوسرے ملنے کیلئے

آنے والوں کے بیان سے اس کا تقابل کیا تو انہوں نے یقین کر لیا کہ جمعیۃ علماء والوں کا بیان صحیح تھا، اس کے مقابلہ میں حکومت کی انتظامیہ کی طرف سے جو اطلاعات دی گئیں تو وہ غلط ثابت ہوئیں، ان وجوہ سے گاندھی جی نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی ذات پر مکمل اعتماد کر لیا، دوسروں کے مقابلہ میں ہمیشہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی بات کا وزن زیادہ رہا اور ان کے مقابلہ میں حکومت کے ذمہ داروں کو بھی وہ اعتماد حاصل نہیں تھا۔

تباہیوں کا دردناک منظر

دوسرے دن مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور ان کے ساتھیوں نے گاندھی جی کو ساتھ لاکر مسلمان پناہ گزینوں کی حالت دکھائی، شہر کے وہ علاقے دکھائے جہاں سے مسلمانوں کی وسیع آبادی کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا، اصلاح حال کی تدابیر ان کے سامنے رکھیں، لاکھوں برباد شدہ مسلمان جو جامع مسجد، مقبرہ ہمایوں اور پرانے قلعہ میں پناہ گزیں تھے، ان کے کھانے، پینے بیماروں کے دوا علاج اور دوسری ضروریات کا بندوبست کیا، دن میں کئی بار چکر لگانا، ان کی ضروریات کا جائزہ لینا، ہسپتالوں میں جاکر زخمیوں کو دیکھنا، مایوس دلوں کو تسلی دینا اور پھر شہر کے باقیماندہ مسلم محلوں کی حفاظت، آنے جانے والوں کے قتل و غارت گری کی روک تھام کرانا، جہاں جہاں چھرے بازی اور شارع عام پر گولی مار دینے کے مسلسل واقعات سے ڈوبے اور سہمے ہوئے مسلمان اپنے محلوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے، یہاں تک کہ گھر میں بال بچے بھوک سے تلملا رہے ہیں، دم توڑ رہے ہیں مگر کسی میں ہمت نہیں تھی کہ گلی سے باہر جاکر کچھ کھانے پینے کا بندوبست کر سکے غیر مسلم علاقوں سے غلہ راشن، بیماریوں کے لئے دوائیں لانا اور دوسری ضرورتوں کے سامان مہیا کرنا، مرنے والوں کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنا، زخمیوں کو ہسپتال لے جانا اور لے آنا حکومت کی طرف سے دیئے گئے کچھ حفاظتی دستے کی نگرانی میں جماعتی رفقاء انجام دے رہے تھے۔

روز و شب کی مصروفیت

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جماعتی کارکنوں کو الگ الگ ڈیوٹیوں پر لگا رکھا تھا،

مولوی فقیہ الدین، سلطان یار خان ایڈوکیٹ، محمد احمد وکیل شیخ عبدالحق پراچہ، محمد عثمان آزاد عنایت الرحمٰن فاروقی وغیرہ نے شب و روز مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب اور دوسرے بزرگوں کا ہاتھ بٹایا، دفتر جمعیۃ علماء ریلیف کا ہیڈکوارٹر تھا، جہاں بیٹھ کر سارے پروگرام طے کیے جاتے، کام کا نقشہ مرتب ہوتا اور تقسیم کار ہو جاتی اور سب کو الگ الگ ذمہ داریاں دیکر بھیجدیا جاتا، خود ناظم اعلیٰ پورے علاقہ کا گشت کرکے ہر کام کی بذات خود نگرانی کرتے تھے،

گاندھی جی بھی خاموش نہیں رہے وہ حکومت کے کارندوں سے زیادہ خود تمام حالات کی نگرانی کر رہے تھے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب ہر روز گاندھی جی کے پاس پابندی سے جاتے اور دن بھر کی روداد سناتے، پنڈت جواہر لال نہرو، وزیراعظم ڈاکٹر راجندر پرشاد، صدر جمہوریہ ہند سردار ولبھ بھائی پٹیل وزیر داخلہ اور بسا اوقات دہلی کے چیف کمشنر ڈپٹی کمشنر وہیں جمع ہوتے اسلئے تمام ضروری ہدایتیں پہلے دیدی جاتیں، جماعتی رفقاء کو کچھ صاف ذہن کانگریسی حلقوں سے بھی بڑی مدد حاصل ہوئی، ان میں چودھری برہم پرکاش، برجموہن چودھری شیر جنگ، شریمتی سبھدرا جوشی، مس مردلا سارا بھائی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ان لوگوں نے بڑے خلوص اور پوری دیانتداری کے ساتھ حالات کو بہتر بنانے میں رات دن ایک کردیا

جمعیۃ کے بہت سے کارکنوں کو مختلف مسلم محلوں کی ذمہ داریاں سپرد کی گئی تھیں، ہر کارکن جان کی بازی لگا کر اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں مصروف تھا، روزانہ افواہ گرم رہتی کہ آج رات میں فلاں محلے پر حملہ ہونے والا ہے ہر شخص سہما ہوا اور خوفزدہ تھا، کارکنوں کو ذمہ داروں سے رابطہ پیدا کرکے افواہ کی تردید اور لوگوں کو مطمئن کرنے کی ہمہ وقت جدوجہد کرنی پڑتی تھی، کسی کے گھر کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے، کسی کے یہاں دوا نہیں ہے، گلی سے باہر نکلنا دشوار ہے ہزاروں مسلمانوں کے محلہ میں ایک ہندو یا فوجی ملک الموت کی صورت میں نظر آتا اور لوگ یقین کرلیتے کہ آج کچھ نہ کچھ ہونیوالا ہے روز نئے حوادث اور مشکلات سامنے آتیں اور ان کو دور کرنے کی تدبیریں عمل میں لائی جاتیں ان تمام سرگرمیوں کا مرکز حکومت کی اعلیٰ سطح پر گاندھی جی کی ذات تھی اور مسلمانوں میں جمعیۃ علماء ہند کا دفتر بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی ذات گرامی۔

قدم قدم پر مصیبتوں کے پہاڑ

کاموں کا اتنا بوجھ آپڑا تھا کہ ہر کام پر قابو پانے کے لئے انتہائی قوت ارادی اور قوت برداشت کی ضرورت تھی، مگر یہ حضرات گھبرائے نہیں، جو علاقے مسلمانوں سے بالکل خالی ہوگئے تھے ان کے کچھ مکانوں میں دفینے تھے ان کی برآمدگی کا سوال آیا تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مالکان مکان کو ساتھ لیا اور پولیس فورس لے کر ان دفینوں کو برآمد کرایا اور مالکان مکان کے حوالے کیا، ان علاقوں میں واقع مسجدوں، درگاہوں پر بھی رفیوجیوں کا قبضہ ہوگیا اور رہائش اختیار کرلی تھی، بہت سی مسجدوں کو توڑ پھوڑ کر یا آگ لگا کر برباد کر دیا گیا تھا ان کا تخلیہ ان کی حفاظت، مرمت اور اصلاح کا مسئلہ بھی بڑا پیچیدہ تھا اور نازک بھی تاہم اس کی جدوجہد کی گئی اور مہینوں یہ سلسلہ چلتا رہا ان کو خالی کر دا کر صاف ستھرا کیا گیا جو مسلمان سرکاری محکموں میں ملازم تھے وہ ڈر کے مارے گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے تھے، ان کو ڈیوٹیوں پر پہچانا ان کی رکی ہوئی تنخواہوں کا دلانا روزانہ دفتروں تک پہونچانا اور واپس لانا بظاہر ناممکن تھا بالآخر اسپیشل فورس کے دستہ کے ساتھ آمدورفت شروع کرائی گئی پہلے یہ معمول رہا درجنوں محکموں میں ایسے لوگوں کے ساتھ کبھی مولوی فقیہ الدین اور کبھی مولوی انیس الحسن اور دوسرے دفتر کے کارکنوں کو بھیجا جاتا تھا۔

ایک اور خطرناک صورت حال

اس طرح ایک اور مصیبت رونما ہوئی اور بڑی ہی خطرناک تھی، مغربی پنجاب سے آئے ہوئے مشتعل اور بپھرے ہوئے پناہ گزیں جب مسلمانوں کے خالی کئے ہوئے تمام علاقوں اور ان سے چھینی ہوئی دکانوں اور مکانوں پر قابض ہوگئے تو انہوں نے شہر کے چند بچے ہوئے مسلم محلوں میں گھسنا شروع کیا لیکن اب بڑے پیمانے پر قتل وغارت گری تو ہو نہیں سکتی تھی اس لئے ذرا دھمکا کر یا نقد کا لالچ دیکر ان محلوں میں مسلمانوں سے مکان اور دکانیں حاصل کرنے کی تدبیر نکالی ایسے بدنصیب مسلمانوں کی کمی نہیں تھی جو آسانی سے ان کا شکار ہوجاتے تھے، اگر یہی صورت حال جاری رہتی تو دہلی سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ جاتا اور ایک بھی مسلمان

باقی نہ رہتا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے گاندھی جی کے سامنے یہ مسئلہ رکھا تو انہوں نے اس
پر عمل یہ تجویز کی کہ ان مسلم محلوں کو "مسلم زون" قرار دیا جائے ان میں غیر مسلموں کی آبادی کو ہر
قیمت پر رد کیا جائے چنانچہ اس پر تندہی سے عمل ہوا اس تدبیر سے دہلی کی بچی ہوئی مسلم آبادی
محفوظ ہو گئی، ورنہ آج دہلی کیا ہوتی؟ خدا ہی جانتا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف منظم سازش

ان فسادات پر قابو پانا آسان نہیں تھا اسلئے کہ یہ قتل وغارت گری وقتی جوش کا ہی نتیجہ
نہیں تھا، اس کے پیچھے ایک منظم پلان تھا، اس کی تیاریاں تھیں، یہ تو قدرت ہی کو منظور تھا
کہ مسلمان کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھل جائے، ورنہ جتنے عظیم پیمانے پر ہندوستان سے مسلمانوں کے اخراج
کا منصوبہ بنایا گیا تھا اس کیلئے مسلمانوں کے پاس قوت مدافعت بالکل نہیں تھی خود انتظامیہ بھی
اس سازش کے بھوت کو خوراک پہونچا رہی تھی، اس وقت حکومت دو متضاد عناصر سے مرکب
تھی، ایک طبقہ صدق دل سے امن وامان چاہتا تھا لیکن اندرونی انتظام کی ذمہ داری اور
فرمانِ اقتدار جس کے ہاتھوں میں تھی وہ کسی طرح اس مسئلہ میں مخلص اور صاف ذہن نہیں تھے
یہ بات دہلی کا ہر فرد اس وقت جانتا تھا کہ سردار پٹیل جو وزارت داخلہ کی کرسی پر قابض ہیں وہ
اس مسئلہ میں صاف ذہن نہیں ہیں، مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا بڑا حصہ ان کی چشم پوشی
اور مخصوص ذہنیت کا نتیجہ تھا، تمام حکام وزارت داخلہ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں اور انہیں
پر امن وامان کی ذمہ داری تھی اور جب وہ صدق دلی اور ایمانداری سے اپنے فرائض انجام
نہ دیں تو امن وامان کیونکر برقرار رہ سکتا ہے، گاندھی جی کی بہت سی کوششیں وزارت داخلہ کی
وجہ سے ناکام ہو رہی تھیں اس وقت دہلی کے ڈپٹی کمشنر نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی شکایت
پر صاف لفظوں میں کہا کہ ہمارا تعلق مسٹر پٹیل سے ہے اور وہ ہمارے کاموں سے مطمئن ہیں۔

دستاویزی شہادت

اس تباہی میں سردار پٹیل کا کتنا ہاتھ تھا اس کی دستاویزی شہادت بھی ہے، گاندھی جی

کے مشہور چیلے پنڈت سندرلال نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ وہ ایک واقعہ اپنے ذاتی تجربہ کا دہرانا ضروری معلوم ہوتا ہے ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے ٹھیک بعد ہمارے کچھ بڑے بڑے اہل وطن اس بات کے درپے تھے کہ ملک کے دو ٹکڑوں میں پاکستان کو ہندوؤں سے اور ہندوستان کو مسلمانوں سے ایک دم سے خالی کرا دیا جائے، گاندھی جی نے دونوں طرف سے اس کارروائی کو روکنا چاہا، اسلئے انہوں نے مجھے پاکستان بھیجا، میں لاہور پہونچا، لاہور سے جہلم اور چکوال تک کا دورہ کیا، اس سارے خطے کے حالات کو آنکھوں سے دیکھا، واپس آکر لاہور میں بھی نواب زادہ لیاقت علیخاں، راجہ غضنفر علی خاں اور دوسرے مسلم لیڈروں سے ملا، گفتگو ہوئی، پاکستان کے سب مسلمان لیڈر اس بات پر راضی ہوگئے کہ پاکستان سے باقی ہندوؤں کا نکلنا اور ہندوستان سے باقی مسلمانوں کا نکلنا دونوں فوراً بند کر دیئے جائیں اتفاق سے مسٹر جناح بھی لاہور میں موجود تھے انہوں نے بھی اس تجویز سے پوری طرح اتفاق کیا، ایک معاہدہ تحریر ہوا، اس قلمبند معاہدے کی ایک کاپی راجہ غضنفر علیخاں کے پاس چھوڑ کر دوسری اپنے ساتھ لے کر میں فوراً دہلی آیا اور معاہدہ کی کاپی میں نے گاندھی جی کو دکھائی، انہوں نے اس کو غور سے پڑھا، بے حد خوش ہوئے مجھے شاباشی دی، صاف لفظوں میں انہوں نے کہا کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے، مجھے یہ منظور ہے میں نے اجازت چاہی کہ میں راجہ غضنفر علی خاں کو گاندھی جی کی منظوری کا تار بھیجدوں تاکہ دونوں طرف سے اس پر عمل درآمد فوراً شروع ہو جائے، راجہ غضنفر علی نے میرے لاہور سے چلنے پر متعدد ایسی اسپیشل ٹرینوں کی روانگی پاکستان سے روک دی تھی جنہیں ہندو مہاجر بھر بھر کر بھارت بھیجے جا رہے تھے اس لئے معاہدہ کی اس طرف سے منظوری کی اطلاع کا جلد از جلد پہونچنا ضروری تھا، گاندھی جی نے میرے اجازت مانگنے پر کچھ سوچا اور کہا، کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں راجہ بھائی سے بات کرلوں، صبح تار دیدینا، صبح کو پھر میں گاندھی جی کے پاس پہونچا، میں نے لاہور منظوری کا تار بھیجنے کی اجازت چاہی، گاندھی جی نے نہایت درد کے ساتھ جو درد ان کے چہرے کے ایک ایک روئیں سے ٹپک رہا تھا، سرد آہ بھر کر مجھے جواب دیا، کیا کروں بھئی؟ راجہ بھائی نہیں مانتا، اچھا ذرا اور ٹھہرو، ذرا دیکھو، میں شکستہ دل ہو کر گھر لوٹ آیا، اس وقت کا صدمہ آج تک میرے دل میں موجود ہے، مجھے

یقین ہے کہ گاندھی جی کے دل پر بھی اس کا اثر مرتے دم تک رہا ہوگا، جو معاہدہ اس
وقت قلمبند کیا گیا تھا اور جسے پاکستان کے لیڈروں اور مسٹر جناح تک نے منظور کیا تھا
اسکی نقل ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے، غالباً اسکی کوئی نقل پاکستان میں بھی ضرور ہوگی[1]

پنڈت سندر لال کہتے ہیں ،

گاندھی جی اور ان کے ہم خیال لوگوں کے لئے اب صرف یہ باقی رہ گیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے
بھارت کو مسلمانوں سے خالی نہ ہونے دیا جائے اس معاملہ میں دہلی بھارت کی گردن تھی، میوات
کا علاقہ دہلی سے ملا ہوا تھا، بکثرت مسلمانوں سے آباد تھا، زبردست اور منظم کوششیں کی گئیں
کہ دہلی اور میوات کو مسلمانوں سے خالی کرایا جائے، حکومت کی زیادہ تر طاقتیں اسی طرف
لگی ہوئی تھیں، ظاہر ہے کہ دہلی اور میوات مسلمانوں سے خالی ہوجائے تو باقی بھارت میں
شاید ہی کوئی مسلمان رہ جاتا، گاندھی جی نے اپنی پوری قوت اس بات پر لگا دی کہ دہلی اور میوات
مسلمانوں سے خالی نہ ہونے پائیں، اس زبردست آزمائش کے دنوں میں میں برابر گاندھی جی
کے ساتھ تھا، ان کے حکم سے کئی بار میں نے میوات کا دورہ کیا، دہلی کی گلیوں میں چکر لگائے،
ظاہر تھا کہ اگر کوئی سربرآوردہ مسلمان لیڈر ان حالات میں گاندھی جی کی پوری مدد کے لئے کھڑا
نہ ہوجاتا تو گاندھی جی کی کوششیں ہرگز کامیاب نہ ہوتیں، ان نازک حالات میں محض ہندوؤں
کی مخالفت ہی نہیں خود مسلمانوں کی لعن طعن برداشت کر کے اور گالیاں سن کر جس مرد میدان
نے گاندھی جی کا ساتھ دیا وہ حفظ الرحمٰن تھا، ان دنوں مولانا حفظ الرحمٰن اپنے دو تین
نیک طبیعت وذی ہمت ساتھیوں کے ہمراہ روز گاندھی جی سے ملا کرتے تھے، ان گفتگوؤں
میں مولانا آزاد، سردار پٹیل اور جواہر لال بھی شامل تھے، میں یہ بات پورے وثوق کیساتھ
کہہ سکتا ہوں کہ ان نازک حالات میں اگر دہلی اور میوات کو مسلمانوں سے خالی نہ ہونے دیا گیا
اور اس طرح سارے ہندوستان کو مسلمانوں سے خالی ہونے سے بچایا گیا تو اس زبردست کام
کا سہرا اہاتما گاندھی کے بعد اگر کسی انسان کے سر باندھا جا سکتا ہے تو وہ مرحوم بھائی مولانا
حفظ الرحمٰن کے سر باندھا جا سکتا ہے[2]

[1] اخبار الجمعیۃ، مجاہد ملت نمبر ص ۱۴۸، ۲۰ر فروری ۱۹۶۳ء [2] الجمعیۃ دہلی ۲۶ر فروری ۱۹۶۳ء

جمعیۃ علماء کی حکومت

وزارت داخلہ کے عدم تعاون اور انتظامیہ کی لاپرواہیوں کے باوجود گاندھی جی کا اثر ورسوخ بھی معمولی نہیں تھا، اسلئے ان تمام مجبوریوں اور بےبسیوں کے باوجود جمعیۃ علماء کے رہنما اس طرح باقعد تھے کہ دہلی ایڈمنسٹریشن کے افسران جل بھن کر کہا کرتے تھے کہ دہلی میں تو جمعیۃ علماء کی حکومت ہے لیکن یہ صرف طنز ہی طنز تھا، حالات کچھ اتنے ہیبتناک تھے، کہ کسی جماعت کے چند افراد کوئی موثر کارروائی نہیں کرسکتے تھے جب تک کہ انتظامیہ کا مکمل تعاون حاصل نہ ہو۔

فسادات کی یہ آگ شرنارتھیوں کے مشتعل جذبات کی وجہ سے لگی تھی، مغربی پاکستان سے دہلی آنے والوں کی تعداد تقریباً چار لاکھ ہوچکی تھی، سہارنپور، دہرہ دون کے اضلاع میں ستر ہزار رفیوجی آچکے تھے ان پناہ گزینوں کے ریلے میں بعض ہندو ریاستوں کے تربیت یافتہ نوجوان بھی ہندوستان سے مسلمانوں کو شہر بدر کرنے کے ارادہ سے دہلی میں آدھمکے، ایک بار پنڈت جواہرلال نہرو وزیراعظم ہند نے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ اندازہ ہے کہ کچھ کم وبیش ایک ہزار جوان قتل وغارت گری اور خنجر زنی وغیرہ کی مشق کراکر اس خونریزی اور تباہ کاری کے ڈرامہ کو کامیاب کرانے کیلئے بھیجا گیا، ان خونخوار انسانوں کے کامیاب حملے انکی مشق ومہارت کی دلیل ہیں، یہ خونخوار جتھہ جب دہلی کو تباہ کرچکا تو پھر اس کا ایک حصہ سہارنپور اور دہرہ دون پہونچا، ہردوار اور جوالاپور وغیرہ میں قتل وخونریزی کا بازار گرم کیا۔

خدا نے بچا لیا ورنہ ...

اس طرح ان فسادات کی ہولناکی پر اس تفتیش سے بھی روشنی پڑتی ہے جو ہندوستان کی ایک ہندو ریاست میں ہوئی اس تفتیش سے جو انکشافات ہوئے ان کی وجہ سے یقین کرنا پڑا کہ یہ فسادات ریاستوں میں منظم کئے جاتے اور انکی منصوبہ بندی کی جاتی، پھر شہروں اور دیہاتوں میں اس پر عمل کیا جاتا،

حکومت نے ایک ریاست میں آئی جی کو بھیجا، اس نے دو ہی روز میں اس ریاست کے اندر اسلحہ کے کارخانے اور ہتھیاروں سے بھرے ہوئے گودام برآمد کئے اور جب ریاست کے قلعہ کی تلاشی لی گئی تو وہاں ہتھیار بنانے کا ایک کارخانہ اور اسلحہ گھر ملا، جہاں سے اسٹین گنیں

…گنیں، برین گنیں، سینکڑوں بم اور ریوالور برآمد کئے گئے، پولیس کو الور میں اسلحہ بنانے
کا ایک زبردست بڑا کارخانہ ملا جسمیں ریاست کی بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ہیں اور خود ریاست
اس کارخانے کو چلانے کے لئے بجلی مہیا کرتی ہے جب ہتھیاروں کے گوداموں پر چھاپہ مارا گیا
تو وہاں سے ہزاروں بم برآمد ہوئے اور بم بنانے کی مشنری ملی، اس اسلحہ گھر کی کنجی ہمیشہ مہاراجہ
کی تحویل میں رہتی تھی، جب راجہ کے محل کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے بھی ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ
برآمد ہوا، اسلحہ کو چھپانے کے لئے ریاست کے تمام محفوظ مقامات استعمال کئے جاتے ہیں چنانچہ
قرب وجوار کے جنگلوں میں وسیع تالاب بنائے گئے ہیں، یہاں تیزاب اور بارود کو محفوظ کیا
گیا ہے معلوم ہوا ہے کہ اس ریاست میں انقلاب دشمنوں کو پناہ دی جاتی ہے اور توڑ پھوڑ
کی پالیسی کو کامیابی سے چلانے کی بلا اجرت تربیت دی جاتی ہے۔

ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کی تباہی

ایک طرف فسادیوں کی پشت پر اتنی بڑی طاقتیں تھیں کہ ان کو ہر طرح کے ہتھیاروں
سے مسلح کیا جاتا رہا، دوسری طرف نہتا اور بے خبر مسلمان دہلی میں اپنے روزمرہ کے کاموں میں
معروف، یہ فسادی عناصر دہلی میں جمع ہوئے اور فوراً مشتعل ہجوموں کی شکل اختیار کرلی ہر ایک
ہجوم جو ہزاروں مسلح افراد پر مشتمل ہوتا تھا ۴ ر ستمبر ۱۹۴۷ء دہلی کے مسلم محلوں پر حملے کرنے لگا تھا
نہتا مسلمان اپنا بچاؤ کیا کرتا، جب ان پر ہزاروں مسلح بلوائیوں کے ہجوم نے حملہ کیا، جہاں تہاں
مقابلہ کیا، لیکن ان کے ہتھیاروں کے مقابلہ میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر فرار ہوگئے
اور کچھ تو حملہ کے شروع ہونے سے پہلے ہی گھر بار چھوڑ کر جان بچانے کیلئے ادھر ادھر بھاگنے لگے، چند
روز میں قرول باغ، پہاڑ گنج، سبزی منڈی کے مسلمانوں کو یا تو شہید کر دیا گیا، یا ان کو خانہ بدوش
بنا دیا گیا، ان کے مکانوں کو کھنڈر بنا دیا گیا، بڑی بڑی بلڈنگیں دھواں اگلنے لگیں، ان
تینوں محلوں کی آبادی ایک بڑے شہر سے کم نہیں تھی، ان محلوں میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمان
آباد تھے، یہ خوش حال، تجارت پیشہ اور مرفہ الحال مسلمانوں کے علاقے تھے، خاندانی روساء
بھی ان محلوں میں رہتے تھے، جنکی عورتوں اور بچوں نے ناز ونعم میں پرورش پائی تھی اور عیش
وآرام کی زندگی بسر کرنے کی عادی تھیں، لیکن یہ سب کے سب انتہائی بے سروسامانی، بدحواسی اور

بے بسی کے ساتھ اپنے پیچھے اپنے جلتے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر فرار ہوئے، نہ باپ کو بچوں کی خبر رہی نہ بیویوں کی، نہ بھائی کو بہن کی، نفسی نفسی کا عالم تھا، ہر شخص اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا، گھروں سے نکل کر جب گلیوں اور سڑکوں پر آئے تو بندوق اور ریوالور کی گولیوں سے ان کا استقبال کیا گیا، گلیاں اور سڑکیں لاشوں سے پٹ گئیں، کچھ لوگ گرتے پڑتے پچھلی چھپے جامع مسجد تک پہونچ گئے، جامع مسجد کا صحن بھر گیا تو پرانے قلعہ کی راہ لی، جو جامع مسجد سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے، راستہ قطعاً غیر محفوظ تھا، مگر راستہ میں ان پر کوئی حملہ نہیں کیا گیا، شاید بلوائیوں کی منشا یہ تھی کہ یہ چلے جائیں تو ان کے گھروں پر قبضہ ہو جائے اور یہ کہیں بھی جا کر مریں اور کھپیں اسکی ان کو کوئی پروا نہیں تھی، پرانے قلعہ میں ایک لاکھ تباہ و برباد مسلمان جمع ہو گئے، اس لئے دوسرا کیمپ مقبرہ ہمایوں میں قائم کیا گیا، مظلومیت و بے چارگی کی انتہا یہ تھی کہ ان میں سے بہت سے لاکھوں لاکھ کے مالک تھے، لیکن آج جمعیۃ علماء کے کارکنوں سے ٹاٹ کا ٹکڑا مانگ رہے تھے کہ نم زمین پر بچھا سکیں، وہ اسی شہر کے باشندے ہیں اور اپنے شہر میں پناہ گزینوں کی زندگی جینے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں کوئی ان کے جان و مال کی حفاظت کرنیوالا نہیں، جیسے درندوں سے بھرے ہوئے کسی جنگل میں کوئی انسانی قافلہ اتر جائے اور درندے چاروں طرف سے اس کو گھیر لیں، لاکھوں مسلمانوں کا یہ مجمع بے خبر، کل کیا ہوگا؟ ہمارا مستقبل کیا ہوگا؟ ہم کہاں جائیں؟ کھلی سڑکوں اور راستوں پر چل نہیں سکتا جیسے کوئی مجرم ہو جسے دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم ہو۔ بے قصور انسانوں کا یہ مجمع مجرموں کی طرح چھپ کر دہشت زدہ زندگی گزارنے پر مجبور تھا، انسانیت مر چکی تھی، شرافت دم توڑ چکی تھی، قانون ایک افسانہ بن چکا تھا۔

مظلومیت و بے بسی کی انتہا،

یہ تھے وہ حالات جنہیں جمعیۃ علماء کو کام کرنا تھا، خدام جمعیۃ کے علاوہ مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو ان مظلوم و بے کس مسلمانوں کی تسلی کیلئے کم از کم دو لفظ ہی کہہ سکے کوئی ان کی مصیبتوں میں دو آنسو ہی گرا دے، ایڈمنسٹریشن ہندوستان کے فرقہ پرست، مغربی پاکستان سے آئے ہوئے ریفوجیز چاہتے تھے کہ دہلی مسلمانوں سے ایکدم خالی کرائی جائے، رہے ان کی

جان کے دشمن تھے، ان کے گھروں پر قبضہ، ان کے مال واسباب کو ہتھیانے کا عزم بالجزم کئے ہوئے تھے اور موقعہ مل جائے تو اس کے وجود سے سرزمین دہلی کو خالی کردے، جمعیۃ علماء کو ان سب سے ٹکر لینی تھی اور ان مجبور بیکس مسلمانوں کی حفاظت کرنی تھی، گاندھی جی پورے اخلاص اور صدق دلی سے جو ممکن تعاون دے سکتے تھے اس میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہیں کی، وہ ذمہ داران حکومت کو جھنجھوڑتے، انتظامات کی طرف متوجہ کرتے، پنڈت نہرو بذات خود اس غنڈہ گردی کے انسداد کے لئے جدوجہد کرتے اور حکومت کے ذریعہ مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے رہے ان کو باخبر کرنے کی ذمہ داری مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنے سر لے رکھی تھی، مولانا پناہ گزینوں کے کیمپوں میں روز و شب میں کئی کئی چکر لگاتے اور ان کی ضرورتوں کو حکومت کے ذریعہ پورا کراتے، کئی بار وہ خود موت کے منہ سے نکل آئے اور بال بال بچے لیکن انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، جو لوگ پاکستان جانا چاہتے تھے حکومت کے ذریعہ اسپیشل ٹرینوں کا بندوبست کرایا اور انکی حفاظت کے سارے انتظامات کرائے اور مسلمانوں کو قاتلوں اور جلادوں کے نرغے سے نکال کر سلامتی کے ساتھ پاکستان جانے میں پوری پوری مدد پہونچائی اور وہ بھی ان حالات میں جب دہلی کی سڑکوں پر نکلنا ناممکن تھا۔

سقر سفر بن گیا،

دہلی میں بسلسلہ ملازمت یا بسلسلہ کاروبار چالیس پچاس ہزار کے قریب مسلمان دوسرے صوبوں بالخصوص یو۔پی اور مدھیہ پردیش کے تھے وہ مصیبتوں سے گھبرا کر اپنے وطن جانا چاہتے تھے لیکن راستے مخدوش تھے اولاً تو دہلی سے نکلنا دشوار دوسرے ٹرینوں پر حملے ہو رہے تھے اور ہر جگہ ٹرینوں پر غنڈوں کا حملہ ممکن تھا اسلئے خدام جمعیۃ بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن نے گورنمنٹ سے سفارش کرکے دہلی سے مراد آباد تک اسپیشل ٹرین جاری کرائی اور ان مسلمانوں کو دہلی اسٹیشن سے سوار ہونا ممکن نہیں تھا اسلئے غازی آباد اسٹیشن سے سوار کرانے کے لئے محفوظ لاریوں اور ٹرکوں کا انتظام کرایا اور ان کے ساتھ اسپیشل فورس کے دستے لگوائے، اس طرح یہ لوگ اپنے اپنے وطن پہونچ سکے۔

نیا محاذ بنانے کی تیاری

پنجاب سے آئے ہوئے پناہ گزین جو دہلی میں قتل عام مچائے ہوئے تھے ٹرینوں اور لاریوں کے ذریعہ یوپی میں گھس کر وہاں بھی قتل عام مچانے کے لئے بے چین تھے وہ کوشش کر رہے تھے کہ اترپردیش کے مرکزی شہروں میں پہونچ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا جائے، ان کو ان کے گھروں، دکانوں، محلوں بلکہ شہروں سے بھی بیدخل کر دیا جائے اسکی طرف حکومت کو توجہ دلائی گئی اور معاملہ کی اہمیت و نزاکت کو سمجھایا گیا تو حکم جاری کر دیا گیا کہ ٹرینوں اور لاریوں پر سفر کرنیوالوں کے لئے ضروری ہے کہ چیف کمشنر دہلی یا مولانا حفظ الرحمٰن سے تصدیق نامہ حاصل کریں، اس کے بغیر کوئی شخص اترپردیش میں داخل نہیں ہو سکتا، اس طرح بڑی حد تک یوپی کے مغربی اضلاع کو چھوڑ کر بڑا حصہ قتل و غارت گری سے محفوظ رہا، جمعیۃ علماء ہند کے دور اندیش رہنماؤں کے بروقت اقدام کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔

مقامات آہ وفغاں اور بھی ہیں۔

یہ قیامت صرف دہلی ہی پر نہیں ٹوٹی، دہلی سے قریب بعض ریاستیں بھی مسلمانوں کے لئے جہنم کدہ بنی ہوئی تھیں، الور، بھرت پور کی کھلی ہوئی پالیسی تھی کہ وہ اپنی اپنی ریاستوں سے مسلمانوں کے تمام نام ونشان مٹا دیں، ان مسلمانوں میں زیادہ تعداد میواتیوں کی تھی، جن کی تعداد ان ریاستوں میں چھ لاکھ تھی، ان ریاستوں کے سرحد یعنی مشرقی پنجاب کے ضلع گوڑگانوں سے ملتی ہیں، اس ضلع میں بھی کئی لاکھ میواتی آباد تھے، الور، بھرت پور اور گوڑگانوہ کے اس علاقہ میں جسکو میوات کہا جاتا ہے طے شدہ پالیسی تھی کہ اس علاقہ سے میواتیوں کو جبراً اور بذریعہ طاقت نکال باہر کیا جائے، اس علاقہ میں میواتیوں کا باقی رکھنا جمعیۃ کا ایک حیرت ناک کارنامہ ہے۔

وزارت داخلہ کا بھی منصوبہ تھا کہ راجدھانی سے ملے ہوئے تمام علاقوں کو مسلمانوں سے صاف کر دیا جائے تاکہ مسلمان کا سایہ دور دور تک نہ پڑ سکے، جب تک دہلی کے ہنگاموں سے فارغ ہو کر جمعیۃ علماء کے ذمہ دار اس علاقہ کی طرف متوجہ ہوئے اس سے پہلے پہلے تقریباً تین لاکھ میواتی نکالے جا چکے تھے اور ترک وطن کر چکے تھے، لیکن تین لاکھ

میواتی اب بھی اپنے علاقوں میں جمے ہوئے تھے، وہ اپنی ثابت قدمی اور دل کی مضبوطی کے باوجود کسی پشت پناہ کے محتاج تھے، اللہ نے جمعیۃ علماء کی شکل میں ان کو یہ سہارا مہیا کردیا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جماعتی کارکنوں کو اس علاقہ میں بار بار بھیج کر اور کبھی خود جاکر حالات کا جائزہ لیتے رہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور ان کو اپنی بھرپور مدد کا یقین دلاتے رہے، ادھر گاندھی جی سے مل کر آپ نے ان کی اتنی اہمیت ذہن نشین کرائی کہ گاندھی جی نے میواتیوں کی حفاظت کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا اور اس مشن کو پورا کرنے کے لئے پورا زور لگا دیا، جن میواتیوں کے اخراج کا دونوں ریاستوں اور خود سردار پٹیل نے فیصلہ کر رکھا تھا، انہیں میواتیوں کی حمایت میں گاندھی جی نے کانفرنس کے کھلے اجلاس میں کہا ہے کہ

"میواتی بھارت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور ہمارے ملک کا گاڑھا خون ہیں، میں کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ وطن کا گاڑھا خون اس کے بدن سے نکالا جائے"

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے گھاسیرہ کے مقام پر میواتیوں کی کانفرنس بلائی جس میں پنجاب کے چیف منسٹر مسٹر بھارگو بھی شریک ہوئے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب گاندھی جی کو بھی اس کانفرنس میں لے گئے، کانفرنس میں وزیراعلیٰ کی تقریر ایسی تھی جسے نہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے پسند کیا اور نہ گاندھی جی نے، دونوں نے سمجھ لیا کہ حکومت پنجاب اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے میں آناکانی کررہی ہے اور اس سے کسی بہتر تعاون کی امید نہیں ہے، گاندھی جی نے اپنے خاص اور معتمد ورکروں کو اس علاقہ میں لگا دیا تو کئی سال تک برابر بڑے خلوص سے کام کرتے رہے گاندھی جی کے مشہور چیلے ونوبا بھاوے اور پنڈت سندر لال نے گاندھی جی کے حکم سے اس علاقہ کا کئی بار دورہ کیا جو مسلمان دہشت اور خوف کی وجہ سے ہندو بن گئے تھے اور چوٹیاں رکھ لی تھیں، ان کی چوٹیاں کٹوائیں اور ان کو برملا اور کھلم کھلا مسلمان رہنے کی ہمت دلائی،

مسلمان ہونا جرم ہو گیا

میواتی مسلمانوں کو جبراً ہندو بنائے جانے کا علم جمعیۃ علماء کو ڈرامائی طور پر ہوا ایک دن دوپہر کے وقت سکھ نما پنجابیوں کی ایک جماعت جمعیۃ علماء کے دفتر پہونچی، پندرہ سولہ آدمی تھے، اردو سے بالکل ناواقف ان سے گفتگو کی گئی، ان کا مقصد دریافت کرنے کی کوشش کی گئی مگر نہ وہ ہماری بات سمجھ پا رہے تھے اور نہ ان کی بات ہماری سمجھ میں آرہی تھی، لیکن انداز بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ وہ مسلمان ہیں ضلع پٹیالہ کے دیہات کے باشندہ ہیں محض جان بچانے کے لئے یہ وضع اور شکل وصورت بنائی ہے اب ان لوگوں کا مطالبہ یہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے ضمیر کے خلاف دو سال زندگی گذار چکے ہیں آئندہ یہ صورت حال نہیں رہنی چاہیے اور ہم کو آزادی کے ساتھ مسلمان رہنے کا موقعہ نہیں ملنا چاہیے، ہمارے جان ومال کی حفاظت کا بندوبست ہونا چاہیے تاکہ ہم مسلمان بن کر زندگی گذار سکیں، اور اگر یہ ناممکن ہو تو ہم کو پاکستان پہونچا دیا جائے۔

صورت حال واضح ہونے کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ایک لمحہ تاخیر گوارا نہیں کی، پہلی فرصت میں پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کر کے صورت حال پیش کی۔ پنڈت جی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ وفادار ہندوستانیوں کو پاکستان کے حوالے کریں البتہ ایک سرکلر جاری کرا دیا کہ جو لوگ ۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمان تھے وہ اب بھی مسلمان ہیں وہ آزادی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کر سکتے ہیں ان پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہے اور نہ کوئی شخص یا جماعت ان کی مذہبی آزادی میں رکاوٹ ڈال سکتی ہے یہ سرکلر دیہات کے پٹواریوں اور چوکیداروں تک پہونچایا گیا اور اس پر عمل ہوا۔

مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کا بیان ہے کہ کچھ دنوں کے بعد میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی کے ساتھ مشرقی پنجاب کے دیہاتوں میں گیا تو دیہات کے مسلمانوں کو اس پس منظر کا علم تو نہیں تھا البتہ اس سرکلر کا ان کو علم تھا، جب ہم نے ان سے حالات دریافت کئے تو انہوں نے بتایا کہ ہم چھپ چھپ کر نماز پڑھتے رہے اور اپنے مذہبی مراسم ادا کرتے رہے اور جب مذہبی آزادی کا اعلان ہوا تو ہم نے بھی پردہ اٹھا دیا، یہ ثمرہ تھا ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند

بروقت کارروائی کا کہ لاکھوں مسلمانوں کو اپنے اسلام کے اعلان کی ہمت و جرأت ہوئی اور وہ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم ہو گئے اور آج ان میواتیوں کا ایمان محکم ان کی سعی جد و جہد، خلوص، للہیت اور دینداری قابلِ رشک ہے اور وہ آج دوسروں کی ہدایت و اصلاح کا باعث ہیں۔

پانی پت کا محاذ

پانی پت میں مسلمانوں کی تعداد پینتالیس ہزار تھی، پانی پت بھی مشرقی پنجاب کی حکومت میں ہے وہاں کے وزیر اعلیٰ مسٹر بھارگو صاف ذہن نہیں تھے اس لئے پانی پت کے مسلمان موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہے حکومت اور فرقہ پرست ان کے اخراج کا فیصلہ کر چکے تھے، دفتر جمعیۃ علماء کو اس کی اطلاع ملی، تو ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بار بار پانی پت گئے ان کو سمجھایا، اپنی مدد کا یقین دلایا اور ہر ممکن تعاون کی ذمہ داری لی، دو بار گاندھی جی کو بھی لے کر گئے، لیکن وہاں کے مسلمانوں پر خوف و دہشت اور سراسیمگی اس طرح حاوی ہو چکی تھی کہ ان کی ہمتیں ٹوٹ چکی تھیں، جمعیۃ علماء کی مسلسل کوششوں اور گاندھی جی کی حوصلہ افزائیوں کے باوجود وہ پانی پت میں قیام پر آمادہ نہیں ہوئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا شہر ایکدم مسلمانوں سے خالی ہو گیا، سوائے مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی کے جو تن تنہا پانی پت میں مقیم رہے دوسرا کوئی مسلمان وہاں نہیں رہ گیا،

مولانا لقاء اللہ عثمانی دہلی آئے ان کی تمام جائداد تباہ و برباد ہو گئی، مگر انہوں نے پانی پت کو اپنا وطن بنائے رکھا، پانی پت میں کچھ مسلمان صدپردہ زندگی گزار رہے تھے اسلام کا اظہار نہیں کر رہے تھے، امن و امان ہونے کے بعد وہ ظاہر ہوئے، مولانا موصوف نے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک مکتب کھول کر ان کے چند بچوں کی تعلیم کا بندوبست کیا ۱۹۶۱ء تک وہاں مسلمانوں کی تعداد چھ سو ہو گئی، بہت سے دستکار اور پیشہ ور مسلمان آکر آباد ہو گئے اور مطمئن زندگی گزار رہے ہیں، پانی پت کے قریب سونی پت میں صرف چھ مسلمانوں کا ایک خاندان رہ گیا تھا جمعیۃ علماء ہند نے ان کے لئے ایک مسجد کھولدی جو آہستہ آہستہ اس علاقہ کے مسلمانوں کا مرکز بن گئی اور اب اس مسجد میں جمعہ کے دن اطراف

وجوانب کے تقریباً پانچسو مسلمان پہونچ جاتے ہیں۔

مشرقی پنجاب میں

جمعیۃ علماء کی جدوجہد کی وجہ سے جو مذہبی آزادی کا سرکلر حکومت کی طرف سے جاری کرایا گیا تھا، اس کے نتیجے میں مشرقی پنجاب کے مختلف مواضعات وقصبات میں مسلمان کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کرنے کے قابل ہوگئے، ایک تخمینہ کے مطابق ایسے مسلمانوں کی تعداد مشرقی پنجاب میں دو لاکھ سے کم نہیں تھی، مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد چھوٹے چھوٹے مواضعات میں منتشر تھی اس لئے زبان سے اسلام کا نام لینا اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا تھا، اس ماحول اور اس علاقہ میں مسلمان ہونا گویا کہ جرم بن چکا تھا، جمعیۃ علماء کی کوششوں سے وہ اپنے اسلام کے اظہار پر قادر ہوگئے، ورنہ ایک نسل گزر جانے کے بعد شاید اس علاقہ میں کوئی اسلام کا نام لینے والا بھی نہیں بچ سکتا تھا۔

پیپسو میں

پیپسو میں بھی قتل وغارت گری کا بازار گرم رہا اور پورے منصوبہ بند طریقے سے پیپسو کی سرزمین سے مسلمان کے وجود کو فنا کردیا گیا، اس پورے علاقہ میں ہندوؤں کی نگاہ میں مسلمان نام کا ایک فرد بھی نہیں بچا تھا، اگرچہ کچھ خاص علاقوں میں سکھوں کے تعلقات کی وجہ سے مسلمان بچ گئے تھے، لیکن پوری ریاست بھی مسلمانوں کے لئے آتش کدہ بن گئی تھی، جب فضا بدلی، حالات میں تناؤ ختم ہوا اور امن وامان کا دور دورہ ہوا تو متفرق طور پر دور افتادہ گاؤں اور دیہاتوں میں مسلمانوں کا پتہ چلنے لگا، اتنے ہی دنوں میں ان کی صورتیں بدل چکی تھیں اور ان کو کوئی مسلمان ماننے اور کہنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا تھا، لیکن ابھی انکے سینوں میں اسلام کی شمع روشن تھی، بجھی نہیں تھی، پھر آہستہ آہستہ ہوا بدلی، مذہبی آزادی کا اعلان جاری ہوا اور گاؤں گاؤں سرکلر پہونچا تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور آج اللہ کے فضل سے فرزندانِ توحید کی خاصی تعداد ان علاقوں میں موجود ہے۔

ہماچل پردیش میں

ہماچل پردیش میں بلاسپور بھی ہے ۱۵ ہزار کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد، تقریباً

درجہ سو سے زیادہ نہیں تھی صوبہ کا دارالحکومت شملہ ہے، شملہ میں مسلمانوں کی ایک تنظیم
انجمن اسلامیہ تھی جو بلاسپور میں دینی زندگی پیدا کرنے کی سبیل بنائے ہوئے تھی، ۱۹۴۷ء کے
ہنگامے میں شملہ کے سارے مسلمان شہید کر دیئے گئے اور جب مسلمان ہی نہیں رہے تو انکی انجمن
کہاں رہتی، سالوں کے بعد جب حالات میں سدھار ہوا تو بلاسپور کے مسلمانوں نے جو بہت
تھوڑی تعداد میں تھے جمعیۃ علماء ہند سے ایک مکتب جاری کرنے کی درخواست کی اور ایک
معلم کا بھی مطالبہ کیا، جمعیۃ علماء نے مالی امداد دینا تو طے کر لیا مگر مشکل یہ آپڑی کہ وہ علاقہ
اتنا مخدوش اور خطرناک تھا کہ کوئی مدرس وہاں جانے کو تیار ہی نہیں ہوتا تھا اسلئے
سب سے پہلے یہ ضروری سمجھا گیا کہ جمعیۃ علماء ہند کا ایک وفد اس علاقہ کا تفصیلی دورہ کرکے
حالات کا جائزہ لے چنانچہ مولانا لقاء اللہ پانی پتی کی قیادت میں ایک وفد اس علاقہ
میں بھیجا گیا اس وفد نے اس علاقہ میں گھوم پھر کر ایک ایک خاندان کا پتہ چلایا اور حالات
کو کسی قدر مسلمانوں کے موافق بنایا، یہ آزادی کے ابتدائی سالوں کی بات تھی، مسلسل
اس علاقہ پر دفتر جمعیۃ علماء کی توجہ لگی رہی اور ان سے رابطہ بنائے رکھا گیا اس بارہ سال
کی مدت کے بعد کہیں جا کر ایک درجن مکاتب اسلامیہ اس علاقہ میں کھولے گئے اور ۱۹۶۲ء
کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ ان مکتبوں میں تقریباً پانچ سو مسلم بچے اب دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں

یوپی کے مغربی اضلاع پر حملے

دہلی کا ہنگامہ فرد ہوا تو اترپردیش کے مغربی اضلاع کے شہروں اور قصبوں اور دیہاتوں
پر قاتلانہ حملوں کا آغاز ہوا، بعض بعض مقامات پر قیامت خیز تباہی آئی، سہارنپور، دہرہ دون
اور مظفرنگر کے قصبات و دیہات کے مسلمان گویا کوہ آتش فشاں کے دامن میں بیٹھے ہوئے تھے
ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ اب لاوا ابل پڑنے والا ہے اور پورا شہر جل کر خاک ہو جانے والا ہے تمام
مسلمان آبادیوں میں خوف و ہراس اس طرح چھایا ہوا تھا کہ راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی، نہایت
خطرناک افواہیں بڑی تیزی سے پھیلتی جا رہی تھیں، جب جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کو حالات
کی نزاکت کا پتہ چلا تو ان علاقوں کا دورہ کیا اور مسلسل جلسے کرکے ان میں حالات کا مقابلہ
کرنے کا حوصلہ اور ہمت پیدا کی، بزدلی اور فرار کی مذمت کی ان کو غنڈوں اور بلوائیوں

کی مدافعت پر آمادہ کیا،

۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سہارنپور شہر میں قتل وغارت گری کا آغاز ہوگیا، فوراً کرفیو نافذ کر دیا گیا اس کے باوجود دکانیں لوٹی جاتی رہیں، آگ لگائی جاتی رہی، ہندو آزادانہ گھوم پھر رہا تھا مسلمان اپنے گھروں میں قیدی، اگر کسی مجبوری سے کسی لمحہ کوئی مسلمان گھر سے نکلا کر پولیس نے بندوق کی نال سیدھی کر دی اور وہ وہیں شہید ہوگیا، پورے شہر میں کہرام مچ گیا، شہر سہارنپور جلنے لگا، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے مسٹر پنت وزیر اعلیٰ اترپردیش کو سہارنپور آنے کی فوراً دعوت دی اور وہ بلا تاخیر سہارنپور پہنچے خود شیخ الاسلام جان پر کھیل کر کسی طرح سہارنپور پہونچ گئے اور پنڈت جی کو ساری صورت حال بتائی اور حکام کی جانبداری اور فساد میں پولیس کی شرکت کی شکایت کی پنڈت جی نے نیک نیتی کے ساتھ شیخ الاسلام کی تجویز کے مطابق حکام کا فوری تبادلہ کر دیا اور ضلع کلکٹر کو بدل کر اسکی جگہ ایک انسانیت دوست اور شریف انسان پنڈت رامیشور دیال کو سہارنپور کا کلکٹر بنا کر بھیجا گیا، انھوں نے آکر اس آگ کو بجھانے میں بڑے خلوص سے کام کیا اور جب تک وہ سہارنپور میں رہے امن بحال رہا اور قتل وغارت گری بند ہوگئی اور جب سہارنپور میں امن وامان بحال ہوا تو اس کا ایک اچھا اثر دہرہ دون اور مظفرنگر کے ضلعوں پر بھی پڑا،

مغربی اضلاع سے فساد کی آگ بجھانے کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی ایمان افروز تقریروں نے مسیحائی کی، آپ نے مسلمانوں کو للکارا، ان کی بزدلی کے اظہار پر غیرت دلائی اور ہر جلسہ میں ببانگ دہل کہا کہ

> "مصیبتوں کے آنے پر ہمت ہار دینا ایک مسلمان کی شان نہیں، بزدلی کی موت لعنت ہے اگر مرنا ہے تو بہادری کی موت مرو، غازی بن کر رہو یا مرو تو شہادت کی موت مرو، یہ بلوائی یہ سماج دشمن عناصر، یہ غنڈے امن وامان کو تباہ وبرباد کرنے والے لیڈرے، یہ ملک قوم اور آزادی کے دشمن ہیں یہ مت سمجھو کہ یہ صرف تمہارے ہی دشمن ہیں کوئی قانون ان کو من مانی کرنے

کی چھوٹ نہیں دیتا تم اپنی طرف سے امن و امان بحال رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرو، اور تمہاری اس جدوجہد کے باوجود غنڈے تمہاری آبادی پر چڑھ آتے ہیں اور حملہ آور ہوتے ہیں، تمہاری جان، تمہارے مال تمہاری عزت و آبرو کو خاک میں ملا دینا چاہتے ہیں تو تم بزدل انسانوں کی موت مرنے کے بجائے ان کو ایسا سبق دو کہ ان کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔

اس طرح کے جلسے مغربی اضلاع کے قصبات و دیہات میں عام طور سے منعقد کئے جاتے رہے اور جہاں جہاں صورت حال تشویشناک ہو جاتی تھی جمعیۃ علما کے رہنما وہاں پہونچتے اجلاعام بلاتے، ان کو عزم و ثبات کی تلقین کرتے، حکام سے مل کر ان کو توجہ دلاتے، افسران بالا سے رابطہ قائم کر کے اس علاقہ میں امن و امان بحال کرنے کی جدوجہد کرتے، اللہ کے فضل سے زیادہ مقامات پر وہ کامیاب رہے لیکن جوالاپور یا ہردوار اور بعض دوسرے مقامات پر غنڈے اور بلوائی تباہی و بربادی پھیلانے میں پھر بھی کامیاب ہو گئے اور وہاں کے مسلمانوں کی بڑی تعداد تباہ و برباد ہو گئی۔

آتش فشاں پر بیٹھے ہوئے مسلمان

دہلی کے بعد یوپی کے مغربی اضلاع خصوصیت سے اس کے نشانہ بنے کہ ان علاقوں میں پناہ گزینوں کی بہت بڑی تعداد یک بیک آگئی اور انہوں نے آتے ہی تلواریں بے نیام کریں، مگر ان اضلاع سے کم برا حال ان علاقوں کا نہیں تھا جو ان اضلاع سے مشرق میں واقع ہیں صورت حال یہ تھی کہ پناہ گزینوں کو اتر پردیش کے ہر قابل ذکر شہر اور قصبات میں پھیلا دیا گیا بالخصوص وہ شہر و قصبات جہاں مسلمانوں کا خوشحال یا پیشہ ور طبقہ رہتا تھا اور وہ اپنے پیشوں کی وجہ سے خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے رفیوجیز ان تمام علاقوں میں آباد کئے گئے وہاں کے فرقہ پرستوں میں فوراً ضم ہو گئے، انہوں نے رد رد کر اپنی مظلومیت کی داستان سنائی کہ پاکستان کے مسلمانوں نے ان پر کتنے مظالم کئے، ان کی بہنوں بیٹیوں کی کس طرح عصمت لوٹی، کتنی بیدردی اور ظلم کے ساتھ نکالے گئے، یہ کہانیاں اس شہر اور قصبہ کے

فرقہ پرستوں کے سینوں میں مسلمانوں کی طرف سے نفرت کی آگ دہکا دیتی تھیں اور پھر اس شہر اور قصبہ کی فضا میں تناؤ بڑھ جاتا تھا، اور معمولی معمولی بہانوں سے فساد برپا کر دیا جاتا تھا چونکہ پولیس بھی اس ذہنیت کی تھی اس آب و ہوا کی پروردہ تھی اس لئے وہ بھی فرقہ پرستوں کی حمایت کرتی تھی، اس طرح مسلمانوں کی بڑی سے بڑی تعداد بھی چند شرارت پسندوں کے رحم و کرم پر رہتی تھی اور ہر لمحہ خطرہ رہتا، دیکھئے کب کوئی ہنگامہ یا کوئی بھیانک فساد پھوٹ پڑے پولیس اور تھانے کو اطلاع کرنے سے کچھ حاصل نہ تھا، اس طرح پورا اتر پردیش جوالا مکھی بنا ہوا تھا اور مسلمانوں کی کوئی آبادی اطمینان اور چین کے سانس نہیں لیتی تھی، خوف و ہراس، دہشت و سراسیمگی کا وہ عالم تھا کہ مسلمانوں کی ہر آبادی ذہنی اور دماغی کوفت اور اذیت کی بھٹی بنی ہوئی تھی، اس کی کہیں نہ داد تھی اور نہ فریاد، اگر پولیس کو اطلاع دینے کی ہمت کی جاتی تو سب سے پہلے اطلاع دینے والا بند کر دیا جاتا تھا اور تھانے میں اس کی مرمت کر دی جاتی تھی کہ افواہ پھیلا کر فساد کرانا چاہتا ہے، مسلمانوں کی نگاہوں میں دنیا اندھیری تھی، جہاں بھی وہ اپنی حفاظت کے خیال سے جاتا تھا وہیں اس سے بڑی مصیبت اس کے انتظار میں رہتی تھی، اس طرح اتر پردیش کا کوئی شہر، قصبہ یا گاؤں ایسا نہیں تھا جہاں مسلمانوں کو سکون میسر ہو یاس و قنوطیت کی سب سے کالی گھٹا اس مرکز علم و فن، سرچشمہ تہذیب و تمدن اتر پردیش کی فضاؤں میں چھائی ہوئی تھی، بدقسمتی سے پاکستان کے اکثر حمایتی لیڈروں کی پیدائش گاہ یہی سرزمین رہی ہے اور سب سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے یہیں لگائے گئے تھے، نادان عوام بے چارے نہیں جانتے تھے کہ ہمارا ایک ایک لفظ جو زبان سے نکل رہا ہے ہمارے مقدر پر زہر آب بن کر گر رہا ہے، ہمارا ہر قدم بدقسمتی، تباہی، بربادی اور نامرادی کی طرف لئے جا رہا ہے وہ شاطر سیاست دانوں کے دکھائے ہوئے سبز باغ کی حقیقت پر ایمان بالغیب لا کر عام مسلمانوں کی بدبختی پر مہر لگا رہے تھے، اب اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

قیدیوں پر کھر ہے صیاد کے اقبال کا ۔۔۔ اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا

مسلمان انگاروں پر لوٹتا رہا

دہلی میں قتل وغارت گری کا سلسلہ ۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء سے شروع ہوا اور اکتوبر ۱۹۴۷ء
تک اس کا سلسلہ چلتا رہا، ان دو مہینوں میں مسلمان مسلسل انگاروں پر لوٹتا رہا، نہ اسکی
جان محفوظ تھی نہ مال، نہ عزت و آبرو محفوظ تھی نہ جائیداد، عام طور پر مسلمانوں میں یہ
احساس پیدا ہوگیا، بلکہ دل و دماغ پر مسلط ہوگیا کہ اس ملک میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں
ہے، ہمیں سانپوں اور بچھوؤں کے بھٹ میں چھوڑ دیا گیا ہے، جہاں ہر طرف سانپ ڈستے
ہیں اور بچھو ڈنک مارتے ہیں اس طرح ہماری زندگی ایک مسلسل عتاب بن گئی ہے، ان
حالات کی وجہ سے مسلمان کلی طور پر احساس کمتری و کہتری میں مبتلا ہو چکا تھا، باعزت زندگی
کے لئے جدوجہد کے سارے راستے بند ہو چکے تھے، تقسیم ملک کے مطالبہ کی وجہ سے انکی
زبانوں پر تالے پڑ چکے تھے، کسی کو جرأت نہ تھی کہ بحیثیت ہندوستان کے شہری ہونے
کے اپنے حقوق کی بات بھی زبان پر لاسکے اور اگر کوئی اس بات کو زبان پر لانے کی ہمت
بھی کرتا تھا تو اس سے صاف کہہ دیا جاتا تھا کہ تم اپنے بنوائے ہوئے پاکستان چلے جاؤ،
تمہارا یہاں کیا رکھا ہے؟ چھوٹے بڑے دیہات اور گاؤں میں دو چار غنڈے جب چاہتے
وہاں کی ہزاروں کی مسلم آبادی میں دہشت پھیلا دیتے اور ان چند غنڈوں کے مقابلہ
میں ہزاروں مسلمانوں کی بھیڑ بھی اتنی بے بس، بزدل اور خوفزدہ بن گئی تھی جیسے ایک چرواہا
ایک لاٹھی سے سینکڑوں گائے اور بھینسوں کو جس راہ پر چاہے لگا دے اور جس کو چاہے
پیٹ دے کچھ اسی طرح کا حال عام مسلمانوں کا ہو چکا تھا، قوم پرور مسلمان بھی اکثریت کے
جرم کی وجہ سے انہیں میں شمار کئے جانے لگے تھے، بس اونچی سطح کے جمعیۃ علماء ہند کے اکابر
کچھ اپنا وزن اپنی بے مثال خدمات کی وجہ سے رکھتے تھے اور حکومت کے کچھ مخصوص افراد
ہی ایسے تھے جن کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ تھا، بقیہ ملک کا ذرہ ذرہ جیسے
مسلمانوں کا دشمن اور خون کا پیاسا تھا اور اب ایسا خطرہ محسوس کیا جانے لگا تھا
کہ ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمان اکثریت کی غلامی کو اپنا مقدر سمجھ کر سر تسلیم خم کردینے والے
ہیں انہوں نے سمجھ لیا کہ ہندوستان میں ہمارا مستقبل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم یہاں کے

ہندوؤں کے رحم وکرم پر زندگی بسر کریں، ان کی مصیبتوں پر کوئی دو آنسو بہانیوالا بھی نہ ہوگا

روشنی کی تلاش

یہ صورت حال انتہائی تشویشناک تھی، ہنگامہ وفساد اگر مصیبت تھے تو یہ صورتحال ان کی موت تھی، قومی وملی، تہذیبی وثقافتی موت، اس لئے جوں ہی قتل وغارتگری کا ہنگامہ قدرے فرو ہوا اور دہلی میں اجتماعی حملوں میں کمی آئی اگرچہ اکا دکا حملوں کا سلسلہ اب بھی جاری تھا، بہت سے علاقے اب بھی ایسے تھے کہ کسی مسلمان کا ادھر گزرنا ناممکن تھا لیکن مسلمانوں کی اس پست ہمتی، احساس مظلومیت اور احساس کمتری کی بیماری کو دور کرکے ان میں خود اعتمادی اور حوصلہ پیدا کرنے کی ضرورت اتنی شدید تھی کہ اس میں مزید تاخیر نہیں کی جا سکتی تھی، ورنہ یہ بیماری اس کی زندگی کا نہ ختم ہونے والا روگ بن جائے گی۔

اس لئے ۱۳ر نومبر ۱۹۴۷ء کو دہلی میں مسلمانوں کی ایک محدود پیمانے پر مخصوص کانفرنس بلائی گئی جس کے محرک اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے، لیکن کانفرنس کی ساری ذمہ داریاں جمعیۃ علماء ہند کے سر تھیں یہ عام حالات میں ہونے والی کانفرنس کی طرح کی کانفرنس نہیں تھی کہ دعوت نامے بھیج دیئے اور مندوبین اپنے اپنے حالات کے مطابق مختلف ٹرینوں اسٹیشنوں اور راستوں سے کانفرنس میں پہونچ گئے، یہ کانفرنس اس طرح ہو رہی تھی، جیسے محاذ جنگ پر کوئی مشاورتی اجلاس، باہر سے آنے والے مندوبین کو پتہ نہیں کہ کس اسٹیشن اور کن راستوں میں ہمارے استقبال کے لئے موت کھڑی ہے کیونکہ کسی بھی اجنبی راستہ سے آنے والے کسی بھی مسلمان کی جان اب بھی محفوظ نہیں تھی، اس بال سے باریک دھار دار تلوار پر قدم رکھ کر ارکان جمعیۃ علماء کو گزرنا تھا، دہلی جنکشن اب بھی غیر محفوظ تھا، پلیٹ فارم پر سخت سے سخت جانی ومالی حادثے ہوتے رہتے تھے، دہلی کے خطرناک علاقے میں داخل ہونے سے پہلے آنے والے مدعوین کا اس طرح استقبال کرنا کہ وہ حفاظت کے ساتھ تجویز کردہ قیام گاہ پر پہونچ سکیں، یا قیام گاہ سے چل کر کانفرنس ہال تک جا سکیں، اس لئے حکومت سے اعلیٰ سطح پر گفتگو کرکے جمعیۃ علماء ہند کے کچھ رضاکاروں کو اسپشل پولیس کی حیثیت دیدی گئی اور ان کو بندوقیں بھی دیدی

تھیں، یہ دستہ مولانا حفظ الرحمن صاحب کے زیر کمان ہر ایسے موقعہ پر حفاظت کے فرائض انجام دیتا تھا، حتی کہ قبرستان تک مسلمانوں کو پہونچانا مشکل تھا تو یہی دستہ جنازہ کے ساتھ بھی جاتا تھا، ہفتہ میں کئی بار اس دستہ کو یہ فرض بھی انجام دینا پڑتا تھا، یہی رضاکار مدعوین کو لانے اور لے جانے کے لئے متعین کئے گئے دہلی جنکشن کے بجائے مندوبین کو غازی آباد اسٹیشن پر یہ رضاکار اتار لیتے وہاں سے جیپ کار یا بند موٹروں کے ذریعہ محفوظ راستوں سے نکال کر قیام گاہ پر پہونچا دیتے تھے۔

غرضیکہ انتہائی خطرناک صورت حال میں یہ کانفرنس ہوئی اور ملک کے ممتاز مسلم رہنماؤں کے سامنے صورت حال کی نزاکت رکھ کر ایک خاص لائحہ عمل پر عمل کرنے کے لئے تیار کیا گیا کہ جس طرح دہلی میں وطن دوستی، قوم پروری اور حقوق شہریت میں مساویانہ حیثیت حاصل کرنے کے بلند نظریہ پر کام کیا گیا اور جس طرح مسلمانان دہلی کے ذہنوں سے ہزاروں مصیبتوں کے باوجود احساس کمتری دور کیا گیا، انہیں جذبات و نظریات پر ہندیونین کے مسلمانوں کو متحد کیا جائے اور پورے ملک میں گھوم کر عام مسلمانوں کے دلوں سے مایوسی اور احساسِ کمتری کو دور کیا جائے اور ان میں زندگی کا حوصلہ اور شدائد و مصائب کے سامنے سپر ڈالنے سے روکا جائے اور فرقہ وارانہ سیاست کا زہر اس عام قتل و غارت گری نے خود دور کردیا ہے، ضرورت ہے کہ ہر علاقہ میں وہ برادرانِ وطن سے روابط و تعلقات بڑھائیں اور سیاسی سرگرمیوں میں ترقی پسندانہ جذبات کے ساتھ ان کے دوش بدوش چل کر اپنے دلوں سے احساس کمتری کو نکال دیں،

یہ ممتاز مسلم رہنما خود بجھے ہوئے دل اور افسردہ دل و دماغ لے کر کانفرنس میں آئے تھے لیکن کانفرنس نے جو مستقل پالیسی طے کی اور نئی زندگی کی روشنی دکھائی تو ان کے سامنے امید کی کرن لہرانے لگی، کانفرنس نے ان کے دلوں میں زندگی کی حرارت پیدا کی اور جب وہ اپنے اپنے وطن لوٹے تو ان کے دل جذبات اور فکری توانائیوں سے بھرپور تھے اور پھر انہوں نے انہیں خطوط پر کام کا آغاز کردیا، جو کانفرنس نے متعین کئے تھے،

آزاد کانفرنس لکھنؤ

دہلی میں ہونے والی یہ کانفرنس بہت محدود پیمانے پر تھی، عوام تک اس کے اثرات
کا پہونچنا دیر طلب بھی تھا اور دشوار بھی اس لئے وقت کا تقاضا تھا کہ بلا تاخیر ایک عوامی
کانفرنس ہندوستان کے سب سے حساس صوبہ اتر پردیش کے دار السلطنت لکھنؤ میں منعقد
کرکے دہلی کانفرنس کے جذبات کو عام کیا جائے، شہر شہر گاؤں گاؤں تک اس حیات بخش پیغام
کو پہونچا دیا جائے، اس لئے دوسرے ہی مہینے ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کو یہ کانفرنس لکھنؤ میں بلائی
گئی، حالات اب بھی اطمینان بخش نہیں تھے بالخصوص دہلی اور اس کے قرب وجوار سے مسلم نمائندوں
کا لکھنؤ کانفرنس میں شریک ہونا ممکن نہ تھا دہلی اسٹیشن پر شرنارتھیوں کا قبضہ تھا وہ اپنے تمام
اسباب خانہ داری لئے ہوئے پورے پلیٹ فارم پر قابض تھے کسی مسلمان کا اس پلیٹ فارم پر
گذرنا ممکن تھا، جو بھی غلطی سے پہونچ گیا پھر وہ زندہ واپس نہیں آیا، مگر دہلی اور اس کے
قرب وجوار سے مسلمان نمائندوں کا شریک ہونا بھی ضروری تھا اس لئے یہاں مولانا آزاد کی
شخصیت کام آئی، انہوں نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر دہلی سے ایک اسپیشل ٹرین کا
بندوبست کرایا، ٹرین کے ساتھ پولیس کا ایک مسلح دستہ رکھا گیا، دہلی کے جس اسٹیشن
سے یہ ٹرین روانہ ہونے والی تھی وہاں پہلے معقول تعداد میں پولیس کا بندوبست کیا گیا
اور دوسرے لوگوں سے پلیٹ فارم خالی کرایا گیا، ان حالات میں یہ ٹرین لکھنؤ روانہ ہوئی
اتر پردیش کے دوسرے اضلاع میں یہ صورت حال نہیں تھی اور نہ اتنے خطرات تھے اس لئے
اس کانفرنس میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔

اس کانفرنس کا حاصل مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمن کی تقریریں تھیں،
مولانا آزاد نے موجودہ صورت کی اہمیت اور نزاکت کو سمجھاتے ہوئے مستقبل میں کون
سا نقطۂ نگاہ اپنایا جائے اور ہندوستان میں باعزت اور باوقار زندگی گذارنے کے
لئے کون سا راستہ اختیار کیا جائے؟ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی

ہم ہر ناانصافی کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے

دوسرے دن جس ولولہ انگیز تقریر پر یہ کانفرنس ختم ہوئی وہ مولانا حفظ الرحمن صاحب

کی تھی یہ تقریر مایوس دلوں میں زندگی کی امنگ، سرد جذبات میں عمل کی حرارت، محرومیوں اور مجبوریوں کے اندھیرے میں ایک منارۂ نور تھی، آپ نے ایک لاکھ کے عظیم الشان اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

"جو حالات ہمارے سامنے ہیں کہ انسان خود انسان کے خون کا پیاسا ہے"،
ہم نہیں سمجھتے کہ ان کو کن الفاظ سے تعبیر کریں، دہشت و بربریت کے بھی لفظ کافی نہیں، درندگی و بہیمیت کے الفاظ بھی اس کی ترجمانی سے قاصر ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وحشت و بربریت، درندگی و بہیمیت خود اس حالت سے شرم کر رہی ہے، شیر اور بھیڑیئے جو سب سے زیادہ وحشتناک درندے مانے جاتے ہیں اور دوسرے جانوروں کا خون پی کر زندگی کی پیاس بجھاتے ہیں لیکن اپنے بچوں کو وہ بھی نہیں پھاڑتے یہ حضرت انسان ہیں کہ خود اپنے ہم جنس بچوں اور عورتوں اور کمزور انسانوں کو ذبح کرتے ہوئے نہیں شرماتے عوام کی وحشت خوردگی کا علاج حکومت کا فرض ہے لیکن اس کا کیا علاج جب خود معالج اور امن کے ذمہ دار وحشت زدہ ہو جائیں آج ذبیحہ گاؤ اور ناجائز اسلحہ کا الزام لگا کر جس طرح مسلمانوں کو پریشان کیا جا رہا ہے وہ اسی وحشت زدگی کا نتیجہ ہے۔

جمہوریہ ہند، مساوات، یکسانیت، آزادی رائے ضمیر کے اصولوں پر قائم کی گئی ہے کانگریس ان اصولوں کی علمبردار ہے آج یہ فرض کانگریس کا ہے کہ ان اصولوں کو کامیاب کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دے جس وقت مسلمانوں پر فرقہ پرستی کا بھوت سوار تھا، ہم نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا، ہم خود اپنوں سے ٹکرائے، آج مسلمانوں کی فرقہ واریت ختم ہو چکی ہے آج جن سنگھ اور مہا سبھا کی فرقہ واریت ملک کو تباہ کر رہی ہے، ہم نے جس طرح مسلم فرقہ واریت کا مقابلہ کیا اسی طرح ہم ہندو فرقہ واریت کو بھی پیروں سے مسل کر دم لیں گے، ہم ہندو نین کے رگ و ریشہ کو فرقہ واریت

کے زہر سے پاک کر کے دم لیں گے ورنہ اس کوشش میں ختم ہو جائیں گے

؎ یا تن رسد بہ جاناں یا جاں ز تن برآید

مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا "تم در و دیوار سے وحشت زدہ ہو، آج تم اپنے سائے سے ڈرتے ہو، اگر تم کل تک بہادر تھے تو آج بزدل کیوں بن گئے؟ اسلام اور بزدل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے مگر بزدل نہیں ہو سکتا مسلمان حق بات کہنے میں دلیر ہوتا ہے، مسلمان ناانصافی برداشت نہیں کر سکتا مسلمانو! خوف و ہراس اور بزدلی کو دل سے نکال دو، یہاں سے عہد کر کے جاؤ کہ ہم ہر ناانصافی کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے بیشک ہم وفادار ہیں، مگر ہم مادر وطن کے وفادار ہیں، وفاداری کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہم کسی کلکٹر یا کسی سرکاری افسر یا وزیر کے کسی فعل پر کسی طرح کی نکتہ چینی نہیں کر سکتے وہ زمانہ ختم ہو گیا کہ حکام کی چاپلوسی وفاداری ہوا کرتی تھی، حکومت، وزراء حکومت اور افسران حکومت کا پہلا فرض ہے کہ وہ ملک اور وطن کے وفادار ہوں، اگر ہم وفاداری کے خلاف کوئی حرکت دیکھیں گے تو یقیناً مقابلہ کریں گے،

کانفرنس نے تمہیں مشورہ دیا ہے کہ مشترک سیاست میں حصہ لو، کسی بھی سیاسی جماعت میں شرکت کرو جو ہندو مسلمانوں کی مشترک ہو، میں کہتا ہوں تم کانگریس میں شرکت کرو کیونکہ اس سے بہتر کوئی جماعت ہمارے سامنے نہیں ہے، مگر کسی طرف و ڈر سے کانگریس میں ہرگز شریک نہ ہو اگر تم پناہ ڈھونڈھنے کے لئے کسی جماعت میں شریک ہوتے ہو تو اس سے نہ جماعت کو فائدہ پہونچ سکتا ہے نہ تمہاری یہ شرکت ملک کے لئے مفید ہو سکتی ہے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فرقہ وارانہ سیاسی پلیٹ فارم غلط ہے اس غلطی کو ختم کرو اور مشترک پلیٹ فارم پر ملک کی مشترک سیاست

میں حصہ لے کر ملک کی ترقی پذیر جماعت کی طاقت بڑھاؤ، ہمت بلند رکھو، خدمت وطن کے سچے جذبے کے ساتھ آگے بڑھو، تمہیں انصاف اور حق وصداقت کا سربلند کرنا ہے، اگر تم نیک مقاصد کے لئے ڈٹ گئے تو خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی،،

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی یہ تقریر نہیں صور اسرافیل تھا جو دل، دماغ، حوصلے اور جذبات مرگئے تھے وہ زندہ ہو اٹھے، زندگی کا گرم خون رگوں میں دوڑنے لگا۔ جو سینے مایوسی ونامرادی کے صدموں سے اندر کو دھنسے ہوئے تھے وہ جذبات کی شدت اور فراوانی کی وجہ سے ابھر گئے، مرجھائے ہوئے چہروں اور تھکے ہوئے بوجھل قدموں سے لاکھوں کی تعداد لکھنؤ میں آئی تھی لیکن جب وہ لکھنؤ سے لوٹے تو ان کے چہروں پر عزم وعمل کی سرخی چھائی ہوئی تھی اور ان کے پاؤں میں وہ طاقت اور توانائی آگئی تھی جیسے وہ خطرات ووساوس کو اپنے آہنی قدموں سے روندتے اور مسلتے ہوئے جارہے ہیں مسلمانوں کے تنِ مردہ میں ایک تازہ روح عود کر آئی

مولانا حفظ الرحمن نے مسلمانوں سے احساس کمتری کو دور کرنے کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا، ان کے زور بیان اور پرجوش خطابت نے مردہ دلوں میں مسیحائی کا کام کیا، انہوں نے ایک بار ارباب حکومت کو للکارتے ہوئے کہا کہ

اگر ہندوستان کا بنیادی دستور کوئی حقیقت ہے تو ہندیونین کے پانچ کروڑ مسلمان شہریوں کو یرغمال نہیں بنایا جاسکتا، ان کی وفاداری کا مسئلہ ایک فرسودہ سوال بن چکا ہے، باربار اس کو دہرانا نہ ملک کی کوئی خدمت ہے اور نہ دماغ کی کوئی ذہانت، اگر کچھ مسلمان اسلئے غیر وفادار ہیں کہ انہوں نے تقسیم ملک کی رائے دی تھی اور ایک ہی رات میں ان کے دل نہیں بدل سکتے تو آر، ایس، ایس اور دوسری فرقہ پرور جماعتیں جو آج تک جمہوری مقاصد کو تباہ کرتی رہی ہیں کانگریس میں شامل ہوکر بھی کسطرح ایک رات میں اپنے دل ودماغ بدل سکتی ہیں؟ اگر ان کو اپنانے کی تدبیریں

کی جا سکتی ہیں تو یہ کیوں نا ممکن ہے کہ انصاف اور جمہوریت کی فضا پیدا کر کے ان مسلمانوں کے دلوں کو بھی اپنایا جائے۔

مولانا حفظ الرحمن جب لکھنؤ کانفرنس سے فارغ ہو کر آئے تو دہلی میں گاندھی جی نے ان کو مبارکباد دی اور انتہائی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے میرا دل خوش کر دیا، آپ کی عزت میرے دل میں پہلے سے کہیں بڑھ گئی،

گاندھی جی کا مرن برت۔

جب سے گاندھی جی دہلی آئے تھے اس دن سے پابندی کے ساتھ روزانہ مولانا حفظ الرحمن صاحب مولانا احمد سعید صاحب اور دوسرے چند جماعتی کارکن ان کے پاس جایا کرتے تھے، گاندھی جی کو پناہ گزیں مسلمانوں کی تباہی کا منظر ان کے محلوں اور کیمپوں میں لے جا کر دکھا چکے تھے، مسلمانوں کی اس المناک تباہی کا منظر انتہائی دلدوز اور جگر سوز تھا، گاندھی جی ایک بڑے لیڈر ہی نہیں تھے، بلکہ وہ انسانیت کے بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے بڑے ہی دکھ کے ساتھ ان مناظر کو دیکھا اور واقعات کو سنا اور وہ ان سے اتنا متاثر ہوئے گویا یہ تباہی و بربادی خود ان کے گھر کی ہوئی ہے، واقعات کی یہ روح فرسا تصویریں ان کے دل ودماغ پر نقش ہو کر رہ گئی تھیں، اس کے علاج کے لئے انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے اور جو ہزاروں آدمی مل کر بھی نہیں کر سکتے تھے، ایک دن گاندھی جی نے مولانا حفظ الرحمن صاحب سے کہا کہ اگرچہ میں آپ سے پہلے سے واقف ہوں اور دوسرے ساتھیوں سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور ہے تاہم ان حالات میں توازن کو برقرار رکھتے ہوئے جس طرح آپ حضرات نے معاملات میں مبالغہ اور رنگ آمیزی کے بغیر مجھ کو صحیح اطلاعات بہم پہونچائیں، بلکہ واقعات سے ایک گونہ کم، چونکہ مجھے دوسرے ذرائع سے اس کا اندازہ ہو گیا، اس لئے میں مجبور ہوں کہ دہلی کے حوادث سے متعلق آپ لوگوں پر بھروسہ کروں پھر کہا مولانا! آپ کو مجھے روزانہ سنا دینا ہوگا اور یہ خیال کر کے کہ میرے دل کو دکھ ہوگا، آپ ہرگز کوئی بات نہ چھپائیں

غرضیکہ جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کی صداقت وخلوص نے گاندھی جی کو اتنا متاثر کیا کہ انہوں

تباہی و بربادی کی یلغار پر آخری ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا اور انہوں نے بغیر کسی سے مشورہ کے مرن برت کا اعلان کر دیا، جب تمام بڑے لیڈروں اور حکومت کے ذمہ داروں کے علاوہ مولانا آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے گلہ شکوہ کیا کہ آپ نے ہم لوگوں کو اطلاع کئے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھایا، آپ کی زندگی تنہا آپ کی زندگی نہیں بلکہ انسانی خدمت و محبت کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ اس پر گاندھی جی نے جو کچھ کہا وہ ان کے دل کی آواز تھی، انہوں نے دہلی میں اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا تھا اور جو سنا اس پر اپنے دلی دکھ اور صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ہندوستان کے دونوں حصوں میں حیوانیت کا جو نقشہ دیکھا اور سنا اور پھر دہلی میں جو کچھ گذرا اس کو دیکھ کر میری آنکھیں شرم سے نیچی تھیں، میں سر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا، میرے پاس فقط ایک جان ہے آج میں ہندو، مسلمانوں میں محبت پیدا کرنے کے لئے، ان کے دلوں کو ملانے کے لئے اور فتنہ و فساد کے تمام سلسلوں کو ختم کرانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا چکا ہوں، میں یہی کر سکتا تھا، اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں،

برت کے کئی دن گذر جانے کے بعد تمام بڑے لیڈروں نے بہ اصرار گاندھی جی سے برت کھولنے کی شرائط پوچھیں تو اس کے جواب میں مختصر طور پر گاندھی جی نے جو فہرست بنائی دی تھی جو جمعیۃ علماء ہند کے کارکنوں کے دلوں کی آواز تھی اور گاندھی جی تک یہ آواز پہنچائی تھی، گاندھی جی نے کہا

(۱) دہلی کے مسلمانوں کو آزادی اور حفاظت کے ساتھ رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کی آزادی ہو

(۲) پہاڑ گنج، قرول باغ، سبزی منڈی اور ان تمام علاقوں میں ان کو جانے کی آزادی ہو، جہاں وہ آج نہیں جا سکتے،

(۳) دہلی کے جو مسلمان ان علاقوں سے برباد ہو کر چلے گئے ہیں اگر وہ آئیں اور پھر اپنے گھروں میں بسنا چاہیں تو ان کو مکانات واپس کر دیئے جائیں گے اور ان کو رہنے سہنے کی سہولت دی جائے گی

(۴) تمام مسجدیں اور عبادت گاہیں خالی اور محفوظ کر دی جائیں گی

(۵) ریلوے اور دوسری سواریوں میں کشت و خون کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔

(۶) پھر کسی پاداش میں ان کا اقتصادی یا کسی طرح کا بائیکاٹ نہیں کیا جائے گا۔

(۷) دہلی اور نواح دہلی میں مسلمانوں کے جو مذہبی میلے ہوتے تھے جیسے قطب صاحب مہرولی کا عرس، وہ آئندہ حسب دستور ہوتے رہیں گے

آخر سب نے گاندھی جی سے پختہ وعدہ کیا کہ ہم ان شرائط کو پورا کریں گے، ہم ان کا برت کھلوایا گیا، پھر دنیا نے دیکھا کہ گاندھی جی کے اس برت نے وہ کام کیا جو بڑی بڑی طاقتیں نہیں کر سکتی تھیں، دہلی کی فضا میں غیر معمولی تبدیلی آئی، حالات کا رنگ ہی بدل گیا، ۴ ستمبر ۱۹۴۷ء سے شروع ہونے والا یہ خونیں ڈرامہ ختم ہوا۔

طوفان گذر گیا

کسی قوم کی ایک سیاسی غلطی اس قوم کی حیات و موت کا مسئلہ کس طرح بن جاتی ہے تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء کے ان تین مہینوں کی پرخون بار داستان اس کی مثال میں پیش کی جا سکتی ہے، تقسیم ہند کے بعد اس سرزمین پر مسلمانوں کا وجود باقی رہ گیا، اسباب و علل کی اس دنیا میں اس کے باقی رہنے کی کوئی سبیل نہیں تھی، لیکن کاتب تقدیر نے ابھی اس سرزمین کے مقدر میں نغمۂ توحید سے محرومی نہیں لکھی تھی اور ظاہری اسباب کی شکل میں جمعیۃ علماء ہند کو اپنی قدرت کے ظہور کا ذریعہ بنایا، اس جماعت کے بے داغ کردار اس کے بے غرض رہنماؤں کی بے لوث اور بے مثال قربانیاں، برادرانِ وطن کی صفوں میں رہ کر ان سے دو قدم آگے بڑھ کر برطانوی امپریلزم سے ٹکر لینا وطن عزیز کی آزادی اور سربلندی اور عزت و وقار کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینا، دار و رسن کی ہر آزمائش میں سرخ رو رہنا یہ ایسے ناقابلِ انکار کارنامے تھے کہ انہیں آزاد ہندوستان کے اربابِ اختیار میں سے بہت سے افراد فراموش نہ کر سکے اور انہوں نے انسانیت و شرافت کی لاج رکھی، بس اتنا ہی سہارا تھا کہ جمعیۃ علماء ہند ملتِ اسلامیہ کی شکستہ کشتی کو خون کے دریا سے باہر نکال لائی اور ساحل پر لگا دیا۔

ہندوستان کا عظیم محسن چلا گیا

ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ بھی جو ہندوستان میں ہندوازم کے احیاء کا خواب دیکھ رہے تھے وہ ہندوستان میں پراچین سنسکرتی کے پرچارک تھے اس طبقہ کی نگاہ میں گاندھی جی اس راہ کا سب سے بڑا روڑہ تھے، کیونکہ وہ انسانیت دوست تھے اس لئے وہ ہر ایک کو اس ملک میں اس کا فطری و قدرتی حق دینے کے داعی تھے

یہی بات اس طبقہ کے لئے ناقابل برداشت تھی اس طبقہ کا ایک فرد ناتھورام گوڈسے نے برارتھنا سبھا میں ہاتما گاندھی پر پے در پے تین گولیاں چلائیں اور وہ وہیں گر گئے، اس طرح ہندوستان میں انسانیت وشرافت کا ایک روشن چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا، یکم فروری ۱۹۴۸ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا آزاد ہندوستان میں سب سے پہلا اجلاس جب دہلی میں ہوا تو اس جلسہ میں سب سے پہلے وہی مسئلہ سامنے آیا جو کل ۳۰؍ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہوا تھا یعنی گاندھی جی کے قتل کا حادثہ عظیم، جلسہ نے ایک تجویز تعزیت منظور کرتے ہوئے کہا کہ اس واقعہ نے اعلان کر دیا کہ فسادات ضرور تھم گئے ہیں مگر فرقہ پرستی کا دیو ابھی زندہ ہے اور اتنا طاقتور ہے کہ وہ ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت پر بھی ہاتھ ڈال سکتا ہے، انسانیت وشرافت کے چمکتے ہوئے سورج کو بھی بجھا سکتا ہے، ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی اس کے سامنے کیا حقیقت ہے اس جلسہ میں سب سے پہلے اس درد انگیز اور دہشتناک حادثہ قتل پر ایک تجویز کے ذریعہ غم واندوہ کا اظہار کیا گیا اور ملک میں گاندھی جی کی عظیم اور ناقابل فراموش خدمات کا اعتراف کیا گیا

اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ بدلے ہوئے حالات میں ضرورت ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے دستور العمل پر از سر نو غور کیا جائے اس کے لئے مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک سب کمیٹی تشکیل کی گئی جو جمعیۃ علماء ہند کا جدید دستور مرتب کریگی، سب کمیٹی کے ارکان مندرجہ ذیل تھے (۱) مولانا ابوالکلام آزاد (۲) مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب (۳) مولانا احمد سعید صاحب (۴) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب (۵) مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ۱۵؍ اپریل ۱۹۴۸ء کے اجلاس عاملہ میں جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کے لئے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کا نام باتفاق منظور کیا گیا اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بدستور ناظم عمومی رہے

آزاد ہندوستان میں پہلا سالانہ اجلاس

جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس ۲۶ / ۲۷؍ اپریل ۱۹۴۸ء کو بمبئی میں شیخ الاسلام کی صدارت میں ہوا، صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں آزادی کے گزشتہ آٹھ نو مہینوں کا جائزہ لیا اور آخر میں فرمایا کہ

"انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی عظیم الشان تاریخ میں اس غلطی کا ارتکاب کیا جس کے لئے زعماء کانگریس کے دل آمادہ نہیں تھے اور زبانیں اعتراف کر رہی تھیں کہ ہم غلط راستہ پر جا رہے ہیں، جمعیۃ علماء ہند نے تقسیم ملک کی تجویز منظور کر لینے کی غلطی میں کانگریس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس نے اپنے اجلاس لکھنؤ میں کانگریس کی اس عجیب و غریب غلطی سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا، مگر افسوس زمام اختیار ان کے ہاتھ میں تھی جو تقسیم ہند کا فیصلہ کر چکے تھے"

حیدر آباد خون میں نہا گیا

۲۷ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس بنارس میں ہوا، اس سے تین مہینے پہلے حیدر آباد میں پولیس ایکشن ہوا اور تین دنوں میں حیدر آباد میں قبضۂ اختیار کے سارے مرحلے تمام ہو گئے، مگر اس کے بعد پوری ریاست میں فرقہ پرستوں نے اپنی تلواروں کی دھار بے گناہ مسلمانوں پر آزمائی شروع کر دی تو قیامت مچ گئی لیکن ہندوستان میں کون تھا جو ان مظلوم مسلمانوں کے دکھ درد کو سمجھے اور اس کا جائزہ لے، تاریخ کے اس موڑ پر پھر جمعیۃ علماء ہی سامنے آئی اور اس نے فوری طور پر حالات کا جائزہ لینے کے لئے اس اجلاس میں ایک وفد مرتب کیا کہ وہ حیدر آباد جائے اور جائزہ لیکر رپورٹ پیش کرے اس وفد میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، مولانا نور الدین بہاری سید محمد جعفری، مولانا سید محمد میاں صاحب اور مولانا بشیر الدین صاحب شامل تھے،

— محشرستان حیدر آباد

تقسیم ہند کے نتیجہ میں دہلی، پنجاب، الور، بھرت پور اور اجمیر کے بعد جہاں مسلم اقلیت کو آگ اور خون کی بارش میں نہانا پڑا اور ہولناک تباہی و بربادی کے سیلاب سے گذرنا پڑا وہ ریاست حیدر آباد تھی ستمبر ۱۹۴۸ء میں حیدر آباد پر پولیس ایکشن ہوا، اس کا خمیازہ خاص شہر حیدر آباد کو چھوڑ کر ریاست کے وسیع علاقہ، اضلاع، قصبات اور گاؤں کے بے قصور مسلمانوں کو بھگتنا پڑا، حدود ریاست میں جو تباہی و بربادی ہوئی

اس کی دہشت نے دوسری مسلم آبادیوں کو زندہ درگور کردیا تھا، شمالی ہند کی طرح جنوبی ہند کی اس دم بخود اور نیم جان آبادی کی بھی جن لوگوں نے دستگیری کی ان کے زخموں پر مرہم رکھا اور ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا، دہشت اور خوف کی وجہ سے موت سے بدتر زندگی گذارنے والوں کو توانائی اور حرارت بخشی وہ جمعیۃ علماء ہند ہی کے رہنما تھے، انہوں نے ان کو زندگی کی نئی شاہراہ دکھائی اور ہاتھ پکڑ کر ان کو اس شاہراہ پر کھڑا کیا،

جس ماحول میں یہ پولیس ایکشن ہوا اس ماحول کا اثر پولیس پر بھی تھا وہ بھی اسی ملک کی آب وہوا کے پروردہ تھے، اس نے اپنی مسموم ذہنیت کا مظاہرہ کیا تو حیدرآباد کے مسلمانوں نے بذریعہ تار دفتر جمعیۃ علماء ہند کو مطلع کیا، دفتر نے فوراً حکومت کو پولیس کی بے اعتدالیوں کی طرف متوجہ کیا، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کرکے صورتحال بتائی اور اس کو دور کرنے کا مطالبہ کیا، وزیراعظم نے فوراً تحقیق کا حکم دیا اور اس کے انسدادی کارروائیوں کا آغاز کردیا۔

جمعیۃ علماء کے وفود

پولیس ایکشن کے صرف تین مہینے بعد جب ابھی زخموں سے خون رس رہا تھا اور درد و کرب کی چیخ ابھی فضاؤں میں منڈلا رہی تھی، دسمبر ۱۹۴۸ء میں جمعیۃ علماء ہند کا پہلا وفد حیدرآباد گیا جس میں دیگر ارکان کے علاوہ مولانا عبداللہ مصری اور پنڈت سندرلال کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، پنڈت سندرلال گاندھی جی کے مشہور چیلے اور بہت مخلص انسان تھے اور انہوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کے ختم کرنے میں بڑی مخلصانہ خدمات انجام دی تھیں، اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کو اس وفد میں شامل کیا گیا تھا، ارکان وفد نے ریاست کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا، متاثرہ علاقوں کو دیکھا، حالات اور ضروریات کا جائزہ لیا اور اپنی تفصیلی رپورٹ مرتب کرکے مولانا حفظ الرحمن ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کے ذریعہ وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو

سردار ولبھ بھائی پٹیل وزیر داخلہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں میں پیش کی اور فوری ضروری اقدامات کا مطالبہ کیا۔

دوسرا وفد ۳۱ر جنوری ۱۹۴۹ء کو بھیجا گیا جس میں مولانا شبیر احمد، مولانا نورالدین بہاری، مولانا سید محمد میاں، سر سید محمد جعفری شریک تھے پھر تیسرا وفد مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی اور مولانا مقبول احمد جامی پر مشتمل فروری ۱۹۴۹ء میں روانہ کیا گیا ان وفود نے تمام اہم اور متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا، حالات کو بچشم خود دیکھا، سہمے اور ڈرے ہوئے مسلمانوں سے ملے اور غیر مسلم عمائدین سے بھی ملاقاتیں کیں اور تفصیلی جائزہ لے کر ان کے مسائل و مشکلات اور ان کی ضرورتوں کی فہرست ان کے تحفظ اور ان میں اعتماد کی بحالی کے لئے ضروری اقدامات اور تدابیر کا ایک خاکہ لے کر لوٹے اور دہلی آکر ذمہ داران حکومت سے اس سلسلہ میں ضروری گفتگو اور ان مسائل کے حل کرنے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی، مرکزی حکومت کے ذریعہ جو کچھ کرایا جاسکتا تھا اس کے لئے مسلسل جدوجہد جاری کا رہی۔

حیدرآباد کے مسلمانوں کے موجودہ مسائل حل کرنے کے لئے ضروری سمجھا گیا کہ کچھ مقامی با اثر افراد کو عوام میں کام کرنے کے لئے میدان میں لایا جائے تاکہ وہ مسلسل عوام سے رابطہ رکھیں اور ان کے مسائل پر نظر رکھیں اور ہر وقت مدد پہونچا سکیں کیونکہ ریاست حیدرآباد کا مسئلہ ایک مخصوص نوعیت کا تھا اور دیر طلب تھا، اسی نقطۂ نگاہ سے حیدرآباد میں جمعیۃ علماء ہند کی ریاستی شاخ قائم کی گئی، مولانا عبدالسبحان صاحب الٰہ دخاں صاحب، مسٹر یونس سلیم صاحب وکیل مولانا حمیدالدین قمر اور ان کے رفقاء نے جماعتی زندگی کے پیغام پر سب سے پہلے لبیک کہے پھر یہ حضرات پورے عزم و ہمت کے ساتھ میدان عمل میں آئے اور اس وقت سے لے کر کئی برس تک مسلسل دہلی آآکر جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر میں اس وقت کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ذریعہ حالات کو بہتر بنانے کی جدوجہد کرتے رہے۔

کام ہی کام

نادار مظلوموں کی امداد، اجڑے ہوئے لوگوں کی آبادکاری، مساجد اور عبادت گاہوں کا تخلیہ اور بحالی، پولیس ایکشن میں کام آنے والے لوگوں کے لاوارث اور یتیم بچے، بیوائیں اور پسماندگان کی نگہداشت اور امداد جیسے درجنوں قومی مسائل کے ساتھ ساتھ دہشت زدہ مسلمانوں میں اطمینان و اعتماد کی فضا پیدا کرنا، اور ان کو ملک کے بدلے ہوئے حالات کے ساتھ مربوط کرکے عزت نفس، خودداری اور صحت مند زندگی کی راہ پر لانا، حکومت اور برادران وطن کے دلوں میں ان کے کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کرنا وقت کی سب سے اہم اور شدید ضرورت تھی۔

اس وقت سرزمین حیدرآباد میں یہ تمام الجھے ہوئے اور نازک کام جس طول اور دوراندیشی کے ساتھ انجام پائے اور آج مسلمانان حیدرآباد کی یادگار شہری زندگی بڑی حد تک انہیں مسلسل کوششوں کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، دہلی میں ان تمام وفود کی سرگرمیوں کا محور اور حکومت ہند تک ان کی رسائی کا وسیلہ جمعیۃ علماء ہند کا دفتر اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کی ذات گرامی تھی، ان مسلسل کوششوں کی بدولت ریاست حیدرآباد کے حالات نے بتدریج اصلاح کی شکل اختیار کرلی،

جب وقتی اور ہنگامی مسائل کی جدوجہد ایک مرحلہ تک پہونچ گئی تو مولانا حفظ الرحمن نے ۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۹ء سے ۲۰ر اکتوبر تک پوری ریاست حیدرآباد کا دورہ کیا، اس دورے میں جہاں، جب اور جیسی ضرورت پیش آئی اور مقامی ذمہ داران حکومت سے بات بننے والی ہوئی تو آپ نے فوراً ملٹری گورنر مسٹر دلوڈی اور ریاستی چیف سکریٹری مسٹر جینا سے مل کر پوری کرائی اور جو کام مرکزی حکومت کے تھے واپسی کے بعد ان کو مرکزی گورنمنٹ سے پورا کرانے کی کوشش کی، اس دورے میں مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتی مولانا موصوف کے ہمرکاب تھے۔

سال بھر کی مسلسل اور انتھک جدوجہد کے بعد مولانا موصوف کے اس دورہ نے حیدرآباد کی فضا پر گہرے اور مفید اثرات ڈالے اور ان کی حیات آفریں تقریروں نے

حیدرآباد کے مسلمانوں کو استقامت وجرأت ومردانگی کا پیغام دیا جس کی اس وقت انکو سب سے زیادہ ضرورت تھی، مولانا موصوف کے دورہ کے وقت تک حیدرآباد پر فوج قابض تھی، ابھی دستوری حکومت وہاں قائم نہیں ہوئی تھی، اس لئے انتظامیہ کے سارے مسائل فوج ہی سے متعلق تھے اور فوج حیدرآباد آنے والے ہر لیڈر کی بڑی سخت نگرانی کررہی تھی آپ نے دورہ کے آخری دن حیدرآباد کے ایک بڑے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے حیدرآباد کے اضلاع، قصبوں، دیہاتوں اور خود حیدرآباد کے بعض مقامات کا دورہ کیا ہے، مجھے حیدرآباد کے مسلمانوں کے دکھ درد کا پورا احساس ہے، میں نے دیکھا کہ دیہات میں ابھی تک حالات پوری طرح اعتدال پر نہیں آئے اور نہ پوری طرح امن وامان قائم ہوا ہے، اب بھی دیہات میں مسلمانوں کو قتل وخوف کا خطرہ لاحق ہے، ان کی زمینوں پر دوسروں کا قبضہ ہے، ان کے گھر اب بھی کہیں کہیں ویران ہیں میں نے بعض مسجدیں بھی دیکھیں جنہیں یا تو مندر بنا دیا گیا ہے یا شہید کردی گئی ہیں اور ویران ہیں، بہت سے لوگ جو بے گناہ ہیں آج بھی جیلوں میں قید ہیں اور ان کے خاندان پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

آپ نے افسران فوج کو خطاب کرتے ہوئے ان کو ان کے فرائض یاد دلائے اور کہا "میں اس وقت نہیں کہہ سکتا کہ اس معاملہ میں کیا خدمت مجھ سے ہوسکتی ہے اور میں دہلی میں کیا کروں گا، لیکن میں یہاں ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں، انڈین یونین کے ان عہدیداروں سے جنہیں یہاں حالات سدھارنے اور نظم ونسق سنبھالنے کے لئے متعین کیا گیا ہے، وہ حیدرآباد پر قابض نہیں ہیں اگر انڈین یونین کے ان عہدیداروں کے ہاتھوں سے کسی کو یہاں تکلیف پہونچ رہی ہے تو کل انہیں جواب دینا ہوگا، وہ یاد رکھیں کہ نئے ہندوستان میں سرکاری عہدیدار حاکم نہیں ہیں بلکہ خادم ہیں، لہٰذا جو ہدایات انہیں

دہلی سے دی گئی ہیں ان پر خدمت کے جذبے کے ساتھ عمل کریں، جن کی زمینیں ہیں انہیں واپس دلائیں، مسجدوں کی بازیابی کا انتظام کریں، اور جن کی مدد کرنی ہے ان سے غفلت نہ کریں، اس طرح جب وہ دہلی واپس ہوں گے تو سرخ رو بھی ہوں گے، جنہ یاد رکھیں کہ کسی کو تباہ کرنیوالا کبھی آباد نہیں ہو سکتا،

مجھے مسرت ہے کہ سوامی جی سے مل کر میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی، میں سوامی جی سے اس وقت یہی کہوں گا کہ وہ فرقہ پرستوں کی پوری نگرانی کریں میں اس شکایت سے اتفاق نہیں کرتا کہ حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس نے مسلمانوں کو اس طریقہ سے دعوت نہیں دی جس طرح دینی چاہیئے تھی، ان کا سواگت نہیں کیا گیا، یہ تو خود مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ تمام رکاوٹوں کی پرواہ کئے بغیر کانگریس میں گھس جائیں، فرقہ پرستوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قومیں غدار نہیں ہوتیں، البتہ افراد غدار ہوتے ہیں، اس لئے مسلمانوں سے وفاداری کا مطالبہ کرنا قطعاً غلط ہے،،

صدر کانگریس سوامی رامانند تیرتھ اس اجلاس میں موجود تھے وہ اس تقریر سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں اس موقعہ پر تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس ان کی تمام شکایتوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کریگی، میں مولانا کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ ہماری طرف سے مسلمانوں کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں ہوگی،

عظمت کردار کی تاثیر

سب سے بڑی مشکل یہ آپڑی تھی کہ ان فسادات یا ہنگاموں میں جہاں مسلمانوں کی ہر طرح یک طرفہ کاروائی کر کے تہس نہس کر دیا جاتا ہے، مسلم آبادیوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی تھی، درد و کرب کی چیخوں سے فضا گونج جاتی تھی، کھلی آنکھوں سے ان کی تباہی و بربادی نظر آتی تھی، دیکھنے والوں کا کلیجہ دہل جاتا تھا، آنکھوں سے خون کے آنسو

اور جب کوئی مخلص اور سچا رہنما انہیں حالات کو ارباب انتظام کے سامنے رکھ کر ان کی طرف متوجہ کرتا تھا تو فوراً تیوری پر بل ڈال کر کہدیا جاتا تھا۔

شکایت فضول ہے، آپ پاکستان چلے جائیے، آپ کو کون روکتا ہے

آپ کا یہاں پر کیا حق ہے؟ اب آپ کو یہاں لیگی جھنڈا لہرانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، آپ کا اس سرزمین پر کوئی حق نہیں ہے اور نہ آپ کے لئے اس سرزمین میں کوئی گنجائش ہے۔

نہایت لاپرواہی اور شان بے نیازی کے ساتھ اہم ترین نظم ونسق کے مسئلوں اور نازک ترین حالات کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا، دکھ درد سے مجبور ہو کر شکایت کرنے والا خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا ہر قومی کارکن اور لیڈر ڈر کر کو اس طرح کے زہر میں بجھے ہوئے جملے سننے پڑتے تھے، ان حالات کا مقابلہ کون کرتا؟ انتظامیہ کے بد دماغ اور خودسر افسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس کو بات کرنے کی ہمت تھی؟ مسلم لیگ کا جنازہ اٹھ چکا تھا، اپنے پیچھے تباہیوں اور بربادیوں کا لہراتا ہوا سمندر چھوڑ کر اپنے شیش محل میں چین کی نیند سو رہی تھی، مجلس احرار کے جیالے بہادر اور مخلص رہنما بالعموم ان علاقوں کے تھے جو خود تباہیوں اور بربادیوں کے شکار تھے یا وہ علاقے خود پاکستان میں پڑ گئے تھے، مومن کانفرنس کے لیڈروں کی زبان میں قدرت نے وہ گویائی نہیں دی تھی جو رعد و برق بن کر کڑکتی اور گرجتی، ان حالات میں ضرورت ان لوگوں کی تھی جو شیروں کا جگر رکھتے تھے، اس تاریک ماحول اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اگر عظمت کردار کی کوئی روشنی تھی تو صرف جمعیۃ علماء کے پاس تھی اس لئے یہ نازک اور خطرناک فریضہ بھی انہیں کو ادا کرنا تھا، قدم قدم پر ان کو اسی طرح کے کڑوے، کسیلے اور تلخ لب و لہجہ اور بگڑے ہوئے تیوروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن جنگ آزادی میں انکے بے لوث کردار، سرفروشانہ جد وجہد اور وطن عزیز کی سربلندی کے لئے مجاہدانہ کارنامے جو انہوں نے انجام دیئے تھے ان پر خاک نہیں ڈالی جا سکتی تھی اس لئے آزادی کے معاً بعد اکثریت کی فرقہ پرستی کو چیلنج کرنے، مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیوں

کے انسداد اور اصلاح کے لئے انتہائی بے جگری اور تندہی سے مجاہدانہ کارنامے انجام
دینے کی ذمہ داری تنہا جمعیۃ علماء کے کندھوں پر آچکی تھی، جمعیۃ علماء کے رہنماؤں
کی بے لوث اور مخلصانہ جدوجہد اور عظمت کردار ہی تھی جو ہر موقعہ پر ان کی آواز میں
اثر اور دل میں قوت بن کر ابھرتی تھی اور ماحول پر چھا جاتی تھی، ظاہر ہے کہ ہر شخص یہ
بات نہیں کہہ سکتا تھا جو کانفرنس کے کھلے اجلاس میں مولانا حفظ الرحمن صاحب برملا کہتے تھے
"کسی بھی جائز شکایت کے موقعہ پر پاکستان یا لیگ کا نام لیکر ہماری
آواز دبانے کی کوشش نہ کیجائے، ہم نے وطن کی آزادی کے لئے اسی
طرح جان کی بازی لگائی ہے جس طرح دوسروں نے، آج وطن کی سرزمین
پر جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل اپنا حق رکھتے ہیں تو حسین احمد، کفایت اللہ
اور حفظ الرحمن کو بھی وہی حق حاصل ہے اور انکے اس حق کو چھینا نہیں جاسکتا"
اس لئے ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کے بعد تقریباً دس بارہ سال تک ابتلاء آزمائش
اور مسلمانوں پر مسلسل ٹوٹنے والی قیامتوں میں جمعیۃ علماء ہند ہی ہندوستان کے مظلوم
اور مجبور مسلمانوں کا تنہا سہارا تھی۔

آپ مجھے نہیں پہچانتے

آزادی کے بہت دنوں بعد بھوپال میں زبردست فساد ہوا، مسلمانوں کو بے پناہ
تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا، مولانا حفظ الرحمن بھوپال پہونچے، حالات کی سنگینی
کو پورے شہر میں گھوم پھر کر دیکھا، جمعیۃ علماء کے مقامی رہنماؤں سے معلومات حاصل
کیں، حالات اتنے دردناک تھے کہ فوراً اس طرف توجہ کی ضرورت تھی، آپ نے وزیر اعلیٰ
مدھیہ پردیش سے ملاقات ضروری سمجھا، مگر معلوم ہوا کہ وزیر اعلیٰ مسٹر کاٹجو باہر گئے ہوئے
ہیں، ڈپٹی ہوم منسٹر جو گوالیار کے باشندے تھے، وہی انتظامیہ کے ذمہ دار تھے
مولانا موصوف نے ان کے بنگلے پر ان سے ملاقات کی، اتفاق سے آئی جی بھی وہیں
موجود تھے، مولانا نے اپنے مشاہدات و معلومات پیش کر کے مسئلہ کی اہمیت دانستہ
کو بتایا اور کہا کہ اب تک کوئی موثر کاروائی امن وامان بحال کرنے اور مظلوموں

کو مدد پہونچانے کیلئے منظم کی گئی، میں نے محسوس کیا کہ انتظامیہ کی روش بھی صحیح نہیں رہی۔ بے محل اور غلط اقدامات کئے گئے ہیں ہوم منسٹر اتنی کڑی اور سخت تنقید سن کر آپے سے باہر ہونے لگے اور اکھڑے اکھڑے جواب دینے لگے اور تیوری پر بل ڈال کر صاف کہدیا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں، مولانا کو بھی اب یارائے ضبط نہیں رہا اور آپ نے گرم لہجہ میں انکو للکارا، میرے دیکھے ہوئے واقعات کو آپ جھٹلا رہے ہیں؟ آپ سے اصلاح کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ آپ مجھ پر ایک طرف بات کرنے کا الزام لگاتے ہیں؟ میں مسلمانوں کی طرف داری کر رہا ہوں؟؟ آپ مجھے پہچانتے نہیں، آج کا ٹچو یہاں ہوتے تو وہ مجھے اس طرح جواب نہیں دے سکتے جسطرح آپ دے رہے ہیں اتنا تلخ، اتنا گرم لب ولہجہ؟ وہ بھی ایک مسلمان لیڈر کا؟ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، ڈپٹی ہوم منسٹر کو سوچنا پڑا کہ اس آواز کے پیچھے کون سی طاقت کام کر رہی ہے؟ یہ فولادی آہنگ، یہ آہنی انداز گفتگو اسی عظمت کردار اور لافانی جذبہ ایثار کا کرشمہ تھا جو جنگ آزادی میں رہنمایان جمعیۃ علماء کی زندگی میں ہر ہر قدم پر کارفرما تھا، ڈپٹی ہوم منسٹر نے ندامت کے ساتھ اپنے لب ولہجہ پر معذرت کی اور پھر خوشامدانہ باتیں کرنے لگے مولانا! میں نے آپ کو پہلے پہچانا نہیں، بہت دنوں سے آپ کا ذکر سن رہا تھا، میں خود آپ کو گوالیار میں بلانا چاہتا تھا، میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہونچی، مجھے شرمندگی ہے معاف فرمائیں

پھر تو نقشہ ہی بدل گیا اور ضروری اقدامات کے لئے سنجیدہ ماحول میں غور کیا جانے لگا، اسی طرح کے واقعات جودھپور، جالور وغیرہ میں بھی پیش آتے رہے اور ہر جگہ حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑا، مگر ان ہولناک تاریکیوں کا سینہ چیر کر انسانیت و شرافت، نیشلزم اور سیکولرزم کی تیز روشنی جمعیۃ علماء ہر خوفناک اندھیرے میں بکھیرتی رہی

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم؟

آزادی کے فوراً بعد حکومت کے تمام دفاتر میں کام کرنے والے مسلمانوں کو ایک ایک فارم دیا گیا جس میں ان سے پوچھا گیا تھا کہ وہ ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان جانا چاہتے ہیں، پاکستان کا تقدس ابھی ان کے ذہنوں میں تازہ تازہ تھا ان کی خوش فہمیاں اب بھی قائم تھیں، اس لئے ملازمت پیشہ نوجوانوں کے ذہن میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ یہاں عصبیت کی وجہ سے ہماری ترقی خطرے میں ہے، پاکستان میں ترقی کے مواقع زیادہ ہیں اس لئے ۳۵ ہزار فارم جو پر کئے گئے ان میں پاکستان کو ترجیح دی گئی تھی یہ فارم حکومت کے پاس جمع ہو گئے، فارم پر کرنے کے بعد حالات کچھ ایسے ہوئے کہ بڑی تعداد میں لوگوں نے پاکستان جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ نہیں گئے، انہیں میں سے کچھ لوگ پاکستان گئے لیکن حالات سازگار نہیں پائے اور وہ واپس آگئے اب ایسے تمام لوگوں نے جب پھر ملازمت کی درخواست دی تو ان کے لئے اب کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی، مزید دشواری یہ ہوئی کہ مسلمان تو ہزاروں کی تعداد میں پاکستان جا کر واپس آگئے، مگر پاکستان سے جو شرنارتھی، ہندوستان آئے ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں گیا انہیں شرنارتھیوں کو مسلمانوں کی خالی کی ہوئی جگہوں پر تعینات کر دیا گیا اس لئے پاکستان سے لوٹ کر آنے والے لوگوں کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رہ گئی، اب وہ کہیں کے نہیں رہے۔

محکمہ ریلوے کی شقیانہ ذہنیت

محکمہ ریلوے نے یہ ظلم کیا کہ جتنے مسلمان ملازمین تھے ہر ایک کو بلا استثنا پاکستانی قرار دیدیا، این، ڈبلو، آر میں عموماً یہی کیا گیا تھا، جودھپور سے ایک لائن سندھ جاتی تھی یہاں ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، سارے مسلمان ملازمین کو بیک وقت

بیک جنبش قلم برخاست کر دیا گیا، حالانکہ ان میں سے نہ کسی نے عارضی پاکستان لکھوایا تھا اور نہ مستقلاً پاکستان لکھا تھا، ان ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان ملازموں کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہو گئی اور حالات ایسے تھے کہ وہ خود کچھ کر نہیں کر سکتے تھے اور حکومت کی اعلیٰ سطح پر کوئی ان کی فریاد پہونچانے والا نہیں تھا، آخر جمعیۃ علماء ہی کے زعماء سامنے آئے اور انہوں نے حکومت کی اعلیٰ سطح پر گفتگو کر کے مسلمان ملازموں کے بارے میں حکومت کی پالیسی تبدیل کرائی،

مولانا حفظ الرحمن نے متعدد بار مرکزی حکومت کے ذمہ داران بالخصوص وزیر اعظم پنڈت نہرو، مولانا آزاد، سردار پٹیل اور ریلوے منسٹر کو اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی اس وقت ریلوے منسٹر لال بہادر شاستری تھے، انہوں نے مولانا حفظ الرحمن کی بار بار یاددہانیوں کے بعد ان کے خط کے جواب میں حکومت کی پالیسی بدلنے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ

> حکومت ہند نے مسلم ریلوے ملازمین کے سلسلہ میں جو ہدایات جاری کی ہیں وہ تمام فائنل انڈیا آپٹ کرنیوالوں کو سروس میں لئے جانے کے حق میں ہیں بشرطیکہ ان کے خلاف کوئی ایسی چیز نہ ہو جو ان کو غیر مستحق بنا دیتی ہے
>
> (الجمعیۃ ۱۳ر ستمبر ۱۹۵۲ء)

اس کے بعد جو جگہیں بروقت خالی تھیں وہاں مسلمان فوراً لے لئے گئے اور جن ملازموں کو اس وقت جگہ نہیں مل سکی ان کے متعلق طے کیا گیا کہ خالی ہونے والی جگہوں پر تقرری میں ان کو اولیت دی جائے گی،

اغوا شدہ عورتوں کی بازیابی

۱۹۴۷ء کی وحشت و بربریت میں ہندوستان و پاکستان میں ایک نہایت ہی شرمناک مسئلہ بھی پیدا ہوا دونوں طرف جوش انتقام میں معصوم عورتوں اور لڑکیوں کو اغوا کیا گیا اور زبردستی ان کو اپنے ساتھ رکھا گیا ایسی مجبور و مظلوم عورتوں کی تعداد ہندوستان میں ہزاروں تھی، یہ مسئلہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت ہی اہم تھا

کسی قوم کے لئے بڑی ہی شرم کی بات کی ہے اور بڑی بے غیرتی کہ اس کی بہو بیٹیاں دوسروں
کے پاس ہوں اور خاموشی سے برداشت کرلیں، اتفاق سے ہند و پاک دونوں حکومتوں
کو اس مسئلہ کی نزاکت کا احساس ہوا اور اعلیٰ سطح پر دونوں حکومتوں میں معاہدہ ہوا
اور ان اغوا شدہ عورتوں کو ان کے ورثاء تک پہونچانے کی راہ پیدا ہوئی، قدرتاً
کچھ لوگ اس کام کے لئے میدان میں آئے کہ جمعیۃ علماء نے اس سلسلہ کی ذمہ داری
مولوی انیس الحسن منیجر الجمعیۃ کے سپرد کی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اس کے نگراں
ہوئے، مسلسل پانچ سالوں تک اغوا شدہ عورتوں کا پتہ چلایا جاتا رہا، جب جہاں
پتہ چل جاتا تھا ان کو حاصل کرکے ان کے گھر والوں تک پہونچانے کا بندوبست
کیا جاتا تھا، شب و روز کی مسلسل اور انتھک جدوجہد کے نتیجہ میں مغویہ عورتوں کی
بہت بڑی تعداد برآمد کرکے ان کے ورثاء تک پہونچائی گئی، اس کام میں دوسرے
لوگوں نے بھی جمعیۃ علماء کے کاموں میں ہاتھ بٹایا، ان میں شریمتی رامیشوری نہرو
مس مردولا سارا بھائی، بیگم انیس قدوائی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں اسطرح
جنرل شاہنواز خاں جو بعد میں ریلوے وزیر ہوئے انہوں نے مس مردولا سارا بھائی
کے ساتھ مل کر اس فرض کو انجام دیا، ہندوستان میں خاص طور پر دہلی، پنجاب
الور، بھرت پور سے بڑی تعداد میں عورتیں اغوا کی گئی تھیں، کارکنوں کے خلوص
اور حکومت کے تعاون سے اس سلسلہ میں کافی مدد ملی پھر بھی چھ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا

ناجائز قبضے اور واگذاری

ملک بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں اسلامی اوقاف، مساجد، قبرستان، خانقاہوں
اور درگاہوں اور ان دابستہ دینی مقاصد کے تحفظ ایک اہم تعمیری مسئلہ تھا،
آزاد ہندوستان کے نئے جمہوری نظام و قوانین میں ایک متعین پالیسی کے لئے
ملک گیر پیمانے پر کوشش وقت کی بڑی اہم ضرورت تھی ۱۹۴۷ء میں اور اس کے بعد
دہلی، پنجاب، میوات، اجمیر اور راجستھان کے سرحدی اضلاع میں برباد شدہ اور
مقبوضہ ہزاروں مساجد و مقابر، درگاہوں اور دیگر اوقاف کی بحالی ناجائز قبضوں

کا ازالہ، مرمت صفائی ان سے وابستہ زمینوں اور کھیتوں کی بحالی وغیرہ ہنگامی مسائل تھے لیکن جمعیۃ علماء کو ان کے لئے مسلسل پندرہ برس تک جدوجہد کرنی پڑی ایک ایک مسجد ایک ایک وقف ایک ایک درگاہ کے لئے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو بار بار حکام متعلقہ سے ملنا پڑا، خطوط لکھنے پڑے، وفود بھیجے، درجنوں بار پنجاب راجستھان اور اجمیر جاکر حالات کا مشاہدہ کرنے، وزراء اور حکام سے مل کر اصلاح حال کی کوشش کرتی، مرکزی حکومت میں برسوں مولانا آزاد اور وزیر بحالیات اور جنرل بھونسلے نائب وزیر بحالیات اور دوسرے ذمہ داروں سے سینکڑوں مرتبہ مل کر ایک ایک معاملہ کو ٹھیک کرانا پڑا۔

سود وزیاں کا جائزہ

آزاد ہندوستان میں جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس اپریل ۱۹۴۹ء میں بمقام لکھنؤ زیر صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ہوا اس اجلاس میں جمعیۃ علماء کے ۲½ سالہ کارگزاریوں کا اجمالی جائزہ لیا گیا اور اندازہ لیا گیا کہ تقسیم ہند کے بعد ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا، سود وزیاں کے پیمانے پر جب اس دور کا جائزہ لیا گیا تو اپنی المناک تباہی وبربادی پر آنکھوں سے خون کے آنسو نکل پڑے، زندگی کے جس جس پہلو پر نظر گئی وہ زخموں سے چور نظر آئے، وہ اپنے جلے ہوئے مکانوں کی راکھ پر بیٹھکر ہم نے صرف اپنے ایمان واسلام کی بقاء کے لئے دعائیں کیں، ایک اسلامی حکومت کے ڈھونگ اور فریب نے ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے جوڑ جوڑ کو چوٹ، زخموں اور گہری گھاؤ سے چور چور کرکے رکھدیا یہ سیاسی نادانی کی دنیا میں اپنی مثال آپ ہے لکھنؤ اجلاس کی رپورٹ کے آخری پیراگراف میں خدا کا شکر ادا کیا گیا کہ ۱۹۴۹ء میں حالات قابو میں رہے اور حیدرآباد کے علاوہ کسی جگہ بھی کوئی ایسا ہنگامہ نہیں ہوا جو طوفان کی شکل اختیار کرے، یعنی ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی اس دہشت زدہ ماحول میں بسر ہورہی تھی جسمیں ہر لمحہ کسی بڑے طوفان کا خطرہ لاحق رہتا تھا، کوئی مصیبت کوئی بڑا حادثہ کوئی طوفان برپا نہیں ہوا تو یہ امید کے برخلاف ہوا اور اس پر خدا کا شکر

ادا کیا گیا کہ ہمارے اوپر کوئی تازہ حادثہ نہیں آیا کوئی طوفان نہیں کھڑا ہوا تو اسے
الیمان کی بات سمجھا گیا یہ بے بسی مظلومی و بیچارگی کی وہ انتہا جو ایک غلط سیاست داں
کے فریب کے نتیجہ میں آئی آہ منہ پھر جس کی امید نا امیدی اسکی دیکھا چاہیئے۔

دو سال اور گذر گئے

جمعیۃ علماء ہند کا سترہواں سالانہ اجلاس حیدر آباد میں شیخ الاسلام مولانا سید
حسین احمد مدنی کی صدارت میں اپریل ۱۹۵۱ء میں ہوا، اس اجلاس میں جو کارگذاری
رپورٹ پیش کی گئی اس کے خاص خاص اجزاء یہ ہیں۔

(۱) پچھلے سالوں میں فسادات کے دوران جو مسلمان عورتیں اغوا کی گئیں ان کی برآمدگی کی
جدوجہد جمعیۃ علماء کرہی تھی کئی سو کی تعداد میں بازیاب ہوئیں ان عورتوں کو جمعیۃ علماء ہند
اپنے ذرائع اور اخراجات سے ان کے وارثوں تک پہونچاتی رہی، بسا اوقات راولپنڈی
پشاور، کراچی تک ان عورتوں کو لے جانے کا بندوبست کیا گیا۔

(۲) سات لاکھ کے قریب مسلمان جو ریاست بھرتپور، الور، ضلع گوڑگانوہ مشرقی پنجاب
اور صوبہ دہلی کے دیہات یا شہر دہرہ دون کے فسادات کے درمیان اجڑ گئے تھے
ان کی بیشتر تعداد ادھر ادھر منتشر تھی، اتنی بڑی تعداد مختلف کیمپوں میں پناہ گزینوں کی
طرح رہ رہی تھی، جو کیمپ حکومت نے یہ کیمپ قائم کئے تھے کیمپ جمعیۃ علماء نے، ایسے
کیمپوں کا نظم ونسق کیا، اور حکومت کو برابر ان کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتی رہی اور
ان کو ضروری امداد پہونچاتی رہی۔ جیسے جیسے حالات میں سدھار پیدا ہوا اپنے وطن
اور جنم بھومی کی طرف لوٹنے لگے ان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، حکومت ان کو آباد کرنے
کی سہولتیں بہم پہونچارہی ہے، لیکن حکومت سے سہولتوں کو حاصل کرنا خود ایک مشکل
مرحلہ ہے اس لئے مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء ہند، اور مولانا
حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی کی زیر قیادت مرکزی جمعیۃ علماء، صوبہ دہلی جمعیۃ علماء
اور ان علاقوں کی جمعیتوں کے تعاون سے اس مشکل کام کو انجام دیا جارہا ہے۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ حکومت کے تمام وعدوں کے باوجود اس کی طرف

سے بھیجی جانے والی سہولتوں میں اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ کبھی کبھی ساری محنت ضائع
ہو جاتی ہے۔ دہرہ دون کے قریب دیو الہری میں مسلمان نئی آبادی میں پہنچے تو ان کے
مکانوں کو توڑ پھوڑ کر تباہ و برباد کیا جا چکا تھا۔ ان کو سر چھپانے کی جگہ چاہیے تھی
آبادکاری کی سہولتوں کے لئے جمعیۃ علماء دہرہ دون کے صدر حکیم رفعت حسین اور ان
کے ساتھ سید انور حسین صاحب مقامی طور پر ان کے لئے جد و جہد کرتے رہے۔ انہیں ان
برسات سے پہلے ان آنے والوں کو سر چھپانے کی جگہ فراہم کرنی تھی۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند
کا ایک وفد جس میں مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند اور ابرار احمد
آزاد شامل تھے۔ دہرہ دون گیا۔ کلکٹر سے ملاقات کر کے اس فوری ضرورت کی طرف
توجہ دلائی۔ پھر لکھنؤ جا کر صوبائی وزراء سے اس سلسلہ میں گفتگو کی لیکن خوش کن جوابات کے
سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ مولانا حفظ الرحمٰن ناظم عمومی خود دہرہ دون گئے۔ انہوں نے
دوبارہ وزراء سے گفتگو کر کے اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔ مگر اس دوڑ دھوپ
کے درمیان برسات آ گئی اور مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کیونکہ حکومت کی طرف
سے کوئی انتظام نہیں ہو سکا۔ جمعیۃ علماء ہند نے دو ہزار روپے کا بندوبست کر کے
فوراً بھیجا تاکہ اس سے عارضی طور پر پھوس کی چھپریں ڈلوائی جا سکیں۔

دہلی کے مسلمان

صوبہ دہلی کے دیہاتوں کے مسلمان جب لٹے پٹے اپنے مواضعات میں آئے تو چاروں طرف
اجڑے ہوئے تباہ و برباد گھروں، کھیتوں اور کھنڈر کے سوا اور کچھ نظر نہیں آیا۔ نہ کوئی
وہی حامی، نہ کھانے کا ٹھکانا، نہ رہنے کا بندوبست۔ جمعیۃ علماء ہند نے عرصہ دراز
تک ان کے کھانے پینے کا نظم دلی ریلیف فنڈ سے کیا۔ حکومت کو بار بار ان کی آبادکاری
کی طرف توجہ دلائی۔ خود جواہر لال نہرو نے اپنی جیب خاص سے دس ہزار کی رقم
دی۔ پھر مرکزی حکومت کی طرف سے جو سہولتیں حاصل کی جا سکتی تھیں جمعیۃ علماء کی
جد و جہد نے اس شکل کو بھی آسان کیا اور ان کو ان کے گھروں میں پھر آباد کیا۔ حکومت
کی طرف سے ان کو زر تقاوی کا بندوبست کرایا گیا۔ جو کسانوں کے لئے بڑا سہارا ثابت ہوا

اور ان کی گھر گرستی چل پڑی۔

شعلے پھر بھڑک اٹھے

سالانہ اجلاس کی اس رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ مارچ ۱۹۴۸ء میں گودھرا کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی، منصوبہ بند طریقہ سے پوری مسلم آبادی کو آتش فشاں کے لاوا میں جھونک دیا گیا اور ہزاروں مکانات کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا، جمعیۃ علماء ہند کے وفد کی رپورٹ کے مطابق کچھ کم وبیش دو ہزار عالیشان مکانات جو پانچ منزلہ تا منزلہ تھے جلا کر راکھ کر دیئے گئے، پوری آبادی کا منظر ایسا تھا، جیسے ایک وسیع دعریض جہنم دہکائی گئی تھی، جو پوری آبادی کو نگل گئی ہو، کالی کلوٹی دیواریں، ملبوں کے ڈھیر، بھیانک کھنڈر انتہائی دہشتناک خوفناک منظر پیش کر رہے تھے، انسانی جانوں کا پتہ نہیں کہ ان مظلوموں کو آگ کے شعلے چاٹ گئے یا بھاگ کر لوگوں نے جان بچائی، جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس بمبئی میں ایک وفد مولانا سید محمد میاں صاحب، مولانا محمد میاں ابن ہندی حسن صاحب اور میاں صاحب گجراتی پر مشتمل گودھرا بھیجا گیا تھا، تاکہ یہ جائزہ لیا جا سکے کہ ان کو کس طرح کی مدد کی فوری ضرورت ہے اور ان کی امداد کی کیا شکل ہو سکتی ہے ضلع کے حکام ان مصیبت زدہ مسلمانوں کے لئے پتھر دل ہی نہیں بلکہ اس میں ایک پہلو انکی طرف سے نفرت وعداوت کا بھی تھا، اس لئے ضلع حکام کی طرف سے ہمدردی کے دو بول بھی ان کو میسر نہ تھے، ان حالات میں جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کو بار بار جا کر گودھرا اور بڑودہ کا چکر لگانا پڑا، بڑی کوششوں کے بعد کلکٹر کا تبادلہ عمل میں آیا اس کے بعد جمعیۃ علماء صوبہ بمبئی کو گودھرا میں ریلیف کے کاموں کا ذمہ دار بنایا گیا اور تقریباً سال بھر وہ مسلسل اس خدمت کو انجام دیتی رہی اور دوبارہ ان کو ان کے پاؤں پر کھڑا کیا جا سکا

چنگاریاں پھیلتی رہیں

جون ۱۹۴۸ء میں سنبھل ضلع مراد آباد میں اور ۱۵ راگست ۱۹۴۹ء کو آگرہ میں آتش فشاں بھڑک اٹھی، جوں ہی دفتر جمعیۃ علماء ہند کو اطلاع ملی ان علاقوں میں وفود بھیجے گئے جس نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر اس آگ کو زیادہ بھڑکنے سے روکا

اور زیادہ پھیلنے نہیں دیا، مظلوموں کی ہر طرح مدد کی، اسی طرح بقرعید کے موقع پر دیوبند میں صورت حال تشویشناک ہوگئی، نومبر ۱۹۴۸ء میں ضلع دیوریا (اتر پردیش) کے مختلف مقامات سے وحشتناک خبریں آئیں تو تین افراد پر مشتمل ایک وفد ضلع دیوریا بھیجا گیا اور صورت حال کو مزید بگڑنے سے بچا لیا گیا، دسمبر ۱۹۴۸ء میں کچھوچھہ شریف کی خانقاہ میں عین عرس کے موقع پر بم پھٹا اس کی اطلاع بذریعہ ٹیلیگرام جمعیۃ علماء ہند کو موصول ہوئی، مولانا عبدالماجد دہلوی ناظم جمعیۃ علماء صوبہ دہلی کی سرکردگی میں ایک وفد بھیجا گیا، اور حالات کے درست کرنے کی کوشش کی گئی، جنوری ۱۹۴۹ء میں لونڈلہ میں حالات بگڑنے لگے، وہاں ایک وفد بھیجا گیا، اسی دوران نورنگ آباد ضلع میرٹھ میں ہنگامہ ہوگیا اور کئی مسلمان شہید ہوگئے، نواب سلطان یار خاں وکیل جو جمعیۃ کے مخلص کارکن تھے ان کو بھیجا گیا انہوں نے وہاں مظلومین کے تعاون کی ہر امکانی شکل پیدا کرنے کی کوشش کی، ہولی کے موقع پر جے پور اور سہارنپور میں ہولناک فسادات ہوئے، محمد احمد صاحب وکیل، سلطان یار خاں وکیل کو جے پور، مولانا عبدالعلیم صدیقی کی سرکردگی میں بھیجا گیا، سہارنپور ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا بشیر احمد یکے بعد دیگرے گئے اور جو کچھ ممکن ہو سکا کیا گیا، اور حالات کو ساز گار بنایا گیا

ہم اپنا فرض ادا کرتے رہیں گے

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صدر اجلاس نے اپنے خطبہ صدارت میں سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے مسلمانان حیدرآباد کو خطاب فرمایا اور کہا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جمعیۃ علماء ہند آخری حد امکان تک امداد و اعانت کو اپنا فرض سمجھتی رہی ہے اور آئندہ ادائے فرض میں کوتاہی نہیں کریگی رفقاء جمعیۃ علماء ہند کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں، مصائب و مشکلات کے دفع کرنے میں جو کچھ ان سے ہو سکے گا وہ اس کو ابدی سعادت تصور کریں گے۔

برادران ملت! جو کچھ گزشتہ سالوں میں ہو چکا وہ گردش زمانہ کا ایک سیلاب تھا جس سے ملک کا کوئی حصہ نہیں بچا، آپ کے اس یقین میں تذبذب نہیں آنا چاہیئے، کہ وطن آپ کا ہے اور آپ وطن کے ہیں، فطری طور پر آپ کے حقوق

بھی ہیں اور یہ بھی آپ کا فطرتی حق ہے کہ جرأت اور صفائی کے ساتھ ان کو حاصل کیا جائے آپ جو کچھ کریں یہ سمجھ کر کریں کہ یہ ملک آپ کا ہے، یہاں کی حکومت قومی حکومت ہے، پس اس رخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ ہمت وجرأت اور حق پروری کے ساتھ اپنی جدوجہد پر قائم رہیں، خدا کی مدد ہمیشہ حق کے ساتھ ہے، جہاں تک جمعیۃ علماء ہند کا تعلق ہے اس کا معاہدہ بالکل صاف ہے، وہ جس طرح کل پولیس ایکشن یا تقسیم ہند سے پہلے فرقہ پرستی کی دشمن رہی اور مردانہ وار اس کا مقابلہ کرتی رہی، اس طرح پولیس ایکشن اور تقسیم ملک کے بعد بھی اسی دم خم کے ساتھ فرقہ پرستی کا مقابلہ کر رہی ہے اور کرتی رہیگی اس کے اس جہاد حق کو نہ مسلم فرقہ پرستی روک سکی اور نہ ہندو فرقہ پرستی روک سکتی ہے، علماء حق کے سامنے صرف حق پسندی اور حق آگاہی ہے یہی ان کا شعار ہے اسی پر ان کی زندگی اور جدوجہد کا مدار ہے۔

مسلم اوقاف کا مستحکم بندوبست

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں اوقاف پر جو قبضے ہوگئے تھے، ان کے واگذار کرانے میں جو قانونی دشواریاں پیش آئیں، اس کی وجہ سے احساس پیدا ہوا کہ پارلیمنٹ اوقاف اسلامی کے بارے میں ایک جامع اور ہمہ گیر قانون وقف بنائے اور تمام ریاستوں میں اس کے مطابق ایسے ذمہ دار وقف بورڈ بنائے جائیں، جو مسلم اوقاف کے تحفظ اور انتظام کے با اختیار اور ذمہ دار ہوں، جمعیۃ علماء ہند نے اس سلسلہ میں مستقل جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر وہ اس میں کامیاب ہوئی۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں سے نجات ملتے ہی جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ اپریل ۱۹۴۹ء میں یہ مسئلہ پیش ہوا اور مسلسل دو سال غور وخوض کے بعد ماہرین قانون کے مشورہ سے شرعی قانون کے مطابق اسلامی اوقاف کے لئے ایک مسودہ قانون مکمل کیا گیا جو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مسٹر محمد احمد کاظمی ایڈوکیٹ ممبر پارلیمنٹ نے ۱۲ اپریل ۱۹۵۱ء کو پارلیمنٹ میں پیش کیا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب (ایم پی) نے بل کی ضرورت اور اہمیت پر وضاحتی تقریر

کی پارلیمنٹ نے مسودہ کو غور وفکر کے لئے چیدہ کمیٹی کے سپرد کیا، پھر رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کیا گیا، مسلمانوں کا جو طبقہ اوقاف کی آمدنی پر پل رہا تھا وہ جمعیۃ علماء سے اختلاف رکھتا تھا، ان نادانوں نے بل کی مخالفت میں ایک طوفان کھڑا کر دیا اور پروپیگنڈہ کیا کہ اس بل کی آڑ میں جمعیۃ علماء ہند اور دہابی علماء اوقاف پر تسلط جمانا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے عرس اور قوالیاں اور نذر ونیاز کے دروازے بند کردیں، ان خودغرض لوگوں کی روش نے معاملہ میں الجھن پیدا کر دی، جس کی وجہ سے کافی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا اور بڑی مشکلوں سے اس صورت حال کا تدارک کیا گیا، آخرکار اصولوں کے معتقد اور صاحب فہم وفراست عوام نے اس بل کی ضرورت اور افادیت کی تصویب کی اور ۱۳ر مارچ ۱۹۵۴ء کو چیدہ کمیٹی کی سفارش، بحث ومباحثہ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی مدلل تائیدی، تقریر کے بعد مسلم وقف بل پارلیمنٹ میں منظور ہوگیا۔

اس سلسلہ میں ریاستی حکومتوں کا رجحان یہ رہا کہ ایک جمہوری نظام میں سب فرقوں کے اوقاف کا مشترکہ بندوبست کسی ایک قانون کے تحت ہونا چاہیے، مسلم اوقاف کیلئے الگ سے قانون بنانا غیر ضروری ہے، لیکن دستور ہند کے مسلمات کی رو سے چونکہ یہ خیال غلط تھا اور عملاً مسلم اوقاف کے لئے بڑا خطرناک ہو سکتا تھا، اس لئے جمعیۃ علماء نے پوری پامردی سے اس کا مقابلہ کیا۔

وقف بورڈ کے نفاذ کے بعد اس کی تعمیل اور وقف بورڈوں کی تشکیل میں ریاستی حکومتوں کی طرف سے ٹال مٹول کی پالیسی جاری رہی اس مرحلہ پر بھی ایک اہم کی طرح کام کرنا پڑا، دہلی، اترپردیش، بہار، بنگال میں ریاستی سطح پر پہلے ہی سے اپنے اپنے وقف ایکٹ نافذ العمل تھے، ضرورت صرف اتنی تھی کہ تمام ریاستوں میں انتظامی سہولتوں اور یکسانیت کے لئے صوبائی وقف بورڈ نئے مرکزی ایکٹ کو اپنے یہاں اپنا کر دستور العمل بنالیں، لیکن دوسری ریاستوں مثلاً پنجاب، راجستھان، مدھیہ پردیش مہاراشٹر، آندھرا پردیش وغیرہ میں قانون کا نفاذ اور وقف بورڈوں کی تشکیل باقی تھی، اور اس کے لئے فرداً فرداً ہر ہر ریاست کے معاملہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

ناظم عمومی کو بار بار جدوجہد کرنی پڑی، مرکزی وزرا کو بار بار توجہ دلائی گئی اور خود دوسری ریاستوں کے وزراء سے ملے، صوبائی جماعتوں نے بھی مسلسل تقاضے جاری رکھے، اس مسلسل کوشش کے نتیجہ میں آندھرا پردیش، پنجاب، مدھیہ پردیش میں کامیابی ہوئی اور ان ریاستوں میں وقف بورڈ کی تشکیل ہوگئی، راجستھان کا وقف بورڈ سب سے آخر میں بنا، کچھ ریاستوں میں اب بھی وقف بورڈ کی تشکیل باقی ہے۔

٭

کسٹوڈین کا پنجۂ خونیں

تقسیم ملک نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی ایک اور راہ پیدا کی، وہ نکاسی جائداد کا قانون تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ اپنی جائداد، مکان، دکان، کھیت چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہیں، حکومت کا ایک محکمہ اس کو اپنی تحویل میں لے کر اس کو پاکستان سے آئے ہوئے شرنارتھیوں میں تقسیم کردے، اس محکمہ کو "کسٹوڈین ڈپارٹمنٹ" کہا جاتا تھا، اور اس قانون کو قانون تخلیہ کنندگان (اویکو پراپرٹیز) کا نام دیا گیا۔

یہ قانون اس لئے بنایا گیا تھا کہ پاکستان سے آنے والے شرنارتھی پاکستان میں اپنی جائدادیں چھوڑ کر آئے ہیں ان کو ہندوستان میں زندگی بسر کرنے کا موقعہ دینا ہے، اسی طرح ہندوستان سے پاکستان جانے والوں کی جائداد ہندوستان میں ہے یہ جائداد کسی پناہ گزیں کے حوالہ کر دی جائے گی تاکہ اس کی چھوڑی ہوئی جائداد کا بدل ہو جائے، کیونکہ پاکستان جانے والے نے وہاں کسی ہندو ہی کی جائداد پر قبضہ کیا ہوگا۔

قانون کی بنیادی اساس یہی تھی اب سوال یہ ہے کہ صرف اس شخص کی جائداد پر کسٹوڈین کو قبضہ کرنے کا حق یہ قانون دیتا ہے جو پاکستان جانے والے کی نجی جائداد ہو، پاکستان جانے والے کے ماں، باپ، بھائی، بہن یا دوسرے عزیز و اقارب کی کسی جائداد پر اس قانون کے تحت قبضہ نہیں کیا جا سکتا تھا، مگر عملاً ہر جگہ یہی ہوا کہ پورے خاندان کی جائداد نیلام کر دی گئی اور پورا خاندان جو ہندوستان میں ہے نان شبینہ کا محتاج ہو گیا

اس مادہ سے قانون نے پر پرزے نکالے تو اس نے ایک دیوتا مست عفریت کی شکل اختیار کر لی اور اس کا خونیں پنجہ ہر مسلمان کی گردن پر تھا وہ پاکستان جائے یا نہ جائے، اور اس کا آخری قطرۂ خون بھی چوس لینا چاہتا تھا، آپ پڑھ چکے ہیں کہ

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد تقسیم ملک کے ردعمل نے ملک میں جارحانہ فرقہ پرستی کا طوفان برپا کر دیا تھا اور ہندوستان کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا یہاں کے فرقہ پرستوں کی دلی خواہش اور جذبہ یہی تھا کہ مسلمانوں کو ایسی سیاسی کھلبلا اور معاشی تباہ کاری جائے کہ یا تو وہ ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جائیں یا یہاں معاشی اعتبار سے پچھڑی ہوئی قوموں اور اچھوتوں کی صف میں آجائیں اسی ذہن و مزاج کے لوگ حکومت کے دفتروں میں بالخصوص وزارت داخلہ اور وزارت بحالیات کے محکموں میں اختیارات کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے پاکستان جانے والے پورے خاندان کی جائداد کو نکاسی جائداد قرار دیدیا صورت یہ ہوئی کہ خاندان کا ایک فرد پاکستان چلا گیا، لیکن اس کا پورا خاندان ہندوستان میں سکونت پذیر ہے وہ اپنا وطن اور اپنی جنم بھومی نہیں چھوڑنا چاہتا، لیکن اس خاندان کی پوری جائداد اور گھر پر کسٹوڈین کا قبضہ ہو گیا، اس طرح اگر محکمہ کو اطلاع ملی کہ فلاں شخص پاکستان جانے کا ارادہ کر رہا ہے، چاہے وہ حقیقتاً جا رہا ہو یا نہ جا رہا ہو، اس کی بھی جائداد نکاسی جائداد کے قانون کے تحت آگئی، اور اس کو نوٹس دیکر قبضہ کر لیا گیا، اب وہ آسمان کے سایہ میں زندگی بسر کرے اور کشکول گدائی ہاتھ میں لے لے، انتہا تو یہ تھی کہ کسی بھی مسلمان کی جائداد کو دو ماہ کا نوٹس دیکر اس کی تمام جائداد کو یہ محکمہ اپنے اختیار میں لے لیتا تھا، یعنی صرف اس کا مسلمان ہونا جرم تھا، اس طرح پورے ملک کے لاکھوں خاندانوں میں قیامت برپا ہو گئی، خاندان کے سارے افراد موجود اور ایک شخص کے پاکستان چلے جانے سے پورا خاندان اپنے گھر اپنی جائداد سے محروم ہو جاتا تھا، کسٹوڈین کا کوئی افسر موقعہ پر جاکر منادی کرا دیتا اور اکٹھا ہونے والی بھیڑ بولی بولتی جس کی بولی سب سے زیادہ ہوتی جائداد اس کے قبضہ میں دیدی جاتی اور اس کو سیل سرٹیفکٹ مل جاتا، اب اس کو کوئی بے دخل نہیں کر سکتا، کسی عدالت میں اس کی اپیل نہیں ہو سکتی، برسہا برس تک برہنہ تلوار مسلمانوں کے سروں پر لٹکتی رہی، اور ان کو سکون نصیب نہیں ہوا۔

اندھے کے ہاتھ میں تلوار

یہ قانون کیا تھا؟ اندھے کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیدی گئی تھی اور وہ انسانوں کی بھیڑ میں اندھا دھند چلا رہا ہے، اب اس کی زد میں جو بدقسمت بھی آجائے اس کا رشتہ حیات منقطع ہوکر رہے گا، اس محکمہ کی اندھیر گردی کا اس سے بڑا ایک ثبوت ہوگا کہ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی جو جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر، دہلی شہر کے معزز اور مشہور فرد تھے، تحریک پاکستان کی مخالفت میں دسیوں سال تک سرگرم رہے سینکڑوں جلسوں میں تحریک پاکستان کے خلاف تقریریں کیں اور پھر ۹ ستمبر ۱۹۴۷ء سے جب گاندھی جی دہلی آئے ہیں اس وقت سے لے کر برابر روز آنہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی معیت میں ان کے پاس جاتے رہے اور دہلی کے ہنگاموں میں ان سے مدد لیتے رہے، ضرورت پڑنے پر وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، وزیر داخلہ سردار پٹیل کے یہاں بھی دوران فساد آتے جاتے رہے، حالات و مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، انکے پاکستان جانے کا کیا سوال تھا؟ پھر بھی ان کی جائداد کو نکاسی قرار دیدیا گیا، اس سے بڑی ناانصافی اور اندھیر گردی اور کیا ہوسکتی ہے؟

اس محکمہ کی منتقمانہ ذہنیت اور اندھیر گردی کی دوسری مثال دہلی کی مشہور شخصیت، کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر، نامور بیرسٹر، قوم پرور لیڈر، حکومت ہند کی طرف سے اڑیسہ کے گورنر مسٹر آصف علی کی جائداد بھی نکاسی قرار دی گئی، مسٹر آصف علی نے ایک دن چیر وارم کسٹوڈین جنرل سے ہنستے ہوئے کہا کہ میں بھی پاکستان چلا گیا ہوں؟ آپ کے محکمہ کسٹوڈین نے میری بھی جائداد اپنے اختیار میں لے لی ہے۔

یہ اس ذہنیت کی عکاسی ہے جو مسلمانوں کے وجود کو ہندوستان کی سرزمین میں برداشت نہیں کر رہی تھی،

قانونی موشگافیاں

اس قانون کی تشریح میں یہ شگوفہ کھلایا گیا کہ جس آدمی پر بھی شبہ ہو کہ وہ پاکستان جاسکتا ہے، چاہے اس کے وہم وگمان میں بھی یہ خیال نہ آیا ہو پھر بھی اس قانون کے تحت

کسٹوڈین کو اختیار ہے کہ اس کی جائداد پر قبضہ کرکے اس کو نیلام کردے، حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کی آڑ لے کر فرقہ پرستوں نے چاہا کہ جو مسلمان قتل و غارت گری سے بچ گئے ہیں ان کو اتنا تباہ و برباد کر دیا جائے کہ وہ پھر سر اٹھانے کے لائق نہ رہ جائیں ورنہ جہاں تک پاکستان جانے والوں کی جائداد کا سوال ہے تقسیم ملک کے سلسلہ کی غلطی کی وجہ سے ہم مجبور تھے کہ اسے حق بجانب سمجھیں، کیونکہ یہ تو عمل اور ردعمل کا اثر تھا، ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان جاکر وہاں سے ہندوستان آنے والے کی جائداد پر قبضہ کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اس کی جائداد پر پاکستان سے آنے والا قابض نہ ہو۔

اس قانون کی اندھیر گردی کی ایک مثال یہ بھی تھی کہ ان گنت مسجدیں، خانقاہیں اور درگاہیں اور قبرستان تک کسٹوڈین کے قبضہ میں آگئیں، معلوم نہیں کون سے بزرگ اپنے مزار سے نکل کر پاکستان کی مقدس سرزمین میں چلے گئے؟ مجدد الف ثانی سرہند سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ارشی مہرولی سے پاکستان چلے گئے؟ کہ اچھر درام کو قانون کی پابندی کرتے ہوئے ان کی درگاہوں اور خانقاہوں کو ایویکوپراپرٹیز ڈیکلیر کرنا پڑا۔

اندھا قانون

ظاہر ہے کہ جو قانون اتنا اندھا اور ظالمانہ ہو اس کی وجہ سے کتنے بے گناہ اور بے قصور مسلمان تباہ ہوئے ہوں گے ان کی صحیح تعداد یا تو خدا کو معلوم ہے یا محکمۂ کسٹوڈین کے نامۂ اعمال کو، مسلمانوں کی بدقسمتی سے اس محکمہ میں اتنے بد دماغ لوگوں کی کثرت تھی کہ بعض کیسوں کو وزارتی سطح پر غلط ثابت کیا گیا اس کے باوجود وہ اپنی من مانی کرتے رہے اور باز نہ آئے، جب مولانا حفظ الرحمٰن ناظم عمومی نے اچھر درام کسٹوڈین جنرل سے اس طرح کے غلط کیسوں کو سامنے رکھ کر محکمہ کی دھاندھلی کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیشہ تحریک پاکستان کی مخالفت کی، آزادی کے بعد وہ اپنے اسی نقطۂ نگاہ اور نظریہ کے اعتبار سے بھی وہ پاکستان

کسی حال میں بھی نہیں جا سکتے تھے، حکومت کے ذمہ داروں کے علم میں ہے کہ یہ لوگ ہندوستان کے شہری ہیں، اعلیٰ سطح پر ان کی وزراء اور ذمہ داران حکومت سے جماعتی کاموں کے سلسلہ میں ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں پھر کیسے آپ نے مان لیا کہ وہ پاکستان جا رہے ہیں؟ اور آپ کے محکمہ کی طرف سے ان کی جائداد نکاسی قرار دے دی گئی؟

اچھرو رام نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قانون کی یہ اندھی تلوار کتنی بیدردی سے چلائی گئی ہوگی؟

ہر مسلمان پاکستانی ہے

کسٹوڈین جنرل نے کہا کہ قانون کی رو سے دن لے آل ہر مسلمان کا پاکستان جانے والوں میں شمار ہے اب یہ ذمہ داری مسلمان کی ہے کہ وہ اس کا جواب دے کہ وہ پاکستان جانے کے قابل ہے یا نہیں؟ یا وہ پاکستان جائے گا یا نہیں؟ قانون ہمیں حق دیتا ہے کہ کسی بھی مسلمان کو اس کی جائیداد کے بارے میں نوٹس دیا جا سکتا ہے اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ پاکستان جانا چاہتا ہے یا نہیں؟ اگر اس نے اپنے ہندوستانی ہونے کا ثبوت نہیں پیش کیا تو اس کی جائداد نیلام ہو سکتی ہے، چاہے وہ ہندوستان میں زندگی بھر آسمان کے سایے میں رہے اور کشکول گدائی لے کر بھیک مانگتا پھرے، قانون کا یہ کتنا ظالمانہ اور بے رحمانہ استعمال تھا؛ واقعات وحقائق نے بتایا کہ قانون کا استعمال اسی طرح ہوا، خود راقم الحروف برسہا برس ایسے کیسوں کی پیروی کرتا رہا۔

۱۹۵۲ء میں وزارتی سطح پر فیصلہ کیا گیا کہ اب کسی نئی جائداد کو نکاسی نہیں قرار دیا جائے گا، مگر اس محکمہ کو خون کی چاٹ لگ چکی تھی اس لئے وہ کیونکر باز آسکتا تھا، اس فیصلہ کی تاویل در تاویل کر کے اسکے بعد بھی من مانی کاروائیاں کی جاتی رہیں

قانون میں بار بار ترمیم کرائی گئی

جب دہلی میں اس قانون کی چیرہ دستیوں کا آغاز ہوا تو جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمٰن اور دوسرے رفقاء نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو

اور مولانا ابوالکلام آزاد کو اس قانون کی ہلاکت آفرینی کی طرف توجہ دلائی اور محکمہ کسٹوڈین کی غلط روش کی روک تھام کے لئے اعلیٰ سطح پر جدوجہد شروع کی جمعیۃ علماء کی طرف سے ایک قانونی امدادی کمیٹی قائم کی گئی، جس کے کنوینر مسٹر سلطان یار خاں ایڈوکیٹ بنائے گئے، اس کمیٹی کو مسٹر نورالدین بیرسٹر کا بھی تعاون حاصل تھا جمعیۃ علماء کی یہ قانونی امدادی کمیٹی مسلسل چھ سال تک کام کرتی رہی اس کمیٹی نے کسٹوڈین کی عدالتوں میں آئے ہوئے ہزارہا ہزار مسلمانوں کے معاملات اور مقدموں کی پیروی کی اور ان کی جائدادوں کو کسٹوڈین کے چنگل سے چھڑایا۔

اور جب پورے ملک میں کسٹوڈین کا دست تعدی دراز ہوا تو یکم ستمبر ۱۹۴۹ء کو جمعیۃ علماء ہند نے ایک مخصوص میٹنگ بلائی اس میٹنگ میں تمام ریاستی جمعیۃ علماء کے ذمہ داروں نے شرکت کی مولانا ابوالکلام آزاد بھی اس میٹنگ میں شریک رہے اس میں سب نے اپنے اپنے صوبے کے واقعات ومشاہدات اور شکایات بیان کیں ان واقعات کی روشنی میں ایک میمورنڈم تیار کیا گیا جسمیں کسٹوڈین کی ہر طرح کی غلط کاریوں پر واقعات کے حوالے دیئے گئے یہ میمورنڈم لے کر مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا احمد سعید وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور وزیر مالیات مسٹر مہر چند کھنہ سے ملے اور میمورنڈم دیا اور مطالبہ کیا کہ محکمہ کو اس کی غلط کاریوں سے روکا جائے۔

اس کوشش کے نتیجہ میں حالات میں کچھ سدھار ہوا لیکن پھر بھی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا، اس لئے جمعیۃ علماء کے رہنماؤں نے انفرادی معاملات کی پیروی کے سلسلہ میں حکومت کے ذمہ داروں کو بار بار اس محکمہ کی ناانصافیوں کی طرف توجہ دلائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آرڈیننس کو قانونی شکل دیتے ہوئے کچھ ترمیمات عمل میں لائی گئیں۔ تاکہ محکمہ کی مطلق العنانی کو روکا جاسکے۔ لیکن اس محکمہ میں کام کرنیوالا عملہ اپنی منتقمانہ ذہنیت کا بار بار مظاہرہ کرتا رہا اور اپنی زہر چکانی سے باز نہ آیا اور ہمہ وقت نت نئے مظالم کے طریقے ایجاد کئے جاتے رہے۔

ارباب جمعیۃ بھی خاموش نہیں رہے

ارباب جمعیۃ بھی خاموش نہیں رہے اور وزارتی سطح پر مسئلہ کو بار بار اٹھاتے رہے۔ نجی طور پر کچھ کیسوں کو کیبنٹ تک پہونچا دیا گیا، جسمیں محمد دین جعفری چھتری والا کا کیس خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے، جنکی ساٹھ لاکھ کی جائداد پر کسٹوڈین نے قبضہ کر لیا تھا جبکہ وہ پاکستان نہیں گئے وہ ہندوستانی شہری تھے، اس کیس میں صدر جمعیۃ علماء شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے دلچسپی لی اور اس کیس کی طرف وزیراعظم جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد کو توجہ دلائی تھی اور کیس پر نظر ثانی کے لئے اصرار کیا تھا مولانا حفظ الرحمٰن نے باقاعدہ اس کیس کی پیروی کی اور وزارتی سطح پر اس کا فیصلہ کرا کے کسٹوڈین کے قبضہ کو غلط ثابت کر دیا تھا اور جب اچھر و رام کسٹوڈین جنرل کو اس فیصلہ سے مطلع کیا گیا، تو انہوں نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا جسکے نتیجہ میں ان کو ان کے عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا، یہ کیس ان لوگوں کیلئے نظیر بن گیا جنکی جائدادیں اس طرح قبضہ میں کر لی گئی تھیں اور ان کے فیصلے بھی اس نظیر کی وجہ سے مسلمانوں کے حق میں ہوئے اور انکی جائدادیں نیلام ہونے سے بچ گئیں۔

جیسے جیسے قانون کے ذریعہ تعدیوں میں اضافہ ہوتا رہا جمعیۃ علماء حکومت کو برابر اس کی ناانصافیوں کی طرف توجہ دلاتی رہی جس کی وجہ سے کئی بار اس قانون میں ترمیم کی گئی۔ ان بار بار ترمیموں کی وجہ سے اس قانون کی مضرت تین چوتھائی کم ہو گئی چونکہ قانون کے الفاظ مبہم تھے اور نیتوں میں فتور تھا اور ذہنیتیں منتقمانہ تھیں اس لئے اس ابہام سے انہوں نے اپنی ذہنیتوں کے مطابق کام لیا اور قانون کی مضرت کئی گنا بڑھ گئی تھی مولانا حفظ الرحمٰن نے پارلیمنٹ میں محکمہ کسٹوڈین کی چیرہ دستیوں پر جو تفصیلی تقریر کی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جمعیۃ علماء کو اس سلسلہ میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اس کو مسلمانوں کو انصاف دلانے میں کتنی دشواریوں اور پریشانیوں سے گذرنا پڑا

وزیر بحالیات کی لن ترانیوں کا جواب

وزیر بحالیات مسٹر مہر چند کھنہ جن کے تحت کسٹوڈین کا محکمہ آتا تھا، انہوں نے

جمعیۃ علماء پر اس محکمہ کی طرف سے کچھ الزامات عائد کئے تھے اس کے جواب میں مولانا حفظ الرحمٰن نے جو تاریخی اور گرم خط لکھا وہ اس وقت کے رہنماؤں میں بھی شائع کردیا گیا تھا، اس خط میں مولانا موصوف نے صاف طور پر اس محکمہ پر فرقہ پرستی کی ذہنیت اور مسلمانوں کو شعوراً تباہ و برباد کرنے کا الزام لگایا ہے آپ نے اپنے خط میں وزیر بحالیات کو لکھا کہ

بہتر یہ تھا کہ کمشنر بھی اپنے ڈپارٹمنٹ کی شان میں قصیدہ پڑھتے ہوئے میرا نام نہ لیتے کہ مجھ جیسا باخبر انسان جو الف سے یا تک اس ظلم و تشدد کا عینی مشاہد رہا ہے اگر اس کی نقاب کشائی کرنے لگے تو تلخ نوائی کا ایک دفتر تیار ہوجائے، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب کسٹوڈین کی منتقمانہ ذہنیت اپنی حد سے گذر گئی اور مسلم اقلیت کے لئے اس طرح وبال جان بن گئی کہ بلا تفریق مذہب و قوم ہر ایک شریف اور سنجیدہ انسان نے بلکہ ممبران پارلیمنٹ اور سرکاری ذمہ داروں نے اس سخت گیری کو محسوس کیا، جمعیۃ علماء کے مسلسل وفود اور پیہم اپیلوں اور انتھک کوششوں کی بدولت محترم جواہر لال نہرو کی ذاتی مداخلت کے نتیجہ میں کسٹوڈین کی اس مطلق العنانی کو روکتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے انصاف اور ہمدردی کی کچھ تدبیریں کی گئیں جو کسٹوڈین کی سخت گیری کے بدترین شکار تھے۔

مولانا موصوف نے اپنے خط کے آخر میں وزیر بحالیات کو لکھا کہ

اب بھی وقت ہے کہ آپ کے محکمہ نے جہاں جہاں بے انصافیاں کی ہیں ان پر دوبارہ غور کرکے انصاف کیا جائے تاکہ حق حقدار کو مل سکے۔

ایک اور علاج

محکمہ کی منتقمانہ ذہنیت کے شکار متعدد کیسوں کو لے کر جب ایک بار مولانا حفظ الرحمٰن وزیر اعظم کے پاس گئے تو وزیر اعظم نے اس طرح کے تمام مقدمات کے سلسلہ میں یہ علاج تجویز کیا کہ اپنے پرسنل پرائیویٹ سکریٹری مسٹر کول اور مولانا حفظ الرحمٰن ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند، وزارت بحالیات کے جوائنٹ سکریٹری مسٹر ونتیا پر مشتمل

ایک کمیٹی تشکیل کر دی کہ یہ کمیٹی اس طرح کے تمام کیسوں پر غور کر کے فیصلہ کرے جن میں ناانصافی کی گئی ہے، یہ کمیٹی تقریباً سات ماہ تک کام کرتی رہی اس نے ان تمام کیسوں کو جانچا جنمیں ناانصافیاں ہوئی تھیں اور اس کو درست کیا جنمیں کسٹوڈین کی اعلیٰ عدالتوں نے شروع سے آخر تک غلط فیصلے کئے تھے، اس کمیٹی کے بعد بھی ہزاروں مقدمات جو عرصہ تک چلتے رہے، ان انفرادی معاملات کی جمعیۃ علماء کے جماعتی رفقاء پیروی کرتے رہے اور مظلوم مسلمانوں کو حق اور انصاف دلایا، اس کام کے پھیلاؤ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے جو سرکاری طور پر ہندوستان میں لگائی گئی جائداد کے اعداد و شمار بتائے گئے ہیں، الجمعیۃ ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۲ء کے شمارے میں ایک سرکاری اعلانیہ میں بتایا گیا کہ ۲۸۹۷۹۶ دو لاکھ چھیاسی ہزار سات سو چھیانوے بڑی عمارتیں نو ہزار چھ سو ستانوے قطعات آراضی ایک ہزار چھ سو باسٹھ صنعتی کارخانے لکاسی جائداد قرار دیئے گئے اور کسٹوڈین کے محکمہ نے ان پر قائم کیا، ان اعداد و شمار میں زرعی زمینیں اور دیہاتی علاقے کے مکانات شامل نہیں ہیں۔

کسٹوڈین کا ایک اور زہریلا نشتر

کسٹوڈین کی ظالمانہ کاروائیوں کی مدت کافی طویل رہی، گیارہ برس بعد بھی اس کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اس لئے ۱۱ر اپریل ۱۹۵۷ء کو لوک سبھا میں ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے اس کو اس طرف توجہ دلائی آپ نے اپنی مدلل تقریر میں فرمایا

> پراپرٹی ایکٹ دفعہ ۱۶ کا مفاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائداد کے متعلق جس کو کسٹوڈین نے گزٹ کر دیا ہو، کسٹوڈین اور چیف کسٹوڈین کے یہاں ناکام ہو جائے اور منسٹری میں شکایت کرے کہ جائداد دیری ہے تو وہ کیس قابل سماعت ہوتا تھا اور منسٹری اس پر غور کرتی تھی اسطرح اگر ناانصافی بھی ہو جاتی تھی تو اطمینان رہتا تھا کہ ہمارے کیس پر پھر سے غور کیا جا سکتا ہے، لیکن آٹھ دس ماہ سے اس دفعہ کی نئی تعبیر و تشریح منسٹری کی جانب سے کر دی گئی ہے، جس سے میں حیران ہوں اور میں

اس پر سخت احتجاج کرتا ہوں کہ اب بغیر سماعت کے منسٹری سے یہ کہہ کر درخواست مسترد کر دی جاتی ہے کہ ہم نے تمہاری جائداد گزٹ نہیں کی ہے بلکہ پاکستان جانے والے کی جائداد گزٹ کی ہے اس لئے تمہیں اس کی شکایت کا حق نہیں ہے۔

محترم اسپیکر صاحب! غور فرمائیں یہ کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ ایک شخص ہندوستان ہی کا باشندہ ہے کبھی پاکستان نہیں گیا اس کے باوجود کسٹوڈین نے اس کی جائداد کو قبضہ میں کر لیا ہے اور اگر یہ شخص ہندوستانی شہری کی حیثیت سے فریاد کرتا ہے تو دادرسی کے بجائے جواب دیا جاتا ہے کہ دفعہ ۱۶ کے تحت درخواست دینے کا حق نہیں ہے، میں نے تحریری اور زبانی بھی محترم وزیر بحالیات کو اس ناانصافی کی طرف توجہ دلائی تھی اور وزیر موصوف نے ہمدردانہ غور فرمانے کا وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن افسوس کہ ابتک سیکڑوں درخواستیں مسترد کی جاچکی ہیں اور دفعہ ۱۶ کے تحت متذکرہ کارروائی کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

محترم اسپیکر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو اپنے ہی ملک میں بے گھر ہو گئی ہے، لیکن ان کی بدقسمتی ہے کہ نکاسی ایکٹ کے پیش نظر وہ پناہ گزینوں کی طرح گھروں میں نہیں آسکتے، اب اس بارے میں کوئی بحث کرنا بیکار ہے، جبکہ یہ مسئلہ ہی قریب الختم ہے لیکن کیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اگر اس ہندوستان میں چند مسلمان ایسے موجود ہیں جو اس قابل نہیں کر وکیلوں کی فیس دیکر اپنی جگہ سے دہلی میں دوڑ کر اور آ آ کر مقدمہ کی پیروی کر سکیں تو ایک استثنائی طور پر ان کے ساتھ بھی رفیوجیوں جیسا معاملہ کیا جائے؟ اور ان کے بسانے کا انتظام کیا جائے؟ لیکن سخت افسوس ہے کہ اس طرف توجہ نہیں کی گئی۔

(لوک سبھا میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر ۱۱ راپریل ۱۹۵۸ء)

قیام پاکستان کا ردعمل

۱۹۴۷ء کی قتل و غارت گری کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے فرقہ پرستوں نے یہ شاخسانہ نکالا کہ مسلمانوں کی اکثریت نے پاکستان بنوایا ہے اسلئے ان کی

ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمان اپنے وطن کے وفادار نہیں ہوسکتے، اس ملک میں رہنے والا ہر مسلمان غدار اور وطن دشمن ہے اگر وہ ہندوستان میں رہنا چاہتا ہے تو اسے اپنی وفاداری کا ثبوت دینا ہوگا، اگر وہ اپنی وفاداری کا ثبوت نہیں دیتا ہے تو جو سلوک ملک میں ان کے ساتھ ہو رہا ہے وہ کسی طرح بھی غیر مناسب نہیں ہے کیونکہ وطن دشمنوں اور ملک کے غداروں کے ساتھ دنیا کی ساری قومیں یہی سلوک کرتی ہیں ہمارے ملک اور حکومت ان کی جان و مال کی حفاظت اور ان کی عزت و آبرو بچانے کی کوئی ذمہ دار نہیں ہے کسی ملک کی حکومت وطن دشمنوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ نہیں کرسکتی۔

پاکستان نہیں گئے

فرقہ پرستوں کے اس عام الزام و اتہام میں کسی طرح کا استثنا نہیں تھا وہ ہر مسلمان کو پاکستانی سمجھتے تھے اور ہر پاکستانی ہندوستانی کا غدار اور وطن دشمن ہے، وفاداری کے ثبوت کا مطالبہ مدراس سے لے کر آسام تک فضاؤں میں گونج رہا تھا یہ صورت حال اتنی خطرناک ہوگئی کہ مسلمان کہیں بھی ہو، ٹرینوں میں، بسوں میں، راستوں میں برادران وطن کی نگاہیں اس پر اس طرح پڑتی تھیں جیسے وہ جیل سے بھاگا ہوا مجرم ہو، معمولی اور گئے گذرے لوگ حتیٰ کہ گنوار تک بھی ان پر طنز وطعن کرنے سے نہیں چوکتے تھے، یہاں ہندوستان میں کیسے ہو؟ پاکستان نہیں گئے، اگر مسلمان تلخی سے جواب دے تو پورے ڈبے یا بس کے مسافر اس کا منہ نوچ لیتے تھے، مسلمانوں کا چلنا پھرنا دشوار ہو چکا تھا، مگر ان باتوں کا جواب کون دے؟ اس صورت حال کو کون بدلے؟

ظاہر ہے کہ تلخی و نفرت اور تنگ نظری کی یہ فضا قیام پاکستان کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلی ذمہ داری مسلم لیگ کے لیڈروں کی تھی، مانا کہ ان کے چوٹی کے لیڈر ۱۴ اگست ۴۷ء ہی کو کراچی اور لاہور پرواز کر گئے تھے، مگر پھر بھی کئی ایک چوٹی کے لیڈر اب بھی ملک میں تھے، ریاستی مسلم لیگ کے لیڈروں کی ایک بڑی تعداد ضلع کی سطح پر ادھم مچانے والے تقریباً تمام ہی تارکین کرچکے

موجود تھے، اسی طرح جماعت اسلامی بھی مطالبہ پاکستان میں دیوانگی کی اس حد تک پہونچی ہوئی تھی کہ اس نے پاکستان میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے منصوبہ کا اظہار کرتے ہوئے ہندوؤں سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان کو اکھنڈ بھارت بنائیں جو نعرہ آر ایس ایس نے کئی سال بعد لگایا، جماعت اسلامی پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کا مشورہ دے چکی تھی، اس کے داعیوں کی بھی خاص تعداد اس ملک میں چھپی ہوئی موجود تھی، یہ ان لوگوں کی ذمہ داری تھی کہ کل اسٹیجوں پر رعد وبرق بن کر گرجتے اور برستے تھے، میدان میں آتے اور صورت حال کا مقابلہ کرتے، مجرموں کی طرح وہ کیوں چھپے ہوئے تھے، ستر فیصدی مسلمانوں نے انہیں کی پر فریب اور دھوکہ کی باتوں میں آکر اپنے راستے میں کانٹے بوئے تھے، جمعیۃ علماء کو مسلمانوں کی ستر فی صدی کی تعداد ٹھکرا چکی تھی، ابھی چند ہی دنوں پہلے الکشن کے میدان میں ان سے طوفان خیز جنگ ہو چکی تھی اس کے مقدس رہنماؤں کو بلا مذہب اور بد عقیدہ لوگ کافر اور منافق سب کچھ کہہ چکے تھے[1]، طعن وطنز کے زہریلے تیروں سے ان کے مقدس سینوں کو لالہ زار بنا چکے تھے، ان زخموں سے اب تک خون برس رہا تھا، کیونکہ

---

[1] پاکستان سے ایک کتاب "حقیقت پاکستان" عربی میں شائع ہوئی ہے اس میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مفسر قرآن امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت پنجاب رحمہم اللہ کو منافق اور کافر لکھا گیا ہے مصنف نے مستقل ایک دوسری کتاب بھی اسی عنوان پر لکھا ہے، مصنف محمد حسن اعظمی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کے ایک بوہرہ خاندان کا فرد ہے اور بوہری ہے جو غالی شیعوں کا ایک فرقہ ہے، مصنف عقیدۃً علماء اہلسنت سے پرخاش رکھتا ہے اس کو غصہ ہے کہ شیخ الاسلام نے ۱۹۳۸ء میں لکھنؤ کے مدح صحابہ ایجی ٹیشن میں کیوں حصہ لیا تھا اور تبرا پر کیوں پابندی لگائی تھی، پاکستان میں قادیانیت یا بوہریت اور دوسرے گمراہ اور بد عقیدہ فرقوں کی زہر چکانی ابتدا ہی سے ہے اس لئے یہ کتاب دیکھ کر ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوا (دیکھئے کتاب حقیقت پاکستان، شائع کردہ مکتبہ سلیم الحدیثہ کراچی کے صفحات ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶)

صرف ایک ہی رات کا فاصلہ تھا، ایسی صورت میں ان لوگوں سے محبت اور بھائی چارگی کا رشتہ قائم کرنا کتنا دشوار تھا، لیکن فرقہ پرستوں کی نفرت جب قیامت صغریٰ بن کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی، تو جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے امتیاز ما دولو ختم کرنے میں دیر نہیں لگائی، وہ اپنے رستے ہوئے زخموں کو بھول گئے، اب پوری جمعیۃ علماء ہر مسلم لیگ کے لئے پشت پناہ اور ایک مضبوط سہارا بن کر سامنے آئی اور فرقہ پرستوں اور مسلم لیگیوں کے بیچ میں حائل ہوگئی اس کے رہنما پنجاب سے مدراس تک اس اقدام کی بھرپور تردید کرتے پھرتے تھے

مسلمانوں سے وفاداری کا مطالبہ غلط ہے

اور چیخ چیخ کر اعلان کرتے پھرتے تھے کہ مسلمانوں سے وفاداری کا مطالبہ غلط ہے، مسلمان ملک و وطن کا وفادار ہے وہ کسی ذات کا وفادار نہیں، آزادی کے تیسرے ہی مہینے جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمٰن نے اس خون بار ماحول میں لکھنؤ کانفرنس میں اس مطالبہ کی دھجیاں فضا میں اڑا کر رکھ دیں آپ کی تقریر نے ذہنوں اور دماغوں پر چھائی ہوئی دھند کو پھونکوں سے اڑادیا، احساس کمتری کی برفانی ہواؤں سے غیرت وحمیت کی رگوں میں جو خون منجمد ہو رہا تھا اس کو آتش سیال بنا دیا آپ کی تقریر کیا تھی جیسے بجلیاں کڑکتی ہوں یا توپیں گرج رہی ہوں مولانا نے للکار کر ام بر ملا کہا۔

"ہم کسی پارٹی، کسی جماعت، یا حکومت کے وفادار نہیں ہم صرف ملک اور وطن کے وفادار ہیں، اگر کوئی جماعت ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہے تو ہم اسے واشگاف لفظوں میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر خود وہ جماعت یا پارٹی یا حکومت غلط راستوں پر جائے تو ہمارا کام اس کو سدھا کرنا ہے یا الٹ دینا ہے، جو افراد یا جماعتیں ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرتی ہیں ہم خود ان سے ملک کی وفاداری کا مطالبہ کرتے ہیں، جو لوگ فرقہ پرستی تنگ نظری یا تعصب پیدا کرتے ہیں وہ ملک کے غدار اور وطن کے دشمن ہیں، ان کو کسی دوسرے سے وفاداری کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے وہ خود اپنی وفاداری کا امتحان دیں ہم نے وطن کی آزادی کے لئے اسی طرح

قربانیاں دی ہیں اور اپنی جان کی بازی لگائی ہے جس طرح دوسروں نے آج وطن کی سرزمین پر جواہر لال نہرو اور سردار پٹیل اپنا حق رکھتے ہیں تو حسین احمد، کفایت اللہ اور حفظ الرحمٰن کو بھی وہی حق حاصل ہے اور ان کے اس حق کو چھینا نہیں جا سکتا "

یہ جمعیۃ علماء ہند کے بے لوث رہنماؤں کا ظرف تھا کہ کل جن لوگوں نے اپنے تیرونشتر ان پر آزمائے تھے، جب خود ان پر زہریلے تیر آنے شروع ہوئے تو ان مقدس رہنماؤں کی غیرت وحمیت نے گوارا نہ کیا کہ یہ تیر لیگ والوں کے سینوں میں پیوست ہوں کیونکہ بہرحال وہ ہمارے بھائی ہیں جو دھوکا کھا گئے تھے اور جمعیۃ علماء ان کے لئے سینہ سپر ہو گئی مسٹر جناح پاکستان کے حصول کے لئے ہندوستان کے تین کروڑ مسلمان کے پرخچے اڑا کر رسم شہادت ادا کر چکے تھے۔ انہیں مسلمانوں کو جمعیۃ علماء ہند نے اپنے سینہ سے لگا لیا ان کی مصیبت کو اپنی مصیبت بنا لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جہاں بڑے بڑوں کے کلیجے دہل جاتے ہیں اور ہمتیں ہار جاتی ہیں وہاں ہمالیہ کا جگر لے کر علماء میدان میں آتے ہیں اور ہوا کا رخ پلٹ دیتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ اغراض پرستی کی سیاست سے بلند و بالا ہو کر کام کرتے آئے ہیں اور یہی اس طبقہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے، تاریخ کی یہی شہادت ہے جو کبھی کسی کسوٹی پر غلط ثابت نہیں ہوئی ہے۔

آزاد ہندوستان میں دستوری جنگ کا آغاز

۱۹۴۷ء میں آگ اور خون کی بارش اور اس کے معًا بعد کسٹوڈین کی خون آشامیوں کے حادثے اس طرح آئے جیسے یک بیک آسمان سے بجلی گری ہو یا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا ہو، مسلمانوں کو سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کا ایک لمحہ بھی نہیں مل سکا اور نہ اس کی مدافعت کے کسی پہلو پر سوچنے کا موقعہ ہی مل سکا تھا، لیکن جونہی ارباب اختیار کو نظام حکومت پر غور کرنے کے لئے فرصت ملی تو دستور ساز اسمبلی کی کارروائیاں شروع کردی گئیں ... اس دستور ساز ادارہ کو آزاد ہندوستان کا نقشہ بنانا تھا، مستقبل میں سیاسی، سماجی، مذہبی، لسانی مسائل کا دائرۂ کار متعین کرنا تھا، کسی قوم، طبقہ، یا فرقہ کی تہذیب و تمدن، رسم ورواج، امتیازات وخصوصیات، تعلیم وزبان کے سلسلہ میں فیصلہ کن لائحۂ عمل تجویز کرنا تھا، تو اپنے مستقبل کے بارے میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے اور اس موقعہ پر سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ ملا اور بگڑے برے حالات میں بھی انھوں نے اپنی فکری توانائیوں سے بھرپور کام لیا، اس کے نتیجہ میں ایک ایسا دستور معرض وجود میں آیا جو مستقبل میں ہندوستان کی اقلیتوں کی باعزت و باوقار شہری زندگی کا بڑا سہارا بنا۔

مسلمانوں کی نمائندگی کون کرے

ماہر قانون ڈاکٹر امبیدکر نے مسودۂ قانون مرتب کیا دستور ساز اسمبلی کو اس پر غور کر کے فیصلہ کرنا تھا، اس کے کن کن اجزاء میں ترمیم یا حذف و اضافہ کی ضرورت ہے اور دستور ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام تھی جبکہ سیکڑوں بنیادی مسائل تھے۔ حالات اور ماحول سراسر مسلمانوں کے خلاف تھے، زندگی کے ہر پہلو کو قانون کی زد سے بچانا تھا

برزخم پر پھاہا رکھنا تھا، مسموم ذہنیتوں کے زیر اثر کئے جانے والے فیصلوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا تھا مگر سوال یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ کون پیش کرے، تین کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کون کرے یہ فریضہ کون انجام دے، مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ ہو رہا تھا اور یہ فیصلہ اس ماحول میں ہو رہا تھا دو قومی نظریہ کا زہر ہر دماغ میں سرایت کر چکا تھا پاکستان کا وجود اسی نفرت و تلخی کے ماحول کا نتیجہ تھا، ابھی کل ہی کی بات تھی کہ پورے ہندوستان میں یہ فلک شگاف شور برپا تھا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کیجائے گی اگرچہ لیگ میں شامل علماء کا ایک خواب تھا جس کے مقدر میں شرمندۂ تعبیر نہ ہونا تھا لیکن اس کا ردِ عمل ہندوستان کے غیر مسلموں پر ہونا ناگزیر تھا بالخصوص اس نعرے نے فرقہ پرستوں کی غیرت و حمیّت کو مہمیز کر کے ان میں خلا کا جذبہ پیدا کر دیا تھا اور پھر سردار پٹیل اور ان کے ذہن و مزاج کے لوگوں نے انٹریم گورنمنٹ کے دور میں ذہنی کوفت اور دلی اذیت محسوس کی تھی اور مسلمانوں سے جو بیزاری اور نفرت پیدا ہوئی تھی وہ بھی تازہ دم تھی۔

پاکستان انتہائی تلخی و نفرت کی پیداوار تھا

عبوری حکومت کے دور میں مسلمانوں سے جو نفرت اور ذہنی کوفت پیدا ہوئی اس کی شدّت اذیت سے تنگ آکر ان لوگوں نے بھی تقسیم ملک کے نظریہ کو قبول کر لیا جو پاکستانی تحریک کے سب سے بڑے دشمن تھے، جیسے کوئی شخص پاؤں میں ہو جانے والے زخم کی ٹیس اور درد کی شدّت اور بے چینی سے تنگ آکر ڈاکٹر سے کہدے کہ پاؤں ہی کاٹ دیا جائے بالکل اسی طرح کی ذہنی کوفت اور دماغی اذیّت کے ماحول میں تقسیم ہند کا فیصلہ ہوا یہ متحدہ ہندوستان کے نظریہ کی اتنی زبردست شکست تھی جس کی چوٹ آسانی سے بھلائی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ انڈین نیشنل کانگرس سے متحدہ ہندوستان کی داعی اور منادی تھی اور اس کے بنیادی نصب العین اور نظریہ کی یہ شکست عبرتناک تھی اس کا ردِ عمل بالکل قدرتی تھا اب دستور ساز اسمبلی میں اس طرح کے زخم خوردہ اور چوٹ کھائے بڑے ذہن و مزاج کے لوگ اگر اثر انداز نہ ہوتے تو اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں کتنا بھیانک ہو سکتا تھا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نئے ماحول میں نیا طریقۂ فکر

لیکن انڈین نیشنل کانگریس پر بہر حال اب بھی وہی لوگ

حاوی تھے اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے جو صاف ذہن تھے، لیکن یہ صاف ذہن لوگ بھی اپنی ذات تک بے داغ تھے، لیکن ان کو نظام حکومت اس ملک کے عوام کے ذہن و مزاج اور مرضی کے مطابق بنانا تھا اور اسکو نافذ کرنا تھا اور عوامی ذہن و مزاج میں مسلم لیگ کی پروپیگنڈہ مشنری نے جو زہر بویا تھا وہ برگ و بار لائے بغیر کیسے رہ سکتا تھا اس لئے صاف ذہن لوگ بھی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔

دستور ساز اسمبلی کے اجلاس اسی ماحول میں ہوئے، مسلمانوں کے قومی، مذہبی، لسانی مسائل کے سلسلہ میں اب وہ دلائل بیکار اور بے وزن تھے جو قیام پاکستان سے پہلے ارباب لیگ استعمال کرتے تھے، اب آزاد ہندوستان میں نئی زندگی، نئے ماحول، اور نئے جذبات میں اپنا بھی طریقۂ فکر بدلنا ناگزیر ہو گیا تھا، لیکن ان مسائل کی اہمیت میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کی اہمیت پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی، لیکن اس اہمیت کو واضح کرنے کے لئے جو زبان استعمال کی جا سکتی تھی اس کی قوت گویائی پر حالات کی کربناکی نے اتنا زبردست اثر ڈالا تھا کہ اب عزم و ثبات اور استقامت کا مضبوط سے مضبوط سہارا لیکر دو ٹوک بات کہنے کی طاقت سلب ہو چکی تھی۔

بے لوث قیادت کا کرشمہ

جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کے کردار کی عظمت، خلوص اور بے لوثی کی توانائیوں نے ان میں اب بھی جرأت گفتار کا جوہر باقی رکھا تھا کیونکہ انھوں نے انگریزی سامراج و استبداد کے مقابلہ میں افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر پر عمل کیا تھا آج وہی افراد سامنے تھے جن کے دوش بدوش انھوں نے جنگ آزادی کے محاذ پر صف بندی کی تھی اس لئے ان کا ضمیر مطمئن تھا دل خوف و ہراس کی آماجگاہ بننے کے بجائے اس میں امید کا چراغ بہر حال روشن تھا چاہے اس کی لو کتنی ہی دھیمی کیوں نہ ہو، اور پھر انھوں نے اپنی بے پناہ خدمات کا کوئی صلہ نہیں چاہا تھا اور نہ انھوں نے اپنے اس فرض کے انجام دینے میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ کی تھی جو تاریخ نے ان پر عائد کیا تھا۔

دستور کے بہت سے اجزا جن کا براہ راست یا بالواسطہ تعلق مسلمانوں سے تھا

حالات وماحول کے لحاظ سے جو بھی ممکن تھا مولانا حفظ الرحمٰن ناظمِ عمومی جمعیۃ علماء ہند نے دستور ساز اسمبلی کے رکن ہونے کی حیثیت سے وہ کر دکھایا اور آج دستور میں اقلیتوں کو جو سہولتیں، مراعات اور ضمانتیں دی گئی ہیں ان میں سے بیشتر جمعیۃ علماء ہند کے نمائندہ ہی کی جد وجہد اور کوششوں کا ثمرہ ہے۔

اکھنڈ بھارت کے بجائے سکولر اسٹیٹ

اسلامی ہند کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی سب سے اہم خدمت اور کارگزاری

ہندوستانی دستور کا موجودہ ڈھانچہ ہے، دستور میں اقلیتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں اس میں سب سے بڑا ہاتھ مولانا حفظ الرحمٰن کا ہے۔ آج دستور کی وہی دفعات ہیں جو مسلمانوں کو ہندوستان میں سربلند رکھنے کے مواقع فراہم کرتی ہیں اگر ان حقوق کو حاصل کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے اور مسلمان احساس کمتری سے نکل آئیں تو ان کا مستقبل تابناک ہو سکتا ہے دستور نے اقلیتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ ایسے جامع ہیں کہ ان پر کوئی بھی آج تک اضافہ کی ہمت نہ کر سکا جو لوگ حکومتِ الٰہیہ کی بات کرتے ہیں اور ملک کے اس طرز حکومت کو نظامِ باطل سے تعبیر کرتے ہیں وہ بھی دستور کی ان دفعات کی دادِ تحسین کرتے ہیں جن میں مذہبی ولسانی اقلیتوں کے حقوق درج ہیں۔

۱۹۴۶ء کے الکشن کے دوران مسلم لیگ کے لیڈروں نے بار بار ان پڑھ عوام کو بتایا کہ پاکستان میں خلافتِ راشدہ کے طرز پر حکومت ہوگی اور قرآنی دستور کے مطابق ہوگی اگرچہ یہ سب فریب ہی فریب تھا لیکن اس کا ردِ عمل ہندوستان کے فرقہ پرست ہندؤں پر ہوا اور جب ہندوستان کا دستور بننے لگا تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جب پاکستان میں اسلامی حکومت ہو سکتی ہے تو ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک مذہبی حکومت کیوں نہیں بن سکتی ہے؟ خود پاکستان کے حمایتیوں نے[1] برادرانِ وطن کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ہم پاکستان میں اسلامی حکومت بنائیں گے آپ کو بھی چاہیئے کہ ہندوستان میں اپنی مذہبی حکومت قائم کریں اور آپ کا مذہب جو کہتا ہے وہی سلوک ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ آپ کریں۔ لیکن ان تمام نامساعد حالات کی یورش کے باوجود ہندوستان ایک مذہبی

[1] جماعتِ اسلامی اور اس کی دعوت،، طبع ششم ص ۲۹ - ۳۰

اسٹیٹ نہیں بنا بلکہ اس کی بنیاد سیکولرزم پر رکھی گئی، آپ دستور ساز اسمبلی کی کارروائی پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس میں جمعیۃ علماء کا ہاتھ کام کر رہا تھا اور مولانا حفظ الرحمٰن کی زبان جمعیۃ علماء ہند کے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی، مطبوعہ کارروائی اس کی شاہد عادل ہے۔

اردو زبان کا مسئلہ

اردو زبان ہندوستان میں صرف حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہوئی، اردو کی گردن پر جب پہلا وار کیا گیا تو سب سے پہلے جمعیۃ علماء ہند نے وار کرنیوالے ہاتھوں کو پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وار کرنیوالے ہاتھ زیادہ طاقتور تھے۔ اور جمعیۃ علماء کا ہاتھ اس کے مقابلے میں کمزور تھا، حالات، ماحول اور قیام پاکستان کے ردِ عمل نے رہی سہی طاقت بھی کو سلب کر لیا تھا لیکن جب زبان کا مسئلہ زیر بحث آیا ؎

شکست و فتح مقدر سے ہے، و لے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

زبان کے مسئلہ کے تصفیہ کے لئے دستور ساز اسمبلی کی کانگریس پارٹی کا ایک ہنگامی اجلاس کانسٹی ٹیوشن ہاؤس نئی دہلی میں ہو رہا تھا، زبان ہندی ہو یا ہندوستانی، دونوں نقطۂ نگاہ کی کشمکش اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی تھی، مولانا حفظ الرحمٰن، رفیع احمد قدوائی، خورشیدی لال ہندوستانی کی حمایت و پیروی میں سرگرم کار تھے، مولانا بار بار اجلاس میں جاتے اور باہر آتے اور اپنے ایک ایک ساتھی اور ہم خیال کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے اور بے چین تھے کہ کانگریس حقیقت پسندی سے کام لے کر قومی زبان کے مسئلہ کو طے کرے، پھر جذبات اور تنگ نظری میں ڈوبی ہوئی عددی اکثریت نے ہندی کا فیصلہ کر دیا تو مولانا موصوف کے دل و دماغ پر جو چوٹ پڑی اس کا اظہار اس تقریر سے ہوتا ہے جو آپ نے اس موقعہ پر کی۔

کانگریس کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ

دستور ساز اسمبلی کی کانگریس پارٹی کا یہ اجلاس ۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو ہوا تھا جس میں زبان کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا جس میں ہر دو فریق نے پوری سرگرمی سے حصہ لیا تھا اس وقت

ڈاکٹر امبیڈکر کا مسودۂ قانون زیر گفتگو تھا مولانا حفظ الرحمٰن کے اس ڈرافٹ پر زبردست تنقید کی اور اسے قطعی غیر منصفانہ قرار دیتے ہوئے کہا:۔

اس کے باوجود کہ ہم ہر موقعہ پر گاندھی جی کا نام استعمال کرتے ہیں، اس مسودہ میں گاندھی جی کے طے کردہ اصول کی قطعاً خلاف ورزی کی گئی ہے، یہ وہ اصول تھے جنہیں گاندھی جی ..... آخر دم تک سچ سمجھتے رہے اور انھیں پیار کرتے رہے۔

یونین کی زبان ہندی ہوگی اور رسم الخط دیوناگری ہوگا، یہ نہ صرف گاندھی جی کے اصولوں کو چیلنج ہے بلکہ کانگریس کی اس تیس سالہ تاریخ کو بھی چیلنج ہے جس میں کانگریس بار بار یقین دلاتی رہی کہ ملک کی قومی زبان "ہندوستانی" ہوگی جو دیوناگری اور اردو دونوں رسم الخطوں میں لکھی جائیگی یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس ڈرافٹ میں زبان کے مسئلہ کو زبان کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا بلکہ پولٹیکل نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور بھی کچھ اس تنگ نظری اور تنگ دلی کے ساتھ کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمان باشندوں کی مشکلات کو محض اس لئے نظر انداز کر دیا گیا کہ وہ ردِّ عمل نمایاں طور پر ظاہر ہو جائے جو پارٹیشن اور تقسیمِ ہند سے پیدا ہوگیا ہے۔ میرے نزدیک انڈین نیشنل کانگریس کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا حادثہ ہے جو آج پیش آیا ہے، "سیکولر اسٹیٹ" اور "ون نیشن" کے دعوے کے باوجود ہند یونین کے کروڑوں انسانوں کی مادری زبان کو جو بلا تفریق مذہب و ملّت اور بلا امتیاز نسل وخاندان ملک کے گوشے گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے نفرت و عداوت سے ٹھکرا دیا گیا ہے، اگر "ہندوستانی" کو ہند یونین کی زبان قرار دیا جاتا تو اس میں بلا شبہ ہندی اور ہند یونین کی دوسری زبانیں بھی بہ آسانی سما سکتی تھیں اور جنوبی ہند اور شمالی ہند کا تفرقہ بیچ سے ہٹ سکتا تھا جو اس وقت

"ہندوستانی"، کے ہٹ جانے کی وجہ سے ہندی اور انگریزی کی شکل میں نظر آرہا ہے۔

"ہندوستانی زبان"، کا مطلب گاندھی جی کی نظر میں یہ تھا کہ وہ سادہ اور سہل زبان جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اس زبان کو اگر قومی زبان بنالیا گیا تو اس سے ہند یونین کے تمام باشندوں کے درمیان یک جہتی اور کلچرل یکسانیت پیدا ہوگی جس سے صحیح معنی میں متحدہ قومیت کے نشانات ابھر آئیں گے، اس کے برخلاف وہ اردو اور وہ ہندی جو اپنی اپنی جگہ ادبی ترقیاں کررہی ہیں ان میں ہرگز یہ صلاحیت نہیں کہ وہ قومی زبان کی جگہ لیں۔ مگر افسوس یہ یہ ڈرافٹ جس کی پشت پر اکثریت کی جذباتی سیاست کارفرما ہے، ایسے انتقامی جذبات کا آئینہ ہے جو معقولیت اور سنجیدگی کے تمام پردوں کو چاک کر چکے ہیں، اس لئے میں زبان کے مسئلہ پر مزید تقریر کے بجائے اس ڈرافٹ کے خلاف سخت پروٹسٹ کرتا ہوں اور اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا ہوں۔"

اسی طرح مولانا حفظ الرحمٰن نے دسمبر ۱۹۵۵ء میں لوک سبھا میں اردو کی حمایت میں اس وقت آواز بلند کی جب اردو بے چاری کی حمایت میں کوئی ایک لفظ بولنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، آپ نے حد بندی کمیشن کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے اردو زبان کے حق میں ایک مدلل تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

ایک ریاست ایک زبان

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حد بندی کمیشن کی رپورٹ ہماری حد بندی کمیشن یا باونڈری کمیشن کے پاس سے آئی ہے لیکن اس نے زبان پر بھی بہت مشکل اور کافی بحث کی ہے اور جنوبی ہندوستان کے اند لنگویج یا زبان کے مسئلہ پر اسٹیٹ بنانے میں بہت کافی مضبوط اور اہم حصہ لیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شمالی ہندوستان میں اس طرح سے اس مسئلہ کو نہیں

لیا گیا ہے ابھی کل ہمارے پرائم منسٹر پنڈت جواہر لال نہرو نے اردو کے بارے میں بہت زبردست تقریر فرمائی تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اردو کے مسئلہ کو صرف لکچر یا تقریروں کے ذریعہ بیان کر دینے سے حل کیا جا سکتا ہے؟ شری ٹنڈن جی نے بھی جس طرح وضاحت کے ساتھ کل اردو کے بارے میں فرمایا تھا اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی لیکن یہاں تو سوال اگلے قدم کا ہے جسمیں شاید ان کو بھی اختلاف ہو گا، میں یہ کہتا ہوں کہ زبانوں کے مسئلہ کے بارے میں دو ایک اسٹیٹ ایک لنگویج "ایک ریاست ایک زبان" کے اصول پر بہت زیادہ توجہ کی گئی ہے لیکن یہ کوئی چیز نہیں ہے ہم اس پر چلنا نہیں چاہتے اگر ایک اسٹیٹ میں دو زبانیں ہیں تو ہم اس کی سرکاری حیثیت تسلیم کریں جب ہم نے ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کر لیا تو کسی بھی زبان کے بارے میں یہ سمجھنا کہ وہ ہندی کا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، ٹھیک نہیں ہے۔

اردو ہندی کی رقیب نہیں

یہ سمجھنا کہ اردو ہندی کی رقیب ہے اردو اگر اردو کو کوئی علاقہ دیدیا گیا تو اس سے ہندی کو نقصان پہونچے گا، اس سے مجھے اختلاف ہے، ہماری چودہ زبانیں ہیں جسطرح بنگلہ، گجراتی، مراٹھی، تامل، ملیالم وغیرہ کو اسٹیٹ لنگویج کی حیثیت دی جاتی ہے اس طرح کیا وجہ ہے کہ اردو کے سلسلہ میں وہی پوزیشن اختیار نہیں کی گئی؟ محض لکچروں اور تقریروں میں عمدہ سے عمدہ الفاظ ادا کرنے سے کسی زبان کا مسئلہ سرکاری طور پر حل نہیں ہو سکتا۔

اردو کا بھی ایک علاقہ ہونا چاہئے

آج ایک مقام اور ایک ایسا علاقہ بنانا چاہئے جیسے یوپی ہے، بہار ہے، دہلی ہے۔ جسطرح دوسری زبانوں کے علاقے ہیں جن میں وہ زبانیں سرکاری حیثیت پا کر پھیلیں گی اور پھلے پھولیں گی۔ اسی طرح

اردو سرکاری حیثیت پاکر پھلے پھولے گی اور صحیح طور پر اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے گی رپورٹ میں اس طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی ہے نہ اس کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے، ہاؤس کو اس طرف توجہ دینی چاہئے اس لئے کہ اس کا کوئی علاقہ ہمارے سامنے موجود نہیں ہے، تحفظات میں اس کا ذکر ضرور کرنا ہے جیسے کہ اردو بھی ایک اقلیت ہو گئی ہے جیسے ہندوستان کی اور زبانیں ہیں اسی طرح سے اردو بھی ہے، یہ ہندو مسلمان کا سوال نہیں، یہ بھارت کی زبان ہے لیکن دیکھتا ہوں کہ وہ کسی اسٹیٹ کی زبان نہیں بنائی گئی ہے جس طرح اور زبانوں کے علاقے ہیں اسی طرح اردو کے لئے بھی ایک علاقہ ہونا چاہیئے۔

ایک ممبر نے سوال کیا:۔ آپ کون سا علاقہ چاہتے ہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا، میں یو پی کا علاقہ چاہتا ہوں دہلی اور یو پی میں سرکاری ریجنل لنگویج کی حیثیت حاصل ہونی چاہئے، اہلِ صوبہ میں بھی اس کو یہی جگہ حاصل ہونی چاہئے۔

اردو رسم الخط ہندوستانی ہے

جناب اسپیکر صاحب ابھی بات کرتے ہوئے ہمارے ٹنڈن جی نے توجہ دلائی تھی کہ اردو زبان تو ہندوستان کی ضرور ہے لیکن ان کو اس سے اختلاف ہے کہ اردو رسم الخط بھی ہندوستانی ہے، بہت ادب سے ان سے عرض کرتا ہوں کہ یہ ٹھیک ہے کہ اردو رسم الخط ہندوستان کا نہیں ہے وہ عربی سے لیا گیا ہے فارسی سے لیا گیا ہے، دونوں ہی رسم الخطوں سے وہ بنا ہے لیکن میں ان کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ کسی زبان کے رسم الخط کا دوسری زبان کے رسم الخط سے فائدہ اٹھانا کوئی عیب کی بات نہیں، سندھی زبان نے دوسری زبان سے فائدہ اٹھایا ہے وہ عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے لیکن جو رسم الخط آج ہم ہندوستان میں اردو کے لئے استعمال کر رہے ہیں وہ عربی رسم الخط نہیں ہے، ہاں ہم نے عربی

سے فائدہ ضرور اٹھایا ہے لیکن اس سے فرق کردیا ہے عربی کے رسم الخط کو نسخ کہتے ہیں اور اردو رسم الخط کو نستعلیق کہا جاتا ہے اس طرح اردو اور عربی رسم الخطوں میں کافی فرق ہے میں اردو رسم الخط کو ہندوستان ہی کی چیز سمجھتا ہوں اسمیں آپ کی اور ہاؤس کو توجہ دلاتا ہوں کہ اردو کا مسئلہ نہایت ضروری ہے اور اسکو حل کرنا چاہیے کہ اردو کو بھی کیوں ایک علاقہ نہ دیا جائے میں جو باتیں ہاؤس کے سامنے رکھنا چاہتا تھا ان کو مختصر طور پر لکھدیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہاؤس ان پر غور کرے اور صحیح فیصلہ کرے میں ایک بار پھر کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک اردو کا تعلق ہے اس کو سرکاری علاقائی حیثیت دی جائے۔

اردو تحریک کی مخالفت کرنیوالا خود فرقہ پرست ہے

ایکبار لوک سبھا میں جب اترپردیش میں چلنے والی اردو تحریک پر گفتگو آئی اور کچھ ممبروں نے کہا کہ اس تحریک سے فرقہ واریت کی بو آتی ہے اس کے جواب میں مولانا حفظ الرحمٰن نے گرج کر کہا کہ:۔

"اردو تحریک جو اترپردیش میں چلائی جارہی ہے تحریک چلانیوالے فرقہ پرست نہیں ہیں، اس کی مخالفت کرنیوالا خود فرقہ پرست ہے، ہم نہ پاکستان کے نعظ سے مرعوب ہوسکتے ہیں نہ مسلم لیگ اور مسٹر جناح کے نام سے، اس لئے کہ ہماری قوم پرستی پنڈت نہرو اور دوسرے چوٹی کے لیڈروں سے کسی طرح کم نہیں ہے پاکستان اردو نے نہیں بنوایا بلکہ سیاسی بے ایمانی اور دلوں کے کھوٹ نے، تنگ نظری اس کو چار چاند لگائے۔"

ان تمام احتجاج اور دلائل کے باوجود اردو کا مسئلہ جہاں کا تہاں رہا کانگریس پارٹی کے اجلاس میں احتجاج کر کے پارلیمنٹ میں بار بار تقریریں کر کے بھی جب اردو کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا تو دستور میں دی گئی سہولتوں اور گنجائشوں کی بنیاد پر ملک میں اردو زبان کا حق دلانے کے لئے دستوری جدوجہد کا آغاز کیا۔

اردو کیلئے دستوری جنگ

حالات کے جبر نے جو صورت حال پیدا کردی اس لئے اردو زبان کو زندہ رکھنے کے لئے دستوری جنگ ضروری تھی، حالات سے مایوس ہوکر بیٹھ جانا ہمارا کبھی شعار نہیں رہا، اگرچہ حالات انتہائی ناسازگار ہوچکے تھے، پھر بھی دستوری جنگ کا آغاز کردیا، تحریک کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دہلی، اترپردیش اور پنجاب وغیرہ شمالی ہندوستان میں اردو کو علاقائی زبان کے طور پر . . . .

پورے حقوق حاصل ہوں اور دوسری کوشش یہ تھی کہ سرکاری تعلیم گاہوں سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں تعلیمی نصاب اور سرکاری لٹریچر میں اردو کے ساتھ جہاں معاندانہ سلوک ہورہا ہے اس کی روک تھام کی جائے اور اردو کے ساتھ انصاف کے لئے مسلسل پیروی اور چارہ جوئی کی جائے۔

سب سے پہلے ۲۲ مئی ۱۹۵۱ء کو انجمن ترقی اردو کی ایک وفد اردو کے ساتھ ہونیوالی ناانصافیوں کی شکایت کا ایک محضر نامہ لیکر اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ شری سمپورنانند سے ملا اس وفد میں مولانا حفظ الرحمٰن ڈاکٹر ذاکر حسین قاضی عبدالغفار شریک تھے، دوسری بار ۲۲، ۲۳ دسمبر ۱۹۵۱ء کو لکھنؤ میں کل ہند اردو کانفرنس ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں ہوئی اور اردو کے حقوق کی قانونی اور دستوری جدوجہد کے لئے بیس لاکھ دستخطوں کی مہم کا فیصلہ ہوا، مولانا حفظ الرحمٰن نے اس کانفرنس میں سرگرم حصہ لیا بلکہ انھیں کے اہتمام و انصرام میں یہ کانفرنس کامیاب ہوئی پھر ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۵۱ء کو اجمیر میں کل ہند اردو کانفرنس قاضی عبدالغفار کی صدارت میں ہوئی، کانفرنس کا افتتاح مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا،

بیس لاکھ دستخطی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے جہاں جہاں ضرورت ہوئی آپنے مسلسل سفر کئے، اردو کانفرنسوں میں شریک ہوئے، جمعیۃ علماء کی تمام شاخوں کو ہدایات بھیجی گئیں کہ وہ اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے اپنے ذرائع سے کام لیں ۲۱/۲۲/۲۳ جون ۱۹۵۳ء کو راقم الحروف نے ادری ضلع اعظم گڑھ میں اپنے رفقاء کے تعاون سے اتر پردیش کے مشرقی اضلاع کے ۲۳ ضلعوں کی جمعیۃ کانفرنس بلائی پچاس ہزار سے زائد مسلمانوں کا سہ روزہ اجتماع آزادی کے بعد آزاد کانفرنس کے بعد سب سے بڑا اجتماع تھا، مولانا حفظ الرحمٰن تینوں دن کانفرنس کی کارروائی میں شریک رہے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے صدارت فرمائی تمام چوٹی کے رہنمایان جمعیۃ علماء اور ۲۳ ضلعوں کے ہزاروں جمعیتی کارکن اور ورکر، ریاستی جمعیۃ علماء کے تمام اہم عہدیدار کانفرنس میں شریک ہوئے، اس کانفرنس کا آخری اجلاس اردو کانفرنس کے عنوان سے تھا

علامہ خیر بوردی دو ہفتے قبل سے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے ادری کیمپ کئے تھے اس عظیم الشان اجتماع نے اردو کو علاقائی زبان تسلیم کئے جانے کا رزولیشن پاس کیا اور دستخطی مہم کو کامیاب بنانے کی اپیل کی جس کی وجہ سے مشرقی اتر پردیش میں دستخطی مہم کی لہر چل گئی، ادری کانفرنس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن نے ۲۵ / ۲۶ جولائی ۱۹۵۳ء کو انجمن ترقی اردو کے اس اجلاس میں شرکت کی جس کی صدارت ڈاکٹر ذاکر حسین نے کی جس میں دستخطی مہم کی روداد اور فراہم شدہ دستخطوں کو صدر جمہوریہ کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

تاریخ کی ضخیم ترین درخواست

۱۵ / فروری ۱۹۵۴ء کو نئی دہلی میں انجمن ترقی اردو کا معزز وفد ڈاکٹر ذاکر حسین کی زیر قیادت ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند سے ملا اور اتر پردیش میں اردو کو علاقائی زبان قرار دیئے جانے کے لئے بیس لاکھ سے زائد انسانوں کے تحریری مطالبہ کا ضخیم ترین ریکارڈ صدر موصوف کو دیا اس وفد میں ڈاکٹر ذاکر حسین کے علاوہ مولانا حفظ الرحمٰن پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، پنڈت برجموہن دتا تریہ کیفی، شری کشن پرشاد کول، شریمتی اوما نہرو، قاضی عبد الستار، پنڈت سندر لال، پروفیسر مسعود حسن رضوی، حیات اللہ انصاری، سلطانہ حیات، کرشن چندر اور قاضی عزیز احمد شامل تھے، صدر جمہوریہ سے ملاقات کے دوسرے دن نئی دہلی کے ہوٹل امپیریل میں وفد کی جانب سے ایک پریس کانفرنس بلائی گئی جس میں اردو کے مطالبات کی وضاحت اور وفد کی کوششوں کا اظہار کیا گیا؛ کانفرنس کو ڈاکٹر ذاکر حسین پنڈت کشن پرشاد کول نے خطاب کیا اور سب سے مدلل اور تفصیلی تقریر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اردو کے کیس کی وضاحت میں کی۔

ضخیم ترین درخواست کا حشر

لیکن دنیا کی اس ضخیم ترین درخواست کا حشر عبرتناک ہوا جسے سارا ملک جانتا ہے جب انصاف نہ کرنے کا تہیہ کر لیا جائے تو وہاں دلائل کب کام آتے ہیں۔

چاہے وہ ہمالیہ سے زیادہ وزنی کیوں نہ ہوں، قوم کی کتنی انرجی ضائع ہوئی؟ کتنی محنتوں اور جانفشانیوں کا خون ہوا؟ کتنے جذبات کو ٹھیس لگی؟ کتنے قلوب زخمی ہوئے؟ اردو دنیا میں اس جبر کی سیاست اور اس بے انصافی سے جو مایوسی ہوئی اس کی اذیت ناکی کا اظہار کن لفظوں میں کیا جائے؟ چار سال کی انتھک جدوجہد روز و شب کی جان توڑ محنت اور کوششوں کو ایک نگاہ غلط انداز اور ایک ادائے تغافل نے ہوا میں اڑا دیا بیس لاکھ انسانوں کی آواز فضا میں گونجتی رہی، الفناف الفناف مظلوم اردو چیختی رہی مگر ؎

واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں

ہندوستان ایک سیکولر اسٹیٹ ہے

جب ہم نے آزادی کا مورچہ فتح کیا تو کسی کی نکسیر بھی نہیں ٹوٹی اور جب حکومت و اقتدار کا تخت قبضہ میں آیا تو ہم خون کے دریا میں نہا گئے، ہم نے دیوانگی میں اپنے ہی ہاتھ پاؤں پر تیغ و تبر کا بھرپور استعمال کیا اور پاگل پن میں ہم نے اپنے ہر ہر عضو کو زخمی کر دیا اور جب ہوش کی آنکھیں کھلیں اور ہم نے اپنے اعضا پر نگاہ ڈالی تب احساس ہوا کہ قسمت نے ہمارے ساتھ بڑا کربناک مذاق کیا ہے، اب ہم کو خود اپنے زخموں کو سینا ہے، ان پر پھایا رکھنا ہے اور مرہم لگانا ہے لیکن ہم نے اپنی راہوں میں جو کانٹے بوئے تھے اب وہ تناور درخت ہو گئے ہیں اب راہ کے ایک ایک کانٹے کو چننا کوئی آسان کام نہیں رہا، کیونکہ نفرت و عداوت کے کانٹوں کی جب آبیاری کی جا رہی تھی اس وقت ہم نے صلاح دینے والوں کی صلاح کو ٹھکرا دیا تھا، اب ماحول بدل گیا۔ کل جن کو ہم نے قصداً اپنا دشمن بنایا تھا آج وہ انتقام پر آمادہ ہیں اور ہمارے ہر ہر قدم پر رکاوٹ ڈالنا انھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے اس لئے اب یہ کام انتہائی دشوار اور دقت طلب ہو چکا ہے۔ ؎

جب ناخن وحشت چلتے تھے روکے سے کسی کے رک نہ سکے

اب چاک دلِ انسانیت سیتے ہیں تو سینا مشکل ہے

آزاد ہندوستان میں مسلمان ٹھیک اس صورت حال سے گذر رہا تھا لیکن تیز

کمان سے نکل چکا تھا، عزت و وقار کی زندگی اور خوشگوار مستقبل کا سورج غروب ہو چکا تھا اب محرومی اور نامرادی کی سیاہ ترین رات شروع ہو چکی تھی، امیدوں کے ستارے ایک ایک کر کے نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے، کسی نئے سورج کی کرن کا تصور بھی پاگل کا خواب بن چکا تھا، غیرت و خودداری کی زبان کو اپنے ہاتھوں سے کاٹ چکے، ہم گونگے اور اندھے بن کر خارزار وادیوں میں ڈھکیل دیئے گئے تھے دوستوں اور بھائیوں نے دشمنوں سے بدتر سلوک کیا تھا، ہم نے ان کے ہاتھ میں فیصلے کی تلوار دیدی اور انھوں نے ہمارے اندھے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور انتہائی بے رحمی کے ساتھ اس تلوار کا استعمال ہمارے ہی خلاف کیا، جس کے لگائے ہوئے زخموں سے ہمارا بدن چور چور ہے، ایک طرف وہ پاکستان کے شیش محل میں تختِ طاؤس پر بیٹھکر جشنِ طرب منانے کا پروگرام بنا رہے ہیں اور اپنے محلوں کے چراغاں کے لئے ہمارے خون کا ایک ایک قطرہ روغنِ زیتون بنا کر لے گئے اور دوسری طرف ہم درد و کرب سے تڑپ تڑپ کر خاک و خون میں لوٹ لوٹ کر جان دینے پر مجبور کر دیئے گئے۔

فرقہ واریت شباب پر تھی اور ہر طرف فرقہ وارانہ جذبات کا دیو اپنی خوفناک اور مہیب شکل و صورت کے ساتھ رقص کر رہا تھا اسی ماحول میں سیکولرزم کو دستورِ اساسی کی بنیاد قرار دیا گیا یہ کم حیرتناک واقعہ نہیں ہے، لیکن سیکولرزم کامیاب ہوا یا نہیں یہ ایک مستقل مسئلہ ہے اگر تیس پینتیس ۳۵ سال گزر جانے کے بعد بھی ناکام ہے تو اس کے اسباب پر بحث کیجا سکتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں کے نیچے زمین میسر آگئی اس کی گونگی زبان کو قوت گویائی نصیب ہو گئی، اس کی قومی غیرت و حمیت کو سانس لینے کے لئے ایک فضا مل گئی، لیکن یہ ان طاقتوں کے علی الرغم ہوا جو مسلم لیگ کی فرقہ واریت کے ردِ عمل کے طور پر وجود میں آئی تھیں، وہ قطعی طور پر اس کے لئے تیار نہیں تھیں وہ پاکستان کی خلافتِ راشدہ کے افسانوی اعلان کے جواب میں اکھنڈ ہندوستان کا خواب دیکھ رہی تھیں، اس لئے ان کے اندرونی جذبات کا ظہور ہر ہر قدم پر سدِ راہ بنتا تھا، ان کی نفرت و عداوت مسلمانوں کی راہوں میں کانٹے بونے میں مسلسل مصروف تھی، ان کی اندرونی تشنگی

انھیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی تھی، دستور کی حیثیت زینتِ قرطاس سے کچھ زیادہ ان کے نزدیک نہیں رہ گئی تھی اس لئے آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی کے ابتدائی ایام انتہائی مظلومیت و بے چارگی کا عبرتناک نمونہ بن کر رہ گئے تھے ایسے مایوس کن ماحول میں جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ تھا ؎

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے

اس کے رہنماؤں نے سہمے اور ڈرے ہوئے مسلمانوں کو ہمراہ لیکر زندگی کے میدان میں قدم آگے بڑھا دیا، ہر خارزار سے الجھے، ہر کھائی کو پاٹا، ہر دریا کو پایاب بنایا اور پھر زندگی کا قافلہ رواں دواں ہو گیا۔

سرکاری اسکولوں کا ماحول

پاکستان کے ردِّ عمل نے جو مسموم ذہنیت یہاں پیدا کی تھی اس لئے اپنے ترکش کا پہلا تیر چلایا، اس نے سرکاری اسکولوں کے نصابِ تعلیم کو سیکولرزم اور دستور ہند کی منشا کے خلاف اکثریت کے مخصوص مذہبی رجحانات میں رنگنا شروع کر دیا اور ایک خاموش تحریک شروع کر دی کہ نصابِ تعلیم کے ذریعہ ابتدا ہی سے آنیوالی نسل کا ذہن اس طرح ڈھالا جائے کہ اسلامی عقائد و نظریات سے ایک مسلم بچہ کو دور کر دیا جائے اور اسکولوں کا ماحول ایسا بنایا جائے جس پر ہندو تہذیب کی گہری چھاپ ہو اور اسکول کے بچے اسی سانچے میں ڈھل جائیں اس کا ایک ہلکا سا نمونہ وہ خط ہے جو بہار کے ایک اسکول ماسٹر نے جمعیۃ علماء ہند کے دفتر کو لکھا تھا، اس خط میں سوال کیا گیا تھا کہ گاندھی جی کی مشہور پرارتھنا اگر مسلمان بچے سرکاری اسکول میں صبح کے وقت گائیں تو کیا ان کے مذہبی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات ہے؟ ایسے سوالات مختلف علاقوں اور متعدد اسکولوں سے آئے تھے ان خطوط میں یہ بھی شکایت کی گئی تھی کہ مسلمان بچوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اس پرارتھنا میں شریک ہوں ورنہ اسکول

سے ان کا اخراج کردیا جائے گا۔

اس پرارتھنا کے ساتھ گاندھی جی کے نام کی نسبت سے معاملہ میں ایک خاص اہمیت اور نزاکت پیدا کردی تھی اور آزادی کے فوراً بعد جو ماحول بنا تھا اس نے اس مسئلہ کو اور بھی خطرناک اور نازک تر بنا دیا تھا، پیری ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے اپنے خط میں لکھا تھا۔

پیارے مولانا صاحب! گاندھی جی کی پرارتھنا جو ذیل میں درج ہے ہمارے ہوسٹل میں گائی جاتی ہے، ہندو، مسلم بچے مل کر اس کو گاتے تھے، لیکن سب مسلمان بچوں نے اپنی مذہبی بنیاد پر اعتراض شروع کردیا ہے، اس لئے آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں، کیا واقعی اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی بات قابلِ اعتراض ہے؟ پرارتھنا درج ذیل ہے۔

رگھوپتی راگھو راجا رام — پتت پاون سیتا رام
ایشور، اللہ تیرے نام — پتت پاون سیتا رام
سب کو سمتی دے بھگوان — بھج پیارے تو سیتا رام

رگھوپتی راگھو راجہ رام
پتت پاون سیتا رام

اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب تھے اس لئے آپ نے اپنے قلم سے اس خط کا جواب لکھا جو درج ذیل ہے۔

محترمی! آپ کا خط ملا، شکریہ، گاندھی جی کا یہ مشہور گیت اسلام کے عقیدۂ توحید کے بالکل خلاف ہے، اس لئے کہ اسلام کا سب سے بڑا اور بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ، ایشور، خدا اس ذات کا نام ہے جو نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کی اولاد، نہ کسی کا شوہر، نہ بیوی، وہ ان تمام رشتوں سے پاک ہے، اس کا کوئی ہمسر اور برابر نہیں (سورۂ اخلاص) جس گیت میں رام، ایشور اور اللہ کو ایک ہی بتایا جا رہا ہے اور ساتھ ہی رام سیتا جی کا پتی اور سیتا جی کو رام کو دھرم پتنی کہا جا رہا ہے تو ظاہر

ہے کہ اسلام اس کو قبول نہیں کر سکتا، مسلمان بچے اگر پہلے اس پر اعتراض
نہیں کرتے تھے تو ممکن ہے کہ وہ اس حقیقت سے ناواقف رہے ہوں
لیکن اب اگر واقف ہونے کے بعد ان کو اعتراض ہے تو بجا ہے اور کوئی
وجہ نہیں کہ ان کو اس گیت کے گانے پر مجبور کیا جائے اس لئے کہ ایک
سیکولر اسٹیٹ میں یہ کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔
آپ کو غلط فہمی نہ ہو، گاندھی جی نے اس گیت کو کیوں پسند کیا
اور اگر پسند کیا تو مسلمان جو گاندھی جی کو اپنا پیارا اور محبوب لیڈر مانتے ہیں
وہ اس پرارتھنا کو کیوں پسند نہیں کرتے، اس لئے کہ گاندھی جی خود اس اصول
کے حامی تھے کہ کسی کے مذہبی عقیدے کو دوسروں پر زبردستی نہیں
ٹھونسا جا سکتا اور صحیح اصول بھی یہی ہے، رہی یہ بات کہ خود گاندھی جی اس
پرارتھنا میں دونوں باتوں میں کیونکر مطابقت کرتے تھے اور اس کو
عقیدۂ توحید کیخلاف کیوں نہیں سمجھتے تھے، یہ بات گاندھی جی جان
سکتے ہیں ہم اس کے لئے مجبور نہیں ہیں، اس لئے یہ ذہن ہرگز نہیں بننا
چاہئے کہ ہر وہ بات جو گاندھی جی نے اپنے لئے پسند کی ہر مذہب والا
اس کو اپنے لئے ضرور روا رکھے خواہ اس مذہب کے بنیادی اصول اس کے
خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

والسلام

آپ کا مخلص محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہ

تصویروں اور مجسّموں پر پھول مالائیں

سیکولر اسٹیٹ ہوتے ہوئے بھی ایک طبقہ نے ہندوازم کی جو ہوا چلا رکھی تھی اس نے
روزمرہ کی زندگی میں ایک اور مسئلہ بھی کھڑا کر دیا تھا مجسموں اور تصویروں پر بطورِ عقیدت
پھول مالائیں چڑھانا، کوئی عزیز الٰہی صاحب ہیں جنھوں نے دفتر جمعیۃ علماء کو خط لکھا
اور اس سلسلہ میں صحیح رائے جاننا چاہی تھی، جمعیۃ علماء ہند کا دفتر کوئی دارالافتاء نہیں تھا

کہ صرف مسئلہ کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ پوچھا گیا ہے، اس طرح کے سوالات کا دفعتاً
آنا اس بات کی علامت تھا کہ اس کے پیچھے کچھ ریشہ دوانیاں کام کر رہی ہیں کوئی طا
اس مسئلہ کی آڑ لیکر مسلم کمیونٹی کو نشانہ بنانا چاہتی ہے، اسی سے صورت حال کی نزاکت
سمجھ لینی چاہیئے، یہ ایک مفتی کا فتویٰ نہیں بلکہ اس رائے کے اظہار کے ساتھ مضبوط
قوتِ ارادی اور قوت عمل کے استعمال کی بھی دعوت ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن ناظم عمومی
جمعیۃ علماء ہند نے جواب میں جو خط لکھا تھا وہ درج ذیل ہے:۔

محترمی عزیز الٰہی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، مزاجِ گرامی؟
آپ کا خط ملا آپ نے اپنے خط میں دو سوال کئے ہیں، جو یہ ہیں۔

(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ مذہبِ اسلام کی رو سے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں
ہے کہ وہ کسی بھی تصویر یا مجسمہ پر ہار، پھول چڑھائے یہانتک کہ مسلمانوں
کے مذہبی بزرگوں اور پیغمبروں کی تصویروں اور مجسموں پر بھی ہار پھول چڑھانا
اسلامی شریعت کی رُو سے قطعاً گناہ اور ناجائز ہے؟

(۲) کیا ملک کا سیکولر آئین یا کانگریس کا دستور کسی شخص کے لئے یہ لازم قرار
دیتا ہے کہ وہ ملک و وطن کے کسی لیڈر کی تصویر یا مجسمہ پر ضرور ہار پھول
چڑھائے اور جو شخص ایسا کرنے سے اپنے مذہب کی پابندی کرتے ہوئے
انکار کر دے تو اس کو مجرم سمجھا جائے؟

آپ نے اس ضمن میں مسٹر معین الدین وزیرِ آسام کے جس واقعہ کا
ذکر کیا ہے اور جو سوالات تحریر فرمائے ہیں ان کا جواب درجِ ذیل ہیں:۔

(۱) مسٹر معین الدین وزیرِ آسام نے جو عمل کیا ہے وہ اسلامی بنیادی عقیدہ
کے اعتبار سے قابلِ ستائش ہے میں ان کو جرأتِ حق کی داد دیتا ہوں
اسلام کے عقیدۂ توحید کا تقاضہ ہے کہ کوئی عمل مسلمان ایسا نہ کرے جس سے
اس کے بنیادی عقیدہ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ زد پڑتی ہو، اسلام نے
اسی وجہ سے نبی اور پیغمبروں کے ساتھ بھی اسی طرح کے عمل کی اجازت

نہیں دی ہے جس سے پرستش کا شائبہ یا واہمہ پیدا ہوتا ہو، اسلام نے اسی بنا پر نبیوں اور پیغمبروں حتیٰ کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنانے کو حرام قرار دیا ہے اور اسلام اور حضورؐ کی توہین قرار دیا ہے۔

اس لئے گاندھی جی کی عظیم شخصیت کی عظمت اپنی جگہ قابلِ تسلیم رہتے ہوئے بھی کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ گاندھی جی کی تصویر یا مجسمہ کسی بھی مسلم یا غیر مسلم رہنما کی تصویر یا مجسمہ پر ہار پھول چڑھائے

(۲) ہماری قومی حکومت کسی خاص مذہبی عقیدہ کی حکومت نہیں ہے بلکہ ملک کے عوام کی ملی جلی جمہوری حکومت ہے جس کو ہم سب سیکولر کے نام سے موسوم کرتے ہیں، سیکولر اسٹیٹ کا جو بہترین دستور بنایا گیا ہے اس میں مذہب کی آزادی کو بنیادی حقوق میں اہم ترین حق تسلیم کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے عقیدہ کے مطابق مذہبی آزادی حاصل ہو، یعنی کوئی شخصیت یا کوئی کمیونٹی دوسروں سے اپنے مذہبی عقائد اور اعمال زبردستی منوانے کی مجاز نہ ہوگی۔

پس آسام صوبہ کانگریس کمیٹی کے بعض ارکان نے اگر مسٹر معین الحق کے اس عمل پر انڈین نیشنل کانگریس کے پریسیڈنٹ سے ایکشن لینے کی درخواست کی ہے تو ان کا یہ فعل قطعاً باطل اور دستور کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے ایک مسلمان ملک و وطن کے سب سے بڑے شخص اور موجودہ دنیا کی عظیم شخصیت مہاتما گاندھی کی ہر طرح عزت وعظمت کرتا ہے لیکن اپنے اسلامی عقیدہ کے خلاف کسی فعل یا عمل پر ہرگز ہرگز مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس سے گاندھی جی کی توہین لازم آتی ہے، مسٹر معین الحق کا قومی جھنڈا لہرانا خود اس کی دلیل ہے کہ جہاں تک وطن اور ملک سے محبت کا تعلق ہے مسٹر معین الحق کے دل میں دوسرے محبانِ وطن کے مقابلہ میں کسی سے کم نہیں ہے اس لئے مسٹر معین الحق کا طرزِ عمل سرتاسر حق بجانب ہے میں اس سلسلہ میں محترم

ڈھیبر بھائی صدر انڈین نیشنل کانگریس کو بھی خط لکھ رہا ہوں،

محمد حفظ الرحمٰن ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

یہ خط اس ماحول میں لکھا جا رہا ہے جب مسلمانوں کو غدار اور وطن دشمن کہنے والوں کے شور اور ہنگامہ سے مسلمان سہما ہوا تھا چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہانہ بنا کر مسلمانوں پر وطن دشمنی کا فرد جرم عائد کیا جا رہا تھا، حالات کے دباؤ سے کسی زبان میں جرأت اظہار اور سچائی کو پیش کرنے کی ہمت نہیں تھی کہ مبادا یہ مذہبی صداقت جلتی ہوئی آگ میں ایندھن نہ بن جائے۔ یہ کام جمعیۃ علماء ہند ہی کر سکتی تھی جس نے کسی دور میں بھی حق بات کہنے میں کسی لومتہ لائم کی پرواہ نہیں کی اور اسی نے کلمۂ حق ادا کرنے میں یہ فرض بھی پورا کیا، آج بظاہر یہ مسئلہ ایک معمولی مسئلہ ہے لیکن یہی صورتِ حال اُس وقت ہمالیہ کی طرح نظر آتی تھی جس سے ٹکرانے کی ہمت بہت کم لوگوں میں تھی، جمعیۃ علماء کے رہنما دین وایمان کے تقاضوں کو حالات وماحول کی پرواہ کئے بغیر پورا کرتے...... آئے ہیں اور اس فرض کو آج بھی ادا کر رہے ہیں جب عنانِ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جن کے بارے میں نیشنلسٹ مسلمانوں اور جمعیۃ علماء کے مقدس رہنماؤں کو طعنہ دیا جا رہا تھا کہ یہ ہندوؤں کے تنخواہ دار اور خیمہ بردار ہیں جبکہ جنگِ آزادی میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور یہ الزام اس وقت دیا جا رہا تھا جب علماء اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال کر دین واسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں لگے ہوئے تھے اور الزام وہ لوگ لگا رہے تھے جو تھیٹروں میں "لیلیٰ مجنوں" کا پارٹ کر رہے تھے اور کھلے بند اجنبی اور غیر مسلم عورتوں سے عشق لڑا رہے تھے اور وہ لوگ ان کو منافق اور کافر کہہ رہے تھے جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو نہیں بخشا، وہ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو کیسے بخش سکتے تھے۔

لہ حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری ص ۱۳۱ ؎۲ حیات محمد علی جناح ص ۸۵-۸۶
؎۳ "حقیقتِ پاکستان" کا بوہری مصنف ص ۱۳۶

میں چیلنج کروں گا

مسلمان حالات سے جتنا ہی سہما ہوا تھا اسے اور بھی خوفزدہ کرنے کی کوشش کیجاتی تھی، حکومت کا معمولی سے معمولی افسر بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہٹلر اور مسولینی بنا ہوا تھا، ان کی شکایتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیجاتی تھی، مسموم ذہنیتیں اور نت نئے طریقے مسلمانوں کے ضمیر کے خلاف ایجاد کرنے اور حکم نافذ کرنے پر مجبور کرتی تھیں صوبہ بہار کے ضلع چمپارن سے کئی شکایتیں دفتر کو موصول ہوئیں کہ محکمۂ تعلیم کی جانب سے پردہ نشین مسلمان استانیوں اور انسپکٹریس کو جو سرکاری ملازم ہیں محکمہ کیجانب سے مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ پردہ چھوڑدیں یا سروس سے دست بردار ہو جائیں اسی طرح ملک کے دوسرے حصوں میں بھی صورتِ حال تھی۔ مولانا حفظ الرحمٰن ناظمِ عمومی جمعیۃ علماء ہند نے فوراً وزیراعلیٰ بہار اور وزیرِ تعلیم صوبہ بہار کی توجہ اس افسوسناک شکایت کی جانب مبذول کرائی آپ نے اپنے مراسلہ میں تحریر فرمایا۔

"میں ان شکایتوں کو دیکھکر حیران ہوں کہ اگر واقعتہً حکومتِ بہار نے کچھ ایسے احکام جاری کئے ہیں تو وہ قانوناً کہاں تک جائز اور قابلِ برداشت ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ دستورِ ہند اور بنیادی حقوق کی دفعات ایسے احکام کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتیں، میں چاہتا ہوں کہ ایسے غلط احکام اگر واقعتاً وہ جاری کئے گئے ہوں تو دستور کی روشنی میں چیلنج کروں، براہِ کرم آپ مجھے اپنے ذمہ دارانہ اطمینان بخش جواب سے مطلع فرمائیں ہیں منتظر ہوں

وزیراعلیٰ بہار شری ایس، کے سنہا نے مولانا حفظ الرحمٰن کو اس سلسلہ میں جو جواب لکھا وہ بہت واضح اور صاف تھا جو ایسے امور پر سرکاری موقف کو واضح کرتا ہے خط انگریزی میں ہے، اس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے، وزیراعلیٰ نے لکھا:۔

مائی ڈیر مولانا صاحب! آپ کے شکایت نامہ پر میں نے ایک مکمل انکوائری کرائی ہے میں مطمئن ہوں کہ جو شکایت آپ تک پہونچائی گئی ہے وہ سراسر

بے بنیاد اور غلط ہے اس لئے کہ میری حکومت کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے کہ سابق دستور اور ہدایات کو جہاں تک ممکن ہو سکے نباہا جائے اور ان میں مداخلت نہ کی جائے چنانچہ مسلم خواتین کو خواہ استانیاں ہوں یا طالبات یا گورنمنٹ کی کسی سروس میں ہوں بے پردگی پر مجبور کرنے اور پردے سے دست بردار ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا۔

آپکا مخلص۔ ایس، کے سنہا۔ وزیر اعلیٰ بہار

مسلم آزاد تحریروں کا سیلاب

آفات و حوادث نے جیسے مسلمانوں کا گھر دیکھ لیا تھا، روز ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کوئی نیا حادثہ ظہور پذیر ہو جاتا تھا، کوئی نئی آفت سامنے آجاتی تھی، انھیں اٹھنے والے فتنوں میں ایک اہم اور دلخراش مسئلہ جو کبھی غیر مسلم مصنفین کی ناواقفیت اور کبھی فرقہ وارانہ تنگدلی کی بدولت رونما ہوتا رہا، وہ توہین آمیز، غلط، اور مسلم آزاد تحریریں تھیں جو آئے دن اخبارو رسائل اور پبلک لٹریچر میں شائع ہوتی رہیں، فرقہ پرستوں کے ذہنوں میں نفرت و عداوت کا جو لاوا کھولتا رہتا تھا وہ منظر عام پر آجاتا تھا، ملک کے مختلف صوبوں کے تعلیمی نصاب کی کتابوں میں بھی یہ زہریلے مواد بھر دیئے گئے تھے مثلاً "وشو اتہاس کی روپ ریکھا" کتاب جو ۱۹۵۱ء میں اتر پردیش کے نصاب تعلیم میں شامل کی گئی "فلم انڈیا" بمبئی اور "ترجمان" کلکتہ کے بعض شمارے جو اپریل مئی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئے اور "امرت پتریکا" الٰہ آباد کا ایک شمارہ جو جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا، پانیر" لکھنؤ "سوتنتر بھارت" ، جنوری ۱۹۵۶ء کا شمارہ، دیا بھون بمبئی کی ایک بدنام کتاب "ایلیجیس لیڈرز" ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی ان کے علاوہ درجنوں نصابی کتابیں جو اس دور کی مسموم ذہنیت کے نتیجہ میں شائع ہوئیں اور اسکولوں میں پڑھائی جانے لگیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب زبانوں پر تالے پڑے ہوئے تھے، ان کتابوں رسالوں اور اخبارات میں اکثر و بیشتر ایسے مضامین شائع ہوئے جنمیں ذاتِ اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام یا اسلامی عقائد و نظریات کی توہین و تضحیک تھی اور مسلمانوں کے مذہبی نظریات پر دانستہ بزدلانہ حملہ، یا ہندوستان کے گذشتہ مسلم فرمانرواؤں کا اشتعال انگیز مذاق اڑایا گیا تھا، نصابی کتابوں میں قابلِ اعتراض ایسے اجزاء شامل کیے جاتے تھے اور ساتھ ایسے اسباق بھی جو معصوم بچوں کو زبردستی ان کے مذہب کے برخلاف دوسرے مذہب کی تلقین کریں، اس قسم کی تحریریں نہ صرف یہ کہ مسلمانانِ ہند کے لیے ناقابلِ برداشت اور اشتعال انگیز تھیں بلکہ خود دستورِ ہند اور سیکولرزم کے تقاضوں کو بھی پامال کرتی تھیں۔

جمعیۃ علماء ہند مسلسل ان تحریروں کے خلاف زبردست احتجاج کرتی رہی، ریاستی وزرا اور مرکزی وزرا کو بار بار خطوط لکھے گئے ان سے ملاقات کر کر کے ان کی سمیّت کی طرف توجہ دلائی گئی اور ہر طرح کی مشکلات کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور ہر تحریر کا نوٹس لیا گیا اور ملک گیر پیمانے پر احتجاج کیا گیا، وزیر اعظم ہند سے کئی بار اس مسئلہ پر گفتگو کی گئی اور پارلیمنٹ میں اس مسئلہ پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے روشنی ڈالی اور ان کے خلاف زبردست احتجاج کیا، اسی سلسلہ میں مولانا موصوف نے ۵ر مارچ ۱۹۶۰ء کو پارلیمنٹ میں ساری صورت حال کو سامنے رکھا آپ نے ہاؤس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

محترم ڈپٹی اسپیکر صاحب!

میں آج ایک خاص بات کی طرف ایجوکیشن منسٹر صاحب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، مجھے چند برسوں میں اس بات کی طرف مختلف موقعوں پر پارلیمنٹ کو توجہ دلائی گئی ہے، لیکن ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہو رہی ہے، ہمارا کانسٹی ٹیوشن بننے کے بعد یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے گورنمنٹ صرف سیکولرزم اور نیشنلزم کے مطابق کتابوں کے کورس کو اپنی تعلیم کے اندر جذب کرے گی، کسی کے مذہب اور کسی دھرم کی تعلیم کی ذمہ داری حکومت پر نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے ٹیکسٹ بک کمیٹی کی طرف سے کچھ کتابیں پرائمری ایجوکیشن اور مڈل کی تعلیم میں ہندوستان کی مختلف زبانوں

میں جاری ہیں، ان میں یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ بہت واضح طور پر ان کتابوں میں ایک خاص انداز سے اس طرح کے بیان اور اس طرح کے مضمون لائے جاتے ہیں جن میں خاص طور پر مسلمان یا اسلام کے بارے میں جتنا بھی خلاف لکھا جا سکے، لکھا جائے، ساتھ ساتھ اگر یہ بھی نہ ہو تو کم سے کم اس طریقے سے لکھا جائے جس سے کسی ایک مذہب کا پروپیگنڈہ ہو اور دوسرے مذاہب پر اس کا اثر برا ہو، اس بارے میں پچھلے برسوں میں گورنمنٹ آف انڈیا کی ایجوکیشن منسٹری کے سامنے اور ایجوکیشن منسٹر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے سامنے بھی میں نے پچیس تیس کتابیں مختلف مرتبہ پیش کر کے ضبط کرائی تھیں، ان کی تحقیق کی تو معلوم ہوا اور اسٹیٹ گورنمنٹوں نے بھی تسلیم کیا کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس طرح یہ کتابیں داخل کی گئیں اور آخر کار وہ ضبط کی گئیں، لیکن پچیس تیس کتابیں ضبط ہونے کے باوجود آج ایک سلسلہ سیلاب کے طریقہ سے ہم دیکھ رہے ہیں، دانستہ یا نادانستہ جس طرح بھی ہو ایک سیلاب کی طرح کا سلسلہ جاری ہے اور دونوں چیزیں برابر موجود ہیں پچھلے دنوں ۷۵ کتابوں کے بارے میں ایک فہرست بنا کر بھیجی گئی تھی ہم نے یہ بتلایا کہ اس قسم کی کتابیں اس قابل نہیں کہ تعلیم میں رکھی جا سکیں، وہ بہت مضر ہیں، اور اس سے دوسرے مذہب کی توہین ہوتی ہے اور سیکولرزم اور نیشنلزم کے خلاف بھی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ سیلاب رکتا نظر نہیں آتا، جب بھی ہم ایسی تقریریں کرتے ہیں تو ہم سے کتابیں مانگی جاتی ہیں، ہم وہ کتابیں پیش کر دیتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محکمہ تعلیم یہ سمجھتا ہے کہ صرف ان چند کتابوں کے بارے میں شکایت تھی اور اس کی شکایت دور کر دی، حالانکہ صورت حال یہ نہیں ہے، ضرورت دو چار دس بیس یا پچیس کتابوں کو یہاں پیش کر دینے تک بھی نہیں، آج اگر کوئی کمیٹی مقرر کی جائے اور اس بارے میں اہمیت کیساتھ تحقیقات

کرائی جائے تو بلا مبالغہ میں کہہ سکتا ہوں کہ پچاس فیصدی کتابیں پرائمری اور مڈل تعلیم کے کورس میں اس قسم کی داخل ہیں جن میں سیکولرزم کے خلاف ایک خاص مذہب کا پروپیگنڈہ کسی نہ کسی طریقے سے ہے یا کھلی ہوئی کسی دوسرے مذہب کی بانی اور اس کے متعلق اس قسم کی توہین موجود ہے چاہے وہ الہامی کتاب کے بارے میں ہو مثلاً قرآن کریم یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یا مسلمان بادشاہوں کے خاص خاص واقعات کے بارے میں سری پرکاش شاستری (ایک ممبر) کوئی نمونہ پیش کیجیے۔

مولانا حفظ الرحمٰن۔ میں نمونہ پیش کرنے نہیں کھڑا ہوں لیکن اس طرح کی پچیس تیس کتابیں ضبط ہو چکی ہیں اور ۷۵ کتابوں کی فہرست بھیجی جا چکی ہے نمونہ کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا لیکن اس کے لئے چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ہندوستان کی تمام اسٹیٹوں میں تحقیقات کرائی جائے اور تقریباً پچاس فیصدی ایسی کورس کے اندر نہ ثابت ہوں تو اس سے زیادہ جرم میرے خلاف، یا میری ذمہ داری کے خلاف کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں یہاں پر دو چار کتابوں کا حوالہ نہیں دیتا یہاں ایک وقت ایسا بھی ہوا کہ کتابیں پیش کی گئیں ان کے اقتباسات بھی پیش کئے گئے لیکن میں آج اس بیماری کو دق کے درجہ کی سمجھ کر یہ گزارش کر رہا ہوں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو خاص طور پر چیک کیا جائے مختلف کانفرنسوں میں تجاویز بھی پیش کی گئیں وہ تجاویز مختلف انجمنوں، جمعیۃ علماء ہند اور دوسری انجمنوں جیسے انجمن ترقی اردو کی طرف سے بھی آئی ہیں جن میں دو باتیں کہی گئی ہیں، ایک بات یہ کہ ایک سب کمیٹی ہو جو اس قسم کی باتوں کو چیک کرے، ابھی ابھی "کرانتی کی لہریں" نام کی ایک کتاب ہم نے ایجوکیشن منسٹر کو چھ سات دنوں پہلے دی ہے، انھوں نے خود ہی مجھ سے کہا کہ اس کے اندر بہت سخت اور قابلِ اعتراض مضمون اسلام کے خلاف ہے

یہ کتاب کئی برسوں سے اتر پردیش میں پڑھائی جارہی ہے، اس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے لیکن کوئی بات آگے نہیں بڑھتی ہے اس طرح کے واقعات بہار میں، راجستھان میں، یو، پی میں، مدھیہ پردیش میں اور دوسری اسٹیٹوں میں برابر جاری ہیں، اس لئے میں دق کے درجہ کی بات کہہ رہا ہوں لہٰذا اس بات کا لحاظ ہونا چاہیئے، آج مسلمان عوام کہتے ہیں اور ہم کو طعنہ دیتے ہیں کیوں صاحب! یہ سیکولرزم ہے؟ یہ سیکولر اسٹیٹ کی کتابیں ہیں؟ جن میں کھل کر اسلام کے خلاف قومی اصولوں کے خلاف باتیں موجود ہیں۔

شری سی، کے بھٹاچاریہ۔ (ایک ممبر) کیا میں آنریبل ممبر سے معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ صرف ہندی کتابوں کا ذکر کر رہے ہیں یا دوسری زبانوں کی کتابوں کا بھی ذکر کر رہے ہیں؟ ان کے بارے میں صاف ہونا چاہئے کہ وہ کس زبان سے تعلق رکھتی ہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن ــ ایسا سب زبانوں میں ہو رہا ہے، گجراتی زبان میں ہو رہا ہے، ہندی زبان میں ہو رہا ہے، اردو زبان میں ہو رہا ہے اور دوسری زبانوں میں بھی ہو رہا ہے، ہمارا مطالبہ ہے کہ پرائمری اور مڈل اسکولوں میں جو تعلیم دی جارہی ہے وہاں پر خاص طور سے دھیان رکھیں ایسی کتابیں بچوں کو نہ پڑھائی جائیں، اس بارے میں دو تجویزیں ہیں ایک تو یہ کہ ریاستوں میں ایک اس طرح کی کمیٹی ہو جو اس بات کی تحقیقات کرے کہ ایسی کون سی کتابیں ہیں جن میں کسی مذہب کی توہین کی گئی ہے یا جن میں کسی ایک خاص دھرم کے لئے ایسا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے جس کا دوسرے مذہب پر برا اثر پڑتا ہے ان دونوں باتوں میں سے اگر کوئی بھی چیز ہو تو ایسی کتابوں کو ٹیکسٹ بک میں سے نکال دیا جائے، اور انھیں کورس میں قطعی طور پر شامل نہ کیا جائے۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ ٹیکسٹ بک کمیٹی میں ایسے ارکان مستقل طور پر ہونا چاہیے جو اس بات کی جانچ کریں کہ وہ جس کتاب کو کورس میں شامل کر رہے ہیں وہ ان دونوں چیزوں سے صاف ہے اور سیکولرزم اور نیشنلزم کے مطابق ہے یا نہیں،،

ہندوازم کا احیاء

ہندوستان میں ہندوازم کے احیاء کے لئے مسموم ذہنیت رکھنے والے سرکاری افسران اور لیڈروں نے منصوبہ بند طریقوں سے اپنے اپنے دائرۂ کار میں کام کرنا شروع کر دیا اور تسلسل کے ساتھ ان تدابیر کو عملی جامہ پہنایا جانے لگا جن کے ذریعہ ہندوستان کی سرزمین میں ہندوازم کی ایک ایسی فضا قائم ہو جائے کہ دوسری ساری تہذیبیں اسی دھارے میں بہہ جائیں بالخصوص مسلمانوں کے قومی تشخص و امتیاز کو داستانِ پارینہ بنا دیا جائے اور خاص طور پر اس مقصد کیلئے تعلیم کی راہ منتخب کی گئی اور انسانی زندگی کی اس عمر کا انتخاب کیا گیا جو بچوں کی نشوو نما اور اثر پذیری کا سب سے قابلِ ذکر زمانہ ہوتا ہے،، بچہ کا ذہن دل اور دماغ ایک سادہ صفحۂ قرطاس ہوتا ہے اس پر جو نقش پہلے پہل مرتسم ہو جاتا ہے وہ نقش کالحجر بن جاتا ہے اور اس کا اثر زندگی کے اخیر لمحوں تک باقی رھتا ہے اگر نقشِ اول کے بعد دوسرے نقوش بھی اس پر بنائے جائیں تا کہ نقشِ اول دب جائے یا مٹ جائے تو اسمیں کامیابی ادھوری ہوگی کیوں کہ ایک ہلکی لکیر بہر حال اسپر باقی رہ جائے گی، یہ بات اس کے دینی تقاضوں کو کمزور کر دیگی، صلابتِ عقیدہ کی راہ میں رکاوٹ ہوگی اور اس کی تعلیمات و روایات کی صداقت پر ایک دُھندلا دُھندلا عکس ان باطل خیالات کا ضرور باقی رہ جائے گا اور یہ ایک مسلمان کی مذہبی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہوگا کیونکہ یہ صورت حال بتدریج اس کو قومی تشخص کی اہمیت سے بیگانہ بنا دیگی، معاملہ کی اسی نزاکت کو مدّ نظر رکھکر جمعیۃ علماء ہند نے پوری

طاقت لگا کر اس سیلاب کے آگے روک لگانے کی کوشش کی اور بڑی حد تک کامیاب ہوئی۔

دینی تعلیم وقت کی اہم ترین ضرورت

جمعیۃ علماء ہند کے لئے یہ صورتِ حال تشویشناک بنتی جا رہی تھی، حالات اتنے بدل چکے تھے کہ اب از سرِ نو اگر مسلمان کی شیرازہ بندی نہیں کی جاتی ہے تو پانی سر سے گذر جائیگا۔ تقسیمِ ملک کی وجہ سے مسلم معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا، اسکی قوتِ کارکردگی مجروح اور حد درجہ متاثر ہو کر رہ گئی تھی، جذبات میں اضمحلال، افکار میں افسردگی، زندگی کے حقائق سے بیزاری عام ہوتی جا رہی تھی یہ بیماریاں کسی قوم کو بالآخر فنا کے گھاٹ تک پہونچا دیتی ہیں کوئی دوسری جماعت ملک میں باقی نہیں تھی جو اس ذمہ داری کو محسوس کرے اور اٹھائے اور وہ دین و ملت کی سب سے اہم اور بنیادی اور تعمیری خدمت کو اپنی زندگی کا مشن بنانے اور دینی تعلیم کی ملک گیر تحریک چلا کر مستقبل کی تاریکیوں میں اجالا لانے کی جدّوجہد کرے، اس کی نشو و نما اس کی آبیاری میں اپنی توانائیاں صرف کرے اس لئے جمعیۃ علماء ہند وقت اور حالات کی طرف سے عائد کردہ اس ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے میدان میں آئی۔

جمعیۃ علماء ہند کی سیاست سے علٰحدگی

اب یہیں اس داستان کے اس جزو کو بھی ذہن نشین کر لیں کہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنی تیس سالہ سرگرم سیاسی جدوجہد کے بعد مستقبل میں پارلیمنٹری سیاست سے ۲۰ مارچ ۱۹۴۸ء کو کنارہ کشی کا اعلان کر دیا کیونکہ حالات نے جو صورتِ حال پیدا کر دی تھی اس کا بھرپور مقابلہ کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہو گیا تھا، مسلم فرقہ پرستی، تقسیم ملک کے بعد از خود مر گئی تھی اب ہندو فرقہ پرستی کا دیو حملہ آور تھا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے سیکولرزم اور نیشنلزم اسلحہ ہی سے ممکن تھا، اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنی دوسری موت کا سامنا کرنا پڑتا جو پہلی موت سے کئی گنا زیادہ

کربناک ہوتی۔ اس لئے جمعیۃ علمار ہند نے اپنی سب سے پہلی فرصت میں اعلان کردیا کہ وہ اپنی تمام صلاحیتیں تعلیمی و تہذیبی سرگرمیوں کے لئے وقف کردے گی اور ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کے اپنے مذہب، اپنی تہذیب، اپنی تعلیمات و روایات کے ساتھ باعزت و باوقار زندگی کے وسائل فراہم کرنے کے لئے اپنی سرگرمیوں کو محدود کردے گی، یہی ایک مسلمان کی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی عنصر ہے اگر یہ باقی ہے تو ہزاروں آفات و مصائب جھیلنے کے بعد بھی وہ کامیاب ہے اور اگر اسے زندہ رہنے کا حق مل گیا اور یہ عنصر اس کی زندگی سے نکل گیا تو اس کی دنیاوی کامیابیوں اور ہزاروں ترقیوں کے باوجود وہ ناکام اور شکست خوردہ مانا جائے گا۔

دینی تعلیم کا فروغ اور اس کے لئے جدوجہد

آزاد ہندوستان میں تعلیم کو وسیع کرنے کے لئے یقینی طور پر سرگرم جدوجہد کا آغاز ہونے والا ہے، ہندوستان جاہل ہے اس جہالت کے خلاف حکومت کو فوری اقدام کرنا ہے اس لئے دنیاوی تعلیم کی عام اور جبری ترویج کے جلو میں یہ اشکال اور دشواری بھی لازمی طور پر آنیوالی ہے، جب ملک میں تمام بچوں کو دنیاوی تعلیم حاصل کرنا، اور پانچ چھ سالہ سرکاری کورس اور سرکاری نصاب کی تعلیم ضروری ہوگی اور یہ ظاہر تھا کہ ایک سیکولر ملک میں کسی بھی فرقہ یا مذہب کی تعلیم سرکاری نصاب کا جزو نہ ہوگی تو پھر مسلمان بچے جو قرآن پاک اور ابتدائی دینیات کی تعلیم اس عمر میں حاصل کرتے ہیں اس کی گنجائش کیونکر باقی رہے گی؟ اس کا کیا بندوبست ہوگا؟

اس عام اور لازمی دشواری کے ساتھ ساتھ گردش لیل و نہار کے صدقے آثار و قرائن اس خطرہ کی بھی نشاندہی کررہے تھے جو دبے پاؤں مسلم معاشرہ میں اس کی ذہنی و فکری موت بن کر آرہا تھا اور چند ہی دنوں کے بعد اس خطرہ نے عملی شکل اختیار کرلی، ایک خاص مسموم ذہنیت نے سرکاری نصاب تعلیم کو اکثریت کے مخصوص مذہبی رجحانات میں رنگنا شروع کردیا اور اسلامی تہذیب کو فنا کے

گھاٹ اتارنے کی ایک خفیہ کوشش شروع ہوگئی کہ نصابِ تعلیم کے ذریعہ ابتدا ہی سے آنے والی نسل کے ذہن کو اس طرح ڈھالا جائے کہ اس کو اسلامی عقائد و نظریات سے دور کردیا جائے، یہ ایک خاموش تحریک تھی اور نتیجہ کے لحاظ سے انتہائی خطرناک۔ دہلی کے خونی واقعات جس مقصد کی تکمیل نہ کرسکے یہ خاموش تحریک اس کی تکمیل کا ایک مؤثر ذریعہ تھی، اس خطرہ کے سدّباب کے لیے مسلمانانِ ہند کی کوئی تحریک یا تنظیم گردشِ لیل و نہار کی تیز یورش کی تاب نہ لاکر باقی نہیں بچ سکی تھی اور اس کا وجود فنا ہوگیا تھا ملک میں صرف ایک جماعت اپنی سخت جانی کی وجہ سے بچ گئی تھی اور وہ جمعیۃ علماء ہند تھی جو اپنی شاندار روایات، بے لوث خدمات، بے داغ کردار کے ساتھ اس تیز و تند آندھی میں بھی اپنا چراغ روشن کیے ہوئے تھی، حالات کے یورش کے مقابلہ میں صف آرائی اور اپنے فریضۂ خدمت کی ذمہ داریوں کو نامساعد اور ناسازگار حالات میں بھی پورا کیا، اس کے رہنماؤں نے ملک کے گوشے گوشے میں پھر کر دینی تعلیم کے فروغ اور اس کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے ایک ملک گیر ذہنی انقلاب بپا کردیا اور مسلمانانِ ہند کے تمام ہی حلقے اور مکاتبِ فکر کے لوگوں کو اس تحریک اور وقت کے اس اہم تقاضے سے آشنا کرایا یہاں تک کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے جدید ماحول سے استعداد و آمادگی کی صدائیں آنے لگیں، اس طرح دینی تعلیم کی مہم وقت کی ایک اہم پکار بن گئی اور ملک کے ہر ہر گوشے سے لبیک کی صدا آنے لگی اس تعمیری مہم سے وابستگی کا مظاہرہ ان اجتماعات اور کانفرنسوں سے ہوسکتا ہے جو اس سلسلہ میں جابجا منعقد ہوتی رہیں ۱۹؍۲۰؍اکتوبر ۱۹۵۲ء کو احمد آباد میں ایک عظیم الشان دینی تعلیمی کانفرنس ہوئی پھر کل راجستھان دینی تعلیمی کانفرنس جے پور میں ۲۳؍۲۴؍دسمبر ۱۹۵۲ء کو مولانا شاہ سجاد فاخری کی صدارت میں ہوئی پھر الٰہ آباد میں ایک دینی تعلیمی کانفرنس ۲؍۳؍اپریل ۱۹۵۵ء میں ہوئی، ۲۸؍مئی ۱۹۵۵ء میں بہوروا ضلع بلیا میں شاہ معین الدین ندوی کی صدارت میں دینی تعلیمی کانفرنس منعقد کی گئی اسی طرح ایک دینی تعلیمی کانفرنس خلیل آباد ضلع بستی میں ۲۱؍مارچ ۱۹۵۶ء کو پھر رائے پور مدھیہ پردیش میں ۱۳؍۱۴؍مئی ۱۹۵۸ء

کو مولانا احمد سعید کی صدارت میں دینی تعلیمی کانفرنس ہوئی، پھر بمبئی میں، اجین میں، مرہٹواڑہ میرٹھ میں پالن پور گجرات میں مسلسل دینی تعلیمی کانفرنسیں منعقد کی جاتی رہیں یہ اس نعرہ کا جواب تھا جو جمعیۃ علماء ہند نے آزادی کے دوسرے سال بلند کیا تھا سب سے اہم کردار اس سلسلہ میں دینی تعلیمی کنونشن بمبئی نے ادا کیا جس میں مسلمانوں کے تمام مکتبہ خیال کے اہل علم اور سربر آوردہ حضرات نے وحدت فکر و عمل کا ایک تاریخی مظاہرہ کیا یہ کنونشن بمبئی میں ۸ / ۹ جنوری ۱۹۵۵ء کو قیصر باغ میں ہوا جس میں ملت اسلامیہ کے وہ تمام گروہ حنفی، شافعی، مالکی، مقلد، غیر مقلد، شیعہ سنی، دیوبندی، بریلوی، خوجے، بوہرے، حسینی، فاطمی، وغیرہ وغیرہ جدید و قدیم ماحول و مزاج کے اہل علم، ماہرین تعلیم، سربرآوردہ اکابر زعماء جن کے فکر و عمل کے دائرے ہمیشہ جدا جدا رہے ملک کے گوشے گوشے سے آکر وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک خالص دینی نصب العین کے لئے سر جوڑ کر بیٹھے، اور صفائی قلب و ذہن کے ساتھ دینی تعلیمی مہم کو اپنا کر اٹھے اور اتحاد عمل کا ایک یادگار نمونہ تاریخ کے حوالے کر گئے۔

کنونشن کا افتتاح دنیائے اسلام کے بزرگ ترین عالم و محدث شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کنونشن نے اپنے غور و فکر کے نتائج ایک کل ہند دینی تعلیمی بورڈ کے سپرد کئے جس کی تشکیل میں ۴۵ نامور زعماء ملت و ماہرین تعلیم شریک ہوئے اور اس کے جنرل سکریٹری مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند بنائے گئے۔

پھر یہ تحریک پورے ملک میں چل پڑی، مسلمانوں میں زندگی اور بیداری کی ایک نئی لہر دوڑ گئی، اور یاس و قنوطیت کے بادل چھٹنے لگے، نئے حوصلوں اور نئی امنگوں کے ساتھ آزاد ہندوستان میں اسلامی تعلیمات و روایات کے مستقبل کو تابناک بنانے کی مہم کا آغاز ہو گیا، پورے ملک میں اسلامی مدرسوں اور دینی

مکتبوں کی تعداد میں اتنا بڑا اضافہ ہوا کہ متحدہ ہندوستان میں بھی اتنی بڑی تعداد نہیں تھی جتنی بڑی تعداد تقسیم ملک کے بعد صرف ہندوستان میں ہے اور یہ اتنی روشن حقیقت ہے کہ اس کے لئے کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

۱۶، ۱۷، اور ۱۸ اپریل ۱۹۵۰ء کو لکھنؤ میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا، اس وقت حالات بڑی حد تک پرسکون تھے، وحشت و بربریت کی گھٹائیں موسلا دھار برس کر جا چکی تھیں، آسمان صاف نظر آرہا تھا ایسا محسوس کیا جا رہا تھا کہ فسادات کی آگ اب بجھ چکی ہے شاید اب اس خاکستر میں کوئی چنگاری نہیں رہ گئی ہے لیکن امن وسکون کے اس فضا کو چند ہی دن گزرے، سمندر کی سطح کو پرسکون دیکھکر اس کی تہ میں کروٹیں لیتے ہوئے طوفان کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا خاکستر میں چنگاریاں نہیں انگارے چھپے ہوئے تھے اور جب ہوا نے راکھ کو اڑا دیا تو یہ چھپے ہوئے شعلے پھر کود دینے لگے اور اسکی تیز آنچ دور دور پہونچ گئی، قدرت نے جیسے فیصلہ کر لیا ہے کہ مسلمانوں نے ملی حیثیت سے سیاست کی راہ میں جو تقسیم ہند کی غلطی کی ہے اس کی قرار واقعی سزا دیدے، اور جمعیۃ علماء ہند کو ایسی شکستہ اور ٹوٹی ہوئی کشتی کی ناخدائی سپرد فرمائی جس کا کوئی تختہ سلامت نہیں تھا، ہر آن موجیں اٹھتی ہیں کہ کشتی کو تہ نشیں کر دیں، ایک سوراخ کو بند کر کے مطمئن ہونا چاہتے ہیں کہ کشتی اب ڈوبنے سے محفوظ ہو گئی کہ اس سے کہیں بڑا سوراخ اور پیدا ہو گیا اور کشتی میں پانی کا ریلا چلا آرہا ہے اگر پوری طاقت سے اس کو بند نہیں کیا جاتا ہے تو کشتی کا غرق ہونا یقینی ہے جمعیۃ علماء ہند اپنی ساری طاقت اس طرف لگاتی ہے اور کامیابی کی منزل تک پہونچنا چاہتی ہے کہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کے بادبان کے چیتھڑے اڑ گئے، اسکے کئی تختے اور اکھڑ گئے، اس خستہ اور شکستہ سفینہ کی ناخدائی نے جمعیۃ علماء کے

بازوؤں کو شل کر دیا ہے، حوصلوں پر حالات کے ہتھوڑے اتنی شدت سے پڑتے ہیں کہ بڑے جگر والوں کے کلیجے دہل گئے، مگر اس سے بے نیازی بھی ممکن نہیں قدرتی طور پر یہ ذمہ داری جمعیۃ علماء کے سر آچکی ہے وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود ہر بار فتنوں اور ہنگاموں کے مقابلہ میں سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہے ان کی روک تھام کے لئے میدان میں آجاتی ہے، ابھی چند ہی ہفتے امن وامان سے گذرے تھے کہ پورا بنگال جلنے لگا آگ اور خون کی موسلا دھار بارش میں نہا گیا، ملک دشمن جماعتیں آر ایس ایس اور مہاسبھا نے ملک کی تقسیم کو بہانہ بنا کر ہندوستان میں مسلمانوں کیخلاف زہریلے پروپیگنڈہ کا آغاز کر دیا یہ پروپیگنڈہ اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا، ان جماعتوں کا عام پروپیگنڈہ تھا کہ مسلمانوں نے پاکستان بنوا لیا اس لئے وہ پاکستان چلے جائیں ورنہ ان کو طاقت کے زور سے باہر دھکیل دیا جائیگا، اچھے خاصے نیشنلسٹ، ترقی پسند کانگرسی بھی اس نعرے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بعض مرکزی وزیروں نے بھی اس نعرے میں اپنے دلی جذبات کی تسکین پائی اور انھوں نے کلکتہ کو ہیڈ کوارٹر بنا کر بنگال کی فضا بگاڑنے میں پوری طاقت لگا دی، سنہ ۱۹۵۰ء کا سال اپنے ساتھ تباہیوں اور بربادیوں کا طوفان لے کر مغربی ومشرقی بنگال میں آیا۔

جنوری وفروری سنہ ۱۹۵۰ء میں کلکتہ اور بردوان اور اس کے اطراف وجوانب پانی پت کا میدانِ کشت وخوں بن گئے۔ بیک وقت ہزاروں بے گناہ انسانوں کا قتل معصوم بچوں کیساتھ وحشیانہ سلوک، عفت مآب خواتین کے ساتھ جانوروں اور چوپایوں سے بھی زیادہ گندہ اور گھناؤنا طرزِ عمل اختیار کیا گیا، ہر شہر اور گاؤں کی گلیوں میں لاش ہی لاش، خون ہی خون منصوبہ بند طریقہ سے کوشش کی گئی کہ مغربی بنگال کو مسلمانوں سے ایک دم صاف کر دیا جائے بالکل وہی ماحول جو مشرقی و مغربی پنجاب کا تھا اس کی بدترین صورت میں مشرقی ومغربی بنگال میں رونما ہو گیا، مغربی بنگال میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کا ردِّ عمل مشرقی بنگال میں ہوا، ڈھاکہ کھلنا، اور باریسال میں انسانی خون کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگا، ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہندوؤں نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور مغربی بنگال آگئے، اور انھوں نے اپنی تباہی وبربادی کا انتقام آسام کے معصوم اور بے گناہ مسلمانوں سے لینا شروع کر دیا، لیمن سنگھ

اور سلہٹ سے غیر مسلم بنگالیوں کی بڑی تعداد نے جب اپنا وطن چھوڑا تو جیسے قسم کھالی تھی کردہ کسی مسلمان کو دیکھ کر اس کو فنا کے گھاٹ اتارے بغیر نہیں رہیں گے، پورا آسام مسلمانوں کیلئے دہکتی ہوئی بھٹی بن گیا، کریم گنج، سلچر، گوالپاڑہ، ڈبرو گڈھ، بارہ پیٹھا وغیرہ میں مسلمان مکھی اور مچھروں کی طرح مارے جانے لگے، لاکھوں مسلمانوں کے گھروں اور جھونپڑیوں کو یا تو مکمل طور پر لوٹ لیا گیا یا جلا کر خاکستر کر دیا گیا، اب ان کے سر دل پر نہ گھروں کی چھت ہے اور نہ پیٹ کے لئے ایک لقمہ نانِ جویں، اپنی جان بچانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں ادھر ادھر بھاگے اور پھر جب آسام میں امن وامان ہوا تو لوٹ کر اپنے وطن کو آئے۔

دارالسلطنت دھلی میں

دہلی دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے ایکبار جب خون کے دریا سے نکل آئی اور نظم و نسق پر کنٹرول کیا گیا تو آہستہ آہستہ فضا میں تناؤ کم ہوتا گیا اور زندگی معمول پر آگئی اور ایسا محسوس ہوا کہ یہ غلطی اب دوبارہ یہاں نہیں دہرائی جائے گی لیکن یہ توقع بے بنیاد ثابت ہوئی ۱۹ مارچ ۱۹۵۰ء کو ہندو مہا سبھا نے رام لیلا گراؤنڈ میں ایک بڑا جلسہ کیا یہ جلسہ کسی اچھی نیت سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ انتقام کی جو پیاس ابھی بجھ نہ سکی تھی اسی تشنگی کو دور کرنے کے لئے زمین ہموار کرتی تھی، مقررین نے مسلمانوں کے خلاف انتہائی زہریلی تقریریں کیں اور عوام کو اکسایا اور سمجھایا کہ مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں رہنے کا اب کوئی حق نہیں اسلئے ان کو یہاں سے رخصت ہونا چاہیئے اور اگر وہ ہندوستان خالی نہیں کرتے تو ہمیں ان کے خلاف ایک زبردست تحریک چلانی چاہیئے ان زہریلی تقریروں کا اثر فوری طور پر یہ ہوا کہ جلسہ ختم ہوتے ہی مجمع جلسہ گاہ سے چلا تو وہ جذبات میں پاگل ہو چکا تھا اس نے نکلتے ہی شہر کے ایک حصہ میں قتل وغارت گری کا آغاز کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مہا سبھا کا یہ اجلاس اپنے مقصد میں کامیاب رہا، پچاسوں مسلمان بری طرح زخمی ہوئے اور آدھے درجن سے زیادہ موقعہ ہی پر شہید ہو گئے، معصوم اور بے گناہ انسانوں نے خاک وخوں میں لوٹ لوٹ کر جان دیدی، پولیس موقعہ

پہونچ گئی چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنر نے اپنے فرائض کو محسوس کیا اور دیانتداری سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور اس فتنہ کو زیادہ بڑھنے نہیں دیا لیکن اس واقعہ سے دہلی کے مسلمان ایک بار پھر گھبرا گئے، ان کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی اور مستقبل ان کی نگاہوں میں اندھیرا نظر آنے لگا۔

اجتماعی حملوں اور بلووں کے امکانات جب حکومت کی کوششوں سے ختم ہو گئے، تو جن طاقتوں کو انسانی خون کی چاٹ لگ چکی تھی اور ابھی سیری نہیں ہوئی تھی ان میں فرقہ پرست جماعتیں ہیں۔ ان کے اخبارات و رسائل ہیں، انھوں نے فکری طور پر مسلم دشمنی کا ایک ہمہ گیر محاذ بنا لیا تھا، اور کسی نہ کسی بہانے ہندوستان کے مسلمانوں پر زہریلے تیروں کی آزمائش مسلسل جاری رکھے ہوئے تھے، مشرقی پاکستان میں جو خلاف انسانیت حرکتیں ہوئیں اس نے جلتی پر پٹرول کا کام کیا اور ایک بار پھر فرقہ پرستوں کے اخبارات اور جماعتوں نے ہندوستان کی فضا کو زہر سے بھر دیا اور اس فضا سے نہ صرف عوام ہی متاثر ہوئے بلکہ اسمبلیوں اور پارلیمنٹ کے ممبران بھی متاثر ہوئے، دوسری سیاسی جماعتوں کے اجلاس میں بھی اس سے تاثر کی جھلک بہت نمایاں تھی، پولیس اور افسران پھر ایک بار مسلمانوں کی طرف سے نفرت و عداوت کے اثرات میں ڈوب گئے جس کے نتیجہ میں عمل اور ردِ عمل کا ایک چکر چل پڑا۔

آزاد ہندوستان کا پہلا الکشن

۱۸راگست ۱۹۵۱ء کو جمعیتہ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا تو اس وقت آزاد ہندوستان کے پہلے الکشن کی ہماہمی شروع ہو گئی تھی کیوں کہ اس کے دن قریب آ گئے تھے اور ۱۹۵۲ء کی ابتدا ہی میں یہ الکشن . . . ہونے والا تھا، اب ہندوستان بدل چکا تھا، دل و دماغ، طریقۂ فکر، لب و لہجہ اور اندازِ بیان ہر چیز میں تبدیلی آ چکی تھی ابھی ابھی ہندوستانی مسلمان خون کے دریا میں نہا کر آیا تھا، دل و دماغ

پیدا ہوگئی تھی، ضرورت تھی کہ حالات کی تاریکی میں ان کے مستقبل کے لیے ایسی رہبر روشنی مہیا کر دی جائے کہ وہ اس روشنی میں سنبھل کر قدم اٹھا سکے، اس لیے مجلس عاملہ کے اجلاس میں ایک جامع پالیسی کے تحت عام مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا کہ اب وہ فرقہ وارانہ سیاست سے کنارہ کش ہو کر ایسی ہی جماعتوں کے امیدواروں کو اپنی رائے دیں جو سیکولرزم پر یقین رکھتی ہوں اور فرقہ وارانہ زہر سے پاک صاف ہیں، کسی خاص جماعت کی نشاندہی نہیں کی گئی اور رائے کے سلسلہ میں ان کو آزاد رکھا گیا اس لیے کہ جمعیۃ علماء ہند نے پارلیمنٹری سیاست سے علٰحدگی اختیار کر لی تھی اسلئے کسی سیاسی جماعت یا پارٹی سے وابستگی کا کوئی سوال ہی نہیں اور عوام کو کسی سیاسی پارٹی سے پابندی کا مشورہ دے سکتی تھی اب جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہر شخص اپنے اپنے نقطۂ نگاہ اور اپنی صوابدید سے جس ترقی پسند پارٹی کی رہنمائی کو پسند کرے اس میں شامل ہو سکتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو جمعیۃ علماء کے کاز اور نصب العین کی حمایت کرتا رہے۔

فتنۂ ارتداد

کھڑال ضلع کھیڑہ (گجرات) میں مارچ ۱۹۵۳ء میں ارتداد کا فتنہ کھڑا کیا گیا جن لوگوں نے اس فتنہ کی بنیاد ڈالی تھی چونکہ ان کی پشت پر فرقہ پرستوں کی طاقت تھی اور ان کا رویہ بھی جارحانہ تھا اس لئے صورت حال کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مولانا۔۔۔ حفظ الرحمٰن نے وزیر اعلیٰ بمبئی سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور اس فتنہ کی مضرت کو سمجھایا اور کہا کہ وہ اس طرف ضروری توجہ دیں قبل اس کے کہ کوئی ہولناک فساد پھوٹ پڑے دوسری طرف مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند نے اس علاقہ کا دورہ کر کے حالات معلوم کئے اور بھروچ، سورت، کھیڑہ وغیرہ میں جماعتی رفقاء کو جمع کر کے اس فتنہ کے انسداد میں لگایا اور مستقل حل کے طور پر یہ طے کیا گیا کہ ان تمام علاقوں میں دینی مکاتب کا بڑی تعداد میں اجراء کیا جائے، صوبہ جمعیۃ علماء گجرات کے تحت اصلاح المسلمین کے نام سے

ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا گیا اور دو مبلغوں کو متعین کیا گیا کہ وہ ان علاقوں کا ہمیشہ دورہ کرتے رہیں، تقریریں کریں اور جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو فوراً مرکز کو مطلع کریں پروگرام کے مطابق مختلف آبادیوں میں ایک درجن مکاتب کھولے گئے اور تعلیم کا کام شروع کر دیا گیا اور عام مسلمانوں کو ان مکاتب کی طرف متوجہ کیا گیا کہ وہ اپنے بچوں کو ان مکتبوں میں دینی تعلیم کے لیے لازمی طور پر داخل کریں اور ان مکتبوں کی ہر طرح مالی امداد کریں۔ اور جب یہ نظام قائم ہو گیا اور سرگرمی سے کام شروع ہو گیا تو یہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا اور جو لوگ بہک گئے تھے انھوں نے واپس آکر نخلِ اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میں سکونت اختیار کر لی مولانا سید محمد میاں صاحب کی رپورٹ کے مطابق کھڑال (گجرات) بیاور (اجمیر) ہماچل پردیش اور مشرقی پنجاب کے لیے مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے تین مستقل آرگنائزروں کی تقرری کی گئی ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ان علاقوں کے دورے کریں اور ہر قابلِ ذکر آبادی میں مکاتبِ دینیہ قائم کریں ان کی کوششوں سے پچاس ساٹھ مکاتب قائم ہوئے جن کو جمعیۃ علماء ہند مالی امداد دیتی رہی۔

آگ بھڑکتی رہی

اواخر ۱۹۵۰ء میں ہولی کے موقعہ پر یوپی کے مغربی اضلاع مرادآباد، بریلی، پیلی بھیت شاہجہاں پور، اور علی گڑھ میں ہنگامے ہوئے دوسری طرف کلکتہ اور نواحِ کلکتہ میں خوفناک اور شدید نوعیت کے حوادث، قتل و غارت گری کی گرم بازاری ہو چکی تھی، جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مولانا انیس الحق، مولانا نقیب الدین، مسٹر خلیل باغ والا اور مولوی شفیق احمد پر مشتمل ایک وفد نے اترپردیش کے فساد زدہ ضلعوں کا دورہ کیا حالات کا جائزہ لیا اور مظلومین کی ہر امکانی امداد کی سبیل پیدا کی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظمِ عمومی مارچ ۱۹۵۰ء میں کلکتہ پہونچ کر وہاں کی مصیبتوں اور تباہیوں کا جائزہ لیا، واقعات کی سنگینی کے پیشِ نظر مولانا آزاد اور وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بھی کلکتہ پہونچے مولانا حفظ الرحمٰن نے پنڈت نہرو کے ساتھ فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا، مظلوموں

اور پناہ گزینوں سے ملے اور اصلاح حال کی تدبیروں میں ہاتھ بٹایا، پانچ روز کلکتہ میں کام کرنے کے بعد ۱۲ر مارچ کو ناظم عمومی لکھنؤ آئے اور وزیر داخلہ لال بہادر شاستری سے اترپردیش کے ہنگاموں پر تفصیلی گفتگو کی وہاں سے شاہجہانپور، بریلی، پیلی بھیت کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے دہلی واپس آئے۔

انھیں دنوں یوپی اور بنگال کے علاوہ گوالیار اور سی پی میں بھی فساد کی آگ بھڑک اٹھی جمعیۃ علماء کی طرف سے دو نفری وفد گوالیار اور کٹنی وغیرہ بھیجا گیا اور ناظم عمومی نے دہلی میں مرکزی حکومت کو اصلاحِ حال کی طرف توجہ دلائی اور اور مظلوموں کی دادرسی کی تدبیریں کرتے رہے، پھر ناظم عمومی خود ۳ر مئی ۱۹۵۰ء کو کٹنی، ساگر، جبلپور کا دورہ کر کے مصائب و مشکلات کی مفصل رپورٹ مرتب کر کے مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کو بھیجیں اور مصیبت زدوں کی امداد کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی، اپریل ۱۹۵۰ء میں ٹونک میں ہنگامہ ہوا مولانا سید محمد میاں اور سلطان یار خان وکیل کو ٹونک بھیجا گیا اس کے بعد ۲۹ر جنوری ۱۹۵۱ء کو مالپورہ (راجستھان) سے فساد کی خبر آئی تو دفتر کی طرف سے مسٹر شاکر علی خان اور مولانا عاقل الٰہ آبادی کو مالپورہ بھیجا گیا اسی ہفتہ میں ایک طرف کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں دھوراجی، سدھپور وغیرہ میں سخت ہنگامے ہوئے اس علاقے میں مولانا سید محمد میاں صاحب اور مسٹر آفتاب احمد پر مشتمل ایک وفد روانہ کیا گیا، اور دوسری طرف بڑنگر (مدھیہ بھارت) میں شر پسندوں نے سر اٹھایا تو مولانا سید محمد میاں صاحب اور مسٹر سلطان یار خان وکیل اور مولانا مسعود احمد صدیقی کو ادھر بھیجا گیا، اسی اثناء میں آسام کے تنگ نظر فرقہ پرستوں نے غریب اور بے سہارا مسلمانوں کو ستانے کے لئے ایک نیا فتنہ کھڑا کیا، جابجا پاکستانی ہونے کا الزام لگا کر بے قصور مسلمانوں کی داروگیر شروع ہو گئی، صورتِ حال کی تحقیق اور ضروری کوششوں کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مولانا سید محمد میاں صاحب اور مسٹر سلطان یار خان وکیل کو آسام بھیجا گیا اس وفد نے آسام پہونچکر قابلِ قدر خدمات انجام دیں، حالات میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی

اور وقتی طور پر مسلمانوں کی بے چینی دور ہو گئی۔

اسی سال چلمل ضلع بھاگلپور میں فساد ہوا جہاں مولانا سید محمد میاں صاحب اور مولانا نورالدین بہاری پر مشتمل ایک وفد گیا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے وزیر اعلیٰ بہار مسٹر شری کرشن سنہا کو تار دیکر اس طرف متوجہ کیا،

ملک کے فساد زدہ تمام علاقوں کی رپورٹیں جب دفتر کو موصول ہو گئیں ان کو سامنے رکھکر مولانا حفظ الرحمٰن نے ایک طویل یادداشت مرتب کی اور لے کر ۱۱ر جولائی ۱۹۵۰ء کو دہلی میں وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو سے ملے اور مظلوم مسلمانوں کی پریشاں حالی اور تباہیوں کا پورا نقشہ ان کے سامنے رکھا اور اس مسئلہ کے حل کی طرف ان کو متوجہ کیا، تسلی بخش کارروائی ہونے پر ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۰ء کو دوبارہ وزیر اعظم سے ملاقات کر کے پھر اس مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کرائی جسکے نتیجہ میں تھوڑی بہت سہولتیں مظلوم مسلمانوں کو ملیں۔

سنہ ۱۹۵۱ء آیا

یہ سال بھی کچھ کم فیاض نہیں ثابت ہوا اور پہلے ہی ہفتہ سے آگ اور خون کی ہولی شروع ہو گئی ۱۳ر جنوری سنہ ۱۹۵۱ء کو کمار دھوبی (دھنباد) میں سخت ہنگامہ ہوا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے چیف منسٹر کو تار دیکر اسکی طرف متوجہ کیا پھر ۹ر فروری کو خود وہاں گئے مظلوموں کو دیکھا اور ان کی امداد و بحالی کی تدابیر کیں ۲۲ر مارچ کو نو لگڑھ (راجستھان) سے بدامنی کی خبریں آئیں ناظم عمومی نے ٹیلیفون پر راجستھان کے چیف منسٹر شری جے نرائن دیاس سے فساد کی صورت حال پر مفصل گفتگو کی اور فوری کارروائی کا مطالبہ کیا، ابتدا ہی میں دوحد (گجرات) میں فرقہ وارانہ فتنوں نے سر اٹھایا تو فوراً مولانا رفیق دہلوی اور چودھری بشر جنگ کو وہاں بھیجا گیا، ر جولائی کو اُجین شہر میں ہنگامے ہوئے تو مدھیہ بھارت کے چیف منسٹر شری تخت مل جین کو توجہ دلائی گئی اور مولانا مسعود احمد صدیقی کو اُجین بھیجا گیا کہ صورت حال کی تفصیلی رپورٹ بھیجیں، اکتوبر میں محرم کے دنوں میں بارہ بنکی اور بہرائچ (اتر پردیش) میں فسادات ہوئے تو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مولانا شاہد میاں فاخری کو ان مقامات پر بھیجا گیا۔

فسادات جیسے ہندوستانی مسلمانوں کا مقدر بنا دیئے گئے تھے، ہر لمحہ یہ کھٹکا رہتا تھا

کہ کہیں کوئی فساد تو نہیں ہوا جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں جب ٹیلیفون کی گھنٹی یک بیک بج اٹھتی تھی تو دل دھڑک جاتا تھا اور دل سے دعا نکلنے لگتی تھی کہ خدایا کسی فساد کی خبر نہ ہو مگر اکثر دعا قبولیت سے محروم رہ جاتی تھی، ۱۲ر فروری ۱۹۵۲ء کو جے پور میں ہنگامہ ہو گیا تو وہاں مولانا انیس الحسن اور مسٹر عتیق احمد کو بھیجا گیا پھر ہولی کے دنوں میں آگرہ اور فیروزآباد میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب خود وہاں تشریف لے گئے، ۲۰ر ستمبر کو پھر علی گڑھ کے مقدر میں خون کی بارش لکھی تھی مولانا نقیہ الدین کو تحقیقات کے لئے علی گڑھ بھیجا گیا ۲۸ ستمبر کو دہلی میں محرم کے جلوس پر ہنگامہ ہوا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی بر وقت دوڑ دھوپ نے زیادہ بڑھنے نہیں دیا یہ دونوں سال جمعیۃ علماء ہند کے رہناؤں کے مظلوموں اور ستم رسیدہ لوگوں کی معیت میں گذرے انصاف کی تلاش، ریلیف اور امداد کی شبانہ روز دوڑ دھوپ، کے علاوہ کسی دوسرے مسئلہ کی طرف توجہ کرنے کا کوئی موقعہ میسر نہیں آیا اور قوم کی ساری انرجی اپنے زخموں کی مرہم پٹی میں صرف ہوتی رہی یہی کاتب تقدیر کا فیصلہ تھا۔

۱۹۵۳ء کی ہولی کو بھی مسلمانوں کے خون کی ضرورت تھی یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو عین ہولی کے دن اور پھر ۵ر مارچ رنگ پنچمی کے دن بھوپال میں شدید قسم کا فساد ہوا، مولانا سید محمد میاں صاحب مسٹر یوسف فیروزی اور مولانا نقیہ الدین پر مشتمل ایک وفد جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے بھیجا گیا اور مظلوموں کی امداد اور اصلاحِ حال کی کوشش کی گئی ۱۶ر اپریل ۱۹۵۳ء کو چومو ضلع جے پور میں گڑبڑ ہوئی وہاں مسٹر سلطان یار خان وکیل کو بھیجا گیا اور مظلوموں کی امداد اور اصلاح حال کی کوشش کی گئی بقرعید اور جنم اشٹمی کے موقعہ پر بدایوں، کانپور، جرول، ضلع بہرائچ، شاہ آباد ضلع ہردوئی، ہلدی، ضلع بریلی، سہارنپور ضلع بستی وغیرہ میں افسوسناک فسادات ہوئے۔

۱۲ر ۱۳ر ستمبر ۱۹۵۳ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں ان فسادات پر اظہارِ تشویش کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ ان واقعات کے بارے میں حکومت اتر پردیش سے گفتگو کیا جائے اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظمِ عمومی کی قیادت میں ایک وفد مرتب کیا گیا، ارکانِ وفد میں مولانا مسعود علی ندوی (اعظم گڈھ) اور مولانا بشیر احمد (بجنور)

شامل تھے، اس وفد نے وزیر اعلیٰ اترپردیش اور وزیر داخلہ سے ان فسادات کی ہولناکی پر تفصیلی گفتگو کی اور اپنی شدید بے چینی اور تشویش کا اظہار کیا اور مظلوموں کی امداد اور داد رسی کا مطالبہ کیا۔

بیچارگی کی انتہا

روزمرہ کے ان واقعات کا عام مسلمانوں پر ایک تباہ کن اثر مرتب ہو رہا تھا مسلمانوں کا احساس مظلومیت اتنا شدید ہوچکا تھا کہ وہ سمجھنے لگے کہ اس ملک میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہ گئی، معمولی معمولی باتوں کو بہانہ بنا کر بے دریغ مسلمانوں کو قتل کردیا جاتا ہے ان کے گھروں میں آگ لگادی جاتی ہے، ظالم ڈاکوؤں کی طرح ان کی عمر بھر کی کمائی کو لوٹ لیا جاتا ہے اور جب اپنی فریاد لے کر تھانے پولیس کو مطلع کرنے جاتے ہیں تو خود ہی حوالات میں بند کردیئے جاتے ہیں اور بسا اوقات کچھ الزام عائد کرکے حوالات میں زدوکوب کی بھی نوبت آجاتی ہے، اس صورتِ حال نے مسلمانوں کو انتہائی شکستہ دل کردیا تھا، اس ماحول کو ختم کرنا وقت کا اہم ترین فریضہ تھا، اگر مسلمانوں کے دلوں سے خوف دہراس دور کرکے ان کے دلوں میں زندگی کی امنگ اور حرارت پیدا نہیں کی گئی تو عملی طور پر وہ پستی اور انحطاط کے اس مقام پر پہونچ جائیں گے جہاں ہندوستان کی پسماندہ قومیں اپنا مقدر سمجھکر صدیوں سے مقیم ہیں اور ان کے دلوں سے اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کا احساس ہی مرگیا ہے، انھیں حالات میں مشرقی اترپردیش کے ۲۳ ضلعوں کی کانفرنس جمعیۃ علماء اور ی ضلع اعظم گڈھ کی طرف سے ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ جولائی ۱۹۵۳ء کو نصبہ ادری میں راقم الحروف نے کانفرنس بلائی، کانفرنس میں ان اضلاع کے ایک ہزار سے زائد نمائندوں نے شرکت کی، اجلاس عام میں کسی دن بچکر ہزار سے کم مسلمانوں نے شرکت نہیں کی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے صدارت فرمائی اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند جیسے معروف رہنما نے تین دن قیام کرکے کانفرنس کی پوری کارروائی کو چلایا ان کی تقریروں نے مسلمانوں میں نئی زندگی کی امنگ اور نیا حوصلہ پیدا کیا اور حالات سے مقابلہ کرنے کی ان میں جرأت وہمت پیدا کی، اس کے علاوہ بنیادی کام یہ ہوا

کر ۳۲ ضلعوں کے ہزاروں جماعتی کارکنوں سبجیکٹ کمیٹی کی دو نشستوں میں مجاہد ملت نے خطاب کر کے ان کو ان کی ذمہ داری اور وقت کے اہم فریضہ سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ:۔

"اب آپ لوگ لکھنؤ اور دہلی جمعیۃ علماء کی طرف تعاون کی نگاہ سے دیکھنا چھوڑ دیں آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، جس کارکن کے علاقے میں کوئی ہنگامہ ہو ضلع کے تمام کارکن اس فتنہ کو دبانے اور فرو کرنے میں اپنی جانوں کی بازی لگا دیں اور کسی طرح کے خوف کو اپنے دلوں میں جگہ نہ دیں اور صورت حال سے مرکزی دفتر کو مطلع کرتے رہیں، حسب ضرورت ہم آپ کو تعاون دیں گے لیکن اصل ذمہ داری آپ کی ہے، فرقہ پرستی سے ٹکرانا آپ کا کام ہے، فضا میں انقلاب پیدا کرنا آپ کا فرض ہے، اگر آپ جرأت کے ساتھ مظلوموں کی مدد کیلئے میدان میں آ گئے تو خدا کی بھی مدد آپ کے ساتھ ہو گی، اور آپ انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ یہاں سے یہی جذبہ لیکر جائیں گے کہ یا تو ہم فرقہ پرستی کو اپنے علاقے میں شکست دیکر رہیں گے یا اسی راہ میں اپنی جان دیدیں گے مگر قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے"۔

اور جب اس کانفرنس سے لوٹ کر لوگ اپنے گھروں کو گئے تو ان کے دل جذبات سے لبریز تھے اور سینوں میں امنگوں کا طوفان تھا، اور اس کے بعد مشرقی اتر پردیش میں کہیں بھی ہنگامہ ہوا تو مقامی جمعیۃ علماء کے کارکنوں نے پوری جرأت و ہمت سے حالات کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

اس کانفرنس میں حجاج پر انکم ٹیکس کلیرنس سرٹیفکیٹ کی جو شرط لگائی گئی تھی اس کے خلاف ایک رزولیشن پاس کیا گیا اسی طرح اجودھیا کی بابری مسجد کے سلسلہ میں ایک تجویز منظور کی گئی اور دونوں تجویزیں حکومت ہند اور ریاستی حکومت کو بھیجی گئیں۔

حاجیوں پر ایک بیجا پابندی

۲۲ راپریل ۱۹۵۴ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں حجاج پر انکم

ٹیکس سرٹیفکیٹ کی جو پابندی حکومت کی طرف سے عائد کی گئی تھی اس سلسلہ میں مولانا حفظ الرحمٰن نے وزیرِ اعظم حکومتِ ہند اور وزیرِ مالیات سے جو خط و کتابت کی اور ان کے جوابات موصول ہوئے ان پر غور کیا گیا اور حکومتِ ہند کے اظہارِ ہمدردی کو غیر تسلی بخش قرار دیا گیا۔ اور ایک تجویز کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ حاجیوں کو کلی طور پر اس سے مستثنیٰ کیا جائے اور پھر یہ تجویز حکومتِ ہند اور متعلقہ وزارت کو بھیجدی گئی۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ایک وفد کے ساتھ وزیرِ اعظم حکومتِ ہند سے ملاقات کر کے کہا کہ یہ مسلمانوں کی ایک مذہبی عبادت کی راہ میں رکاوٹ ہے اس کو کلی طور پر ختم کیا جائے وفد کی اس دلیل کو سنکر وزیرِ اعظم نے سالِ رواں کے لئے حاجیوں سے یہ شرط اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ لیکن آئندہ کے لئے اس کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

۲ر ستمبر ۱۹۵۴ء کو مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں مجاہدِ ملت نے یہ تفصیل پیش کی، اجلاس نے اس اقدام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنا مطالبہ ایک تجویز میں پھر دہرایا کہ یہ قید حاجیوں سے ہمیشہ کے لئے ختم ہونی ضروری ہے اور تجویز حکومتِ ہند کو بھیج دی گئی۔

مجھے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنا چاہیئے

۱۳ر اگست ۱۹۵۴ء کو مولانا حفظ الرحمٰن ناظمِ عمومی جمعیۃ علماء ہند نے اتر پردیش کے وزیرِ اعلیٰ مسٹر گوبند ولبھ پنت سے اتر پردیش میں مسلمانوں کے درپیش مسائل کے سلسلہ میں ایک وفد کے ساتھ تفصیلی گفتگو کی، اس گفتگو میں عید الاضحیٰ کی قربانی، اجودھیا کی بابری مسجد اردو زبان کے سلسلہ میں سمپورنانند جی کے تلخ بیانات، حکام کی فسادات

میں بلوائیوں کی طرفداری، ملازمتوں میں جانبداری وغیرہ تمام ہی مسائل پر کھل کر بات کی گئی اور آخر میں وزیر اعلیٰ سے یہ بات بھی صاف کہدی گئی کہ آپکے پرانے ساتھی قوم پرور مسلمانوں کا بھی یہ احساس ہے کہ مہاسبھا کو شکست دینے کیلئے وہ تمام کام حکومت نے خود کر دیئے جو مہاسبھا کر سکتی تھی۔

وزیر اعلیٰ مسٹر گوبند ولبھ پنتھ اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ حضرت شیخ اور آپ جیسے پرانے ساتھیوں کا بھی یہی تاثر ہے تو ان باتوں کی تردید کے بجائے مجھے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا اعتراف کر لینا چاہئے اب میں یہ کوشش کروں گا کہ آپ حضرات مطمئن ہوں، پھر پنت جی نے اپنی چند اصلاحی کوششوں کا ذکر کیا اور آئندہ کے لائحہ عمل کا خاکہ پیش کیا جو مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پھر وہی سیلاب بلا

۵ر جون ۱۹۵۴ء کو علی گڑھ میں پھر قتل و خونریزی کا آغاز کر دیا گیا، مولانا نقیہ الدین اور مولانا محمد زبیر قریشی کو حالات معلوم کرنے کے لئے علی گڑھ بھیجا گیا، جولائی اور اگست کے مہینوں میں پیلی بھیت، ہلدوانی ضلع نینی تال، متھرا جودھپور، پالی، ڈیدوانہ وغیرہ میں جزوی وارداتیں ہوئیں اور بڑے پیمانے پر دکن میں نظام آباد، النذ، جالنہ، عادل آباد، گلبرگہ وغیرہ میں پاکستانی جھنڈا لہرانے کا جھوٹا الزام لگا کر شرپسندوں نے شہری امن و سکون کو برباد کر دیا، مولانا حفظ الرحمٰن نے ریاستی جمعیۃ علماء کے ذمہ داروں کو ان مقامات پر اصلاح حال کے لئے بھیجا اور خود مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں سے رابطہ قائم کر کے حالات کو درست کرنے کی کوشش کرتے رہے پھر ۳۰ر ۳۱ر اگست ۱۹۵۴ء کو لکھنؤ جاکر ریاستی وزراء سے ملاقاتیں کیں اور وہاں سے مولانا محمد قاسم شاہجہانپوری اور مولانا عبدالرؤف صاحب کو لے کر پیلی بھیت گئے، جہاں مسلمان بہت

زیادہ تباہ و برباد کر دیئے گئے تھے۔

۱۴ ستمبر ۱۹۵۴ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں مولانا حفظ الرحمٰن نے اپنے دورے کی تفصیلات پیش کیں۔ اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا اس اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی شریک تھے مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ جمعیۃ علماء کا ایک مؤقر وفد وزیراعظم حکومت ہند سے مل کر مسلمانوں کی بربادی اور ان کی موجودہ پریشانیوں کی طرف توجہ دلائے، مجلس عاملہ نے فسادات پر اپنی رائے ان لفظوں میں ظاہر کی۔

"ملک کے مختلف حصوں، بالخصوص اتر پردیش اور حیدرآباد دکن میں حالیہ فسادات کا جو تسلسل رونما ہوا اور جن میں مسلمانوں کو جان و مال کا شدید نقصان اٹھانا پڑا ہے، جمعیۃ علماء ہند ان واقعات و حوادث کو انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور روز روشن کی طرح یقین رکھتی ہے کہ یہ فسادات ہندو مسلم نہیں کہے جا سکتے بلکہ اکثریتی فرقہ کے جنونی فرقہ پرستوں کے غنڈہ پن کا نتیجہ ہے ایسی صورت میں ریاستی حکومتوں کا غنڈہ اور مفسد طبقہ پر قابو نہ پانا اور ان کا من مانی کارروائیوں کے لیے بے خوف ہو کر قتل و غارت گری اور آتش زنی جیسے شرمناک امور برپا کرنا ریاستی حکومتوں کے لیے حد درجہ افسوسناک ہے، جمعیۃ علماء ہند انتہائی تکلیف کے ساتھ یہ محسوس کرتی ہے کہ فرقہ پرست مفسدوں نے ملک کے امن و امان کو تباہ کرنے میں جس دلیری اور بیباکی کا ثبوت دیا ہے اس کے مقابلہ میں بقاء امن اور حفاظت جان و مال و آبرو کے لئے ریاستی حکومتیں قطعاً ناکام رہی ہیں اور ان کے ماتحت حکام اکثر و بیشتر اس سلسلہ میں حد درجہ غفلت شعار بلکہ بعض مقامات پر فرقہ پرستوں کے جانبدار ثابت ہوئے ہیں تکلیف کا یہ احساس اس حالت کو دیکھ کر شدت اختیار کر لیتا ہے کہ ان جرائم

کے انسداد کی پاداش کے لیے، جو موثر اقدامات ہو سکتے ہیں وہ ہر موقع پر عمل میں نہیں لائے جاتے، نہ بر باد شدہ مظلوموں کو خاطر خواہ امداد بہم پہنچائی جاتی ہے، جمعیۃ علماء ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھکر ریاستی حکومتوں اور خصوصاً مرکزی حکومت پر یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ ان فسادات کا انسداد تبھی ہو سکتا ہے کہ۔

(۱) تمام اضلاع کے حکام کو ایک واضح پالیسی کے ذریعہ یہ ہدایات دی جائیں کہ جس جگہ فساد رونما ہوگا اس ضلع کے تمام حکام نا اہل قرار دیے جائیں گے اور غفلت شعاری یا جانبداری ثابت ہوگی تو ان کو محکمہ جاتی سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا۔

(۲) جس فساد زدہ علاقہ کی پولیس قتل غارتگری اور آتش زنی کے مجرموں کی صحیح تفتیش میں ناکام رہیگی اور مجرموں کو پاداش عمل کے لیے پیش نہ کر سکے گی اسکی ترقیاں موقوت کر دی جائیں گی اور اس کو غفلت شعاری کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

(۳) مظلومین کے نقصانات کا پورا معاوضہ دیا جائے۔

(۴) جس فریق کی زیادتی ثابت ہو اس پر تعزیری پولیس مقرر کی جائے اور اس کے تمام اخراجات اسی فریق پر عائد کیے جائیں۔

(۵) حالیہ فسادات کے متعلق ایک آزاد کمیشن مقرر کیا جائے جسمیں سرکاری افسران اور غیر سرکاری افراد شامل ہوں، یہ کمیشن جلد از جلد فسادات کے متعلق تفتیش کر کے اس حقیقت کو منظر عام پر لائے کہ یہ فسادات اندرونی یا بیرونی کس قسم کی سازش کا نتیجہ ہیں اور جو تہمتیں فرقہ پرست عناصر اقلیت پر لگا کر فساد کے لیے بہانہ بناتے ہیں ان کی اصل حقیقت کیا ہے، اور اس پردہ کے پیچھے کون ہاتھ کام کر رہا ہے؟

(۶) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا مرکزی دفتر ہندو مسلمانوں پر مشتمل ایک بورڈ

بنائے اور جہاں کہیں فساد ہو وہاں کم از کم ایک ہندو ایک مسلمان تحقیقات کے لیے بھیجا جائے اور اس کی رپورٹ شائع کیا جائے "

اس تجویز کی روشنی میں ایک میمورنڈم تیار کر کے جمعیۃ علمار ہند کی مجلسِ عاملہ نے ایک وفد مرتب کیا جسمیں درج ذیل اکابر شامل تھے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علمار ہند، سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علمار ہند، مولانا مسعود علی ندوی مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، مولانا شاہد میاں فاخری، مولانا نورالدین بہاری، قاضی احمد حسین صاحب اور سید محمد جعفری،

۸ ستمبر ۱۹۵۴ء کو یہ وفد مولانا مدنی کی قیادت میں پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم حکومتِ ہند سے ملا، تجویز اور میمورنڈم پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ اس سلسلہ میں جلد سے جلد موثر کارروائی کی جائے وزیر اعظم نے وفد کی سفارشات اور تجاویز اور مشوروں کو توجہ سے سنا اور وفد کی رپورٹ سے متاثر ہوئے اس کے نتیجہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی جانب سے تمام ریاستی شاخوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ ہدایت دی گئی کہ فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام اور مقامی حکام کی کوتاہیوں پر کانگریس کے عمائدین اور کارکن پوری توجہ دیں اور اقلیت کی پریشانی اور بے اطمینانی کو دور کرنے میں پوری دلچسپی لیں۔

اوقاف اور مساجد کی بازیابی کی مہم

مشرقی پنجاب اور پیپسو میں ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں جتنے مسلمان تھے ان کی بیشتر تعداد نے وطن چھوڑ دیا تھا، ان کے گھروں کے ساتھ مسجدیں بھی ویران ہوگئیں، اوقاف کی جائدادیں لاوارث ہوگئیں ہندوؤں نے جسطرح ان کے مکانوں پر قبضہ کر لیا ان کے کھیتوں میں کاشت کرنے لگے اسی طرح مسجدوں کو بھی اپنے نجی استعمال میں لے آئے اور اوقاف کی جائدادوں پر قبضہ مخالفانہ کر لیا تھا، اب جبکہ دھیرے دھیرے مسلمان اپنے گاؤں میں پہنچے تو رہنے کا سہارا تو مل گیا لیکن مسجدیں اور اوقاف کی جائدادیں

دوسروں ہی کے قبضہ میں رہیں ۲ ر ستمبر ۱۹۵۴ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں ان اوقاف اور مساجد کی بازیابی کا مسئلہ زیر بحث آیا تو مولانا ابوالکلام آزاد وزیر حکومت ہند نے جو اس میٹنگ میں شریک تھے کہا کہ اگر اوقاف اور مساجد کی فہرست سامنے ہو تو اس کی واگذاری حفاظت اور نظم و نسق کے لئے حکومت ہند سے گفتگو کی جائے اور توجہ دلایا جائے، مولانا آزاد نے یہ بھی توقع دلائی کہ مشرقی پنجاب کی حکومت بھی اس سلسلہ میں تعاون کرے گی اس یقین دہانی پر مجلس عاملہ نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تجویز منظور کی۔

"چونکہ مشرقی پنجاب اور پیپسو میں تقسیم ملک کے بعد ایسے حالات پیش آئے کہ وہاں کی تمام مسجدیں ویران ہو گئیں اور اوقاف کا مسئلہ بھی تاریکی میں پڑ گیا اس لئے یہ اجلاس ایک کمیٹی تجویز کرتا ہے جو مشرقی پنجاب اور پیپسو کا دورہ کر کے مساجد اور اوقاف کی مکمل فہرست اور اوقاف سے متعلق ضروری حوالے فراہم کرے، جمعیۃ علماء ہند کو امید ہے کہ ہر دو ریاستوں کی حکومتیں اس کمیٹی کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کریں گی۔"

تجویز ریاستی حکومتوں اور مرکزی حکومت کو بھیج دی گئی، اجلاس نے مولانا سید محمد میاں صاحب اور مولانا بقاء اللہ پانی پتی کو اس کمیٹی کے لئے منتخب کیا اور ان حضرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ تین ارکان اور بھی اپنی صوابدید کے مطابق اس کمیٹی میں شامل کر لیں۔

اسی اجلاس میں متھرا کی عیدگاہ جو عالمگیری دور کی ایک عظیم الشان مسجد اور یادگار ہے جس پر فرقہ پرستوں کے عرصہ دراز سے دانت لگا رہا ہے اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور آئے دن ہنگامے کرتے رہتے تھے، اس کی حفاظت کا واحد ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ اس کو آثار قدیمہ میں شامل کرا کے اس کے تحفظ کی سبیل پیدا کی جائے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے توجہ دلانے

پر مولانا آزاد نے کہا کہ اس مقصد کے لئے آپ جلد ہی ایک مراقعہ مجھے بھیج دیجئے تاکہ
مناسب قدم اٹھایا جائے۔

داستانِ خونچکاں کا ایک اور ورق

۱۹۵۴ء کے آخر میں اکتوبر میں مدھوبنی (بہار) اور ضلع مظفر پور کے قصبات
سہولیا اور فتح پور میں اور ۱۹ر نومبر ۱۹۵۴ء کو برہم پور (اڑیسہ) میں فسادات ہوئے
ہوئے، فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھائی، مولانا حفظ الرحمٰن
ناظم عمومی بمبئی میں ہونیوالے دینی تعلیمی کنونشن کی تیاریوں میں انتہائی مصروف
تھے لیکن ان حالات میں بھی وہ خاموش نہیں رہے بذریعہ ٹیلیگرام ریاستی حکام
اور وزراء کو خطوط کے ذریعہ توجہ دلاتے رہے۔

۱۹۵۵ء بھی مسلمانوں کے لئے آگ اور خون کا تحفہ لیکر آیا ۲ر مارچ کو مندسور
میں ہنگامہ ہوا اور فوراً مولانا مسعود احمد صدیقی کو تحقیق حال کیلئے وہاں بھیجا گیا، سردیخ میں فساد ہوا تو
مولانا انیس الحسن کو روانہ کیا گیا ۲ر ستمبر کو کوٹہ میں فرقہ دارانہ حوادث کی گرم بازاری ہوئی ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمٰن
صاحب، مولانا انیس الحسن کو ہمراہ لیکر کوٹہ پہونچے فساد کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے
راجستھان کے چیف منسٹر شری سکھاڑیا، آئی جی پولیس، ڈی آئی جی کو بلایا گیا، یہ
لوگ دوسرے دن کوٹہ پہونچ گئے، ناظم عمومی نے تمام حالات ان کے سامنے
رکھے اور کہا کہ ضلع حکام کو فوراً یہاں سے ہٹایا جائے چنانچہ کلکٹر اور ایس، پی
کوٹہ کے تبادلے کا آرڈر وہیں سے چلا گیا اس کے بعد حالات کی درستی اور امن
وامان کی بحالی کی جدوجہد شروع ہوئی۔

۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو کاسگنج میں شورش ہوئی تو دفتر کی طرف سے مولانا
انیس الحسن، مولانا نقیب الدین اور مولانا عبدالشاہد شیروانی کو کاسگنج بھیجا گیا۔
مسلمانوں کی کتاب زندگی کا ایک ورق اور پلٹا گیا اب آزاد ہندوستان
کے سیاسی کلنڈر میں ۱۹۵۶ء آ گیا ہے ۲۲ر فروری ۱۹۵۶ء کو آلوٹ میں فساد
پھوٹ پڑا تو ریاستی وزراء کو فوراً توجہ دلائی گئی ۷ر اپریل ۱۹۵۶ء کو دہلی میں

جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں بھوپال سے ٹیلیفون پر شدید ہنگامہ وفساد کی خبر دی گئی، دوسرے ہی دن مولانا شاہد میاں فاخری اور مولانا نعیم الرحمٰن کو بھوپال بھیجا گیا، ۱۲ر مئی کو پھر گودھرا میں اور ۲۹ر مئی کو دھولیہ میں بدامنی ہوئی اور پھر ستمبر ۱۹۵۶ء میں ایک منحوس کتاب "دور بلیجیس لیڈرز" نامی کتاب نے ملک بھر میں جو فتنہ کھڑا کیا اس کے نتیجہ میں اُوری، جبل پور، کھام گاؤں، علی گڑھ مراد آباد اور دوسرے متعدد مقامات پر بڑے پیمانے پر فسادات کی آگ بھڑک اٹھی، مولانا جمیل الرحمٰن اور مسٹر عبدالستار فاروقی کو جبل پور وغیرہ اور مولانا نقیہ الدین اور مسٹر سلطان یار خان ایڈوکیٹ اور مولانا عبدالشکور ایم پی کو علی گڑھ بھیجا گیا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب خود مراد آباد پہونچے، حالات کا مشاہدہ کر کے دہلی واپس آئے پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم پنڈت پنت وزیر اعلیٰ اترپردیش اور صدر کانگریس سے اس سلسلہ میں ملاقات کی اور تمام حالات ان کی نوٹس میں لائے جواہر لال نہرو پر ان فسادات کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ ۲۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء کو انھوں نے دہلی کے جلسۂ عام میں فرقہ پرستوں کی فتنہ سامانی اور توہین مذاہب کے خلاف سخت الفاظ اور گرم لب و لہجہ میں تنبیہ کی اور ان کی ان حرکتوں کو ملک کی عزت اور نیک نامی کے لئے ناقابلِ برداشت قرار دیا۔

یہ داستان مختصر بھی ہوا اور طویل بھی

فسادات کی یہ دلخراش فہرست پیش کر کے میں ایک ناخوشگوار فرض انجام دے رہا ہوں ان میں جانتا چاہتا ہوں کہ یہ ذکر ناظرین کو اکتا دینے والا ہے لیکن ایک مورّخ کا یہ فرض ہے کہ واقعات کو تاریخ کے چوکھٹے میں ٹھیک ٹھیک فٹ کرے اگر میں اس روح فرسا اور خونچکاں داستان ذکر نہ کروں تو ہندوستان کے سیاسی انقلاب کی تاریخ یقیناً نامکمل رہے گی اور ہندوستان اور مسلمانوں کی تاریخ کا ایک اہم پہلو نگاہوں سے اُوجھل ہو جائے گا، کسی قوم کی سیاسی

غلطی کا انجام کتنا خطرناک اور کتنے طویل عرصے تک خون کے آنسو رونے پر مجبور کرتا ہے، یہ حقیقت تشنہ رہ جائے گی، پھر اگر جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ ان حادثات وواقعات کا احاطہ نہیں کرتی تو دوسرے لوگوں سے یہ توقع قطعاً فضول ہے کہ وہ ان واقعات وحادثات کے ذکر میں انصاف سے کام لیں گے، کیونکہ ان واقعات کا ذکر اعتراف جرم سے کم نہیں اس لئے ہندوستان کا مورخ بڑی مشکل سے ان کے ساتھ انصاف کر سکے گا، مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کے لئے بھی اس کا ذکر ممکن نہیں کہ وہ اپنی تاریخ میں مسلمانوں کی مظلومیت وبیچارگی کی اس داستان کو قلم بند کریں کیونکہ یہ وہ دور ہے جب کسی ایسی مسلم جماعت کا وجود ہی نہیں تھا صرف ایک جمعیۃ علماء ہند تھی جو اپنی سخت جانی کی وجہ سے موت سے پنجہ آزمائی کرکے زندہ بچی تھی، یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کی سرزمین میں وحشت وبربریت کی حکمرانی تھی، جلادی اور سفاکی کا راج تھا، انسانیت مرچکی تھی، شرافت دفن ہوچکی تھی جمعیۃ علماء ہند کی مسیحائی اپنی تاثیر کھوچکی تھی بس اس کی جرأت وہمت نے جدوجہد کی راہوں کو بند نہیں ہونے دیا تھا، اس کے رہنما ملک کے گوشے گوشے میں بھاگے بھاگے پھرتے تھے، ایک گھر کی آگ بجھائی تو دوسرا گھر سلگنے لگا جب اس طرف پہونچے تو پتہ چلا کہ یہ آگ تیسرے گھر تک پہونچ چکی ہے، ابھی ایک کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ دوسرے دردناک واقعہ پر آنکھیں چھلک آئیں، ابھی آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ اس سے بھی بھیانک منظر نگاہوں کے سامنے آگیا اور آنکھیں خون برسانے لگیں، جمعیۃ علماء کی ساری توانائیاں انھیں منحوس ہنگاموں میں صرف ہورہی تھیں ایک لمحہ بھی فرصت کا میسر نہیں تھا کہ دوسرے مسائل کی طرف توجہ دی جاسکے۔

آج جن فسادات کی خبروں کو ایک سطر میں سمیٹ کر بیان کیا جارہا ہے یہ داستان اتنی مختصر نہیں ہے یہ دنوں ہفتوں، مہینوں کے طول وطویل صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اگر ایک ایک داستان کے سارے اجزا کو سمیٹا

جائے تو ہزاروں صفحات بھی اس کے لئے بلا مبالغہ ناکافی ہوں گے، ہر فساد کی ایک دردناک کہانی ہے، ذبح ہوتے ہوئے انسانوں کی کربناک چیخیں زندہ انسانوں کا دہکتی ہوئی آگ میں جلنے کا ہولناک منظر، پھول جیسے معصوم بچوں کی لہولہان اور ٹکڑے ٹکڑے لاشیں، عفت مآب اور پردہ نشیں خواتین کے جوہر عفت وعصمت کے لٹنے کے جگر خراش نظارے، زندگی بھر کی کمائی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دہکتی ہوئی بھٹیوں میں تباہ و برباد ہوتے ہوئے انتہائی بے بسی کیساتھ دیکھنا، خوف ودہشت کا عالم زبان بندی، یہ سب کچھ فساد کی اس ایک سطری خبر کے ضروری اجزاء نہیں، پھر ہر فساد کے پیچھے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کی طویل جد وجہد اور صبر آزما محنت ومشقت ہے، فساد زدہ علاقوں میں جانا جہاں ہر ہر قدم پر جان کا خطرہ، اگر دن خیریت سے گذر گیا تو رات کا خطرہ نیند کو اڑا دیتا ہے بے قصور مسلمانوں کو پکڑ نیوالی پولیس سے جھگڑنا، افسران کی بددماغی کے مظاہر پران سے الجھنا، اور پھر جس مقام پر فساد ہو جاتا ہے وہاں کی فضا کا بھیانک سناٹا ہزاروں چیخوں سے بھی زیادہ ڈراؤنا اور خوفناک ہوتا ہے جس نے کبھی ایسے علاقہ میں بھی ایک دو دن گذارے ہیں وہ محسوس کر سکتا ہے کہ جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کے دل کتنے فولادی تھے کہ ان کی زندگی کے بیشتر لمحات اسی بھیانک ماحول میں گذرتے تھے، مظلوموں اور لٹے پٹے لوگوں کے کھانے پینے کا نظم کرنا پہننے اوڑھنے، بچھانے کا سامان اور اسباب خانہ داری فراہم کرنا، مالیات کی فراہمی، اسباب معیشت کا مہیا کرنا، ضرورتمندوں کی فہرست اوران کی ضرورتوں کا خاکہ مرتب کرنا، ان کے مکانات اور چھپروں کی تعمیر یا مرمت کرانا غرضیکہ کاموں کی ایک طویل فہرست ہے جو جمعیۃ علماء کی ریلیف کمیٹی ہر جگہ انجام دیتی ہے، یہ سارے کام اکثر مقامات میں ہفتوں نہیں مہینوں اور بعض بعض مقامات پر چھ چھ ہفتے تک جمعیۃ علماء کے کارکنوں کو انجام دینے پڑتے ہیں اور ان علاقوں میں ٹھہرنا ہوتا ہے ان ساری داستانوں کو اب پھیلانا لا حاصل ہے، جمعیۃ علماء نے اسے اپنا فرض سمجھا اور ہزاروں خطرات مول لیکر بھی وہ اس خدمت کو انجام دیتی چلی آرہی ہے معلوم نہیں کاتب تقدیر نے اور کتنی مدت اس عذاب سے رہائی کے لئے مقرر کی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی مجبوریاں

مسلمانوں کی بیچارگی و بے بسی کو سمجھنے کے لئے صرف ایک حوالہ کافی ہے ۱۲ر نومبر ۱۹۶۴ء

کو جمعیۃ علمارِ ہند کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس اس وقت ہو رہا تھا جب ملک میں فسادات کی دوسری لہر چل چکی تھی، ابھی ابھی دیو بند میں ہنگامہ برپا ہو چکا تھا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے وزیرِ اعظم حکومتِ یو پی مسٹر پنت کو اس طرف توجہ دلائی اور ان کو اس سلسلہ میں کئی خطوط بھی لکھے تھے حکومت کی طرف سے جو جواب آیا تھا ناظم عمومی نے اسی مجلسِ عاملہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان خطوط سے ایک بنیادی نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت جمعیۃ علمارِ ہند کے اس طریقۂ کار کو دخل در سیاسیات سمجھتی ہے اور ناپسند کرتی ہے اور اسکی منشار یہ ہے کہ نہ جمعیۃ علمارِ ہند فسادات کے سلسلہ میں وفود بھیجے، نہ رپورٹیں مرتب کرے اور نہ حکومت کے کاموں پر نکتہ چینی کرے، مسلمان بے قصور اور بے گناہ غنڈوں کے رحم وکرم پر زندگی گذارے، اسکی جان ومال، عزت وآبرو کو جو چاہے تباہ وبرباد کر دے، مگر حکومت کو یہ پسند نہیں کہ کوئی اسکو ظلم کہے، بے انصافی سے تعبیر کرے، مسلمانوں کو مدد پہونچائے، ان کے حالِ زار پر کوئی آنسو بہائے، اسے یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی ان مظلوموں کی فریاد بھی حکومت کے کانوں تک پہونچائے ایسی صورتِ حال میں جمعیۃ علمار کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا جمعیۃ علمارِ ہند اس کام کو چھوڑ دے؟ ہندوستان کے مسلمانوں کو انکے مقدر کے حوالے کرکے خاموش بیٹھی رہے؟ اور دور کی تماشائی بنی رہے؟

ناظمِ عمومی جمعیۃ علمارِ ہند کا یہ سوال مجلسِ عاملہ کے اجلاس سے اپنے اندر کتنا درد کتنی بے بسی اور مجبوریوں کی داستان چھپائے ہوئے ہے، ارکانِ عاملہ نے مختلف رائیں دیں، کسی نے کہا کہ یہ کام جمعیۃ علمار کے بجائے ایک دوسری تنظیم قائم کرکے کرنا چاہیے، کسی نے کہا کہ صدرِ کانگریس سے مل کر اس سلسلہ میں ایک ہندو مسلم مشترکہ کمیٹی بنانی چاہیے، اور اس کمیٹی میں صاف ذہن ہندوؤں کو شامل کیا جائے جو پارٹی پالٹیکس سے علیحدہ ہوں، ورنہ ہماری مشکلات یونہی بڑھتی رہیں گی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جو رازدارِ درونِ خانہ سے خوب واقف تھے اور ہر ایک ذہن اور دل ودماغ کو خوب پڑھ چکے تھے ان ساری تجویزوں کو سننے کے بعد کہا کہ ایسی کمیٹی تو بنائی تو جا سکتی ہے لیکن صدرِ کانگریس سے اسکی منظوری کی امید نہیں کی جا سکتی ہے، اور میں تو تجربات کی روشنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی مشترک جماعت دل کے درد کے ساتھ ایسے معاملات میں آگے بڑھ بھی نہیں سکتی ہے، اس لئے آج ہمیں یہ سوچنا ہے کہ آج مسلمانوں کو ملک کے ہر گوشہ میں صبح سے شام تک جو مصائب درپیش ہیں اور جن کا سلسلہ بظاہر ختم ہوتا نظر نہیں آتا اگر ایسی صورتِ حال میں جمعیۃ علمارِ ہند بھی اپنا ہاتھ کھینچ لے تو مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے کیا اسکیم ہو سکتی ہے؟

مولانا شاہد بھائی فاخری نے اسکی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ایک مشکل یہ بھی ہو کر ہم کسی ہندو کو اپنے ساتھ لے بھی لیتے ہیں تو حکام یہ برداشت نہیں کرتے کہ اس کا نام سامنے آئے۔

یہاں لوگوں کی مجبوریاں ایسے لوگوں کے سامنے تھیں جنکے ساتھ پچاسوں سال سے شانہ بشانہ جنگِ آزادی میں حصہ لیا اور انکے بے داغ کیرکٹر پر کسی کو انگلی اٹھانے کی بھی ہمت نہیں تھی لیکن اب انسانیت مرچکی تھی ملک میں جنگل کا قانون رائج تھا مسلمانوں کی جان کی قیمت مکھی اور مچھروں سے بھی کم ہو کر رہ گئی تھی، اب نوبت یہاں تک پہونچ چکی تھی کہ انسانیت و شرافت کا حوالہ دینا بھی جرم بنتا جا رہا تھا بے گناہ کو بے گناہ کہنے پر بھی ناک بھاؤں چڑھائی جاتی ہے لیکن کیا جمعیۃ علمار اس مایوس کن صورتِ حال سے گھبرا کر ہمت ہار بیٹھی؟ اس نے اپنا دستِ تعاون کھینچ لیا؟ آگے بڑھا ہوا قدم ایک انچ بھی پیچھے ہٹایا؟ یہ بات تاریخ سے پوچھنی چاہیئے، تاریخ ہی اس کی سب سے بڑی شاہد ہے، وہ آپکو پوری سچائی کے ساتھ بتائیگی کہ جمعیۃ علمار ہند نے صرف خدا پر بھروسہ رکھا تھا اس لئے اسکا ایک ایک سہارا ٹوٹتا رہا خورشیدِ امید کی ایک ایک کرن نگاہوں سے اوجھل ہوتی رہی لیکن اس نے کبھی ہمت نہیں ہاری اور طوفان سے مسلمانوں کی کشتی کو نکالنے کے لئے کوئی جدّ وجہد نہیں چھوڑی،

نہرو لیاقت پیکٹ،، جو ہندو پاک میں صورتِ حال کو سدھارنے کے سلسلہ میں ہوا، جسکا وقتی طور پر ایک خوشگوار اثر ہوا اور فضا میں تناؤ کچھ کم ہوا لیکن دل و دماغ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ اس پیکٹ کے بعد بہت سے علاقوں میں تباہیاں آئیں، فتنے جاگے، قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوا دھوراجی، شاہ پور، چیت پورہ، بڑنگر، مالپورہ، تیمچہ اور گوالیار میں ہولناک فسادات ہوئے۔

جمعیۃ علمار کے سامنے سوال آیا کہ ہم کونسا راستہ اختیار کریں؟ کوئی بیان دیں؟ تجویز پاس کریں؟ یا خاموش رہیں کیونکہ جمعیۃ علمار ہند سیاست سے کنارہ کش ہو چکی ہے، بدقسمتی سے ہندوستان میں مسلمانوں کی نگاہیں صرف جمعیۃ علمار ہند کی طرف لگی ہوئی ہیں کیونکہ تنہا وہی مرکز نگاہ ہے اور قدرتی طور پر مسلمان منتظر رہتے ہیں کہ جمعیۃ علمار اپنے اجتماعات میں اس موقعہ پر کچھ کہے، اگرچہ پیکٹ کے بعد بھی فساد کے بعد حسبِ ضرورت حکام کو ٹیلیگرام دیئے گئے، وفد بھیجا گیا، مرکزی اور ریاستی وزرار کو توجہ دلائی گئی لیکن ملک میں جمعیۃ علمار کی اس دخل اندازی کو خوشی سے برداشت نہیں کیا جا رہا ہے لیکن سوال یہ تھا کہ مسلمان اپنے حالات حکومت تک پہونچانے کے لئے جمعیۃ علمار کے علاوہ کسی کو نہیں پاتے ہیں اور ان کو بے سہارا چھوڑا نہیں جا سکتا، اس لئے سارے خطرات و امکانات پر

غور کرتے ہوئے پھر بھی یہی فیصلہ کیا گیا کہ اپنا یہ طرزِ عمل جاری رہنا چاہئے، ؎ ہر چہ بادا باد ما
کشتی در آب انداختیم ؎

جمعیۃ علماء کی مجبوریوں کا احساس اس بیان سے بھی ہو سکتا ہے جو ۲۷ اپریل ۱۹۵۱ء کے اجلاسِ عام منعقدہ حیدر آباد کی سبجکٹ کمیٹی میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے ایک تجویز کی توضیح کرتے ہوئے دیا کہ آج ملک کی صورتِ حال یہ ہے کہ ہم بہت سی خدمات انجام دیتے اور دے سکتے ہیں، مگر انکو منظرِ عام پر نہیں لا سکتے، اس سلسلہ میں سب سے اہم نکاسی جائداد کے معاملات، مرتدین کی اسلام کی طرف واپسی کے حالات ہیں جنمیں ہم بہت حد تک کام کر چکے ہیں اور بہت کچھ کامیابی حاصل کر چکے ہیں اسی طرح مغویہ عورتوں کی بازیابی کا معاملہ ہے جسمیں ہم بہت کامیاب کوشش کر چکے ہیں۔

حجاج کو درپیش مسئلہ کی یاد دہانی

۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء کو بمبئی میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس ہوا تو حجاج کو انکم ٹیکس سرٹیفکٹ سے مستثنیٰ کرنے کی تجویز پھر پیش ہوئی بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک سال کے لئے وزیر اعظم نے حجاج کو اس قانون سے مستثنیٰ کیا تھا ضرورت اس بات کی تھی کہ حاجیوں کو کلی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ رکھا جائے ایک تجویز کے ذریعہ حکومت کو پھر اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی اور پچھلی کارروائی کی یاد دہانی کرائی گئی، تجویز حکومت کو بھیجدی گئی۔

جمعیۃ علماء ہند کی صدارت

سالِ رواں میں صدارت کیلئے ریاستی جمعیتوں نے سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب کا نام پیش کیا تھا لیکن سحبان الہند مستقلاً علیل رہنے لگے تھے اسلئے ان کا استصواب ضروری سمجھا گیا سحبان الہند نے اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا اور معذرت کی کہ میں اب اتنی بڑی ذمہ داری کو پورا کرنے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتا اس لئے مجھے معاف رکھا جائے تو احسان ہوگا چنانچہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی بدستور جمعیۃ علماء ہند کے صدر برقرار رہے اور ۱۹۴۲ء سے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم عمومی منتخب ہوئے تو مسلسل وہ اس عہدے پر برقرار رہے اور سالِ رواں میں اسی کی تجدید کی گئی اسی سال مشہور قوم پرور لیڈر مسٹر رفیع احمد قدوائی جو اپنی ایڈمنسٹریشن کی بہترین صلاحیتوں کیلئے مشہور تھے انتقال کر گئے، اس اجلاس میں ایک تجویزِ تعزیت

جس میں ان کی قومی ملی خدمات کو سراہا گیا

جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس

جمعیۃ علماء ہند کا اٹھارہواں سالانہ اجلاس ۱۱/۱۲/۱۳ فروری ۱۹۵۵ء کو کلکتہ میں ہوا صدارت کے فرائض شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے انجام دیئے صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں آزاد ہندوستان کے سات سالوں کا سرسری جائزہ لیا، فسادات اور ہنگاموں کو ہر انقلاب کا ایک ضروری حصہ بتایا اور کہا کہ اس سے ہمت نہیں ہارنی چاہئے اور اپنا حوصلہ بلند رکھنا چاہئے، مصیبتیں آتی ہیں جانے کے لئے، اس کے ماتم میں اپنے فرائض سے غافل نہیں ہونا چاہئے، آپ نے جمعیۃ علماء ہند کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آج ہندیونین بالخصوص شمالی ہند کا چپہ چپہ شاہد ہے کہ جس طرح ہنگامی حالات کی ہلاکت بار گھٹائیں اس علاقہ پر امڈ کر برسیں ایسے ہی جمعیۃ علماء ہند کے پرخلوص کارکن بھی فداکارانہ خدمات کے لئے سربکف نظر آئے اور فخر و مباہات نہیں بلکہ تحدیث نعمت یہ عرض بالکل صحیح اور درست ہے کہ اس پر آشوب دور میں جسنے اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریاں محسوس کر کے میدان خدمت میں قدم بڑھایا اور ہر قسم کی مشکلات و خطرات کو نظر انداز کر کے بے لوث خدمات انجام دیں وہ یہی جمعیۃ علماء ہند ہے والحمد للہ"،

آپ نے سیکولر ہندوستان میں دینی تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی اور حکومت کی توسیع و تعلیم کے پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ جب جبری تعلیم کا قانون نافذ ہو جائیگا تو دینی تعلیم کے مواقع ختم ہو جائیں گے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کا از خود بندوبست کریں، حکومت یہ ذمہ داری سیکولر ہونے کی وجہ سے نہیں لے سکتی، آپ نے فرمایا:۔

"جمعیۃ علماء کی خواہش ہے کہ جس طرح ملک میں اس جدید تعلیمی نظام کا خیر مقدم کیا جائے جو سرکاری منصوبوں کی بدولت بچوں کو حاصل ہو گی اس طرح پہلے ہی دن سے ہمارے اندر یہ احساس بیدار ہو جانا چاہئے کہ ایسے سیکولر ماحول میں جو بسا اوقات اپنی حدود سے آگے بڑھ کر اکثریت کا مذہبی رنگ اختیار کر لیتا ہے اہم ترین خدمت یہ ہے کہ اپنے بچوں کیلئے دینی اور مذہبی یعنی اسلامی تعلیمی تقاضوں کو بھی پورا کرنے کی سعی بلیغ کریں"

صدر محترم نے سرکاری کورس کی کتابوں میں جو صرف ایک مذہب کے رجحانات کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں ان کے بارے میں اظہار خیال فرمایا۔ حضرات!

"یہ بات بھی خاص توجہ کے لائق ہے کہ سرکاری اسکولوں کی درسی اور کورس کی کتابوں کے متعلق بجا طور پر یہ عام شکایت ہے کہ انمیں اکثر و بیشتر وہ کتابیں ہیں جو کسی طرح بھی سیکولر نظام تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں بلکہ اس کے برعکس ایک ہی فرقہ اور طبقہ کے ایسے مذہبی رجحانات و تعلیمات کا ذخیرہ ہیں جو ہندیونین کے دوسرے فرقوں کیلئے عموماً اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً ناقابل قبول ہیں اور ان کی تعلیمات اور مذہبی رجحانات سے متصادم ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ بعض کتابوں میں تو ایسے مضامین ہیں جو اسلام سے متعلق اسلامی بنیادی اصولوں کے خلاف لکھے گئے ہیں ایسی کتابوں کے خلاف اگرچہ جمعیۃ علماء ہند احتجاج کرتی رہتی ہے اور گورنمنٹ آف انڈیا اور صوبائی حکومتوں نے اس احتجاج کی بنا پر ان کو ضبط بھی کیا ہے یا درس سے خارج کر دیا ہے تاہم حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے مواقع ہرگز ہرگز نہ آنے دے۔ اور درسی کتابوں کی تالیف و تصنیف سے متعلق ایسا نظام قائم کرے کہ کوئی ایسی کتاب درس میں شامل ہونے ہی نہ پائے" (خطبہ صدارت مطبوعہ)

آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس بات کی شکایت کی کہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں نہیں لیا جاتا ہے اور حکومت سے شکایت کی کہ دستور میں اقلیتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں ضرورت ہے کہ ان حقوق کو عملی طور پر بھی دیا جائے، آپ نے اردو زبان کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ اردو زبان کسی خاص فرقہ اور طبقہ کی زبان نہیں ہے بلکہ ہندو مسلم اتحاد کی بہترین یادگار ہے آپ نے اس امید کا اظہار فرمایا کہ حکومت اس زبان کو عملی طور پر جلد از جلد ریجنل سرکاری زبان ہونے کی حیثیت کا فیصلہ دیکر انصاف کا حق ادا کریگی، آپ نے مغربی بنگال کے خانماں برباد مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"مغربی بنگال بالخصوص کلکتہ کے ان ہزاروں خاندانوں سے اظہار ہمدردی اپنا فرض سمجھتا ہوں جو ۱۹۵۰ء کے ہنگاموں میں خانہ ویران ہوئے، ملک کے ہر باشندے کی رہائش کا انتظام حکومت کا پہلا فرض ہے، کسی مہذب حکومت کے لئے اس سے زیادہ شرم کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ باشندگانِ ملک کی بہت بڑی تعداد برسوں سے بے خانماں رہے اور ایسا رویہ تو بہت ہی افسوسناک ہے جو ایک فرقہ سے تعلق رکھنے والوں کو اس احساس پر مجبور کر دے کہ اس عام ملکی مسئلہ میں بھی مختلف طبقات کے درمیان امتیاز برتا جاتا ہے یہ درست ہے کہ جو لوگ پاکستان سے مغربی بنگال میں آئے ہیں ان کو ضرور آباد کرنا چاہیے لیکن وہ آبادی اس طرح نہیں ہونی چاہیے کہ خود مغربی بنگال کے مسلمان اپنے ہی عزیز وطن میں خانماں برباد نظر آئیں اور اپنے مکانات پر ہوتے ہوئے بھی انہیں آباد نہ ہو سکیں جتنی جلدی ممکن ہو اس غیر منصفانہ رویہ کا خاتمہ ہونا چاہیے، تہذیب و انصاف کا تقاضا یہی ہے۔"

صوبائی جمعیتوں کو سرکلر:۔ اسی اجلاس عام میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن نے جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد کے نتیجہ میں حجاج کرام کو انکم ٹیکس سرٹیفکٹ سے مستثنیٰ کئے جانے کی بشارت سنائی اور انھوں نے بتایا کہ حکومت نے حجاج کو انکم ٹیکس کلیرنس سرٹیفکٹ سے پہلے ایک سال کیلئے مستثنیٰ کیا تھا لیکن مسلسل جدوجہد اور

مطالبوں اور تقاضوں کے نتیجہ میں اب ہمیشہ کیلئے ان کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔
اجلاسِ عام سے پہلے مجلسِ عاملہ کے ہونیوالے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ سرکاری اسکولوں میں پرارتھنا گیت، تہواروں کی تقریبات میں مسلمان طلبہ کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اسمیں شریک ہوں، ان کو ایسے امور میں شرکت پر مجبور کیا جاتا ہے جو ان کے مذہبی عقائد و احکام کے سراسر خلاف ہے، اس سلسلہ میں فیصلہ کیا گیا کہ تمام ریاستی جمعیتوں کو سرکلر جاری کر دیا جائے اور ان کو ہدایت دی جائے کہ جس صوبے میں اس قسم کی کوئی شکایت ہو ریاستی جمعیۃ علمار اپنا اجتماع یا کانفرنس منعقد کر کے اسٹیٹ گورنمنٹ سے شکایت کے ازالہ کا مطالبہ کرے اور اس کے لئے ضروری جد و جہد عمل میں لائے اور اپنی سرگرمیوں سے مرکزی جمعیۃ علمار کو مطلع کرتا رہے کورس کی کتابوں کو زہریلے مواد سے پاک کیا جائے :۔ ۸، ۹ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو مجلسِ عاملہ کے ایک اجلاس میں ایک تجویز اسکولوں اور کالجوں میں شامل کتابوں کے زہریلے مواد کے خلاف منظور کی گئی اس سے پہلے بھی یہ مسئلہ جمعیۃ علمار ہند بار بار اٹھا چکی ہے اور بہت سی کتابیں جو اسلام اور مسلمانوں کیخلاف نفرت پھیلانے کی غرض سے تصنیف کی گئی تھیں اور ان کو سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں داخل کر دیا گیا تھا حکومت میں پیش کر کے یا تو اس کو ضبط کرایا یا از کم از کم نصاب سے خارج کرایا جا چکا تھا، اس اجلاس میں خصوصیت سے اس پہلو پر زور دیا گیا کہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتیں توسیع تعلیم پر جس طرح زور دے رہی ہیں اسی طرح اصلاحِ تعلیم کی بھی اہمیت کو محسوس کریں اور کتابوں کے انتخاب کا موجودہ طریقہ قطعاً بند کر دیا جائے اور حکومت براہِ راست اپنے انتظام میں لیکر وسیع النظر اصحاب فکر کا ماہرینِ تعلیم کے ذریعہ ایسی کتابیں مرتب کرائے جو موجودہ نقائص سے قطعی پاک ہوں اور ہر لحاظ سے ترقی پذیر جمہوریہ کے نصب العین اور اس کی منشار کو پورا کرتی ہوں، تجویز منظور کر کے مرکزی حکومت، وزیر تعلیم اور ریاستی حکومتوں کو بھیجی گئی۔
اوقاف پر قانون قبضۂ مخالفانہ نافذ نہ ہو :۔ اس اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم حکومت ہند کی موجودگی میں ان مساجد و مقابر، مزارات اور اوقاف کا مسئلہ پیش ہوا جن پر غیر مسلم شرنارتھی ۱۹۴۷ء سے قابض اور آباد ہیں، اس قبضہ و اختیار پر نو سال کی مدت گذر چکی ہے، اب یہ شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ مزید تین سال گذر جانے کے بعد قبضۂ مخالفانہ کا قانون ان اوقاف اور مساجد کے انخلار و بحالی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن جائیگا، اگرچہ مولانا آزاد کی رائے یہ تھی کہ اس قانون کا اطلاق ایسے ناجائز قبضوں پر نہیں ہو سکتا جن کا پس منظر ایک سیاسی ہنگامہ ہو، پھر بھی اس سلسلہ میں طے کیا گیا کہ ماہرین قانون وکلار کے مشورہ سے ایک یادداشت مرتب کر کے حکومتِ ہند کے سامنے پیش کر دی جائے۔
اس سال ہندوستان کے مشہور عالم جمعیۃ علمار ہند کے معزز رہنما مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم [illegible] قاسمیہ شاہی مراد آباد اور مولانا بشیر احمد صاحب جو جمعیۃ علمار ہند کے مشہور اور متحرک زعمار میں

سے بھی داغ مفارقت دے گئے، ان دونوں بزرگوں کیلئے دعاء مغفرت کی گئی اور تجویز تعزیت میں دونوں کی خدمات کو سراہا گیا۔

سالانہ اجلاس سورت میں :- ستمبر ۱۹۵۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس سورت میں ہوا، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا اور مسلمانوں کو درپیش مسائل پر جمعیۃ علماء ہند کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی خصوصیت کے ساتھ جن مسائل پر اجلاس میں غور وخوض کیا گیا اور ان پر تجویزیں منظور کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) اردو زبان کا مسئلہ اور اس کے موجودہ مراحل۔ (۲) جن مساجد و اوقاف پر مخصوص سیاسی و ہنگامی حالات میں غیر مسلموں کا قبضہ ہو گیا اور تقریباً دس سال ہو چکے ہیں ان کے تحفظ کا مسئلہ تاکہ قبضۂ مخالفانہ کا قانون ان پر نافذ نہ ہو سکے۔ (۳) سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب اور بہت سے محکموں میں یکسر محرومی کا مسئلہ۔ (۴) بنیادی مذہبی تعلیم کے مسئلہ میں اب تک کی پیشرفت اور آئندہ کے لئے تجویزیں۔ (۵) محکمۂ کسٹوڈین سے متعلق موجودہ شکایتیں اور اس محکمہ کو ختم کرنے کا مطالبہ۔ (۶) ملکی تعمیر و ترقی کے پنج سالہ پلان میں مسلمان کس طرح حصہ لیں اور مستفید ہوں؟ - (۷) مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات۔ (۸) اوقاف بالخصوص قبرستانوں سے متعلق شکایات کے سدباب پر تجویز۔ (۹) ریلوے اسٹاموں اور ہوٹلوں میں ذبیحہ کے متعلق ایسی شکل جو مذہبًا اطمینان بخش ہو۔

اسلامی ہند کے دو عظیم ترحادثے :- ۶/۷ر جولائی ۱۹۵۸ء کو دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس جب ہوا، اس وقت تک اسلامی ہند کی دو مایۂ ناز شخصیتیں جمعیۃ علماء ہند کو اپنی رہنمائیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر کے ہم سے رخصت ہو چکی تھیں، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے نصف صدی سے زائد مدت تک قومی وملی اور وطنی خدمات انجام دیکر راہی ملک بقاء ہو گئے، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے نہایت ہی غم واندوہ کے ماحول میں تعزیتی تجویزیں منظور کیں اور مرحومین کیلئے دعاء مغفرت کی اور دست بدعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قومی وملی و مذہبی خدمت کے صدقے میں جنت الفردوس میں بلند مقامات مرحمت فرمائے، ان دونوں بزرگوں اور عالم اسلام کی عظیم تر شخصیتوں کی طویل اعظم خدمات کا تقاضہ ہے کہ میں ان دونوں تجویزوں کو جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ میں محفوظ کر دوں کیونکہ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ میں ان کا جو مقام ہے اسے پورا ہندوستان جانتا ہے، یہ تجویزیں انھیں خدمات کا صحیح اعتراف ہے اور ہمارے جذبات عقیدت و محبت کی ترجمان، تجویز کے الفاظ یہ ہیں :-

سورج غروب ہوگیا:۔ مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج والم اور گہرے غم واندوہ کا اظہار کرتا ہے، شیخ الاسلام نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا کے اسلام کے بلندپایہ عالم، مرشدِ کامل، جلیل القدر پیشوا اور رہنما تھے آپ کا علم ہمدوشِ عمل تھا، آپ کی علمی بصیرت نے جسطرح آپکو اپنے خالق کا سچا پرستار، محبِ صادق اور عاشقِ زار بنادیا تھا، اسی طرح اسکی مخلوق کا ہمدرد اور نوعِ انسانی کا صحیح غمخوار بنادیا تھا، خداترسی معرفتِ الٰہی، زہد وتقویٰ اور بہبودیٔ ملک وملت کا صحیح اور بلند جذبات کے ساتھ آپ کی بے پناہ قوتِ عمل نے آپ کو جس طرح دورِ حاضر کا سب سے متقی اور عارف باللہ بنادیا تھا اسی طرح ملک وملت کا جلیل القدر مجاہد بھی بنادیا تھا جس نے عمرِ عزیز کے تقریباً ۹۰ رسال حریتِ وطن، تعمیرِ ملک اصلاحِ قوم اور بہبودیٔ ملت کیلئے شبانہ روز مجاہدات میں صرف کئے، جسکی نظر دنیا کی کمزور مخلوق پر تھی، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی دلسوزی اور عملی سرگرمیوں میں صرف ہوتا تھا، آپکی ایسی جامع شخصیت جو انسانی شرف وعظمت کا نمونۂ کامل اور تاریخِ انسانیت کا قابلِ فخر سرمایہ ہو صدیوں بعد نوعِ انسانی کی تمنا بن کر جلوہ افروز ہوتی ہے۔ اور انکی وفات پوری انسانیت کیلئے حادثۂ عظیم بن جاتی ہے۔ موت العالم موت العالم،،

جمعیۃ علماء ہند حضرت موصوف کی وہ جماعت ہے جو آپ کی سرگرمیوں کی پروان چڑھی جس نے جنگِ آزادی کے تمام نازک مرحلوں پر انقلاب کے ہیبت ناک ہنگاموں میں آپکی مجاہدانہ سرگرمیوں اور آپ کی فراست بخش قیادت وسیادت سے اپنی زرین تاریخ مرتب کی،

مجلسِ عاملہ کا یہ اجلاس حضرت موصوف کی جلیل القدر اور بے نظیر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان تمام نعمتوں سے نوازے جو اولیاء مقربین کے لئے مخصوص ہیں اور آپ کے مراتب میں ابدًا دائماً ترقی فرماتا رہے۔

قائدِ ملک وملت نہیں رہا:۔ مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے رنج والم کا اظہار کرتا ہے، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد جن کی حساس فطرت علم وفضل کی شمع تاباں اور درخشاں تھی، ملک وملت کے وہ واجب الاحترام اور قابلِ فخر رہنما تھے جنکی ذکاوتِ طبع اور علمی بصیرت نے انکو سب سے پہلے اس مقام پر کھڑا کیا جہاں وہ آخری دم تک قائم رہے ان کے اس استقلال نے پورے ملک کو دولتِ استقلال سے ہمکنار کردیا۔ ایک بلند بانگ داعیٔ حریت کی حیثیت سے آپکی سیرت کا آغاز ہوا، آپ کی پرجوش صدائے پوری قوم کو بیدار کردیا، پھر اس بیدار مغز ناخدا نے آدھی صدی کی زیادہ مدت تک ہر ایک طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے اس وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا کہ سفینۂ ملت وقوم ساحلِ مراد پر پہنچ چکا تھا، آپ کو قدرت نے وہ اعلیٰ صلاحیتیں

اور ان کو بروئے کار لانیکی وہ بہترین توفیق عطا فرمائی تھیں کہ آپ کی پوری زندگی ملک وملت کیلئے سرمایۂ فخر ہے اور تاریخِ وطن کے لئے اعلیٰ شاہکار، ہمدردی نوعِ انسانی کے جذبات نے آپکو نہ صرف مشرق کا بلکہ پوری دنیا کی تمام کمزور قوموں کا ہمدرد بنا دیا تھا جن کی ترقی کیلئے آپ کی فکری صلاحیتیں ہمیشہ مصروفِ کار رہتی تھیں، جمعیۃ علماء ہند نے آپکی رہنمائی اور سرپرستی سے ہر موقع پر روشنی حاصل کی اور آپکے مدبرانہ مشوروں پر عمل کر کے وقار وعظمت اور قومی اعتماد کا بلند مقام حاصل کیا۔

حضرت مولانا آزاد جیسی شخصیت کی رحلت جو علم وفضل حلم ووقار، سیاست وتدبر، خودا عتمادی واستغنا کی عجیب وغریب سنگم تھی ملک وقوم کے لئے ناقابلِ تلافی حادثۂ عظیم ہے، یہ اجلاس دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو عبادِ صالحین کے زمرے میں مقامِ اعلیٰ عطا فرمائے۔"

نظامِ تعلیم وتربیت :۔ جمعیۃ علماء ہند نے مشرقی پنجاب، ہماچل پردیش اور اجمیر وغیرہ میں دینی مکاتیب قائم کئے تھے تاکہ ان دور افتادہ اور مخصوص ماحول میں رہنے والوں کی دینی تربیت کا سلسلہ جاری رہے ان مکاتب کی نگرانی براہِ راست مرکزی دفتر کرتا تھا اور ان کی مالی امداد واعانت بھی دفتر سے جاری تھی، الگ الگ علاقوں میں ایک باتنخواہ نگران (انسپکٹر) مقرر کیا گیا تھا جو اپنے پورے علاقے کا دورہ کر کے ان مکاتب کی کارگزاری کو باقاعدہ رکھنے کا ذمہ دار تھا، مجلسِ عاملہ کے اس اجلاس میں ان علاقوں کے مکاتب اسلامیہ کی کارگذاریوں کی رپورٹ پیش ہوئی اور اسے قابلِ اطمینان قرار دیا گیا۔ اسی اجلاس میں کیرالہ تعلیمی بل کے سلسلہ میں جو مقدمہ سپریم کورٹ میں دائر کیا گیا تھا جسمیں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مسٹر نورالدین بیرسٹرایٹ لا کیس کی پیروی کر رہے تھے اس کیس میں نتیجۃً کامیابی کی ناظمِ عمومی نے اطلاع دی اور بتایا کہ اس بل کے مضر پہلوؤں سے مسلمانوں کو نجات کی شکل پیدا ہوگئی اس تفصیل خوشی کا اظہار کیا گیا اور بروقت اقدام اور جدوجہد پر اظہارِ تحسین کیا گیا۔

زبانی دعوئ کافی نہیں :۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی مجلسِ عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۵ رمئی ۱۹۵۸ء میں اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری اور اردو زبان کے متعلق جو تجویز منظور کی تھی جسکی وضاحت پنڈت نہرو وزیراعظم حکومت ہند اور دوسرے ذمہ دارانِ حکومت کی طرف سے بار بار ہو رہی تھی اور اس نے ایک امید افزا صورتِ حال پیدا کر دی تھی اس تمام صورتِ حال پر غور کر کے طے کیا گیا کہ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے صدر کانگریس کو ایک خط لکھا جائے اور مبارکباد کے ساتھ بعض اہم پہلوؤں کی طرف توجہ بھی مبذول کرائی جائے مجلسِ عاملہ نے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے صدر کانگریس کو مندرجہ ذیل خط بھیجنے کی منظوری دی۔

مالی ڈیڑھ بھائی ! جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ منعقدہ ۶ / ۷ / جولائی ۱۹۵۸ء میں

کانگریس ورکنگ کمیٹی کی تجویز ,, نیشنل انٹی گریشن ،، اور پنڈت جواہر لال نہرو اور آپ کی توضیحی تقریروں پر غور کیا گیا، ورکنگ کمیٹی کی رائے میں یہ بات بہت ہی قابلِ اطمینان ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اس مسئلہ کی اہمیت کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھکر احتیاط اور سنجیدگی سے غور کیا، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت قوم تعمیری منزل سے گذر رہی ہے ایسے وقت میں صحت مند احساسات کی نشوونما اور ترقی کی جسقدر ضرورت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، سیکولر لائنوں پر ملک کی ترقی اور جدید طرزِ زندگی بنانے کی آپ اور ہم جدوجہد کر رہے ہیں اس کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ نیشن کے تمام اجزار ترکیبی خواہ وہ تعداد میں کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں ان کو یہ محسوس ہونا چاہیے کہ ان کے ساتھ یکسانیت اور مساوات کا سلوک کیا جا رہا ہے اور ان کو ملک کی آزاد فضا میں پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا پورا پورا موقعہ مل رہا ہے اس کے ساتھ وہ اپنی طاقت اور مقدور کے مطابق ملک کی ترقی اور خدمت میں اپنی صلاحیتیں صرف کرسکیں، جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی محسوس کرتی ہے کہ اس مقصد کی تحصیل اور خاص طور پر اردو اور اقلیتوں کے جائز حقوق کے لئے آپ نے ایک مضبوط اور بیباکانہ قدم اٹھایا ہے اس اقدام کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کانگریس کمیٹی کو دلی مبارکباد دیتی ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ ورکنگ کمیٹی کا یہ اقدام ایک ابتدائی قدم کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی اس اہم اور عظیم الشان مقصد کی تکمیل کے لئے مرکز اور صوبوں میں تمام ضروری اقدامات عمل میں لائے گی،،

جمعیۃ علماء کی صدارت: شیخ الاسلام کے سانحۂ ارتحال کے بعد سابق نائب صدر سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کر لیا گیا اور نائب صدر کی خالی جگہ کو پُر کرنے کیلئے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماءِ ہند کو مختار بنا دیا گیا۔

فسادات مسلمانوں کے مقدر بن گئے! سیاسی کلنڈر میں اب ۱۹۵۹ء آگیا ہے، وہ اپنے ساتھ تباہیوں اور بربادیوں کا ایک سیلابِ عظیم لیکر آیا ہے، ۹ر جنوری ۱۹۵۹ء کو کشن گنج ضلع پورنیہ میں ہنگامے ہوئے، مرکزی دفتر نے مولانا سید محمد میاں صاحب اور مولانا محمد طاہر ایم،پی مولانا نور اللہ صاحب بہاری کو کشن گنج حالات کے مشاہدہ کے لئے بھیجا، پھر ہولی کے موقعہ پر ۲۶ر مارچ کو بہرائچ اور مبارکپور ضلع اعظم گڈھ میں اقلیت کشی کا بھیانک ڈرامہ کھیلا گیا، مبارکپور میں ۲۵ر مارچ کو رنگ پھینکنے کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو تصادم ہوا اس کا سلسلہ پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں رہا، ۲۶ر مارچ کی شب سے ۲۷ر مارچ کو دن کے دو بجے تک پولیس کی جانب سے جو گرفتاریاں ہوئیں اور بے پناہ مظالم کا جو سلسلہ جاری ہوا اس کا تعلق ہندو

مسلم فساد سے نہیں بلکہ ایک طے شدہ سازش کے تحت مسلمانوں کو حد سے زیادہ دہشت زدہ اور پست ہمت بنا دیا تھا، قصبہ کے معزز مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر انتہائی بے رحمی سے پیٹا گیا، ایک مسجد میں تین نمازیوں کو پولیس نے پکڑ کر اتنی بے دردی سے پیٹا کہ دانت ٹوٹ گئے اور گہرے زخم آئے ساٹھ ستر مسلمانوں کو اس قدر مارا کہ ان کے تلوے اس قدر سوج گئے کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے، دو درجن افراد تو چارپائی سے اٹھنے کی بھی طاقت کھو چکے تھے ایک عورت کو اتنا خوفزدہ کیا کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا، پولیس دروازوں کو توڑ کر گھروں میں گھس گئی، نقد روپے زیورات بنارسی ساڑیاں اور قیمتی چیزیں لوٹ کر لے گئی، پولیس نے عورتوں کے گلے سے ہنسلیاں کھینچ لیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند خود میارکپور گئے، حالات کا بچشم خود معائنہ کیا، جو دردناک حالات ان کے سامنے آئے ان کو دیکھکر نڈھال، بیحد مغموم اور متاثر ہوئے، آپ نے فوراً کلکٹر اور اے ڈی ایم سے مل کر ان نظام کی شکایت کی پھر لکھنؤ آکر ڈاکٹر سمپورنا نند وزیر اعلیٰ اتر پردیش سے ملاقات کر کے ان دردناک حالات کو بتایا۔

میارکپور کا واقعہ اپنی نوعیت کا جداگانہ واقعہ تھا، یہاں جو کچھ ہوا پولیس کی طرف سے ہوا جو کام غنڈے اور بلوائی نہ کر سکے اس کو میارکپور کی پولیس نے انجام دیا۔ ناظم عمومی لکھنؤ سے دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ دت نگر ضلع میرٹھ میں فساد ہو گیا فوراً مولانا نفیس الدین کو وہاں بھیجا گیا، رنگ پنچمی کے دن ۲۹ر مارچ کو بھوپال میں پھر قتل و غارت گری کی گرم بازاری ہوئی اسٹیشن روڈ پر رنگ پنچمی کا میلہ تھا جلوس اپنی جگہ سے روانہ ہوا، جلوس مقررہ راستوں سے منتشر ہو کر مختلف سڑکوں اور گلیوں میں پھیل گیا، جلوس میں شرپسندوں اور غنڈوں نے آگ اور خون کا کھیل شروع کر دیا، بلوائیوں نے دن دہاڑے اور کھلے بندوں چاند بڑھ، بدھوارہ، چوک اور لوٹا بازار سے لیکر جمعراتی بازار تک لوٹ مار اور غارتگری مچائی، درجنوں چھوٹی بڑی دکانیں لوٹیں اور برباد کیں، جا بجا آگ لگائی مسجد پر حملہ کیا اور آگ لگائی، کلثوم بی کی مسجد اور حمیدیہ مسجد فسادیوں کا خاص نشانہ بنیں، بھوپال کا نیشنلسٹ پریس ”علوی پریس“ میں آگ لگا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا بہت سی دکانوں میں پیچھے سے نقب لگا کر دن کی روشنی میں ہزاروں روپے کا مال، کپڑا، بیش قیمت گھڑیاں سیونگ مشینیں، ریڈیو وغیرہ لوٹ لے گئے، یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ پولیس فسادیوں کو ملی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہو رہا تھا، مسلمان اپنے گھروں میں بند تھے، اور فسادی سڑکوں پر آزاد تھے، حمیدیہ روڈ پر

لے الجمعیۃ دہلی ۴ر اپریل ۱۹۵۹ء ۲ے الجمعیۃ دہلی ۱۰ر اپریل ۱۹۵۹ء

چھرے بازی اور قاتلانہ حملوں کا سلسلہ کئی روز تک رہا، تلاشی کے بہانے مسلمانوں کے گھروں میں ... گھس کر دہ مظالم کیے کہ نادر شاہ کی بھی روح پناہ مانگنے لگی ہوگی نہ بوڑھوں پر رحم کیا گیا نہ بچوں پر، بے تحاشا گھروں میں گھس کر اس طرح بے گناہوں پر جبر و تشدد کیا گیا کہ اس کی مثال بھوپال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب خود بھوپال تشریف لے گئے، بچشم خود حالات کا مشاہدہ کیا، ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا تھا، ناظم عمومی نے چیف منسٹر ڈاکٹر کاٹجو کی عدم موجودگی میں کسی وجہ سے ڈپٹی ہوم منسٹر شری ڈکنت، آئی جی پی شری رستم جی اور ڈی آئی جی شری شکل سے ضروری امور پر گفتگو کی، ابتداءً ڈپٹی ہوم منسٹر کا لب ولہجہ تلخ تھا لیکن مولانا حفظ الرحمٰن کے گرم لب ولہجہ نے ان کو ندامت پر مجبور کیا انھوں نے معذرت کی اور پھر سنجیدہ فضا میں امن وامان بحال کرنے کے مسئلہ پر گفتگو رہی اور جیل میں بند لوگوں کی رہائی ہوئی اور ہولناک مظالم کا سلسلہ بند ہوا۔

ابھی بھوپال کے نوحہ وماتم سے فرصت نہیں ملی تھی کہ ۱۸ اپریل ۱۹۵۹ء کو رام نوی کے دن سیتامڑھی اور آختہ (بہار) کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور بڑے پیمانے پر مار دھاڑ شروع ہوگئی، بہت سی جانیں ضائع ہوئیں سیکڑوں مسلمان شدید زخمی ہوئے اور مارے گئے، لاکھوں کا مالی نقصان ہوا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی نے فوراً جمعیۃ علماء بہار کا ایک وفد سیتامڑھی اور آختہ بھیجا، اور خود ریاستی وزیر اعلیٰ کو تار دیکر امن وامان بحال کرنے کی طرف متوجہ کیا۔

فسادات ملک کی پیشانی کا بدنما داغ ہیں

۲۹، ۳۰ / اپریل ۱۹۵۹ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس اس وقت ہوا جب مختلف علاقوں میں پھر زبردست قسم کے فسادات ہو چکے تھے بالخصوص مبارک پور اور بھوپال کے ہنگامے اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل جداگانہ اور خصوصی توجہ کے مستحق تھے، اس کے علاوہ صوبہ بہار میں سیتامڑھی اور راحنہ میں بڑی ہی دردناک تباہی و بربادی سے مسلمان دوچار ہو چکے تھے، ان تمام مقامات پر جمعیۃ علماء کی طرف سے وفود بھیجے گئے، بذات خود مجاہد ملت نے بھی موقعہ پر جا کر حالات کا مشاہدہ کیا مجلس عاملہ نے فسادات کے امکانی اسباب اور انسداد کی صورتوں اور مستقل طور پر بحالی امن کی صورتوں اور تدبیروں پر غور کیا اور طویل بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل تجویز منظور کی۔

حالیہ ہنگاموں کے متعلق جو تشویش انگیز اور افسوسناک واقعات پچھلے چند مہینوں میں مبارکپور بھوپال، سیتامڑھی اور دوسرے مقامات پر پیش آئے مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ان پر دلی رنج والم اور نفرت کا اظہار کرتا ہے اس وقت جبکہ جمہوریہ ہند کے متعلق یہ توقع تھی کہ وہ فرقہ وارانہ اتحاد وخوشگواری کا گہوارہ ہو گی تسلسل کے ساتھ ایسے تباہ کن واقعات کا پیش آنا وقار و عظمت ملک کی پیشانی پر بدنما داغ، امن پسندانہ کوششوں کے لئے نشان ناکامی اور ہر ایک محب وطن کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ المیہ ہے۔

ان افسوسناک ہنگاموں کا سب جگہ کچھ ایک ہی طرح کا ہونا جس طرح فرقہ پرستوں کی منظم سازش اور طے شدہ اسکیم کا پتہ دیتا ہے، اس کا افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ مقامی حکام اور پولیس جن پر اقلیتوں کی حفاظت اور تحفظ امن کا فرض عائد ہوتا ہے وہ ادائے فرض سے نہ صرف قاصر ہے بلکہ بعض جگہ ان کی طرف سے فرقہ پرستوں کی جانبداری کا مظاہرہ ہوا ہے بعض جگہ ایسی شرمناک حرکتیں ظاہر ہوئیں جن کے نتیجہ میں مسلم اقلیت میں خوف وہراس کا اضافہ ہوا اور ان کی ہمتیں پست ہوئیں اور اپنے تحفظ کی جانب سے ان کا اطمینان اٹھنے لگا۔

مجلس عاملہ کو اس کا بھی شدید احساس ہے کہ چیف منسٹر بہار کے علاوہ اترپردیش اور مدھیہ پردیش کی حکومتوں کی طرف سے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا جس سے شرارت پسندوں کے حوصلے پست ہوں

مجلس عاملہ اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری سمجھتی ہے کہ باشندگان ملک کی زبردست اکثریت امن و اتحاد کی حامی ہے اور فرقہ وارانہ حرکتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شر انگیز عناصر سوچی سمجھی سازش اور بعض کاربرداران حکومت کا جانبدارانہ طرز عمل ان کے بہترین امن پسندانہ رجحانات کو ناکام کرتا رہتا ہے، ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مجلس عاملہ محسوس کرتی ہے کہ اس خطرناک صورت حال کے تدارک کے لئے کہ ملک میں فرقہ پرستی کی وبا اپنے تباہ کن نتائج کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے اظہار نفرت کی صرف تجویزیں یا ہمدردان ملک کے اخباری بیانات ہی کافی نہیں ہے بلکہ پہلے مرحلے پر طے کرتا ہے کہ

الف۔ ایسی یادداشت جس میں حالات کی وضاحت کرتے ہوئے ہنگاموں کی عدالتی تحقیقات، مجرموں اور فسادی عناصر کی عبرت انگیز سزا کرنا اور مظلوموں کے نقصانات کی تلافی اور دادرسی وغیرہ اور آئندہ کے لئے اطمینان بخش طریقہ کار کا مطالبہ ہو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرے جو تمام کانگریسی حکومتوں کے لئے پالیسی مرتب کرنے اور ملک کو صحیح اور پرامن راستہ پر چلانے کی ذمہ دار ہے۔

ب۔ اقلیت و اکثریت کے صاف دماغ اور صحیح معنی میں جمہوری نظام حکومت کے آرزومند ایک جگہ جمع ہو کر حالیہ فسادات کی گہرائیوں پر سنجیدگی سے غور کریں اور متفقہ طور پر ایسے مطالبات مرتب کریں جن سے ملک کا امن وامان پائیدار ہو اور جو تمام اقلیتوں کی حفاظت کا ضامن ہو سکے اور حکومت ہند کے پرائم منسٹر پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے ذمہ داران حکومت سے ان مطالبات کی روشنی میں گفتگو کرکے ان مذموم اعمال وافعال کے انسداد کے لئے مضبوط اور مستحکم صورت حال پیدا کریں۔

پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے

مندرجہ بالا تجویز کے ساتھ جو میمورنڈم حکومت کو پیش کرنا تھا اور صدر انڈین نیشنل کانگریس کو اس کی کاپی دینی طے ہوئی تھی مرتب کیا گیا، چونکہ اب کی بار فرقہ پرستی نے جو کربناک رخ اختیار کیا تھا اس سے بے چینی بہت بڑھ چکی تھی اس لئے ضروری تھا کہ فوری طور پر ایک یادداشت مرتب کرکے ذمہ داران حکومت کے سامنے پیش کرکے اس پر عملدرآمد کا مطالبہ کیا جائے اس لئے اسی اجلاس میں وہ یادداشت منظور کی گئی جو آئندہ جدوجہد کی رہنما ثابت ہوا،

یادداشت کی تفصیلات مندرجہ ذیل تھیں۔

"گذشتہ چند ہفتوں میں ملک کے مختلف حصوں خاص طور پر مبارک پور، بھوپال اور سیتا مڑھی میں جو المناک وحشت خیز اور تشویش انگیز حالات رونما ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس وقت جمہوریت اور سیکولر ڈیماکریسی کے لئے سخت خطرات لاحق ہو گئے ہیں اور فرقہ پرستی نے جس بھیانک طریقہ پر سر اٹھایا ہے اس سے ملک کے امن وامان کا خواب خواب پریشان بنتا جا رہا ہے۔

اس نازک مرحلہ پر جمعیۃ علماء ہند جس نے آزادی کی جنگ میں کانگریس کے شانہ بشانہ نہ صرف زبردست حصہ لیا ہے بلکہ بیش بہا قربانیاں دیکر ملک کی عظمت اور وقار کو چار چاند لگائے ہیں، محسوس کرتی ہے کہ ان فسادوں اور ہنگاموں کے اسباب وعوامل اور نتائج کی جانب آپ کو متوجہ کرے اور آزادی کے تحفظ اور سچی حقیقی جمہوریت کے اصول کے نام پر آپ سے بگڑی ہوئی صورت حال کی اصلاح کی کوشش کے لئے اپیل کرے یہ یادداشت اس یقین کے ساتھ پیش کی جارہی ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی اور اس کے ذمہ دار رہنما اس اجتماع میں از خود بھی صورت حال کی نوعیت پر احتیاط اور بصیرت کے ساتھ غور کریں گے اور جارحانہ فرقہ پرستی کی ان تاریکیوں میں کانگریس کے روشن اصولوں کی لاج رکھنے کی سعی کی جائے گی، فرقہ پرستی کے ان اندھے مظاہروں کا سب سے تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اکثر اوقات میں پولیس اور حکام نے جن پر براہ راست قیام امن کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ملک کی آبادی کے ایک چھوٹے اور کمزور حصے کو نہایت بے رحمی سے اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور ادائگی فرض کے بجائے ایک جانبدار فریق کی صورت میں سامنے آئی، ایڈمنسٹریشن کی اس روش نے جمعیۃ علماء ہند کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کو جس کے قبضہ میں اقتدار اعلیٰ کی باگ ڈور ہے معاملہ کی سنگینی اور نزاکت کا احساس دلائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان جو ملک کی آبادی کا ایک اہم اور ناقابل انکار حصہ ہیں ان حالات میں اپنے آپ کو غیر مطمئن غیر محفوظ اور بے بس

محسوس کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اقلیت کا یہ احساس ملک کی تعمیر و ترقی کے مستقبل کے لئے خوش آئند نہیں ہو سکتا جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی نے کانگریس کے شاندار ماضی کے آئینہ میں حقیقت کو دیکھنے کی کوشش کی ہے اور اس لئے آپ سے کسی موثر اقدام کی توقع رکھتی ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم صورت حال کا ایک قابل عمل نقشہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

۱۔ ہنگامہ یا فساد برائے نام بہت تھوڑی دیر رہا لیکن پولیس نے معمولی ہنگاموں کو بہانہ بنا کر جو ظالمانہ روش اختیار کی اس کی وحشتناکی اور بربریت کا بیان الفاظ کے قالب میں نہیں ہو سکتا اس کی تفصیل کا علم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند کے بیان اور دوسری جماعتوں کے افراد اور کانگریس کے خاص کارکنوں جیسے الگورائے شاستری وغیرہ جنھوں نے موقعہ پر جاکر حالات کا مشاہدہ کیا ہے ان مختلف بیانوں اور تقریروں سے بخوبی ہو سکتا ہے، یہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ پولیس نے مسلمانوں کے ساتھ جانبدارانہ اور بے رحمانہ سلوک کیا ہے جس میں لوٹ، سخت قسم کی مار پیٹ اور ہر طرح کی توہین و تذلیل شامل ہے۔

۲۔ سیتامڑھی کے فساد میں مسلمانوں کی مظلومیت کے متعلق دو رائیں نہیں ہیں۔ حکومت بہار، کانگریس کمیٹی صوبہ بہار، بہار کے ہندو مسلمان سب ہی اس پر متفق ہیں کہ سیتامڑھی اور اسکے آس پاس جو کچھ ہوا صرف رندھ مہا سبھا اور جن سنگھ کی شرارت پسندی سے ہوا جس میں بہت جانیں بھی ضائع ہوئیں اور سیکڑوں مسلمان زخمی ہوئے اسی کے ساتھ لاکھوں روپے کا مالی نقصان ہوا اس کے باوجود بھوپال اور مبارک پور اور دوسرے مقامات میں مسلمانوں پر کثرت سے جھوٹے مقدمات قائم کئے جارہے ہیں اور الٹے مسلمانوں ہی کو مجرم بنایا جارہا ہے، بھوپال میں تو یہ سلسلہ خاص طور پر ابھی تک جاری ہے اور پولیس سے تصادم کا بہانہ کرکے مسلم اقلیت کو ڈیمارالائز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے حالانکہ ان دونوں مقامات میں مسلمانوں کے مکانات لوٹے گئے انھیں کے مکانوں کو جلایا گیا، انھیں کی دکانوں کو آگ لگائی گئی اور لوٹا گیا۔ مسجدوں کو

نقصان پہونچایا گیا، شہر کے معزز اشخاص و افراد کے ساتھ انتہائی توہین و تذلیل کا معاملہ کیا گیا، یہاں تک کہ بے گناہوں کو بے تحاشا مارا پیٹا گیا، حیرت و تعجب کی بات یہ ہے کہ سفاکانہ جرائم کے بیشتر مرتکب ابھی تک بے خوف و خطر آزادانہ پھر رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ مجرموں کے خلاف ایکشن لیا جاتا اور ان کو سزائیں دی جاتیں یہ مجرم پولیس کے معاون اور مددگار بنے ہوئے ہیں۔

۳۔ بہار کے چیف منسٹر کو چھوڑ کر جنھوں نے احساس فرض کا بروقت نہایت اچھا ثبوت دیا اتر پردیش اور مدھیہ پردیش کی حکومتوں کی جانب سے مظلوموں کے ساتھ اس وقت تک نہ تو کسی طرح کی ہمدردی ظاہر کی گئی اور نہ کوئی ایسا اقدام کیا گیا جس سے صورت حال کی حقیقت اپنے اصل رنگ میں ظاہر ہوئی بلکہ اس کے برعکس مدھیہ کے چیف منسٹر صاحب کے بیان نے تو مظلوم اقلیت کے گہرے زخموں پر نمک پاشی کی ہے، اس بیان میں کہا گیا ہے کہ بھوپال میں مسلمان قطعی طور پر ہراسان اور پریشاں نہیں ہیں اور کسی ایک نے بھی پولیس کی زیادتیوں کی شکایت نہیں کی اس طرح پولیس کی متشددانہ حرکتوں پر پردہ ڈالتے ہوئے اس کے ظالمانہ اور مجرمانہ اقدامات کو سراہا گیا ہے، چیف منسٹر صاحب کے اس بیان نے بھوپال کی مسلم پبلک میں انتہائی مایوسی اور بددلی پیدا کر دی ہے ان حالات کے ہوتے ہوئے ضروری ہے کہ

الف۔ معاملات کی اصل حقیقت واضح کرنے کے لئے جوڈیشیل انکوائری کرائی جائے۔ جمعیۃ علماء اس پر اصرار نہیں کرتی کہ اس انکوائری کو پبلش (شائع) ہی کیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ حکومت کے سامنے اصل حقیقت واشگاف ہو سکے۔

ب۔ فرقہ پرستوں اور کارکنان حکومت میں سے مجرموں کو قرار واقعی سزائیں دی جائیں تاکہ آئندہ ان کو امن شکنی اور فساد انگیزی کا حوصلہ نہ ہو سکے۔

ج۔ مظلومین کے جانی و مالی نقصانات کا معاوضہ دیا جانا ضروری ہے۔

د۔ مظلومین کے خلاف جو مقدمات چلائے جا رہے ہیں ان کو فوراً واپس لیا جائے۔

ہ سیاسی طور پر یہ طے ہو جانا چاہیئے کہ جس مقام پر فساد ہو وہاں کی لوکل اتھارٹیز کو فوراً

ٹرانسفر کیا جائے اور ان کو نااہل قرار دیا جائے کہ تاکہ معاملہ صاف ہو کر ان کا بے قصور ہونا ثابت ہو جائے۔

داستان غم دل ہم نے سنادی ان کو

مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند نے ایک وفد کے ساتھ صدر کانگریس کو جمعیۃ علماء ہند کا یہ میمورنڈم دیا اور سارے حالات پر تفصیل سے گفتگو کی، پھر ۲ر مئی ۱۹۵۹ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی نے ممبران پارلیمنٹ کا ایک نمائندہ وفد لے کر وزیر اعظم حکومت ہند سے ملاقات کی اور فرقہ واریت کی بدمستیوں پر حالات و مشاہدات کی ایک موثر مفصل یادداشت ان کے سامنے بھی رکھی چنانچہ ۹ر مئی ۱۹۵۹ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ملک کے ان افسوسناک حالات پر غور کیا گیا، خصوصی دعوت پر ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند بھی اس میٹنگ میں شریک ہوئے، مدھیہ پردیش کے چیف منسٹر شری کاٹجو بھی اس موقعہ پر بلائے گئے، اس میٹنگ میں بہت صفائی کے ساتھ ناظم عمومی نے فرقہ پرستوں کی حرکتوں کے ساتھ مقامی حکام کے عملی تعاون اور گہری دلچسپیوں کے شواہد پیش کئے اور واقعات کی روشنی میں مدلل طور پر ثابت کیا کہ ان فسادات میں اترپردیش اور مدھیہ پردیش کی پولیس ملوث ہے بلکہ فسادیوں سے زیادہ موثر رول پولیس کا ہے۔

دہلی کی ان مصروفیتوں سے جوں ہی فرصت ملی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ۲ر جولائی ۱۹۵۹ء کو سیدھے سیتامڑھی پہونچے اور تمام فسادزدہ ایریا کا دورہ کر کے ان کو ڈھارس بندھائی اور ذمہ داران حکومت سے مل کر جو کچھ بھی سہولتیں مل سکتی تھیں مظلوموں کے لئے فراہم کرنے کی جدوجہد کی۔

ایک شمع حیات اور بجھی

۲۶،۲۷ر دسمبر ۱۹۵۹ء کی مجلس عاملہ کا اجلاس اس مجاہد عظیم ۱۹۴۷ء کے خونیں سیلاب میں سفینۂ ملت کا ناخدا، جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ، نائب صدر، صدر کے عہدوں پر فائز رہنے والے مفسر قرآن سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خالی تھا آپ کی بیش بہا خدمات اور اہم ذمہ داریوں کا ایک طویل سلسلہ ہے مولانا موصوف کے نام

اور جمعیۃ علماء ہند کا ذکر جیسے لازم ملزوم ہو گئے تھے اب وہ سنہری خدمات کی دلفگار یادگار چھوڑ کر رب حقیقی سے جا ملے اور جمعیۃ علماء ہند کو اپنی رہنمائی سے محروم کر کے ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو چکے تھے اس لئے یہ اجلاس استاذ محترم فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں ہوا، اجلاس نے سب سے پہلے سحبان الہند کے حادثہ جانکاہ پر تجویز تعزیت منظور کی چونکہ اس وقت تک سحبان الہند ہی جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے اب منصب صدارت خالی ہو گیا تھا اور صدر کا انتخاب مجلس منتظمہ کے اجلاس میں ریاستی شاخوں کی ووٹنگ سے ہوتا ہے اس لئے مجلس منتظمہ کے اجلاس تک کے لئے حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کو اس منصب عظیم کے لئے منتخب کیا گیا۔

تعطیل عیدالاضحیٰ

پے کمیشن کی رپورٹ پر حکومت ہند نے عیدالاضحیٰ کی تعطیل کو ختم کر دیا تھا جبکہ یہ مسلمانوں کے دو عظیم مذہبی تہواروں میں سے ایک ہے مجلس عاملہ کے اسی اجلاس میں یہ طے کیا گیا کہ ایک رزولیشن منظور کر کے اس کی نقلیں ہوم منسٹر وزیر اعظم حکومت ہند کو بھیج کر اس تعطیل کو جاری کرانے کا مطالبہ کیا جائے، حکومت کو درج ذیل تجویز بھیجی گئی۔

> پے کمیشن کی رپورٹ پر حکومت ہند نے فیصلہ کرتے ہوئے عیدالاضحیٰ کو گزیٹیڈ تعطیلات کی فہرست سے خارج کر دیا، عیدالاضحیٰ کو مسلمانوں کی روایات میں وہی حیثیت حاصل ہے جو عیدالفطر کو حاصل ہے، مسلمانوں کے مذہبی معتقدات کے لحاظ سے ان میں سے کسی ایک کی بھی تخفیف نہیں ہو سکتی، لہذا مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا مطالبہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کو بدستور گزیٹیڈ تعطیل رکھا جائے۔

لازمی پرائمری تعلیم کا حل

اب ہم ۱۹۶۰ء میں داخل ہو چکے ہیں، چمنستان آزادی کی ایک درجن سے زیادہ بہاریں دیکھ چکے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اس کے مسکراتے ہوئے پھول کسی اور کے حصہ میں تھے، ہمارے مقدر میں کانٹے ہی کانٹے تھے، اس لئے جب بھی نیا سال شروع ہوتا ہے تو ہم دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آزاد ہندوستان کے سیاسی کلنڈر کے ایک ایک ورق کو پلٹتے ہیں۔

اور یہ دیکھتے ہیں کہ کس کس نہینہ میں ہمارے خون سے ہولی کھیلی جانے والی ہے، سنہ ۱۹۶۰ء نرم رفتاری سے گذر رہا تھا اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے ملت اسلامیہ کی اصل ذمہ داریوں کو یاد کیا اور فرصت کے ان اوقات کو اسی مسئلہ پر غور کرنے میں صرف کیا

۵،۶ / اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس دہلی میں ابتدائی لازمی تعلیم کے متعلق جو بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا تھا اس کی منشا اور اس کے نتائج پر بحث ہوئی، ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند مولانا حفظ الرحمن نے پارلیمنٹ میں اس بل میں جو ترمیم پیش کی تھی اس کا مقصد اور پارلیمنٹ میں اپنی تقریر اور جواب میں وزیر تعلیم ڈاکٹر شریمالی کے بیان پر روشنی ڈالی اور یہ بھی میٹنگ کے سامنے واضح کیا کہ پارلیمنٹ کی بحث سے اور اس کے علاوہ مختلف فرقوں کی جانب سے لازمی تعلیم کے سلسلہ میں جو دعوی حکومت کیرل پر دائر کیا گیا جس کی پیروی جمعیۃ علماء کی طرف سے بیرسٹر نورالدین نے کی تھی اس کے فیصلہ سے بھی ثابت ہو گیا کہ جہاں تک دستور ہند کی دفعات کا تعلق ہے ان کی رو سے وہ بچے لامحالہ مستثنی قرار دیئے جائیں گے جو اپنے طور پر تعلیم پا رہے ہیں۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسے مکاتب جو اس معیار کے بموجب تعلیم دے رہے ہیں جو پرائمری درجات کے لئے مقرر کیا گیا ہے ان کا لامحالہ الحاق کرایا جائے، دستور ہند نے جب اقلیتوں کو اپنے طور پر تعلیم دلانے کی آزادی دی ہے تو ایسے معیاری مدارس لامحالہ مستثنی ہونے چاہیئے اگر ان کو مستثنی کرنے میں تامل کیا جائے تو قانونی کارروائی کر کے ان کو مستثنی کرایا جا سکتا ہے۔

مجلس عاملہ نے اس موقعہ پر پھر اپنے اس فیصلہ کی تجدید کی جو بارہ سال پہلے کر چکی تھی کہ لازمی تعلیم کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دینی تعلیم کو باقی رکھنے کی کامیاب صورت یہی ہے کہ دینی تعلیم کے جو ادارے قائم ہیں یا قائم کئے جائیں ان کے نصاب میں پرائمری تعلیم کے لازمی مضامین بھی داخل کر لئے جائیں اور پرائمری تعلیم کے درجات کے معیار پر ان میں بھی درجہ بندی کر دی جائے اور اپنے طور پر ان کی امداد کر کے ان کو مضبوط بنایا جائے جہاں ایسے مکاتب اور مدارس قائم نہیں ہیں وہاں ایسے مکاتب قائم کئے جائیں، یا صباحی یا شبینہ مکاتب قائم کئے جائیں تاکہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچے ان مکاتب میں دینی تعلیم حاصل کر سکیں۔

پھر وہی داستان خونچکان

سال خیریت سے گذر رہا تھا عرصہ کے بعد تمنا تھی کہ ۱۵ر اگست کو شایان شان جشن آزادی منایا جائے اور پوری بشاشت سے مسلمان ایکبار تو مسکرا سکے لیکن مقدر ہماری خوش فہمی پر دور کھڑا قہقہہ لگا رہا تھا، ابھی اس جشن طرب میں تین دن باقی تھے کہ ۱۲ر اگست ۱۹۶۰ء کا سورج طلوع ہوا تو اس نے اعلان کر دیا کہ فیروز آباد میں خون کی ہولی شروع ہو گئی،

ع ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال است

فیروز آباد میں جامع مسجد کی ایک دیوار اور پھاٹک کی تعمیر کے سلسلہ میں کشیدگی پیدا ہوئی، مقامی حکام نے چنگاری کو اپنے پھونکوں سے شعلۂ جوالہ میں تبدیل کر دیا اور فیروز آباد میں ایک بھیانک فساد پھوٹ پڑا ۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے ، بڑی تعداد میں بے قصور مسلمانوں کو جیل کی سزائیں ملیں ، دکانیں لوٹی گئیں ، آگ لگائی گئیں ، اور سب کچھ ہوا جو کسی بھی ہولناک فساد میں ہو سکتا ہے اور ہو تا رہا ہے واقعہ کی اطلاع ملتے ہی مولانا فقیہ الدین اور محمود قادری کو بھیجا گیا ، مولانا حفظ الرحمٰن نے ٹیلیفون پر اتر پردیش کے وزراء سے فیروز آباد کے فساد کے بارے میں بات کی اور پھر وزیر اعظم حکومت ہند سے اس سلسلہ میں ملاقات کی اور پھر جب حالات اور بگڑ گئے اور ۱۹ر ستمبر ۱۹۶۰ء کو دوبارہ فیروز آباد سے آگرہ تک آگ گئی تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب خود دونوں جگہ پہونچے ، آئی ، جی ڈی ، آئی ، جی کمشنر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ملے اور دونوں فرقوں کی کشمکش ختم کرانے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ۔

۵ / ۶ر اکتوبر ۱۹۶۰ء کو مجلس عاملہ میں ان دردناک حالات پر دیر تک بحث رہی ۔ اور درد و غم کی مسلسل یورش نے دل و دماغ کو تھکا دیا ۔ یہ روز روز کے ہنگامے قتل و خون ریزی کے خوفناک ڈرامے مظلومیت و بے چارگی کی یہ دردناک صورتیں جیسے ہندوستان میں مسلمانوں کا مقدر بنا دی گئی ہیں ، اجلاس میں کئی گھنٹے ان دردناک

حادثات کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوتی رہی، اور پھر ایک تجویز میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا کہ مقامی حکام اور پولیس نہ صرف یہ کہ لاپرواہی اور غفلت سے کام لے رہی ہے بلکہ تعصب اور تنگ نظری میں ڈوبے ہونے کی وجہ سے فسادیوں اور بلوائیوں کو تقویت پہنچا رہی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جب تک پوری مستعدی اور سختی سے اس کو ختم نہیں کیا جائے گا نہ تو ملک میں امن بحال ہو سکتا ہے اور نہ جمہوریت کی اسپرٹ کامیاب ہو سکتی ہے، حیرت کی بات ہے کہ معمولی معمولی معاملات پر جوڈیشیل انکوائری کی ضرورت محسوس کی گئی۔ لیکن اس اہم معاملہ میں جس پر ملک کے استحکام کا انحصار اور دار و مدار ہے نہایت لاپرواہی سے انکار کر دیا گیا، یہ تجویز ریاستی حکومت کے ذمہ داروں اور مرکزی حکومت کو بھیجی گئی اور جوڈیشیل انکوائری کا مطالبہ کیا گیا۔

سالانہ اجلاس

جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس ۹، ۱۰ دسمبر ۱۹۶۰ء کو اجین میں ہوا، اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا سید فخر الدین صدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی اس اجلاس میں بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت اور زیادہ سے زیادہ مکاتب اسلامیہ قائم کرنے پر زور دیا گیا فسادات کی مذمت اور حکومت کی لاپرواہی، حکام اور پولیس کے فرقہ وارانہ کردار کی مذمت میں ایک طویل روزلیشن منظور کیا گیا۔ اجلاسِ عام میں ان ملکوں پر تفصیلی اور پرجوش تقریریں ہوئیں، اور مسلمانوں کو تلقین کیا گیا کہ وہ حالات سے ہراساں اور پست ہمت نہ ہوں، بلکہ جرأت اور ہمت سے ان کا مقابلہ کریں اور نامساعد حالات کو موافق بنانے کی جدوجہد میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے ؛ اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے

ملازمتوں اور سرکاری اداروں میں نمائندگی

مسلسل فسادات جس ذہنیت کی کارفرمائی ہے اس نے مختلف شعبۂ حیات کو متاثر کر رکھا ہے

اور مسلسل اقلیتوں کے حقوق کی پامالی میں سرگرم عمل ہے، بتدریج مسلمان سرکاری ملازمتوں سے محروم ہوتے جارہے ہیں سرکاری اداروں میں تناسب آبادی کے لحاظ سے بھی اپنا حق نمائندگی نہیں پاتے ہیں اس طرح مسلمانوں کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں جیسا سلوک ہوتا جارہا ہے۔ اس صورتِ حال پر اجلاس میں یہ رزولیشن پیش ہوکر منظور ہوا۔

بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ایسے ملک میں جہاں مختلف مذہب وملت کے افراد آباد ہوں وہاں جمہوری اور سیکولرزم نظام حکومت بہترین نظام ہے خصوصاً یہ نظام حکومت اقلیتوں کے لئے ہر طرح اطمینان بخش ہے اس لئے یہ بات قابل فخر ہے کہ ملک کا موجودہ آئین اس اساس پر مبنی ہے کہ لیکن یہ حقیقت بھی کم افسوسناک نہیں ہے کہ جمہوری دستور کے ہوتے ہوئے عملاً مسلم اقلیت جو کہ ہندوستان کی بہت اہم اقلیت ہے۔ صاف کردیں، لوکل باڈیز میں تناسب آبادی کے لحاظ سے پوری نمائندگی نہیں پاتی اور انتخاب کے دو پیریڈ گذر جانے کے باوجود اپنے جائز تناسب کو حاصل نہیں کرسکی اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور آئین دستور کی توہین کے مرادف یہ صورتِ حال ہے کہ مسلم اقلیت ملازمتوں کے معاملہ میں یا توصفر کے درجہ میں ہے، یا برائے نام نظر آتی ہے اس طرح مسلم کمیونٹی کا تعلیم یافتہ طبقہ اقتصادی زبوں حالی کا شکار نظر آتا ہے یہاں تک بعض افراد ترکِ وطن پر مجبور ہو جاتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ ملازمتوں کا صحیح معیار قابلیت وصلاحیت ہے لیکن اگر اس کی عملی شکل ایسی ہو کہ ایک فرقہ تعلیمی اداروں کے اعلیٰ نتائج کے باوجود ملازمتوں اور سرکاری اداروں میں خاطر خواہ نمائندگی سے محروم رہے اور اپنے آپ کو تنگ نظری کا شکار سمجھنے پر مجبور ہو تو یہ نہ صرف اس فرقہ کے لئے بلکہ پورے ملک کیلئے نقصان رسان ہے۔

اس طرح اگر مشترک انتخاب اور نشستوں کا عدم تحفظ اگرچہ خارِس

قومیت یا قومی نظریہ کے لئے ایک عمدہ نشانی ہے۔ لیکن یہی طریقہ کار
اگر اقلیت کو اس کے جائز حقوق سے محروم کرتا ہو تو اس کو تبدیل کرکے تحفظ
کا ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اقلیت اپنی واجبی تناسب کو پاسکے صحیح نیشنلزم
ہے اس لئے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد ایسی آئینی
صورتیں پیدا کریں جس سے مسلم اقلیت لیجسلیچرز میں اور ملازمتوں میں اپنا
صحیح حق حاصل کرسکے"۔

جبل پور میں قیامت صغریٰ

۱۹۶۱ء شروع ہوا تو اس کے تیور اور بھی غضبناک تھے، یہ سال جبل پور اور اس کے
اطراف کے قصبات و مواضعات کے مسلمانوں پر قیامت بن کر ٹوٹ پڑا، ۶؍ فروری ۱۹۶۱ء کو جبلپور
میں اتنا ہولناک فساد ہوا کہ اب تک کے سارے ریکارڈ ٹوٹ گئے، پوری اقلیت لرزہ بر
اندام ہوگئی، تباہی و بربادی کی وہ دردناک مناظر سامنے آئے کہ بڑے بڑے سخت دل
انسانوں کی آنکھوں سے خون کے آنسو جاری ہوگئے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بیتابانہ
جبل پور پہونچے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سنا اس نے ان کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے
اور پھر انھوں نے پارلیمنٹ میں اپنے دل صد پاش پاش کو ایک نمناک تقریر کی صورت
میں پیش کردیا۔

۶؍ فروری ۱۹۶۱ء کی شب کو جبل پور میں ایک منظم گروہ نے حملہ کرکے مسلمانوں کے
محلوں میں آگ لگائی اور بے خبر مسلمانوں پر بھیڑیئے بن کر ٹوٹ پڑے، مزید ستم یہ ہوا
کہ اسی شب میں گورنمنٹ کیطرف سے اعلانیہ میں کہا گیا کہ رات مسلمانوں نے ہندؤں پر حملہ
کردیا، حقیقت کے برعکس ایک جھوٹا پروپیگنڈہ کرکے گورنمنٹ پریس کے اس کمیونک
نے پورے صوبہ میں آگ لگادی، اس اعلانیہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا صوبہ جل اٹھا اور صرف
چند گھنٹوں کے اندر آدھے درجن قصبوں اور گاؤں میں مسلمانوں کے جان و مال اور ان کے
خون سے ہولی شروع ہوگئی، جبل پور میں بیک وقت مسلمانوں کے ۲۰ بڑے محلوں پر مسلح

حملہ کر دیا گیا، ان کی دوکانوں اور مکانوں کو لوٹا گیا۔ اور پھر آگ لگا کر خاکستر کر دیا گیا
پوری رات آتش زنی، لوٹ مار قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا، دہشت زدہ عورتوں اور
بچوں کی کربناک چیخیں فضا میں بلند ہوتی رہیں، ہر طرف ایک کہرام بپا تھا، مسلمان نیند
میں بے خبر، رات کا عالم، مسلح بلوائیوں نے ان کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کرنا شروع کر دیا
بھونکا، اور جلایا، ۹ر فروری ۱۹۶۱ء کو جبل پور سے باہر بیک وقت ساگر، نرسنگھ پور، دموہ
کٹنی، کریلی، گوٹے گاؤں، گاڈرواڑہ، جابر والا، جبل پور سے ۱۹ر میل دور تحصیل پاٹن
کے چندر بھات، ساٹ میل، دور سرد پا گاؤں اور دیگر مضافاتی علاقوں میں قتل وخوں
ریزی، لوٹ مار، اور آتش زنی کا سیلاب آگیا، سرد پا میں، ۲ر آدمیوں کو جن میں مرد
عورتیں اور بچے بھی شامل تھے ایک مکان میں بند کر کے اس میں آگ لگادی اور جلا کر
سب کو خاک کر دیا، کسی طرح ایک شخص اس مکان سے کود کر بھاگا۔ جو بری طرح جھلس چکا
تھا، دوسرے دن جب ان جلنے والوں کو دیکھا گیا تو ایک انتہائی دردناک منظر سامنے
آیا، ایک دودھ پیتا بچہ ابھی ماں کی چھاتی سے چمٹا ہوا ہے اسی حال میں ماں بیٹے ایک
دوسرے سے چمٹے ہوئے جل کر راکھ ہو چکے تھے، انسانیت حیوانیت کے اس اسٹیج پر آچکی
تھی۔

ظلم و بربریت کی انتہا ہوگئی

مسلم اقلیت پر تو ایک قیامت گذر گئی لیکن جلادی کی انتہا یہ تھی کہ اُلٹے سات سو مسلمانوں
کو فسادی کہکر امن وامان کی محافظ فرشتہ صفت پولیس نے گرفتار کر کے جیل بھیجدیا، پولیس
نے جن بے گناہ لوگوں پر فساد کا الزام لگایا ان میں اسّی، اور نوّے سال کے بوڑھے،
ضعیف و کمزور، بیمار، دس دس بارہ بارہ سال کے بچے شامل تھے، پولیس جلاد اور قاتل
بن گئی، اور جیلر نادرشاہ، جیل جاکر جن لوگوں نے ان بے بس اور مظلوم مسلمانوں پر ہونے
والے مظالم کو ان کی زبانوں سے سنا ہے ان کے پاس الفاظ نہیں کہ اس درد وکرب کو بیان کر سکیں
ابتدائی تحقیقات کے مطابق جبلپور شہر میں ۱۸ر مسلمان شہید ہوئے سرد پا گاؤں میں
دودھ پیتے بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر ان کے سامنے ذبح کیا گیا اور پھر چھروں کی جلتی

ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا۔ اور بچوں کو مار چکے تو ان کی ماؤں کو ایک ایک کرکے قتل کیا اور اُسی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ اس وحشت و بربریت کو دیکھنے والے اس گاؤں کے دو آدمی موجود تھے۔ مگر وہ دونوں اس جگر نگار نظارے کو دیکھ کر پاگل ہوچکے ہیں، وہ اپنا ہوش و حواس کھو چکے ہیں اگر ان دونوں سے واقعات کی تفصیل پوچھی جاتی ہے تو کچھ بتاتے ہیں اور پھر فوراً ہی بے ہوش ہوجاتے ہیں، سردپا کے شہید ہونے والوں میں دو مرد اور ۸ بچے اور سات عورتیں تھیں، بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جبل پور میں ۸۱ کے علاوہ گیارہ اور بھی مسلمان شہید ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی کچھ شہید ہونے والوں کا پتہ چلا تو ۲۵ شہداء کے نام اخباروں میں شائع ہوئے، تیسری بار مزید تحقیق کی گئی تو کچھ شہید ہونے والوں کا اور بھی پتہ چلا جن کے نام لوگوں نے نہیں بتائے کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ ان کے ورثاء پر کوئی اور مصیبت نہ کھڑی ہو جائے، مگر ان کے ورثاء کے نام معلوم کرکے ریلیف کمیٹی کے رجسٹر میں ان کا اندراج کیا گیا۔

امداد اور تعاون کی راہیں

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند ۸ فروری کو دہلی آئے، آپ نے فوراً ٹرنک کال پر چیف منسٹر مدھیہ پردیش ڈاکٹر کاٹجو سے فساد کی صورت حال پر گفتگو کی تو انھوں نے اطمینان دلایا کہ حالات قابو میں ہیں، مگر اگلے ہی روز ۹ فروری کو وہاں قتل و غارت کا سلسلہ اور بھی تیز ہوگیا، ناظم عمومی نے فوراً پنڈت نہرو وزیر اعظم حکومت ہند کو ایک ذاتی خط لکھا اور اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا اور مولانا انیس الحسن اور مولانا مسعود احمد صدیقی کو جبل پور روانہ کیا، اس وفد کی جب رپورٹ آئی تو اس کو لیکر وزیر اعظم کے پاس گئے اور ساری صورتِ حال بتائی، پارلیمنٹ کا سیشن چل رہا تھا ۱۲ فروری کو ناظم عمومی نے پارلیمنٹ میں کہا۔

"۳ تاریخ سے ۹ تاریخ تک جبل پور، کٹنی، ساگر، دموہ، نرسنگھ پور سردپا اور کتنے ہی مقامات پر فساد ہوئے اور بربادی ہوئی، آگیں لگیں، مکان برباد

ہوئے ۔ دکانیں جلائی گئیں ، اور جان و مال کا نقصان ہوا۔ لیکن ۱۴ر
تاریخ کو پریذیڈنٹ صاحب کا جو ایڈریس آنا ہے اس میں ایک لائن
بھی اس سلسلہ میں ہمارے سامنے نہیں آئی ۔ اس میں اس بات کا ذکر نہیں
کیا گیا کہ اس بارہ میں کیا طریقہ کار اختیار کیا جائیگا ۔ جس سے اس قسم کے واقعات
پھر نہ ہوں ، کیونکہ کسی سیکولر اسٹیٹ کے لئے اس سے زیادہ ندامت اور شرمندگی
کی کوئی بات نہیں ہو سکتی ، کہ وہاں فرقہ پرستی اس طرح منہ کھولے کھڑی رہے
اور شروع سے آخر تک اس کا سلسلہ نہ کہیں جاری رہے اور ہم اسکو الگ کر سکیں

پچھلے دنوں اسی مدھیہ پردیش میں بھوپال میں فساد ہوا تھا وہاں پر
کسی کو سزا نہ دی گئی ، کسی مجرم کو اسکی خطا پر نہیں پکڑا گیا ، کسی غنڈے اور
شراب پسند کو سزا نہیں ملی ، وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم کھلے دل سے من مانی کر سکتے
ہیں ، جو کچھ چاہیں کر سکتے ہیں حکومت ہمارے مقابلہ میں بے بس ہے اور کچھ نہیں کر سکتی ایڈمنسٹریشن
نے جان بوجھ کر اس میں چشم پوشی کی ۔ یا ماتحت پولیس کے افراد نے
ساتھ دیکر بربادی کرانے کی کوشش کی ۔ لوکل حکام نے اپنی کمزوری بھی
دکھائی ، اور اس سازش میں ان کا حصہ بھی دکھائی دیتا ہے ، ۱۴ر تاریخ
کو یہ واقعہ پیش آیا تھا ، اس کی روک تھام ہو سکتی تھی ، لیکن سمجھ میں نہیں آتا
کہ اسپیشل پولیس کے جو دستے بلائے گئے تھے ۔ وہ کیوں واپس چلے گئے
یہ اس لئے تاکہ جان بوجھ کر ایک سائڈ کی اس طریقے سے بربادی کرائی جائے ۔

آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ " جب بھی کوئی ایسی فساد
کی من مانی بات کی جائے مسلم اقلیت کی تکلیف کی بات آئے تو اخباروں اور
تقریروں میں فوراً پاکستان کے حوالے دیدیئے جائیں ۔ پاکستان ریڈیو
کے حوالے دیئے جائیں ۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ اس کا
پاکستان سے جوڑ تھا اس کا فلاں سے جوڑ تھا ، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس
طریقے سے حقیقت کو دبایا نہیں جاسکتا اور اگر اس طریقہ سے حقیقت کو دبانے

کی کوشش کی جائے گی تو اس سے ملک کا کوئی لابھ اور فائدہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے مزید کہا، یہ دیکھنے کی بات ہے کہ جبل پور میں ایک سائنڈ کی بربادی کیوں ہوئی پھر یہ بھی بتایا جائے کہ کس طرح ۹ر تاریخ کو ساگر، کٹنی، دموہ، نرسنگھ پور، سردیا، اور دیگر مقامات پر ۱۲ بجے دن سے لیکر ۴ بجے تک سازش سے سیکڑوں مکان جلاکر خاک کر دیئے گئے کیا پولیس اور ایڈمنسٹریشن کے موجود ہوتے ہوئے کوئی اس طریقہ سے بربادی کر سکتا ہے؟ اطمینان کے ساتھ پیٹرول چھڑکا گیا۔ اطمینان سے آگ لگائی گئی، اور بڑی بڑی قلعہ نما عمارتیں خاک سیاہ کر دی گئیں، ایک ایک آدمی کا دس دس بارہ بارہ لاکھ روپئے کا نقصان ہوا۔ لوگوں کو اقتصادی مار مار کر برباد کر دیا گیا۔

فیروز آباد میں چوڑیوں کی تجارت تھی، وہاں مسلمانوں کی صنعت و تجارت کو تباہ و برباد کر دیا گیا، آپ نے سلسلہ بیان میں فرمایا «زور و شور کے ساتھ پارلیمنٹ میں یہ تو کہا جاتا ہے کہ فرقہ پرستی کو کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جائیگا، لیکن ہو کیا رہا ہے۔؟ مسلم اقلیت تباہ ہو رہی ہے۔ اور برباد ہو رہی ہے، الیکشن اور ری الیکشن کے نام پر شرارت پسند لوگ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اور کرتے جا رہے ہیں، ہم کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، سب ہی کو اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیئے

انسانیت جاگی

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی اس تقریر نے انسانیت کو جگا دیا، ہمدردی کے جذبات جاگ پڑے، دوسرے لوگ بھی سنجیدگی سے اس المناک حادثہ کے بارے میں سوچنے لگے، اسی تقریر کے نتیجہ میں ممبران پارلیمنٹ کا ایک وفد جبل پور پہنچ گیا، پھر کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تشویش کا اظہار کیا اور ڈاکٹر کاٹجو سے فساد کی

تفصیلات اور رپورٹ طلب کی گئی اور غیر جانبدارانہ تحقیقات فیصلہ کیا گیا۔ اندرا گاندھی اور مسٹر صادق علی جنرل سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جبل پور جاکر خود حالات کا معائنہ کیا،

صدر کانگریس مسٹر سنجیوا ریڈی جبل پور پہونچے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جبل پور میں دو روز قیام کرکے ریلیف کمیٹی کا جائزہ لیا۔ اور ۲۸ رفروری سے جمعیۃ علماء ہند ریلیف کمیٹی نے کام شروع کردیا، مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند نے کئی بار جاکر اور ہفتہ عشرہ ٹھہر کر ریلیف کے کاموں کی نگرانی کی، مظلومین کو ہر طرح مدد پہونچائی گئی، کھانے پینے، اوڑھنے بچھانے، اسباب خانہ داری، مقدمات کی پیروی غرضیکہ ہر ممکن امداد دیجاتی رہی اور یہ سلسلہ مہینوں چلتا رہا اور اس وقت کے اخبارات میں اس کی تفصیلات آتی رہیں۔

حکومت نے جوڈیشیل انکوائری کے لئے ایک جج کا تقرر کیا جمعیۃ علماء ہند نے کوشش کی کہ تحقیقات کے لئے تین ججوں کا تقرر کیا جائے اور اس میں کم سے کم ایک جج مدھیہ پردیش کے باہر کا ہو جمعیۃ علماء ہند نے حکومت سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ انکوائری سے پہلے تمام حکام کا جبل پور سے ٹرانسفر کردیا جائے تاکہ عوام اور دوسرے لوگ اپنی شہادت اور گواہی بلاجھجک دے سکیں، اور ان پر کوئی دباؤ نہ ہو،، لیکن حکومت اس کے لئے تیار نہیں ہوئی اور حکام کا تبادلہ نہیں کیا گیا تو مجبوراً مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو دوبارہ پھر پارلیمنٹ میں اس سوال کو اٹھانا پڑا اور آپ نے ۲۹ رمارچ ۱۹۶۱ء کو اس سلسلہ میں ایک تیز وتند تقریر کی آپ نے فرمایا۔

"جنگ آزادی میں یہ فرقہ پرست کہاں تھے؟

آپ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا سارا قصور جو ہے وہ مسلمان بیچارے کا ہے، اس ہندوستان میں جب سے پارٹیشن ہوا ہے مسلمان سے زیادہ غنڈہ مسلمان سے زیادہ بے ایمان اور غیر وفادار کوئی

ہے ہی نہیں ، یہ کس قدر افسوسناک پہلو ہے لیکن اس میں ہماری ہوم منسٹری کی طرف سے کوئی قدم ایسا نہیں اٹھایا گیا جس سے اقلیتوں کو خاص طور سے مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ ہم بھی اس ملک کے برابر کے باشندے ہیں ہم سیکولر اسٹیٹ کو مانتے ہیں ، ہم نے اپنی جانیں دی ہیں ، آج کسی فرقہ پرست کو اس ملک سے کیسے محبت ہو سکتی ہے ، جب انگریزی کی گولیاں چل رہی تھیں تو یہ سب کے سب کنڈی کواڑ بند کئے بیٹھے تھے ۔ آج ہو سکتا ہے ان کو اپنے ملک سے محبت ہو گئی ہو لیکن جنھوں نے ۱۹۳۲ء میں چاندنی چوک میں کھڑے ہو کر مسٹر علی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا تھا کہ گولی مار سکے تو مار مگر آزادی کا عہد نامہ پڑھا جائے گا ۔ اور جو لوگ ملک کی خاطر جیلوں میں سڑ سکتے ہیں ان سے زیادہ ملک کا دوست کون ہو سکتا ہے مگر آج وہی سب سے بڑے فرقہ پرست ہیں انکے اخبار فرقہ پرست ہیں اور وہ لوگ جو کانگریس یا نیشنلسٹ جماعتوں کے صدقے میں اس آزاد ملک میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہمیشہ فرقہ پرستی برتتے رہے ہیں وہ اسٹے دوسروں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، مگر یہ سب کیوں ہے مجھے ان سے تکلیف نہیں ہے ، مجھے ہوم منسٹری سے شکایت ہے ۔ ،

کانگریس کی ریاستی حکومتیں استعفا دیدیں

مجھکو اس سے تکلیف ہے کہ اسٹیٹوں میں جو ہوم منسٹر آپ مقرر کرتے ہیں ان کو دیکھا نہیں جاتا ، اسٹیٹ کے اندر اگر آپ لا اینڈ آرڈر کی ذمہ داری کسی کو دیں تو آپ کو چیک کرنا ہوگا کہ وہ صحیح طور پر عمل کر رہا ہے یا نہیں ، ساری ذمہ داری آپ کے اوپر ہے ، اسٹیٹ کے اوپر نہیں ، اگر اسٹیٹ گورنمنٹیں اس طرح کرتی ہیں تو وہاں کانگریس کی گورنمنٹیں ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اخلاقی طور پر وہاں سے مستعفی ہوں اور اگر استعفا نہ دیں

تو آپ ان کو کرسی سے ہٹا کر کہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ ذمہ داری لے سکیں

انکوائری سے پہلے حکام کو ہٹاؤ

آج جبل پور میں انکوائری ہو رہی ہے، ہمارے سامنے یہ آیا تھا کہ وہاں اس کے لئے تین آدمی رکھے جائیں گے۔ ایک پینچ ہوگی، جس میں کوئی نہ کوئی سپریم کورٹ کا جج ہونا چاہئے تھا جنہیں خود مدھیہ پردیش کا جج ہونا چاہئے تھا ایک جج صاحب بیچارے آئے ہیں میں ان کے خلاف کچھ نہیں کہتا، وہ ھیلے، ھاہوں ئے۔ لیکن ایک گوالیار کے جج صاحب مقرر کر دیئے گئے ہیں وہ بھی اس حالت میں کہ جبل پور اور ساگر کے سارے حکام جنھوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں حصہ لیا ہے یا چشم پوشی برتی ہے، وہاں موجود ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آج بھی وہ حکام کہہ رہے ہیں اگر ہمارے موافق مسلمانوں نے گواہی نہیں دی تو ان کا وارنٹ کاٹ دیا جائے گا۔ وہ جیل بھیج دیئے جائیں گے، آج تک ان میں سے کسی ایک کا بھی تبادلہ نہیں ہوا ایسی حالت میں لوگوں کو انصاف کیسے ملے گا۔ اگر جوڈیشل انکوائری ہو تو اسمیں مہربانی کرکے باہر کے جج رکھے جائیں ایک سپریم کورٹ کا جج ہونا چاہئے ایک سادھو کا جج ہونا چاہئے گوالیار کے جج صاحب موجود ہیں وہ بھی رہیں۔ لیکن تمام حکام کا ٹرانسفر لازمی ہے۔ ورنہ یقینی طور پر اس انکوائری سے کبھی بھی انصاف نہیں ہو سکتا۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ انصاف پسند ہندو، کتنے ہیں سکھ کہتے ہیں کہ یہ کیا انکوائری ہے کہ جس کے اندر ایک آدمی گوالیار سے اٹھا کر بیٹھا دیا گیا اور تمام کے تمام حکام پولیس اور ایڈمنسٹریشن وہیں جما ہوا بیٹھا ہے۔ جو لوگوں کو ہیرس کر رہا ہے مسلمانوں دھمکاتا ہے کہ تمہارے اوپر مقدمہ چلا دیں گے، تمہارا یہ کر دینگے، اور وہ کر دینگے آخر اس طرح کیسے انصاف ملیگا، اور کیسے صحیح گواہ لائے جاسکتے ہیں، جب تک وہ جبل پور سے

نہیں ہٹیں گے تب تک کسی طرح کا انصاف ملنا ناممکن ہے ۔

میں مسلم اقلیت کی تباہی برداشت نہیں کر سکتا

میں موجودہ پوزیشن سے مطمئن نہیں ہوں میں ہاؤس کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہ یہی طریقہ جاری رہا تو اس طرح سے اطمینان نہیں مل سکتا بھلے ہی آپ ڈھنڈورہ پیٹتے رہیں کہ ہم سیکولر اسٹیٹ ہیں، کوئی عقلمند اس بارے میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ہم جان دینے کیلئے تیار ہیں لیکن مسلمان اقلیت کو تباہ اور برباد نہیں دیکھ سکتے، یہ طریقہ آپ کو بدلنا ہوگا، انصاف دینا ہوگا، صحیح طور پر انتظام کرنا ہوگا، اور مجھ جیسے بولنے والے کو یہ کہکر چپ نہیں کیا جا سکتا کہ ایسی باتیں کرنا فرقہ پرستی ہے، اگر مجھ پر ہزاروں فرقہ پرستیوں کا لیبل لگا دیا جائے تو وہ میری قوم پرستی کو خاک میں نہیں ملا سکتا، بلکہ میری قوم پرستی کی آگ میں خود ہی بھسم ہو جائے گا۔

مُسلم کنونشن کی ضرورت

۱۴ر ۵ر اپریل ۱۹۶۱ء کو مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں جبل پور کے خونین حادثہ پر ایک تجویز منظور کی جس میں حادثہ کی ہولناکی، پولیس کی جانبداری کا ذکر کرتے ہوئے کانگریس اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اب جمہوریت اور سیکولرزم کو ہندوستان میں بچانے کیلئے انکو میدان میں آنا چاہیئے اسی کے ساتھ تجویز میں مندرجہ ذیل پہلو کا بھی ذکر کیا گیا تھا ۔

"جمعیۃ علماء ہند اس نازک موقعہ پر ضروری سمجھتی ہے کہ مسلمانوں کے صاحب الرائے سنجیدہ با اثر حضرات اپنے اپنے نقطہائے نظر اور اپنی اپنی جماعتی حیثیت سے بالاتر ہو کر مستقبل قریب میں کسی ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسی صورتیں طے کریں جو مستقبل میں مسلمانوں کے امن و سکون اور دستور ہند کی روشنی

میں ان کے باعزت تحفظ اور بقا کی ضامن ہوں"

جمعیۃ علماء ہند نے اس تجویز کے ذریعہ ایک کل ہند مسلم کنونشن کی شدید ضرورت اور اس کی اہمیت کا اظہار کیا تھا، اس فیصلہ پر عمل کر کے حکومت اور دوسری جماعت کے ذمہ داروں کی مخالفت مول لے کر دہلی میں یہ کنونشن بلایا اور اس کے مفید اثرات ہوئے

مسلم کنونشن کے مقاصد

کل ہند مسلم کنونشن کس مقصد کو پیش نظر رکھکر بلایا گیا تھا اس کی تفصیل خود اس دعوت نامے میں دیدی گئی تھی، جو ۲۲ مئی ۱۹۶۱ء کو دہلی سے جاری کیا گیا تھا۔ اس کی تمہید میں کہا گیا کہ

وطن عزیز کی آزادی اور ملک میں سیکولر جمہوری دستور کے نفاذ سے لے کر آج تک مسلمانان ہند زندگی کے تقریباً تمام اہم شعبوں میں اپنے جائز حقوق سے بڑی حد تک محروم ہیں ہزاروں جد و جہد کے باوجود اسمیں کامیابی نہیں ہوئی، یہ صورت حال انتہائی ہمت شکن اور شدید اضطراب کا باعث ہے اس لئے شدید ضرورت ہے کہ ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمانوں کے ارباب فکر و عمل اپنے اپنے جماعتی اختلاف اور نقطہائے نظر سے بالاتر ہوکر وحدت فکر و عمل کے تعمیری جذبے کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوں اور کوئی موثر لائحہ عمل تلاش کریں، ان مسائل میں سے خاص خاص مسئلہ یہ ہیں ۔

(۱) مسلم اقلیت آئے دن فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجہ میں جن بھیانک جانی و مالی بربادیوں کا شکار ہوتی رہتی ہے ان کے انسداد کے موثر وسائل وذرائع معلوم کرنا ۔

(۲) ایسی تجاویز جن کے بروئے کار لانے سے مسلمان سرکاری ملازمتوں میں اپنا واجبی حصہ پا سکیں اور قانون سازاداروں میں ان کے حق کے مطابق نمائندگی حاصل ہو سکے ۔

(۳) وہ تدابیر و وسائل جن کو اختیار کرکے مسلمان تجارت اور معاش کے دیگر ذرائع پرمٹوں، لائسنسوں، ٹھیکوں وغیرہ میں عملی طور پر اپنے حق کے مطابق نمائندگی حاصل کرسکیں،

(۴) اردو زبان سے متعلق ابھی تک دستوری مطالبہ پورا نہیں ہوسکا ہے اس مسئلہ سے متعلق ایسی تدابیر تلاش کرنا جن سے اردو کو اس کا اصل مقام حاصل ہوسکے۔

(۵) سرکاری نصاب تعلیم کی منظور شدہ کتابوں میں آئے دن ایسے اجزاء کی شمولیت جو اسلامی نقطۂ نظر سے ناقابلِ برداشت اور وجہ اعتراض ہیں ان شکایات کے ازالہ کیلئے موثر و اطمینان بخش تجاویز۔

(۶) میڈیکل اور ٹیکنیکل اداروں میں مسلمان طلبہ کا داخلہ۔ وظائف کا حصول اور امتیازی سلوک کے تدارک کیلئے تجاویز۔

مخالفت اور نتائج

کنونشن کا اعلان ہوتے ہی اس کی مخالفت کا ملک میں سیلاب آگیا، انگریزی، ہندی اخبارات نے ایک ہنگامہ برپا کردیا، حکومت کو اس کنونشن کیطرف سے بدگمان کردیا گیا، وزیر اعظم کے دل میں بھی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں، کانگریس کے اہم اور ذمہ دار لیڈروں نے کنونشن کے خلاف سخت ترین بیانات دیئے اس طوفانی مخالفت کی فضاء میں یہ کنونشن ۱۰/۱۱ جون ۱۹۶۱ء جون کو سپرو ہاؤس نئی دہلی میں ڈاکٹر سید محمود ایم۔ پی کی صدارت میں ہوا۔ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے اہتمام میں بھرپور کامیابی اور حسن و خوبی کے ساتھ تکمیل کو پہنچا اور نتیجہ کے اعتبار سے ملک و ملت کے مستقبل پر بہت گہرے اور دوررس اثرات ڈالے، کنونشن نے جو ایک خوشگوار اور فضا پیدا کی تو جواہر لال نہرو اور صدر کانگریس کو بھی جمعیۃ علماء ہند کے برمحل اقدام اور اصابت رائے کی تائید کرنی پڑی۔

۲۲ر جون ۱۹۶۱ء کو نئی دہلی میں کنونشن کی طرف سے تمام تجاویز پنڈت نہرو وزیراعظم حکومت ہند کو پیش کی گئیں، وزیراعظم نے گہرے تاثر اور توجہ کے ساتھ ان کو قبول کیا، ان ہی تجاویز کی صدائے بازگشت تھی جو ملک بھر میں قومی اتحاد اور یکجہتی کی مہم کی شکل میں رونما ہوئی۔ اور جس کا بیڑا وزیراعظم نے خود اٹھایا، خود مسلمانوں کے حق میں اس کنونشن کی افادیت یہ تھی کہ ان کی پریشانیاں اور ان کے مسائل پوری وضاحت کے ساتھ ملک کے سامنے آئے اور تمام سنجیدہ حلقوں نے ان کی تائید اور حمایت کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئیں، ساتھ ہی مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی مایوسی اور بددلی کی جگہ عزم وعمل اور جرأت مندانہ زندگی کے نئے آثار پیدا ہوئے۔

نیشنل انٹی گریشن

جبل پور کے قیامت خیز ہنگامہ قتل وخوں ریزی نے صاف ذہن لوگوں کی بھی آنکھیں کھولدیں اور وہ خطرات نظر آنے لگے۔ جو ان فسادات کے پس پردہ موجود رہے وہ ان فسادات سے بھی زیادہ مہلک اور تباہ کن تھے۔ مسز اندرا گاندھی ہی خود جبل پور گئیں واپسی کے بعد انھوں نے اپنی رپورٹ اپنے والد پنڈت جواہر لال نہرو وزیراعظم حکومت ہند کو پیش کردی تھی اسی رپورٹ کی بنیاد پر ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اور نیشنل انٹی گریشن کی بنیاد رکھی گئی اس کا مقصد قوموں میں یکجہتی پیدا کرنا تھا اور ایک دوسرے سے قریب لانا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند نے اس اقدام کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان خطرات سے آگاہ کیا، جو اس پروگرام کے غلط اور بے محل استعمال سے پیدا ہوسکتے ہیں اس لئے ۲۲ر اپریل ۱۹۶۲ء کے اس اجلاس میں ایک تجویز کے ذریعہ حکومت کو متنبہ کرنا ضروری سمجھا گیا، تجویز کے الفاظ یہ ہیں،

"جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس "نیشنل انٹی گریشن" (قومی یکجہتی) کی تحریک کو جو جبل پور اور آسام جیسے ہولناک اور وحشتناک فسادات کی موثر روک تھام اور امن وامان کی پائیدار فضا پیدا کرنے کیلئے وجود میں آئی ہے۔ اور

جس کی بنیاد مسز اندرا گاندھی کی رپورٹ اور وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو کی بلائی ہوئی کانفرنس پر رکھی گئی ہے اس کو وقت کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے، مجلس عاملہ کی رائے میں ملک کی پر امن اور باوقار زندگی کی حفاظت کے لئے حقیقی قومی یکجہتی کی ترقی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، جیسے جیسے یہ تحریک آگے بڑھے گی فرقہ پرستی کی طاقتیں مضمحل ہونگی اس مرحلہ پر مجلس عاملہ کا یہ اجلاس اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہے کہ قومی یکجہتی کے پردے میں جو جماعتیں اور افراد ایک کلچر اور ایک تہذیب کے نام پر اس ملک میں بسنے والے مختلف فرقوں اور گروہوں کی مذاہبی اور کلچرل خصوصیات کو مٹانے کی سازش کر رہے ہیں اور اگر ان کا جم کر مقابلہ نہیں کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ وقت کی سب سے بڑی تحریک بے جان ہو کر رہ جائیگی، بلکہ اس سے فرقہ پرستی کی طاقتیں نئے روپ میں ابھریں گی، اور ملک کی یکجہتی میں ایک خوفناک قسم کا انتشار رونما ہوگا۔ مجلس عاملہ ملک کے ترقی پسند عناصر افراد اور جماعتوں کو یقین دلاتی ہے کہ جمعیۃ علماء ہند قومی اتحاد کی ہر کوشش میں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے گی۔"

دو ستارے اور ڈوب گئے

جمعیۃ علماء ہند کے قدیم رہنماؤں میں دو عظیم المرتبت شخصیتوں نے داغ مفارقت دیا ان دو حادثوں میں سے ایک حادثہ تو فقید المثال خطیب میدان حریت کے جانباز شہسوار حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت پنجاب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال ہے کہ جو جمعیۃ علماء کے پرجوش داعی اور مجلس احرار اسلام کے چوٹی کے رہنماؤں میں سے تھے دوسری شخصیت جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی کمیٹی کے رکن اور تقسیم سے قبل کے صوبہ پنجاب کی جمعیۃ علماء ہند کے صدر شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی، آپ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے جنگ آزادی میں بار بار جیل گئے

اور مصیبتیں جھیلیں، علم تفسیر میں آپ کو کمال حاصل تھا، صاحب علم و فضل اور صاحب زہد و تقویٰ بزرگ تھے وہ جمعیۃ علماء کو اپنی رہنمائی سے محروم فرما گئے اللہ بال بال مغفرت فرمائے، مجلس عاملہ نے اپنی دو تجویزوں میں اظہار تعزیت کرتے ہوئے دونوں بزرگوں کی قومی و ملی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔

ملک میں دینی تعلیم کا جائزہ

۲۲ر اپریل ۱۹۶۲ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہوا تو ناظم عمومی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنی شدید علالت کی وجہ سے بغرض علاج امریکہ جا چکے تھے اور مولانا سید محمد میاں صاحب قائم مقام ناظم عمومی تھے اس نئے اجلاس کی کارروائی آپ نے چلائی، آزادی کے بعد جب بھی فرصت کے لمحات میسر آئے تو جمعیۃ علماء ہند نے سب سے پہلی اور اہم ضرورت مسلمانوں کی دینی تعلیم کی محسوس کی اور اس کی طرف اپنے ہر سالانہ اجلاس میں توجہ دلاتی رہی بمبئی تعلیمی کنونشن کے بعد اس تحریک میں مزید سرگرمی پیدا ہوئی۔ اس اجلاس میں ملک میں دینی تعلیمی کی تحریک کا جائزہ لیا گیا اور اُسے بڑی حد تک اطمینان بخش قرار دیا گیا۔ اور اس جدوجہد کو تشفی بخش سمجھا دیا گیا، جو ہر صوبہ میں ریاستی جمعیۃ علماء کر رہی ہے، مشرقی پنجاب اور ہماچل پردیش کے مکاتب اسلامیہ کی براہِ راست ذمہ داری چونکہ مرکزی جمعیۃ علماء ہند پر ہے اسلئے ان مقامات سے آئی ہوئی رپورٹ پر غور کیا گیا، اس پسماندہ علاقہ میں مکاتب اسلامیہ کی کارگزاری کو تسلی بخش قرار دیا گیا اس تحریک میں مزید سرگرمی لانے کیلئے مجلس عاملہ نے ایک تجویز بھی منظور کی۔

آہ مجاہد ملت بھی ہم سے جدا ہو گئے

۸ر ستمبر ۱۹۶۲ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس دہلی میں ہوا، آج کا یہ اجلاس یسا صفت شخصیت سے محروم تھا جسے ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ کے بعد سے ایک دن بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اسی بے پناہ جذبہ خدمت کی بنا پر ملک نے آپ کو مجاہد ملت کا معزز خطاب دیا تھا وہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جو بیس سال سے مسلسل جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ رہے جن کی خدمات کا احاطہ کرنا دشوار ہے جن کا ہر مشورہ مسیحا اثر جن کی ہر تقریر حوصلوں اور امنگوں

کی خالق اس کی پر آواز ہزاروں لاکھوں زخمی قلوب کے لئے مرہم شفا تھی آج جمعیۃ علماء ہند کو اپنی مدبرانہ قیادت سے ہمیشہ کیلئے محروم کر گئے، آج وہ عظیم رہنما اور مجاہد جلیل ہم سے جدا ہو گیا جس نے اپنی پوری متاع زندگی ہمدردی عوام اور خدمت خلق کی راہوں میں لٹا دی، جس کے ایثار و کردار، ریاضتوں اور قربانیوں نے ملک و ملت کو سربلندی بخشی، جس کے عزم و ہمت نے ۱۹۴۷ء کے طوفان حوادثات کا رخ پھیر دیا، ملک کے گوشے گوشے کی خاک چھان کر آزاد ہند ہندوستان میں ملت اسلامیہ کو نئی اور باعزت زندگی سے روشناس کرایا، عزت نفس، خودداری اور وطن پروری کی شاہراہ دکھائی، آج جبکہ حال کی تاریکیاں اور مستقبل کا اندھیرا ہوا میں ڈیرا جمائے ہوئے ہے ایسی حالت میں وہ منارہ نور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، جو ہر مایوسی، پژمردگی اضمحلال اور افسردگی کے اندھیرے میں کردار عمل کی برق جہاں تاب بن کر چمکا، احساس کمتری میں مبتلا کمزوروں کے حوصلوں کو جگایا، اور مظلوموں کو امنگوں اور امیدوں کا سہارا دیا اور اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا، جینے اور زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا، جمعیۃ علماء ہند اپنی عظمت و وقار کے اس عَلَم بردار اعلیٰ کی وفات پر جتنا بھی افسوس، اور ماتم کرے کم ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون،

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ۲۰ سال مسلسل جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی رہے ان کے دور نظامت میں ایسے حالات آئے کہ انھیں کے تدبر و فراست کا کرشمہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں ملت اسلامیہ کا سفینہ ساحل پر آ لگا، اپنے ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگاموں میں جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا وہ آزاد ہندوستان میں جبتک مسلمانوں کا وجود رہے گا کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، خدا مرحومؒ کو جنت نصیب فرمائے

یہ اجلاس خصوصیت سے مجاہد ملت کی تجویز تعزیت کیلئے بلایا گیا تھا، حضرت مولانا سید صاحب جو ناظم جمعیۃ علماء ہند چلے آرہے تھے اب ناظم عمومی منتخب کر لئے گئے۔

آسامی مسلمانوں کا مسئلہ

مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۸ ستمبر ۱۹۶۲ء میں آسامی مسلمانوں کا مسئلہ زیر بحث آیا، آسام میں صورت حال یہ تھی کہ آسامی مسلمانوں پر پاکستانی ہونے کا الزام لگا کر جبراً گھروں سے نکال کر پاکستان بھیجا جا رہا تھا کہ مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اترپردیش اور مولانا احمد علی صدر جمعیۃ علماء آسام نے اجلاس کے سامنے صورت حال پر روشنی ڈالی، انھیں تفصیلات کی روشنی میں مجلس عاملہ نے درجہ ذیل

منظور کی اور ایک سہ نفری کمیٹی تشکیل کی تاکہ وہ آسام جاکر صورتِ حال کی تفصیلی رپورٹ مرتب کرے تاکہ اسکی روشنی میں عملی اقدامات کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کیا جاسکے تجویز یہ تھی،

"مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس آسام سے مسلمانوں کے اخراج کی اس نوعیت پاکستانی کے نام پر ہندوستانی مسلمانوں کو بھی اخراج کا نشانہ بنایا جارہا ہے، سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے، ہند یونین کے شہریوں کے ساتھ ناعاقبت اندیش حکام کا یہ جانبدارانہ غیرمساویانہ بلکہ ظالمانہ طرز عمل اس ملک کی نیک نامی اور سیکولر حیثیت کے لئے ضرب کاری کا حکم رکھتا ہے یہ اجلاس حکومت ہند اور حکومتِ آسام کو اس افسوسناک صورت حال کی جانب توجہ دلاتا ہے اور توقع کرتا ہے کہ یہ ناقابل فہم صورتِ حال جلد سے جلد ختم کی جائیگی، اس خاص مسئلہ پر پارلیمنٹ کے بعض ممبران نے جو عجیب وغریب بیانات دیئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی ہمارے ملک کے بہت سے ذمہ دار افراد بھی سیکولرزم یا کم سے کم قومی یکجہتی کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اور بے دھڑک غیرذمہ دارانہ تقریریں کرتے ہیں آسام کے خاص اور غیرمعمولی حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ حالات کی مکمل تحقیقات کیلئے جمعیۃ علماء ہند کا ذمہ دار وفد وہاں بھیجا جائے تاکہ وہاں کے تفصیلی حالات کا جائزہ لیا جاسکے اور رپورٹ کی روشنی میں کوئی مناسب قدم اٹھایا جاسکے، اجلاس مندرجہ ذیل افراد کو وفد میں شامل کرتا ہے مولانا سید اسعد میاں صدر جمعیۃ العلماء اتر پردیش مسٹر مجیب الحق ایم، پی، مولانا وحید الدین قاسمی، مولانا سید اسعد میاں وفد کے کنوینر ہوں گے۔

دار العلوم دیوبند کی تلاشی

کچھ دنوں پہلے اتر پردیش پولیس نے مسلمانوں کی عالمی یونیورسٹی دار العلوم دیوبند کی نہایت اہانت آمیز طریقہ پر تلاشی لی، جس سے دار العلوم کا وقار اور اسکی عالمی حیثیت وشہرت کو صدمہ پہنچا تھا، ۲۱ر ۲۲ر مارچ ۱۹۶۳ء کو مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں پولیس اور حکومت کے اس طرز عمل پر ایک تجویز کے ذریعہ سخت غم وغصہ کا اظہار کیا گیا، تجویز مرکزی اور ریاستی حکومت کے ذمہ داروں کو روانہ کی گئی۔

مجلسِ عاملہ کے اس اجلاس میں جو دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی میں ہوا تھا، جدید انتخاب عمل

میں آیا، حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ورکنگ صدر نامزد کئے گئے نیز یہ بھی طے کیا گیا کہ صدر کی عدم موجودگی میں ورکنگ صدر صدارت کے فرائض انجام دیں گے۔

جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس ۶۲ء

جمعیۃ علماء ہند کا اکیسواں سالانہ اجلاس ۷، ۸، ۹ر جون ۱۹۶۲ء کو میرٹھ شہر میں ہوا حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صدر جمعیۃ علماء ہند نے اجلاس کی صدارت فرمائی آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا،

"ہماری کچھ خصوصیات ہیں، ہماری پہچانیں اور علامتیں ہیں جن کو ہم منجانب اللہ قرار دیتے ہیں انھیں خصوصیات کے ساتھ ہند یونین میں آزاد اور باوقار شہری کی حیثیت سے زندگی گذارنا چاہیئے، یہی ہمارا نصب العین ہے اور یہی جمعیۃ علماء کا بنیادی مقصد، زندگی اور خصوصاً بامقصد زندگی کیلئے مشکلات لازمی ہیں، یہی مشکلات سعی اور جد وجہد کی قیمت بڑھاتی ہیں اور انھیں مشکلات کے ہجوم میں مرد مومن کی جد وجہد جہاد کا اجر عظیم حاصل کرتی ہے۔

آپ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا، جمعیۃ علماء ہند نے اپنا نصب العین یہ قرار دیا کہ ایک ایسی نسل رونما ہو جو ایک طرف مادی ترقیات میں پیش پیش ہو تو دوسری جانب وہ توحید وخدا پرستی کی علمبردار روحانیت واخلاق سے آراستہ، شرافت وہمدردی خلق خدا کے سانچے میں ڈھلی ہوئی بہترین شہری اور بہترین پڑوسی ہو تاکہ خود غرضی، نفس پرستی خویش پروری، رشوت، خیانت، چور بازاری جیسی قباحتوں کے دور کرنے کیلئے قانون کے ناکام ذرائع کی نمائش کی ضرورت نہ پیش آئے، بلکہ اس باکردار نسل کا ضمیر خود ان چیزوں سے متنفر ہو۔ اور قدرتی طور پر وہ خوشگوار نتیجہ سامنے آئے جسکو مرتب کرنے میں قانونی سلسلہ جرم وسزا ابتک ناکام رہا ہے اور آئندہ بھی اس کے کامیابی کی توقع نہیں ہے کیونکہ قانون مجرم کو صرف سزا دے سکتا ہے اس کا ضمیر نہیں بدل سکتا، جمعیۃ علماء ہند نے اسی مقصد کی خاطر ۴۸ء میں دینی تعلیم کیلئے اہل فکر کو دعوت دی اور پھر ایک تحریک کے طور پر اس دعوت کو عوام کے سامنے پیش کیا۔

آپ نے خطبہ صدارت میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی آواز بلند کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ترمیم کی آواز کسی حلقہ کی طرف سے تو نہیں، البتہ چند افراد کیطرف سے اٹھائی جا رہی ہے اور کہا جاتا ہے کہ مسلم پرسنل لا پر نظر ثانی کی جائے آپ نے سلسلہ بیان میں فرمایا۔

یہ تحریک یا اس قسم کی کوئی تحریک اگر حکومت کی طرف سے ہو تو ہم اصولی طور پر پہلے ہی قدم پر اسکی مخالفت کریں گے۔ اور پوری پوری مخالفت کریں گے، کیونکہ حکومت اگر اس طرح کا اقدام کرے گی تو وہ اس محاذ ہی کو چیلنج ہوگا جو ہندوستان کے دستور اساسی ہر فرقہ پرست کو اس کے کلچر تہذیب کے متعلق دیا ہے، جو لوگ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے جواز کیلئے دوسرے مسلم ملکوں کا حوالہ دیتے ہیں ان ملکوں کا ذکر کرتے ہوئے صدر محترم نے فرمایا کہ

سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ دین کامل اور مکمل ہو چکا ہے اب اسمیں کمی بیشی قطعاً ناممکن ہے دوسری بات تو یہ ہیکہ ان ممالک کا طرز عمل ہمارے لئے کوئی سند نہیں، آپ نے فرمایا۔

یہ اسلامی ممالک اپنی سیاست میں ناکام ہیں ان ممالک کی حسرتناک ناکامی اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ قدرت نے سونے کی موسلا دھار بارش کر رکھی ہے لیکن آج دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے اس کے مقابلہ میں ہندوستان جیسا غریب ملک رات دن ترقی کے منصوبوں میں یہاں تک سرگرداں ہے کہ وہ اربوں ڈالر قرض لے کر ملک کو مضبوط اور ترقی یافتہ بنانا چاہتا ہے مسلم ممالک کو یہ بھی توفیق نہیں کہ بلا منفعت و بلا قرض جو دولت کے انبار ان کے یہاں لگے ہوئے ہیں ان کو ترقی کے کاموں میں صرف کریں۔ وہ اپنی حکومتوں کو طرز کی مثالی سلطنت نہ بنا سکیں۔ تو کم از کم عوام کی دریوزہ گری ہی ختم کر دیں، صنعت و حرفت اور بچوں کی تعلیم کا عالم انتظامیہ کر دیں، تعجب ہے کہ جن کی معاشرت کجرو ہے جو اقتصادی ترقی میں پسماندہ اور سیاست میں مضحکہ خیز حد تک ناکام ہیں، ہمارے احباب کے نزدیک شریعت مقدسہ معاذ اللہ ایسی یا اتفا وہ چیز ہے کہ پرسنل لا کے سلسلہ میں وہاں کو قائد اور رہنما مقتدا اور پیشوا تسلیم کر رہے ہیں اردو زبان کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ مثال کے طور پر اردو زبان کا معاملہ ہے اس کو نظر انداز کر کے پامال کرنے کوشش بدستور جاری ہے کسی علاقہ کی زبان قرار دینا تو درکنار جا بجا نول کر کچھ حقوق دیئے گئے ہیں تو اس طرح کے انکی قانونی حیثیت مشتبہ اور مشکوک ہے

اردو یونیورسٹی کا مطالبہ ابتک ناقابلِ التفات بنا ہوا ہے اور بار بار ہوا ہے یہ لسانی فارمولہ کے سلسلہ میں بھی یہ غریب زبان آفت میں مبتلا ہے

صدر محترم نے آسام کے مسلمانوں کے موجودہ مسئلہ پر سیر حاصل روشنی ڈالی دلائل اور اعداد و شمار کی روشنی میں ثابت کیا کہ یہ مسئلہ صرف ایک خاص قسم کی مسموم ذہنیت کا پیدا کردہ ہے اس بہانے خالص ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستانی ہونے کا فرضی الزام لگا کر ستایا جا رہا ہے اور ان کو انکی مادر وطن سے زبردستی جدا کیا جا رہا ہے

اجلاس عام کی تجویزیں :

جس طرح آسام میں مسلمانوں پر پاکستانی ہونے کا الزام لگا کر شہر بدر کیا جا رہا ہے بالکل یہی صورت حال مغربی بنگال اور گجرات میں تھی، مغربی بنگال میں ۲۴ پرگنہ، مرشد آباد، مالدہ، جلپائی گوڑی، کوچ بہار، مغربی دیناج پور میں ایک منظم سازش کے تحت مصنوعی رپورٹوں کی بنیاد پر ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستانی کہکر گرفتار کیا جاتا تھا اور مختلف طریقوں سے انھیں آئے دن پریشان مشکلات و مصائب میں مبتلا کیا جا رہا تھا، اسی طرح گجرات کے سرحدی علاقہ کچھ میں در پیش تھیں وہاں پورے کے پورے خاندان کو زبردستی نکال کر پاکستان ڈھکیل دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے اس علاقہ میں ایک عام سراسیمگی پھیل گئی تھی اجلاس عام میں اس مسئلہ پر رزولیشن پیش کیا گیا اور اس پر توضیحی تقریریں ہوئیں پھر تجویز مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کو بھیجی گئی ۔

مہاراشٹرا اسمبلی میں ایک بل

اس سال مہاراسٹر اسمبلی میں ایک ممبر مسٹر صمدانی نے تعداد ازدواج کے خلاف ایک بل اسمبلی میں پیش کیا کہ تعداد ازدواج پر حکومت کی طرف سے پابندی لگائی جائے اور قانوناً ایک سے زائد شادی جرم قرار دیا جائے، جمعیۃ علماء ہند کے اس اجلاس عام میں مسٹر صمدانی کے غلط اقدام کی سخت مذمت کی گئی اور مقررین نے کہا کہ تعداد ازدواج کے مسئلہ کا تعلق مسلم پرسنل لا

ے تعلق ہے، کسی اسمبلی کے ممبر کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے ماہر بن کر اپنی شخصی رائے کی بنا پر اسلامی پرسنل لا میں ترمیم یا تنسیخ کی کوشش کرے مسٹر صمدانی کا یہ اقدام افسوسناک ہی نہیں مسلمانوں کیلئے ناقابل برداشت ہے اجلاس مسٹر صمدانی کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس بل کو واپس لے لیں ۔ ریزولیشن حکومت مہاراشٹر، ذمہ دار وزراء کو بھیجا گیا، جمعیۃ علماء کے بروقت اقدام اور تنبیہ کی وجہ سے مسٹر صمدانی کا خواب خواب پریشاں ثابت ہوا ۔ اور شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور بل نامنظور ہوگیا ۔

آسامی مسلمانوں کے خلاف سازش :

آسامی مسلمانوں پر مصیبتوں کا ایک نیا مسئلہ شروع ہوگیا اس فتنہ کا آغاز جس انداز سے ہوا اس نے سارے آسامی مسلمانوں کو گھبرا دیا اور ان میں عام بے چینی پھیل گئی، اب فرقہ پرستوں نے پورے صوبہ میں یہ فضا بنائی کہ آسام میں رہنے والے بہت سے مسلمان اصلاً پاکستانی ہیں چاہے وہ کئی پشتوں سے یہاں رہ رہے ہوں مگر ان کا وطن اصلی پاکستان ہے اسلئے جب ملک تقسیم ہوگیا تو اب ہندوستان میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ان کو اپنے وطن اصلی میں منتقل ہوجانا چاہیئے، حالانکہ جن لوگوں کے بارے میں یہ سازش رچی جارہی ہے وہ پشتہا پشت سے اسی سرزمین میں رہتے ہوئے آئے ہیں، ان کے اپنے مکانات ہیں، کھیت ہیں جائدادیں ہیں مساجد و مدارس ہیں، ان کے پاس آسامی ہونے کے کافی سے زیادہ ثبوت ہیں مگر ان کو صفائی کا موقع نہیں دیا جاتا اور نہایت بیدردی اور وحشیانہ طریقہ سے ان کو شہر بدر کردیا جاتا ہے، دارنگ ضلع میں اس پالیسی پر شدت سے عمل جاری ہے یہ صورت حال اب انتہائی تشویشناک بن چکی تھی اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں ایک وفد تشکیل کیا تھا، اس وفد نے اس علاقہ کا تفصیلی دورہ کیا، حالات کا صحیح جائزہ لیا، اس وفد کے کنوینر مولانا سید اسعد مدنی تھے آپ نے مسلمانوں کے اس اندھا دھند اخراج کے مسئلہ کو لے کر وزیر اعلیٰ آسام مسٹر چالیہا اور وزیر مالیات آسام مسٹر فخرالدین علی احمد اور دہلی میں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے گفتگو کی، وزیر اعظم نے اس مسئلہ پر توجہ دی، اور آپ نے آسامی مسلمانوں کے ہندوستانی ہونے کا فیصلہ کرنے کیلئے دو ججوں کا تقرر منظور کیا اور یہ ہدایت کی کہ پولیس جس کو قابل اخراج

قرار دے اس کے متعلق پہلے جج صاحبان کو مطمئن کرے اس کے بعد اخراج کی کاروائی عمل میں لائی جائے۔ لیکن ہندوستان پر چین کے حملہ کی وجہ سے اس پر مزید کاروائی نہیں ہوئی

پھر دوبارہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس میرٹھ منعقدہ ۷، ۸، ۹ر جون ۱۹۶۳ء میں اس مسئلہ پر ایک تجویز منظور ہوئی اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اس علاقہ کے ناعاقبت اندیش حکام کے اس ظالمانہ رویہ کے خلاف جلد سے جلد کاروائی کی جائے اور آسامی مسلمانوں کی پریشانی کو دور کیا جائے۔ یہ تحریک سراسر تنگ دلی اور تنگ نظری پر مبنی ہے اور مسموم ذہنیت کی وجہ سے ہے جو سیکولرزم کے منافی ہے، تجویز حکومت ہند کو بھیجی گئی اور وزیر اعظم پنڈت نہرو کو توجہ دلائی گئی، تو انھوں نے ایک ٹریبونل قائم کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن اس ٹریبونل کو جو ہدایات دی گئی تھیں اس میں ماتحت حکام نے تبدیلیاں کر دی، جب اس کا علم ہوا تو جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء آسام نے صوبہ کانگریس کو اس طرف توجہ دلائی اور ہندوستانی شہریوں سے اس بے انصافی کو دور کرنے کا مطالبہ کیا لیکن عملاً کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔

اس سلسلہ میں گلزاری لال نندہ نے جون ۱۹۶۴ء میں اعلان کیا کہ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر آسامی مسلمانوں کی شہریت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ مگر عملی طور پر یہ مسئلہ جوں کا توں رہا اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو ایک اجلاس میں ایک ریزولیشن کے ذریعہ اس مسئلہ کے حل کرنے کی طرف پھر حکومت کو توجہ دلائی۔

جدید انتخاب

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولانا سید محمد میاں صاحب اجلاس عام تک کیلئے ناظم عمومی بنائے گئے تھے اس لئے اجلاس عام میرٹھ کے بعد ناظم عمومی کا انتخاب ضروری ہو گیا اس لئے ۹ر نومبر ۱۹۶۳ء کے اجلاس مجلس عاملہ میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صدر جمعیۃ علماء ہند نے آئندہ کیلئے سید مولانا اسعد مدنی کو ناظم عمومی ناظم عمومی نامزد فرمایا اور مولانا وحید الدین قاسمی اور مولانا محمد سعید صاحب خلف سحبان الہند کو ناظم بنایا گیا۔

آندھیوں میں بھی چراغِ زندگی جلتا رہا

سنہ ۱۹۶۴ء کا آغاز جن ہولناک تباہیوں اور وحشتناک بربادیوں کے ساتھ ہوا وہ ایک دردناک داستان ہے جنوری کے دوسرے اور تیسرے ہفتے میں کلکتہ اور بنگال کے مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ قیامت آگئی انکی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی مغربی بنگال کے چھ اضلاع سرحدی علاقے ہیں جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان واقع ہیں بہت دنوں سے ایک خاص اسکیم اور سازش کے تحت سرحدی علاقے کے مسلمانوں کو پریشان کیا جا رہا تھا، مسلمانوں کے علاقے میں ڈاکے ڈالے جاتے اور الٹے انہیں پر مقدمے چلائے جاتے، اس طرح کی اور بھی حرکتیں تھیں، درحقیقت یہ مسلمانوں کو ان علاقوں سے نکالنے کی ایک گہری سازش تھی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی کلکتہ کا ہولناک فساد بھی تھا، یہ فساد نہیں بلکہ شرارت پسندوں کا یکطرفہ حملہ تھا حملہ انتہائی منظم تھا جسکی تیاری پہلے سے کی گئی تھی، آگ لگانے کا سامان، بموں کا ذخیرہ، قتل وغارت گری کے اسلحے جس مقدار میں استعمال ہوا اس کا اچانک ایک دو دن میں جمع ہونا ناممکن تھا، جہاں جہاں حملہ کرنا ہوتا تھا ان تمام مکانات پر رات میں نشان لگا دیا جاتا تھا، فساد میں بوڑھی عورتوں کی زیر نگرانی نابالغ بچوں کا لوٹ میں حصہ لینا، کالجوں کے لڑکوں کا غنڈوں اور فسادیوں کی رہنمائی کرنا، انکی مدد کرنا، پولیس کا تماشائی بنے رہنا یہ سارا کام انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ ہوا، ربڑ کی بڑی بڑی فیکٹریاں، جوتہ سازی اور چمڑے کے کارخانے اور گودام، دوسری چیزوں کے ذخائر، گودام اور کارخانے، فیکٹریاں، دکانیں اور مکانات لوٹے اور جلائے گئے، شہر کلکتہ کے چھوٹے بڑے ۵۶ مسلم محلے تباہی کا شکار ہوئے، کلکتہ کے مضافات، ضلع ۲۴ پرگنہ اور ضلع ندیا میں جو دیہات پھیلے ہوئے ہیں ان دیہاتوں کی تعداد ۲۷۶ ہے سارے دیہات ہر طرح سے برباد کر دیئے گئے جیسے چنگیز اور ہلاکو کی فوجیں لوٹ مار کرتی ہوئی گذر گئی ہیں ۲۴ پرگنہ میں جمعیۃ علماء کی ریلیف کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ۱۶ دیہاتوں میں ۸۱۱

مکانات جلائے گئے، ۲۸۴ مکانوں کو مکمل طور پر لوٹ لیا گیا ایک تنکا نہیں چھوڑا گیا، ۴۲ مسلمان شہید ہوئے ۵۳ آدمی سخت زخمی ہوئے ۸ مسجدوں کو توڑا گیا، ۲۴ پرگنہ کے دوسرے سنٹر میں ۸ گاؤں تھے ۴۳۱ مکانات جلا دیئے گئے ۱۱۳ مکانوں کو کلی طور پر لوٹ کر خالی کر دیا گیا ۱۱ گیارہ مسلمان شہید ہوئے ۲۷ آدمی بری طرح زخمی ہوئے ۲۴ پرگنہ کے تیسرے سینٹر میں ۵۵ گاؤں ہیں ۱۱۲۵ مکانوں کو ویران کر دیا گیا ۵ مکانوں میں آگ لگائی گئی اور دس مسلمان شہید ہوئے ۴۵ آدمی شدید زخمی ہوئے چار مسجدیں شہید کی گئیں،

کلکتہ شہر میں مسلمانوں کی فیکٹریاں اور کارخانے جو تباہ ہوئے انکی مالیت کروڑوں روپے سے بھی زائد ہے۔

امدادی سرگرمیاں

دفتر جمعیۃ العلماء کو اطلاع ملتے ہی مرکزی وزراء اور کانگریس کے ذمہ داران کو انکی طرف توجہ دلائی گئی ہوم منسٹر شری گلزاری لال نندہ سے کہا گیا کہ فوراً دھیان دیں دفتر جمعیۃ علماء بنگال (کلکتہ) کو تار دیکر ہدایت دی گئی کہ ریلیف کمیٹی قائم کر کے فوراً کام شروع کر دیا جائے۔

مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے دہلی پہونچ کر ذمہ دار وزراء سے ملاقاتوں کے بعد شہر کے معززین کی ایک میٹنگ بلائی اور ریلیف کمیٹی جمعیۃ علماء ہند قائم کی گئی، اس کمیٹی کے کنوینر حاجی محمد شفیع مالک پیکار و اخ کمپنی کو بنایا گیا اہل خیر حضرات نے عطیے دیئے اور مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی دس ہزار روپیوں کی پہلی قسط لیکر کلکتہ روانہ ہو گئے، کرفیو لگا ہوا تھا، بدامنی کا سلسلہ جاری تھا، ادھر ادھر واقعات کا سلسلہ ہنوز جاری تھا، مگر اسی حال میں کام کا آغاز کر دیا گیا شہر میں اور دوسرے لوگ بھی امدادی کام کر رہے تھے مگر ریلیف کمیٹی کا یہ سارا کام کلکتہ شہر تک محدود تھا، ناظم عمومی کو پتہ چلا کہ کلکتہ کے مضافات میں دیہاتوں کا حال اور بھی خراب ہے، راستہ خطرناک، دشوار گذار، ہر ہر قدم پر فسادیوں کی فتنہ پردازیوں اور حملوں کا خطرہ موجود تھا، اسی حال میں دیہاتوں کا دورہ کیا گیا، ڈھائی سو دیہات اس تباہی کی لپیٹ میں آئے تھے، ہر طرف زبردست تباہی و بربادی پھیلی ہوئی تھی، دور دراز اور

راستہ دشوار گذار ہونے کی وجہ سے ان کو کسی طرح کی کوئی امداد نہیں پہونچ رہی تھی، ہمدردی کے دو بول سننے کو بھی وہ ترس گئے تھے، کیونکہ ان مظلوموں تک آج تک کوئی پہونچا ہی نہیں تھا وہ لٹے پٹے انہیں کھنڈر اور ویرانوں میں لٹے ہوئے قافلوں کیطرح لاوارث بے یار مددگار پڑے ہوئے تھے، عجیب عبرتناک اور روح فرسا منظر تھا۔

دیہاتوں کو ۶ سینٹروں میں تقسیم کر کے ان کی امداد کا کام شروع کر دیا گیا، روزانہ کے راشن کے علاوہ کپڑے اوڑھنے بچھانے کا سامان، گھریلو برتنے کے اسباب، ہزاروں مکانات جل کر راکھ ہو چکے تھے، مکانوں کی تعمیر، یہ سارے مسئلے ایک ساتھ حل کرنے تھے، اطراف وجوانب سے جماعتی رفقاء اور مقامی حضرات کو لیکر تمام برباد شدہ لوگوں کی فہرست بنائی گئی، ہر خاندان کی ضرورتوں کی فہرست الگ بنائی گئی، اسی کے مطابق ضروری امداد پہونچانے کی امکانی کوشش کی گئی، ان کاموں کے علاوہ شہر اور دیہات کے تباہ شدہ لوگوں کے کلیم فارم کی خانہ پری کرا کے داخل کئے گئے، مقدمات کے سلسلہ میں "جمعیۃ علماء ریلیف کمیٹی" کی طرف سے شہر کے ممتاز وکیلوں کی خدمات حاصل کی گئیں، تقریباً ایک ہزار مقدمات کی پیروی کی گئی، بیشتر کیسوں میں مسلمانوں کو بری کرایا گیا، دہلی سے کلکتہ تک ہمیشہ رابطہ قائم رکھا گیا، مالیات کی فراہمی اور پھر اسکی صحیح تقسیم اور اسکی جانچ پڑتال میں سال کا بیشتر حصہ نکل گیا، پہلا آڈٹ شدہ حساب جو ریلیف کمیٹی کا شائع کیا گیا درج ذیل ہے:۔

مصارف ریلیف بسلسلہ دیہات تا اکتوبر ۱۹۶۴ء	۲۵۴۲۴۸ - ۷۲
مصارف ریلیف بسلسلہ شہر ۱۵ر مارچ ۱۹۶۵ء	۱۵۰۷۹۱۵ - ۳۴
مصارف ریلیف مزید بسلسلہ شہر	۴۶۰۹ -
میزان:-	۴۱۶۷۷۲ - ۹۶

قتل گاہ جمشید پور

۱۹ر مارچ ۱۹۶۴ء کو جمعرات کی شام کو مسلمانانِ جمشید پور پر آگ اور خون کی بارش شروع ہو گئی اس کا سلسلہ کئی دنوں تک چلتا رہا۔ ٹیلکو کمپنی میں ایک ایسی مشین ہے جس

میں لوہے کی چھڑ ڈالئے ایک منٹ سے کم میں تیز نوکیلا بھالا تیار ہوجاتا ہے یہ چھڑ ۱۸ مارچ کو کافی مقدار میں ایک ہی ناپ کا کٹا ہوا رکھا تھا مسلمان ملازمین نے بھی اسکو دیکھا مگر کوئی خاص توجہ نہیں دی یہ سمجھ کر کہ کمپنی کا کوئی خاص آرڈر ہوگا ان کو کیا پتہ کہ یہ انکی موت کا سامان رکھا ہوا ہے، چھڑوں کا یہ انبار اسی دن تیز نوکیلے بھالوں میں تبدیل ہوگیا اور پھر ۱۹ مارچ کو کمپنی کے گیٹ نمبر ۲ پر چھوٹ موٹ بطور سازش شور کیا گیا کہ مسلمانوں نے حملہ کر دیا ہے، چلو، دوڑو مسلمان ہکا بکا بے خبر، اسکو پتہ ہی نہ چلا کہ کیسا شور ہے اور کیوں؟ وہ اسی بے خبری کے عالم میں تھا کہ کمپنی کے ہندو ملازمین طے شدہ پروگرام کے مطابق آتے گئے اور اس خاص جگہ سے ایک ایک تازہ بنا ہوا بھالا لیتے گئے اور گیٹ سے نکلتے گئے، اس طرح آن کی آن میں پورے شہر میں تمام فسادیوں اور آدیباسیوں کو سپلائی کر دیا گیا اور پھر سنیچر کو عام حملہ کر دیا گیا، جو مسلمان جہاں ملا مار ڈالا گیا کوارٹروں میں عورتیں بچے تھے انمیں گھس کر ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور گھروں میں آگ لگائی گئی، ایک برہنہ عورت عبرتناک حالت میں اور اس کے سینے سے چپکا ہوا اس کا شیر خوار بچہ دونوں ایک ساتھ بھالے سے چھدے ہوئے پڑے تھے، سدھ گوڑا میں دس آدمیوں کی بارات آئی ہوئی تھی، نکاح ہوا ہی تھا کہ بلوائی آگئے اور سب کے سب قتل کر دیئے گئے، بسٹوپورہ میں جتنی مچھیوں کی دکانیں تھیں سب نذر آتش کر دی گئیں، عین تھانے کے سامنے ساکچی بازار ہے اس میں آگ لگائی گئی اور لوگوں کو قتل کیا گیا جو بچ گئے گرفتار کرلئے گئے اور جیل بھیج دیئے گئے گول موری پر کئی بار حملہ کرنے کی کوشش کی گئی مگر مسلمانوں کی جرأت اور سکھ پڑوسیوں کی مدد کیوجہ سے کامیابی نہ ہوسکی، نور منڈی میں ایک حکیم صاحب کے مکان میں پندرہ بیس آدمی چھپ گئے جس میں ایک مسلمان ہیلتھ آفیسر بھی تھے، سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر آیا اور اسنے کہا کہ بلوائی آگ لگانے آرہے ہیں، یہاں سے نکل چلو، ہیلتھ افسر نے جوں ہی گھر سے باہر قدم رکھا انسپکٹر نے وہیں گولیوں سے ہیلتھ افسر کا سینہ چھلنی کر دیا، بڑے جابدہ میں پولیس کے سامنے آگ لگائی گئی اس طرح جمشید پور، بیمالی باسہ، چکدھر پور میں زبردست تباہی آئی۔

امداد و تعاون

جمعیۃ علماء بہار کے صدر مولانا نور اللہ صاحب ریلیف کے کاموں کے نگراں تھے اور مسلسل دورے کرکے امدادی کاموں کی نگرانی کرتے تھے فیروز خاں صدر جمعیۃ علماء سنگھ اور قمرالدین صاحب سکریٹری جمعیۃ علماء نے ریلیف کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا اکرام الحق صاحب سکریٹری ریلیف کمیٹی جمعیۃ علماء رانچی نے جرأتمندانہ کردار انجام دیا مولانا فاروق الحسینی ناظم جمعیۃ علماء بہار جمعیۃ علماء ریلیف کمیٹی کے انچارج بنائے گئے، مولانا نور اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار نے چیف منسٹر سے مظلومین کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی جس میں آبادکاری، کاشت کاری کی ریہیبلیٹیشن گرانٹ، ہاوس بیرس گرانٹ اور لون وغیرہ کے سلسلہ میں تمام دقتوں کو پیش کیا ڈی آئی آر اور مختلف الزامات میں جسطرح بے گناہ مسلمانوں کو پریشان کیا جا رہا اس پر کھل کر بات ہوئی چیف منسٹر نے لازمی کاروائی کا یقین دلایا، پھر انہوں نے ڈی ایس سنگھ بھوم سے ملاقات کرکے ریلیف کے کاموں میں حکام کی تساہلی کی شکایت کی، ڈپٹی کمشنر سنگھ بھوم نے مولانا موصوف کو کارروائی کرنے کا یقین دلایا اور کام تیز کرنے کی یقین دہانی کرائی، مولانا عبدالرشید مبارکپوری جو جمشید پور فساد کے موقعہ پر چائی باسہ میں جمعیۃ علماء ریلیف کیمپ کے انچارج تھے انکی رپورٹ کے مطابق اس ہنگامہ میں شہید ہونے والوں کے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

جمشید پور ۹۹۰ - چائی باسہ ۳ چکردھرپور ۱۰ گول منڈا ۱۳ سنشالیہ ۱۷ گوپی ناتھ پور ۴ اتہاسہ ۱- جادہ ۱- منڈلی ساہی ۶ باگہ مارا ۱- منوہرپور ۱۴۹ گول گیرا- ۱۱۳- ٹونیا ۴۸ چھیکپانی ۹۷ نو منڈی چار ۴ ڈیگا پوسی ۴ گوا ۳۷ گڑیا ۱- کوٹھ گڑھ ۲ سیال جوڑا ۱۷- نند پور ۲۷ مجموعی تعداد ۱۴۳۲ مسلمان اس ہنگامہ میں شہید ہوئے[۱]

فساد زدہ علاقہ کا دورہ

ناظم عمومی مولانا سید اسعد مدنی نے کلکتہ میں ریلیف کے کاموں کا جائزہ لینے کے بعد راوڑکیلا، کڑوا، رانچی، جمشید پور، چائباسہ اور صاحب گنج کا تفصیلی دورہ کیا

[۱] گلہائے عقیدت ص ۱۸۱

جمعیۃ علماء بہار کا ایک وفد اس دورے میں ناظم عمومی کے ہمراہ رہا، اس دورے میں جہاں جہاں ریلیف کیمپوں کی ضرورت محسوس ہوئی ریلیف کمیٹی قائم کرکے کام شروع کردیا گیا، مختلف دیہاتوں جو فساد سے متاثر ہوئے تھے انکی فہرستیں مرتب کی گئیں، آپ نے بروقت شدید ضرورت مندوں کو مالی امداد بھی فراہم کی، راؤڑکیلا، منوہرپور، گول منڈی اور ہاتھی باڑی گئے، جلے ہوئے مکانوں کو دیکھا، لوٹی ہوئی مسجدوں کا معاینہ کیا، بعض ایسی بھی بستیاں ملیں جس کے سارے مکان جلاکر خاکستر کر دیئے تھے ایک بھی مکان صحیح وسالم نہیں تھا، جب گرداہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں کے بچے ہوئے مسلمان جو سولہ سترہ ہیں کیمپوں میں زندگی گذار رہے ہیں یہاں کی آبادی ایک ہزار تھی[1] جو سب کے سب شہید کر دیئے گئے۔ اور پورا گاؤں تباہ ہوگیا ہے۔ شاندار مسجد شہید کردی گئی ہے، کنویں پاٹ دیئے گئے جو غالباً لاشوں سے بھرے پڑے ہیں کہاجاتا ہے کہ یہاں آٹھ سو سے ایک ہزار آدمی شہید کر دیئے گئے ہیں[2] ناظم عمومی باٹنگ پورے بھی گئے، بیس مکانوں کی بستی تھی جس میں ایک سو بائیس آدمیوں کی شہادت بتائی جاتی ہے، آبادی میں صرف چار بیوہ عورتیں تھیں جن کے شوہر شہید کر دیئے گئے ہیں، ناظم عمومی کا یہ دورہ رانچی پر ختم ہوا وہاں آپ نے لوگوں کو صبر واستقلال اور جرأت وہمت سے جمے رہنے کی تلقین کی۔

[1] گلہائے عقیدت مرتبہ مولانا عبدالرشید مبارکپوری ص ۱۷۵۔ [2] گلہائے عقیدت ص ۱۷۵

جمہوری کنونشن

کلکتہ کے خونریز فساد کے بعد راوڑکیلا، جمشید پور، رانچی، رائے گڈھ وغیرہ میں ہولناک فسادات صوبہ بہار کی ایک لمبی پٹی پر قتل وغارت گری کا وہ دردناک ڈرامہ کھیلا گیا کہ انسانیت کانپ کر رہ گئی، ہزاروں آدمی مارے گئے۔ لاکھوں آدمی تباہ وبرباد اور دانے دانے کو محتاج ہو گئے، آبادی کی آبادی جلا کر خاکستر کر دی گئی مگر حکومت کی نگاہ میں مجرم کوئی نہیں تھا، سزا کسی کو نہیں دی گئی، غلام کی چیخ وپکار پر کوئی کان دھرنے والا نہیں تھا، بے بسی اور مجبوری کا وہ المناک نظارہ تھا کہ انسانی تاریخ میں کبھی کبھی کسی ننگ انسانیت قوم یا حکمرانوں کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے، حالات انتہائی مایوس کن اور مستقبل بے انتہا تاریک نظر آنے لگا، تقسیم ملک کو اتنا زمانہ گذر جانے کے باوجود غصہ ونفرت اور بغض وعداوت کے مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، مسلمانوں کے خلاف جارحانہ فرقہ پرستی کے حملوں میں کوئی کمی نہیں آرہی تھی بلکہ ہر فساد پچھلے فسادات کے ریکارڈ توڑتا جارہا تھا، انسان درندگی وبہمیت کی اس پست سطح پر آگیا تھا کہ اب اس سے زیادہ پستی سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی، کلکتہ میں جہاں کروڑوں روپے کی جائداد مسلمانوں کی پھونک تاپ کر برابر کر دی گئی تھی وہیں قتل وخوں آشامی کے ایسے مناظر سامنے آئے کہ انسانیت کا کلیجہ پھٹ گیا، بے دریغ بے گناہوں کو قتل کر دیا، پوری پوری آبادی کو پھونک دینا، بستی کی بستی کو لوٹ کھسوٹ کر ویران اور کھنڈر بنا دینا ایک معمولی واقعہ بن کر رہ گیا تھا، مقتولین، مجروحین اور بعض مقامات پر زندہ انسانوں کو بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا، کہیں مکان کو باہر سے بند کر کے آگ لگا دی گئی، لوگ جل رہے ہیں، بھن رہے ہیں، تڑپ رہے ہیں، چیخ رہے ہیں اور باہر لوگ کھڑے قہقہے لگا رہے ہیں اگر کسی ماں کی مامتا نے اپنے کسی بچے کو آگ کی لپٹوں سے بچانے کیلئے کھڑکی سے باہر پھینکدیا کہ خود تو جل کر مر جانا وہ برداشت کر سکتی ہے لیکن بچے کی محبت نے اسکو بچانے کی یہ تدبیر بتائی لیکن سڑک کے جلادوں اور بلوائیوں نے جب بچے کو سڑک پر گرتے دیکھ لیا تو لپک کر اس معصوم اور پھول

سے بچے کی ٹانگ پکڑ کر ایک چکر دیا اور پوری بے رحمی کیساتھ جلتے ہوئے مکانوں میں دوبارہ پھینک دیا، دہشت و بربریت کی یہ انتہا ہے۔

ان حالات نے آزاد ہندوستان میں انسانیت کی محافظ جمعیۃ علماء ہند کو بے چین کر دیا، اور اس صورت حال کو بدلنے کی تدابیر پر غور کیا، ۲۹ جون ۱۹۶۴ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ اس نتیجہ پر پہونچی کہ ملک کی فرقہ وارانہ بدامنی اور جارحانہ فرقہ پرستی کو اگر اس طرح بے لگام چھوڑ دیا گیا تو جن اہم مقاصد کے لئے ایک صدی کی طویل مدت تک جو جنگ آزادی لڑی گئی وہ سب فنا ہو جائیں گے، جمہوریت، سیکولرزم، آزادی، انصاف کی قدریں مٹ جائیں گی، یہ الفاظ صرف دستور کی زینت بنکر رہ جائیں گے، واقعاتی دنیا میں ان کا کوئی حقیقی وجود نہیں رہ جائیگا، اور سارا ملک ایسے ظالم و جابر سماج کے ہاتھوں میں جکڑ کر رہ جائیگا جہاں انسانیت اور جمہوریت، سیکولرزم کی اعلیٰ قدروں کا کوئی احترام باقی نہیں رہ جائے گا اور ملک تباہی و بربادی اور نراج کی نذر ہو جائیگا۔ مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ ملک کی تمام اہم اقلیتوں کے ممتاز اور اہم نمائندوں اور اکثریت کی ایسی نامور شخصیتوں کا ایک جمہوری کنونشن بلایا جائے جو ملک و قوم کو سچائی، جمہوریت اور سیکولرزم کی راہ پر چلنے کے لئے راہ عمل تجویز کرے، آزادی کی حفاظت، ملک کی ترقی، انصاف اور احترام انسانیت کی بقاء و تحفظ کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا سکے، مجلس عاملہ نے اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی مولانا سیّد اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کی کنوینر شپ میں بنائی جو اس کنونشن کے سلسلہ میں ضروری اقدامات کرے گی۔

غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پھیلائی گئیں

یہ ہندوستانی مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اتنے نازک اور اہم مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے لئے ایک مخلصانہ جدوجہد کی مخالفت بھی مسلمانوں ہی کی طرف سے شروع ہو گئی، جعفر بھائی اور ان کے ساتھیوں نے ممبرانِ پالیمنٹ اور کانگریس تنظیم میں کنونشن کی طرف سے جھوٹی اور غلط افواہیں پھیلائیں، ان لوگوں کو بدگمان کیا گیا اور اپنی سی ہر قسم کی مخالفت کی، بدبختی کی حد یہ تھی کہ کانگریس کی پارلیمنٹری کمیٹی کی ایکزیکیٹو کی میٹنگ میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا لیکن اجیت پرشاد جین اور مسٹر جگجیون رام نے ان کی مخالفت کو ناکام بنا دیا، اچاریہ ونوبا بھاوے

صدر جمہوریہ ہند، پرائم منسٹر اور جے پرکاش نرائن کے ذہنوں میں کنونشن کی طرف سے غلط فہمیاں پیدا کرائی گئیں، لیکن قدرت کو جمعیۃ علماء ہند اور اسکے ناظم عمومی کی کوششوں کو بارآور کرنا تھا اور ان سے یہ کام لینا تھا اس لئے مخالفتوں اور دوسری غلط فہمیوں کے باوجود اچاریہ ونوبا بھاوے اور مسٹر جے پرکاش نرائن نے کنونشن کے لئے اپنے پیغامات بھیجے اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور وزیر اعظم حکومت ہند مسٹر گلزاری لال نندہ نے کنونشن کو خطاب کرنے کے لئے وقت دیا۔

مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی مخالفت

اگر جعفر صاحب نے مخالفت کی تو یہ ان کا اپنا تاریخی حق ہے حیرت یہ ہوئی کہ مسلمانوں کا بزعم خود سب سے گہرا درد رکھنے کا دعوی کرنے والی جماعت جو ہندوستانی نظام حکومت کو طاغوتی نظام کہتی ہے اس نے بھی مسلمانوں کے اس نازک ترین مسئلہ کے حل کے لئے تاریخ کے اس نازک اور خطرناک موڑ پہ ہونے والی کوشش کی مخالفت کی اس کے اخبار نے اپنے ترکش کا سب سے زہریلا تیر چلایا جو آزادی سے پہلے والی مسلم لیگ کا سب سے کامیاب حربہ تھا جس نے ملک کو تقسیم کرالیا اسکو وراثت میں ملا تھا اور لکھا کہ جمہوری کنونشن نہیں بلکہ "ہندو کنونشن" ہے اور ہندؤوں کے روپے کے بل پر ہو رہا ہے کبھی لکھا کہ یہ سرکاری کنونشن ہے ایک مخلص اور بے غرض انسان جب وہ پوری صداقت اور خلوص کیساتھ کام کرتا ہے اور دل کا پورا درد اس کے وجود پر چھا جاتا ہے، اس حال میں اگر اسکو کوئی مکار، فریبی اور ڈھونگی کہتا ہے تو اس کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، اور اس کا دل مایوسی کی تاریکیوں میں ڈوبنے لگتا ہے۔

شرافت اور انسانیت کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے سروں پر لٹکنے والی اس ننگی تلوار کو کوئی بھی ہٹانے کی کوشش کرتا ہے تو اگر اس کی مدد کر سکتے ہو تو کرو اور اگر تم میں خطرات کو مول لینے کی ہمت نہیں ہے تو دور سے تماشائی بنکر تماشا دیکھو اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو مت روکو، شاید وہ کمزور ہاتھ اس ننگی تلوار کو جلادوں کے ہاتھوں سے چھین ہی لے اور انسانیت محفوظ ہو جائے۔

ان ساری مخالفتوں اور غلط فہمیوں کے باوجود یہ کنونشن ہوا، کنونشن کی بنیادی کمیٹی

کی طرف سے چیمس فورڈ کلب نئی دہلی میں ۹ ستمبر ۱۹۶۴ء کو جو اجتماع ہوا اس کے اندر ملک کے سرکردہ رہنماؤں نے شرکت کی اور کنونشن کی ضرورت اور مقصد سے اتفاق کیا، ممتاز شرکاء کے ناموں میں گیانی گورمکھ سنگھ مسافر ایم ، پی ڈاکٹر پی ، این سپرو ایم پی ، ڈاکٹر گوپال سنگھ ایم پی ، ڈاکٹر تاراچند ایم پی ، ڈاکٹر بی راما راؤ شنکر راؤ ایم ، پی ۔ مسٹر کے ڈی مالویہ ایم پی اور دوسرے بہت سے لوگ ،

کنونشن کا مقصد

کنونشن کا واضح مقصد جارحانہ فرقہ پرستی کے خلاف ایک متحدہ مورچہ بنانا تھا، ذہنی وفکری طور پر ہندوستان کی لیڈرشپ کو مسلمانوں کے مخصوص مسائل سے واقف کرانا اور انکے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا تھا اور بغیر اس کے اس بھوت کو ہندوستان کی سرزمین میں دفنایا نہیں جا سکتا ، یقینی طور پر یہ مسلم کنونشن نہیں تھا کیونکہ ۱۹۶۴ء کی فضاء میں ممکن نہیں تھی بلکہ یہ علاج اس کی دوہری موت کا پیش خیمہ بن جاتا ، مسلم اقلیت خود ہدف اور نشانہ تھی اگر ایسا کیا جاتا تو اسے بہت آسانی کے ساتھ مسلم فرقہ پرستی کے احیاء سے تعبیر کر دیا جاتا اور پھر اس کے خلاف ملک میں مورچہ بندی شروع ہو جاتی ، اس سے پہلے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مسلم کنونشن جب بلایا تھا تو جواہر لال نہرو جیسا صاف ذہن صاف دماغ انسان بھی اس کنونشن کا مخالف تھا جب کہ اس وقت کی فضاء آج کے مقابلہ میں غنیمت تھی، آج کی فضا اس سے زیادہ تاریک تھی اب صرف یہی ایک راستہ تھا کہ اکثریت کے صاف ذہن افراد کو لے کر ہی فرقہ پرستی کے خلاف مورچہ بنانا ممکن تھا ، اسی لئے مسلم کنونشن کے بجائے جمہوری کنونشن بلایا گیا اور کوشش کی گئی کہ ہر اقلیت کی باثر شخصیتیں اس میں شامل ہوں ، اگرچہ انکو ان حالات کا سامنا نہیں تھا جو مسلمانوں کو درپیش تھے لیکن بحیثیت ایک اقلیت کے ان کی ہمدردیاں مسلمانوں کو بآسانی ملنے کی توقع تھی اسی توقع کی بنیاد پر یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا ۔

کنونشن اپنے مقصد میں کامیاب رہا

کنونشن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں فرقہ پرستی کے خلاف ایک ذہنی وفکری مورچہ بندی کی جائے کیونکہ فسادات میں تباہی ہمیشہ یک طرفہ ہوئی ، سارے شدائد ومصائب

تنہا مسلمانوں نے برداشت کئے اس لئے وہی اپنی مصیبتوں پر آنسو بہا کر رہ گئے، اس کنونشن نے دستور، جمہوریت، سیکولرزم اور سب سے بڑھ کر انسانیت کے نام پر ہر طرح کے لوگوں کو دعوت دی تھی تاکہ وہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کے مسئلہ کو سمجھیں، اپنی رائے کا اظہار کریں، اس صورت حال کو بدلنے کے لئے جد وجہد کا آغاز کریں اور مسلمانوں کے اس مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کو محسوس کریں، اور اپنے دوسرے بھائیوں کو محسوس کرائیں جو آج مسلمانوں کے لئے سیکولر اور آزاد ہندوستان میں موت وحیات کا مسئلہ بنا ہوا ہے، کنونشن میں سب سے پہلے مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے کنونشن کے مقصد کی وضاحت کی کنونشن کے تمام غیر مسلم مقررین نے مسلمانوں کو حیات بخش پیغامات دیئے اور اپنی دلی ہمدردیوں کا یقین دلایا اور ہر طرح کے تعاون پر آمادگی کا اظہار کیا، اور پھر اس کے خوشگوار اثرات ہوئے، جناب بی رام کرشنا راؤ ایم، پی سابق گورنر اتر پردیش، سابق چیف منسٹر آندھرا پردیش نے خطبۂ صدارت پڑھا آپنے مسلمانوں کے درپیش مسائل پر بہت ہی جرأتمندانہ انداز میں روشنی ڈالی آپنے فسادات کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

> یوپی، مدھیہ پردیش، بنگال، اڑیسہ، بہار میں جو فسادات ہوئے وہ سب منظم تشدد اور قتل وغارتگری کی مثالیں تھے۔ کلکتہ، جمشید پور، راورکیلا اور رانچی میں جو فسادات ہوئے اور جن میں بے گناہ انسانوں کو وحشیانہ طور پر قتل کیا گیا انہیں کسی بھی زاویہ نگاہ سے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ؎

انہوں نے مزید کہا، بعض مواقع پر کچھ افسران نے بھی جن کے ذمہ نظم ونسق کو برقرار رکھنے کا کام تھا اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا، انہوں نے کامل بے توجہی برتی اور انکی آنکھوں کے سامنے مظالم ہوتے رہے وہ مجبور اور خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتے رہے۔

آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا " گذشتہ چند برسوں کے تجربہ کے پیش نظر یہ انتہائی ضروری ہے کہ سیکولر جمہوریت کی حفاظت اور بقاء کے لئے ایک تحریک شروع کی جائے۔

انہوں نے کہا تعلیم یافتہ مسلمانوں میں محرومی اور مایوسی کا ایک عام احساس پایا جاتا ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ انہیں سرکاری ملازمتیں آسانی سے اور اتنی تعداد میں نہیں ملتیں جتنی کہ ملنی چاہئیں وہ محسوس کرتے ہیں کہ سرکاری ملازمتوں میں ان کو ان کا مناسب حصہ نہیں ملتا انکے نزدیک اسکی وجہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ملازمتیں دینے والے فرقہ وارانہ جانب داری سے کام لیتے ہیں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کی اس شکایت کی پورے طور پر تحقیقات ہونی چاہیے، آپ نے آخر میں فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اس کنونشن کی سرگرمیاں محض اظہار خیال اور سجھاؤ دینے تک ہی محدود نہیں رہیں گی میری دعائیں اور نیک خواہشات آپکے ساتھ ہیں "

مسجد عبد النبی میں دفتر

۱۲ جون ۱۹۶۵ء کو جمعیۃ علماء ہند کا جو دفتر گلی قاسم جان پرانی دہلی میں تھا مسجد عبد النبی مارگ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں منتقل کیا گیا یہ مغل دور کی مسجد جو مغل اعظم شہنشاہ اکبر کے زمانہ کے صدر الصدور ملا عبد النبی کے نام سے مشہور ہے صدیوں بعد اس میں نعرۂ اذان بلند ہوا، یہ اجڑا ہوا ویرانہ ایک ڈراؤنا کھنڈر تھا، مرور ایام کے غیر مرئی ہاتھوں نے اس خانہ خدا کو ایک وحشت کدہ میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا؛ اللہ کے کچھ نیک بندوں کی جد وجہد کے نتیجہ میں یہ خانہ خدا پھر آباد ہوا اور ہزاروں لاکھوں مقدس انسانوں کی پیشانیاں اس مسجد کے محراب و ممبر کے سایہ میں خداوند قدوس کی بارگاہ جاہ وجلال میں جھکنے لگیں اور ایک طویل عرصہ کے بعد علماء و مشائخ کے اوراد سحر گاہی سے آباد ہوگئی اور اللہ کے نیک بندوں کی سجدہ گاہ بن گئی، آج یہ مسجد مظلومیت و بے چارگی کے درد سے کراہنے والے ہزاروں مایوس انسانوں کی آخری امید گاہ اور سہارا بن گئی جس کا مادی ذریعہ جمعیۃ علماء ہند کا دفتر ہے جو اسی مسجد کے احاطہ میں واقع ہے، رحمت خداوندی کا فیضان عام خدا کے گھر سے اگر جاری ہے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ جمعیۃ علماء ہند کا نظام آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی تمناؤں کا ایک مادی وجود ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

ہندو پاک جنگ

۱۳ر۱۴ر جون ۱۹۶۵ء کو مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس جب اس نئے دفتر میں ہوا تو ہندوستان پاکستان کی پہلی جنگ شروع ہو چکی تھی، پاکستان ریڈیو نے ہندوستان اور ہندوستانی تہذیب کا استہزا بطور مشن جاری کر رکھا تھا اس کا ردعمل ہندوستان میں یہ ہوتا تھا کہ فرقہ پرست اسے سن کر جل بھن جاتے تھے اور ان کا غصہ بے گناہ مسلمانوں پر اترتا تھا، آزاد کشمیر ریڈیو "ندائے حق" کے نام سے شیطانی قہقہے براڈ کاسٹ کرتا تھا اور اپنے اس خصوصی پروگرام کے لئے مشہور تھا، کشمیر کا مسئلہ متنازعہ چلا ہی آرہا تھا دونوں طرف گرم گرم بیانات کا تبادلہ برسہا برس سے جاری تھا، اقوام متحدہ میں معاملہ زیر بحث تھا، پاکستانی مندوب کی زہریلی تقریریں جلتی پر پٹرول کا کام کیا اور پھر ایکدن دونوں ملکوں کی فوجیں ٹکرا گئیں اور ایک خونریز جنگ کا آغاز ہو گیا، ہندو عوام ہی نہیں حکومت کے بہت سے ذمہ دار بھی مسلمانوں کی طرف سے بدگمان تھے، فرقہ پرستوں نے عام طور پر مشہور کر رکھا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی پاکستان سے ذہنی وابستگی ہے، مسلمانوں کی ہمدردیاں اس جنگ میں پاکستان کے ساتھ ہوں گی، تقسیم ملک کے سترہ اٹھارہ سال گذر جانے کے باوجود مسلمانوں کو پاکستانی ہونے کا طعنہ دیا جارہا تھا اکثر مقامات پر فسادات کا سبب بتاتے ہوئے کہا جاتا تھا کہ مسلمانوں نے پاکستانی جھنڈا لہرایا یا پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے، حالانکہ یہ سب فرقہ پرستوں کی مسلمانوں پر تاخت وتاراج کرنے کے لئے وجہ جواز پیدا کرنے کی مذموم کوشش تھی اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

اس جنگ نے ہندوستانی مسلمانوں کی پوزیشن انتہائی نازک بنادی، جبکہ حقیقت کچھ نہیں تھی، بدگمانیوں کی ایک تیز لہر چل پڑی حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر جو مسلمان تھے انکی طرف سے بھی حکومت مطمئن نہیں تھی، مسلمانوں سے اس عام بدگمانی کا خمیازہ ان مسلمانوں کو بھگتنا پڑا جو بدقسمتی سے ہندو پاک کی سرحدوں پر رہتے تھے، ہندوستان کے ساتھ ان مسلمانوں کی وفاداری ذمہ داروں کی نگاہوں میں بلا وجہ مشکوک تھی، راجستھان کے علاقہ باڑمیر، جیسلمیر وغیرہ (گجرات)، آسام اور دوسرے سرحدی علاقوں سے مسلمانوں کے جبری انخلاء

گرفتاریوں، پولیس کی دہشت انگیزی اور فرقہ پرستوں کی اشتعال انگیزی نے ایک طوفان کی شکل اختیار کرلی، اخبارات بے بنیاد اور جھوٹی خبریں پھیلا کر مسلمانوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رہے تھے اور ایسی فضاء بنا رہے تھے کہ ہر ہندوستانی یہ یقین کرلے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی ہمدردیاں ہی نہیں پاکستان کے ساتھ ہیں بلکہ ہندوستانی مسلمان غداریاں بھی کرسکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ انتہائی نازک اور خطرناک صورت حال تھی۔

جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کے سامنے جب یہ صورت حال آئی تو پورے ملک میں دورے کرکے عوام سے بدگمانی کو اور مسلمانوں سے خوف وہراس کو دور کرنے کی کوشش کی اور حکومت کے تنگ نظر بازو اور فرقہ پرست لیڈر کو چیلنج کیا اور برملا کہا کہ تقسیم ملک کے بعد سے آج تک درجنوں بڑی سے بڑی سازشیں ہندوستان میں پکڑی گئیں، فوج کے سپاہیوں نے، افسروں نے اور عام پولیس سے لیکر کانگریس کے عہدیداروں اور اسمگلروں اور عوام تک کی سازباز سازش، انٹلی جینس اور خفیہ پولیس کے ریکارڈ میں آئی ہیں لیکن آج تک ان سازشوں اور پاکستان سے سازباز میں مسلمانوں کا ایک فرد بھی ملوث نہیں پایا گیا اس کے برخلاف مسلمانوں کو غدار کہنے والوں کے بھائی بند سو فی صدی ان سازشوں میں ملوث پائے گئے، اور ان پر مقدمات چلے اور سزائیں دی گئیں، مسلمانوں کا دامن وطن دشمنی اور ضمیر فروشی کی اس گندگی سے ہمیشہ پاک وصاف رہا کشمیر میں عثمان بریگیڈیئر نے جو کارنامہ انجام دیا، پاکستان سے جنگ میں عبدالحمید نے جو لاثانی خدمت انجام دیں، پھر ہندوستانی فوج کے کرنل شیخ نے پاکستانی فوج کے کرنل اپنے ہی بھائی سے جنگ کرکے اور شکست دیکر مسلمانوں نے ثابت کردیا ہے کہ مسلمان وطنی فرض اور ذمہ داری کے مقابلہ میں خونی رشتہ کی بھی پرواہ نہیں کرتا وطن عزیز سے مسلمانوں کی اس بے پناہ محبت اور اس لئے قربانیوں کا جو شاندار، بے مثال اور لافانی ریکارڈ رہا ہے کیا اس کے بالمقابل کوئی دوسرا ریکارڈ پیش کیا جاسکتا ہے؟ ان حقائق کو جب جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے جلسوں میں کانفرنسوں میں اخبارات میں مسلسل رکھا اور فرقہ پرستوں کے دنداں شکن جواب دیئے اور مسلمانوں کو حوصلہ دلایا تو بتدریج فضاء میں اعتدال آیا۔

۱۳ر ۱۴ر جون ۱۹۶۵ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس نے ان تمام صداقتوں

پر پورے زور استدلال کیساتھ روشنی ڈالی اور پورے ملک میں اسکی نشر واشاعت کی،
عزت وخود داری کی تمام توانائیوں کیساتھ خوشامد وچاپلوسی کی ذلیل ذہنیت کا مظاہرہ کئے
بغیر اس فضا کو بدلنے میں اہم رول ادا کیا اور جب جنگ ختم ہوئی تو ہندوستانی مسلمانوں نے ثابت
کر دیا کہ وطن پر قربان ہونے والوں میں اور وطن عزیز پر آنیوالی مصیبتوں سے ٹکرانے والوں میں
مسلمان سب سے اگلی صفوں میں رہنے والا ہے، اس جنگ کی کامیابی میں دوسروں سے زیادہ
نہیں تو کسی سے کم بھی نہیں مسلمانوں کا حصہ رہا، اس کا اعتراف اس سنگی کتبہ سے کیا گیا جو بنارس
سے اندارا جانیوالی ریلوے لائن کے اسٹیشن جکھنیاں پر لگا ہوا ہے جو ہندوپاک کی جنگ کے
ہیرو عبدالحمید حوالدار کا وطن تھا۔

جمعیۃ علماء کا سالانہ اجلاس کیا گیا

جمعیۃ علماء ہند کا بائیسواں سالانہ اجلاس گیا (بہار) میں ۱۶ اور ۱۷ اپریل
۱۹۶۶ء کو فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صدر جمعیۃ علماء ہند کی صدارت میں ہوا
ملک میں امن وامان کی کیفیت سے بے اطمینانی، روزمرہ کے روح فرسا اور جگر دوز فسادات
کا نظارہ، آئے دن پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل نے رہنماؤں کو تھکا دیا ہے حالات
کی نزاکت کسی بھی اقدام سے پہلے سد راہ بنکر کھڑی ہو جاتی ہے، کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے
سو سو بار سوچ لینے پر مجبور کر دیتی ہے لیکن جمعیۃ علماء ہند اپنے فرض کو پہچانتی ہے اور اپنی ذمہ داریوں
کو محسوس کرتی ہے اور وہ ان سے ایک لمحہ بھی صرف نظر نہیں کر سکتی ہے، اس لئے دستور کے مطابق
مسلمانوں کو ہندوستان میں وہ حقوق اور وہ مقام نہیں ملتا جو دستور نے انہیں دے رکھا ہے
تو وہ اپنی بے چینیوں کے اظہار کئے بغیر نہیں رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ گیا کے اس اجلاس عام میں
ایک طویل ترین تجویز میں جو اجلاس عام میں پیش کی گئی ان سارے حالات پر روشنی ڈالی ہے جو
مسلمانوں کے امن وچین تباہ کرنے کا باعث بنیں اور جمعیۃ علماء ہند کی نگاہ میں وجہ تشویش ہیں
صاف لفظوں میں کہا گیا کہ۔

"جمعیۃ علماء ہند ہمیشہ سے سیکولرزم کی حامی اور مؤید رہی ہے یہاں تک کہ
وہ اپنے آپکو سیکولرزم کے بانیوں اور معاونوں میں شمار کرتی ہے، اس کی نگاہ

میں سیکولرزم کا جو مفہوم ہے وہ بہت صاف ہے وہ ایک ایسا نظام حکومت
ہے جو مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے الگ ہو کر تمام شہریوں کی جان مال،
آبرو، آزادی فکر و رائے جیسے بنیادی شہری حقوق کی حفاظت کا ضامن ہو......
اس نظام حکومت کے تحت ہر فرقہ چاہے وہ مذہبی بنیاد پر ہو یا لسانی، جغرافیائی
اور نسلی بنیاد پر ہر ایک اپنی جگہ پر مطمئن ہو کوئی کسی سے امتیازی سلوک کا زخم
خوردہ نہ ہو اور نہ کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کیا جائے جس سے کسی ایک فرقہ
کو دوسرے فرقہ پر مسلط ہونے کا رجحان پرورش پائے کیونکہ ملک میں کسی بھی
فرقہ یا اقلیت کیساتھ امتیازی سلوک صرف اس فرقہ کو تباہ یا غیر مطمئن نہیں کریگا
بلکہ دوسرے فرقوں کے بھی امن اور چین پر اثر انداز ہوگا، اور جس سے فرقہ
وارانہ جارحیت کا رجحان پیدا ہوگا، جسکے زہریلے اثرات اندرونی خلفشار
تک نہیں بلکہ ملک کی سالمیت اور اس کی تقسیم در تقسیم تک متعدی ہو سکتے ہیں
جو وطن عزیز کی عزت و وقار کے لئے زہر قاتل ہے۔ گذشتہ ۱۹ سالوں میں
جب بھی مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرستوں نے کوئی ہنگامہ برپا کیا اور جمعیۃ
علماء ہند نے اس کے خلاف جو کچھ احتجاج کیا تو اس کے سامنے مسلمانوں
کے نقصان کے ساتھ ساتھ وطن عزیز کی سالمیت کا مسئلہ بھی رہا ہے اور
زمام اختیار کے ذمہ داروں کو اس عظیم خطرہ سے آگاہ کیا ہے، جس کا ارباب
اختیار نے ہمیشہ اور برملا اعتراف کیا ہے مگر عملی طور پر مسلمانوں کی حقیقی
شکایتوں کو ملکی مسئلہ کی حیثیت دیکر انکے ازالے کی کبھی بھی مخلصانہ کوشش
نہیں کی گئی، جبل پور کے ہنگامہ کے بعد مغربی بنگال، اڑیسہ، بہار اور مدھیہ
پردیش میں جس طرح دو سال قبل قیامت برپا کی گئی جس نے جبل پور کی خونی
ہنگامہ کو بھی گرد کر دیا ہے جمعیۃ علماء ہند اس کو صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ
پورے ملک کا نقصانِ عظیم تصور کرتی ہے اور سالمیت وطن کے لئے
خودکشی کے مرادف سمجھتی ہے۔

ان ہنگاموں کے علاوہ ملک کے تقریباً چھ کروڑ مسلمانوں کو احساس ہے کہ ہر موقع پر ان کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اس نے ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے، اسکول کی سطح سے لیکر کالجوں، یونیورسٹیوں اور مقابلہ کے امتحانات میں جس طرح ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے، لوکل باڈیز، لیجلیچر میں نمائندگی کی تعداد کم کی جا رہی ہے، اہم کمیشنوں کے تقرر میں بھی مسلمانوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کئے جاتے ہیں اور کروڑوں نفوس کی شیریں، خوبصورت اور مشترک زبان اردو کے خلاف معاندانہ روش ١٩ سال سے مسلسل کیجا رہی ہے کیا یہ سب کچھ ارباب اختیار کے ہاتھوں سیکولرزم کی کھلی ہوئی پامالی نہیں ہے؟

تاریخ اور کورس کی کتابوں میں مسلم دشمنی اور مخالف اسلام مواد شامل کیا جا رہا ہے جس سے فرقہ پرستی کا زہر دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور ایک فرقہ کو ختم کرنے اور اکثریت کے ذہن و دماغ کو اقلیت پر مسلط کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے، انتہا یہ ہے کہ عام شہری حقوق میں بھی امتیاز برتا جا رہا ہے فرقہ پرست پریس مسلمانوں کے خلاف اشتعال پھیلاتا ہے اور ارباب اختیار احساس و اعتراف کے باوجود قانونی گرفت سے گریز کرتے ہیں جس سے فرقہ پرستوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، کیرالہ، گورکھپور، لکھنؤ، بنگال وغیرہ میں مختلف یونیورسٹیوں کے طلبہ قانون شکنی اور تشدد کے باوجود رہا کر دیئے جاتے ہیں لیکن مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے طلبہ کو تعزیری شکنجہ میں اس طرح کسا گیا ہے کہ اس میں ڈھیل کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، انتہائی کوششوں کے باوجود پولیس کیمپ وہاں سے نہیں ہٹایا گیا اور خود مسلم یونیورسٹی جو مسلمانوں کی صد سالہ جد وجہد کا نتیجہ اور ہندیونین کو سیکولر کیریکٹر کا بین الاقوامی ادارہ ہے، وسعت نظر اور قومی دھارے کے پردے میں نفرت انگیز تنگ نظری کا نشانہ بنی ہوئی ہے، کبھی اس کے نام پر حملے ہوتے ہیں، کبھی اس کے کردار پر

حملہ کیا جاتا ہے ۔

جمشید پور، راوڑکیلا ، بنگال وغیرہ کے قیامت خیز یک طرفہ فسادات کے متعلق انکوائری کی تمام درخواستیں اور تمام احتجاج بے اعتنائی اور لاپرواہی کی نذر ہو گئے قومی یک جہتی کے بلند بانگ دعووں نے بھی ان کی طرف التفات نہیں کیا ۔

بلاشبہ ارباب اقتدار کی یہ فرض شناسی قابل تعریف ہے کہ پنجابی صوبہ کے سلسلہ میں جب گڑبڑی ہوئی تو اس کا فوراً نوٹس لیا گیا ، ڈیوٹی پر موجود حکام کی گوشمالی کی گئی ، مظلومین کے جانی مالی نقصانات کا معاوضہ دیا جانا طے کیا گیا ، تحقیقاتی کمیٹیاں قائم کی گئیں اور یک جہتی باقی رکھنے کے لئے وفود بھی گشت کرنے لگے لیکن اس بیداری نے جس امتیازی سکون اور عملی تضاد کی مثال پیش کی کیا سیکولرزم کا کوئی بھی سچا حامی اس کی اجازت دے سکتا ہے ؟ اور کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ جان و مال عزت و آبرو کے تحفظ میں مسلمانوں سے سوتیلوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے ؟

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس طرح کے نفرت انگیز امتیازات پر اپنے دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے اور ارباب اختیار کو آگاہ کرتا ہے کہ ان کی یہ روش مسلم اقلیت سے کہیں زیادہ ملک کے لئے تباہ کن ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ملک کے ہر فرد ہر طبقہ میں بے اعتمادی بڑھ رہی ہے ، تخریبی عناصر ترقی کر رہے ہیں لا اینڈ آرڈر کی مٹی پلید کی جا رہی ہے اور ملک کی سالمیت کے لئے خطرات روز افزوں ہیں بایں ہمہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس جس طرح ان تمام مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کرتا ہے جو ان امتیازات کے شکار ہیں ان کو یہ بتلا دینا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنے حوصلے پست نہ کریں ، انفرادی جماعتی اور وطنی ترقیات میں سرگرم رہیں اللہ پر اعتماد کر کے خود اپنے اندر استحکام اور قوت پیدا کریں ۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ اس موقعہ پر جبکہ مذکورہ امتیازات کی وجہ سے سیکولرزم کی بنیادیں ہل رہی ہیں جمعیۃ علماء ہند کا ایک وفد وزیر اعظم ہند اور صدر کانگریس سے جلد از جلد ملاقات کر کے مذکورہ حقائق اور ان کے نتائج کی طرف توجہ دلائے اور ان کے تدارک کا مطالبہ کرے۔

آسام کا مسئلہ کیوں حل نہیں کیا جاتا۔

آسام کے مسلمانوں کے خلاف مسلسل تحریک چلائی جارہی ہے مفاد پرست اور فرقہ پرست عناصر اپنی مسموم ذہنیت کے نتیجہ میں اکثر فتنے برپا کرتے ہیں برسوں سے آسامی مسلمان خطرات میں گھرے ہوئے زندگی گذار رہے ہیں اس سے پہلے مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے ایک فیصلہ کے مطابق آسام کو ایک وفد بھیجا جانا طے ہوا تھا چنانچہ مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند، ممبران پارلیمنٹ کا ایک وفد لیکر آسام گئے اس وفد میں ڈاکٹر گوپال سنگھ، ریڈی صاحب، بیگم انیس قدوائی ممبران پارلیمنٹ شامل تھے تاکہ یہ حضرات موقع پر بچشم خود دیکھ سکیں مسلمانوں کی دردبھری کہانیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر سن سکیں پھر اس کی روشنی میں افسران اور حکومت آسام کے ذمہ داروں سے نیز مرکزی گورنمنٹ سے گفتگو کر سکیں اور پارلیمنٹ میں اس سوال کو اٹھائیں، چنانچہ یہ مقصد پورا ہوا، اس کے اچھے اثرات ہوئے، آسام کے مسلمانوں کو بہت کچھ سہولتیں ملیں اور پارلیمنٹ میں آسام کے مسلمانوں سے ہمدردی کرنے والے اور ان کی وکالت کرنے والے پیدا ہو گئے، کئی ایک غیر مسلم ممبران پارلیمنٹ نے آسام کے مسلمانوں کے کیس کو پارلیمنٹ میں ہمدردانہ رکھا تھا،

آج کل پھر مسلمانوں کے اخراج کی تحریک پھر زور پکڑ رہی ہے اس لئے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام (گیا) نے پھر حکومت کو اس طرف توجہ دلانا ضروری سمجھا اور ایک تجویز اجلاس عام میں پیش کی گئی۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے کہ آسام کے انڈین شہری مسلمانوں کے جبری انخلاء کے سلسلہ میں شکایات بدستور ہیں اور یہ تکلیف دہ صورت حال کسی طرح ختم نہیں ہو رہی ہے، حکومت کے قائم کردہ ٹریبونل کے ذریعہ بھی مشکلات کا ازالہ نہیں ہو سکا ہے اور شری گلزاری لال نندہ وزیر داخلہ حکومت ہند کی یقین دہانی کے باوجود قومی رجسٹر کی نقل جمعیۃ کے کانگریس اور سرکاری دفاتر میں نہیں رکھی گئی ہے۔

اس لئے جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ آسام کے انڈین شہری مسلمانوں کو آئے دن کے مصائب سے نجات دلانے کے لئے شناختی کارڈ دیئے جائیں اور شکایات پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔

وزیر اعظم حکومت ہند سے ملاقات

مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ۲۶ نومبر ۱۹۶۶ء کو ہوا اس سے پہلے مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے مجلس عاملہ کے مرتب کردہ میمورنڈم کو لے کر وزیر اعظم حکومت ہند سے ملاقات کی تھی، اس میمورنڈم میں کئی مسئلوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی اس میں علیگڈھ مسلم یونیورسٹی اور اردو زبان کا بھی مسئلہ تھا اور فسادات کے سدباب کرنے کے لئے اقدام کرنے کا مطالبہ تھا اور انسداد فساد کے لئے کچھ نکتے پیش کئے گئے تھے۔

وزیر داخلہ مسٹر گلزاری لال نندہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد ایک مشاورتی میٹنگ بلاکر ان نکتوں پر غور کریں گے اور جو پالیسی طے کی جائیگی اس کی اطلاع دیدی جائے گی، لیکن ۷ نومبر ۱۹۶۶ء کو انہوں نے وزارت سے استعفاء دیدیا اس لئے اس پر کوئی کاروائی نہ ہو سکی اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک نئی تجویز کے ذریعہ حکومت کو یاددہانی کی جائے۔

اس تجویز میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور اس کے ان طلبہ اور دوسرے لوگوں پر جو مقدمات چل رہے تھے اور وہ اٹھالئے گئے تھے اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے یہ امید

ظاہر کی گئی کہ یونیورسٹی کے جو بقیہ معاملات ہیں وہ بھی تشفی بخش طور پر جلد از جلد طے کر دیئے جائیں گے اس تجویز میں یہ بھی کہا گیا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کے ایک وفد نے ۱۴ جون ۱۹۶۷ء کو جو میمورنڈم دیا تھا اس میں دوسرے مطالبات بھی تھے جس میں انسداد فسادات اور اردو زبان کو اس کا جائز اور دستوری حق دینے کا بھی مطالبہ تھا اس کے بعد تجویز میں لکھا گیا کہ ۔

"یہ مطالبات نئے نہیں ہیں، گذشتہ اٹھارہ انیس سال سے بار بار یہ مطالبات پیش کئے جاتے رہے ہیں لیکن اب تک کوئی نتیجہ خیز عملی قدم نہیں اٹھایا گیا ان حالات میں مجلس عاملہ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور ان کے توسط سے حکومت ہند سے ایک بار اور مطالبہ کرتی ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے دیئے گئے میمورنڈم میں مسلمانوں کی جن شکایات کے ازالہ اور جن مطالبات کو جلد از جلد پورا کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے اور ان کے بارے میں واضح اور مثبت عملی اقدام کیا جائے"۔

مجلس عاملہ نے تجویز منظور کرنے کے بعد ناظم عمومی مولانا سید اسعد مدنی کو ہدایت دی کہ وہ اس تجویز کو مجلس عاملہ کے احساسات و تاثرات کے ساتھ وزیر اعظم حکومت ہند کو بھیج دیں اور واضح کر دیں کہ ان کے جواب کی روشنی میں جمعیۃ علماء ہند اپنے اگلے اقدام کا فیصلہ کرے گی ۔
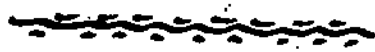
مسلم پرسنل لاء

مسلم پرسنل لاء کا مفہوم ہی یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا نجی اور خاص قانون ہے نہ اس سے کوئی مسلمان باہر جا سکتا ہے جب تک وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اور نہ کسی دوسرے شخص پر اس قانون کا نفاذ ہو سکتا ہے جب تک وہ مسلمان نہ ہو، اس کے نفع و ضرر کا دائرہ مسلمانوں تک محدود ہے مسلمان جب تک مسلمان ہے وہ اس کا پابند ہے اگر وہ اس کی پابندی کو پسند نہیں کرتا تو اس کو سب سے پہلے یہ اعلان کرنا ہوگا کہ وہ مسلمان نہیں ہے اس اعلان کے بعد اسکے لئے کھلا ہوا میدان ہے، اس قانون کی زد سے وہ از خود بچ جائے گا لیکن اگر وہ ایک طرف یہ بھی دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے اور اس کا دین اسلام ہے، دوسری طرف وہ یہ کہے کہ میں مسلم پرسنل کو نہیں مانتا تو یہ تضاد اسلامی معاشرہ میں نہیں چل سکتا یہ انسانوں کا مرتب کردہ عائلی قانون نہیں کہ ملک، نسل، آب و ہوا، ذہن و مزاج، ماحول اور حالات کے پیش نظر اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہے، مسلم پرسنل لا کے تحت جتنے مسائل اور زندگی کے جتنے پہلو آتے ہیں ان میں سے کسی میں بھی انسانی فکر کی دخل اندازی نہیں ہے جو کچھ ہے وہ مذہب اسلام کے بنیادی دستور سے مستنبط ہے اس لئے کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کو پسند کرتے ہیں، ہمارے ملک میں جب انگریز آئے تو کچھ لوگوں نے اپنا دین و ایمان، ضمیر اور غیرت و حمیت کو اس کے پاس گروی رکھ دیا تھا، اسی طرح آزادی کے بعد کچھ ایسے لوگ سامنے آئے جو اسی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، ابھی ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی محدود ہے ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، لیکن ایک طبقہ اور ہے جو یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں بیش قرار تنخواہوں پر تعیش کی زندگی گذار رہا ہے ان میں سے اکثر ایسے گھروں سے آئے ہیں جہاں دینی ماحول بھی تھا اور معاشی پسماندگی بھی، اس طبقہ نے

بھی ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی پھر اتفاقات نے اسے جدید تعلیم کا موقع فراہم کر دیا، نئے ماحول اور نئی زندگی کی چمک دمک میں اس کی فکر ونظر نے پر پرزے نکالے اور اس نے پرانا لباس اتار پھینکا اور دور جدید کی قبائے زرنگار زیب تن کر لی اور شکل وصورت کو بھی نئے سانچے میں ڈھال لیا، جدید وقدیم تعلیم کا لکچر بہت سے طلبہ کو راس نہیں آتا اور خلل دماغ کا سبب بن جاتا ہے، مرے سامنے ایسی سیکڑوں مثالیں ہیں، ایسے لوگ بھی تجد دپسندی کی دھن میں مسلم پرسنل لا پر دبے دبے لفظوں میں تنقید کرتے ہیں وہ اپنے گردوپیش اور ماحول کی مجبوری کی وجہ سے وہ صاف اور غیر مبہم الفاظ میں اظہار خیال نہیں کرتے.... لیکن انکے دلوں کا بھی چور یہی ہے کہ مسلم پرسنل لا کوئی صحیفۂ آسمانی نہیں کہ اس میں ترمیم نہ کی جاسکے،

"تین ہی مسئلے ایسے ہیں جن پر خصوصیت سے زور دیا جاتا ہے، تعدد ازدواج، طلاق کا حق اور پردہ، وہ لکھتا ہے کہ۔

> "ایک فرسودہ قسم کے مسلم پرسنل لا کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت مردوں کی باندیوں سے بڑھ کر نہیں ہے اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ ایسا قائلی قانون وضع کیا جائے جس میں عورتوں کو مردوں کے مساوی جگہ مل سکے۔[1]

تجد دپسندی کا سارا زور بیان اسی پر صرف ہوتا ہے اور بات سمٹ سمٹ کر صنف نازک پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں ان لوگوں سے جو عورتوں کو مردوں کے مساوی درجہ دینا چاہتے ہیں میرا صرف ایک سوال ہے وہ یہ کہ از راہ کرم یہ بتائیں کہ کس ملک کا وہ مثالی معاشرہ اور آئیڈیل سماج ہے جسکے نمونہ پر وہ ہندوستانی سماج یا کم از کم مسلم سماج کو ڈھالنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا کوئی مثالی معاشرہ اس کرۂ ارضی پر موجود ہے تو اس کی نشاندہی فرمائی جائے تاکہ انسانی مجد وشرف کے معیار پہ اسکی خوبیوں اور برائیوں کو پرکھا جاسکے لازمی طور پر ہمیں یہ جاننے کا

---

[1] مسلمان اور سیکولر ہندوستان شائع کردہ مکتبہ جامعہ دہلی ص ۱۲۰ -

حق ہے کہ اس مثالی سماج میں کتنی کمزوریاں، برائیاں، تلخیاں، جرائم، انابت، آزاد محبت قتل، اغوار، زنا بالجبر کے واقعات کا اسلامی معاشرہ کے مقابلہ میں کیا تناسب ہے اگر اس مثالی سماج میں برائیاں اسلامی معاشرہ سے کہیں زیادہ ہیں تو اس کی تقلید کا مشورہ دوسروں کو دینے کا آپ کو کیا حق ہے، اور اگر ایسا کوئی مثالی معاشرہ سطح ارضی پر موجود نہیں ہے آپ خود ایک مثالی معاشرہ اور آئیڈیل سماج کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ گیا کارنٹی ہے کہ آپ کے تحقیق کردہ سماج میں اس سے زیادہ برائیاں نہیں ہوں گی؟

اس میں مسلم پرسنل لا کی بات پھر تو غیر مسلم فرقہ پرست مسلمانوں سے بغض و عداوت کی بنا پر کرتے ہیں مسلمانوں کی تجدد پسند طبقہ بطور فیشن کے یہ بات کرتا ہے یا کچھ دماغوں میں کچھ جراثیم ہیں جو کلبلاتے رہتے ہیں اور ان کا کبھی کبھی ظہور ہو جاتا ہے ورنہ یکساں عائلی قانون نہ وقت کی ضرورت ہے اور نہ اسکی اہمیت ہر مذہب و ملت اور ہر قوم کے کچھ اصول اور قوانین ہوتے ہیں ان کا وجود ہی اس مذہب یا قوم کے وجود کی دلیل ہوتا ہے، ہر تہذیب کے الگ الگ مظاہر ہوتے ہیں جن کے بغیر کوئی تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی، مسلم پرسنل لا بھی اسلامی زندگی کا جزو لاینفک ہے اس کے بغیر کوئی اسلامی معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا آزادی کے بعد سے کبھی کبھی ہمارے ملک میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا ذکر چلتا رہتا ہے۔

مسلم پرسنل کے متعلق جمعیۃ علماء ہند ان گنت بار اعلان کر چکی ہے کہ اس میں کسی طرح کی ترمیم، تنسیخ اور مداخلت جمعیۃ علماء ہند کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی اور وہ متعدد تجویزوں میں اپنے اس مستحکم عقیدہ کا اظہار کر چکی ہے ۲۷/ اگست ۱۹۶۶ء وزارت قانون حکومت ہند کی طرف سے ایک مراسلہ دہلی ایڈمنسٹریشن دہلی اسٹیٹ کے ذریعہ جمعیۃ علماء ہند کو موصول ہوا، اس میں جمعیۃ علماء ہند سے مسلم پرسنل لا کے ایک خاص جزء کے سلسلہ میں رائے مانگی گئی تھی، مراسلہ درج ذیل ہے۔

خط دہلی ایڈمنسٹریشن دہلی اسٹیٹ۔

"وزارت قانون حکومت ہند کے سکریٹری کے خط کی نقل ارسال خدمت ہے، براہ کرم اس سلسلہ میں ۱۵/ نومبر ۱۹۶۶ء تک دہلی ایڈمنسٹریشن کو اپنی رائے

سے آگاہ کریں ورنہ یہ سمجھا جائیگا کہ آپ اس موضوع پر کوئی رائے نہیں رکھتے۔
وزارت قانون حکومت ہند کا خط۔

موضوع یکساں شہری قانون کا نفاذ۔

میں آپکی توجہ آئین ہند کی دفعہ ۴۴ کی طرف لانا چاہتا ہوں جو ریاستی پالیسی کی رہنمائی کرنے والے اصولوں سے متعلق ہے اور جس میں شہریوں کے لئے یکساں شہری ضابطہ کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں قانون کے جملہ شعبوں میں شخصی قانون کے علاوہ یکساں قانون رائج ہیں اور دفعہ ۴۴ کا مقصد ہے کہ ہندوستان کے تمام شہریوں کے لئے یکساں ضابطہ (سول کوڈ) رائج کیا جائے۔

دستور ساز اسمبلی میں ڈاکٹر امبید کرنے آئین کے مسودوں کی دفعہ ۲۵ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ "شہری قانون میں شادی اور وراثت کے وہ شعبے ہیں جہاں شہری قانون کا گذر نہیں ہو سکا ہے۔

حال میں پارلیمنٹ میں سوالات پوچھے گئے ہیں جن میں شادی، طلاق اور وراثت کے سلسلہ میں یکساں شہری قوانین کے نفاذ کا خصوصی طور پر مطالبہ کیا گیا ہے، آپ اس بات سے واقف ہیں کہ مسلمان کے علاوہ ہندوستان کے بقیہ لوگوں میں ایک ازدواجی نظام رائج ہے اس لئے بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں میں کثرت ازدواج کو ختم کیا جائے یا نہیں؟ پارلیمنٹ کے بعض اراکین نے مطالبہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں بھی یکساں ازدواجی نظام رائج کیا جائے، لیکن مسلمانوں میں اس مسئلہ پر اختلاف رائے ہے، بہت سے لوگ کثرت ازدواج کے خاتمہ کے حق میں نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ شریعت (مسلم شخصی قانون) ان کے مذہب کا حصہ ہے اس لئے دستور کی دفعہ ۲۵ اور ۲۹ کے تحت محفوظ ہے، لیکن ان کے ساتھ ہی سارے ملک میں یکساں شہری قانون کا نفاذ کا مقصد اس وقت تک کبھی پورا نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں پر

بھی اس کا نفاذ نہیں ہوتا۔

پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر قانون نے لوک سبھا میں کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے قبل وہ اس معاملہ میں ریاستی حکومتوں کی رائے معلوم کریں گے اس کے بعد ہی شادی، طلاق، اور وراثت کے متعلق یکساں قانون پیش کئے جانے کا فیصلہ کیا جائیگا اس سلسلہ میں ریاستی حکومت کی رائے جلد از جلد پیش کی جائے۔

جمعیۃ علماء ہند کا جواب باصواب

جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مندرجہ ذیل تفصیلی جواب دہلی ایڈمنسٹریشن کی معرفت وزارت قانون حکومت ہند کو بھیجا گیا، یہ جواب مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء کا جو مضبوط نقطہ نگاہ اس کی صحیح ترجمانی ہے جواب ملاحظہ ہو۔

از:- اسعد مدنی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند

۱ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی۔ ۱

بخدمت مسٹر دی، بی، تھینس انڈ سکریٹری لا اینڈ جوڈیشیل۔

محترم! آپ کا خط نمبری F 19 C 187/66 مورخہ ۲۵ راکتوبر ۱۹۶۶ء ملا، شکریہ، اس سلسلہ میں آپ کو ایک خط مورخہ ۳۰ راکتوبر ۱۹۶۶ء کو لکھ چکا ہوں جس میں لکھا تھا کہ اس مسئلہ کو آل انڈیا جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی میں پیش کرکے جواب سے مطلع کروں گا ورکنگ کمیٹی اس مہینہ کے آخر میں ہونے والی ہے، چونکہ اس میں ابھی تاخیر ہے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ جماعت کے رجحانات کی روشنی میں آپ کو جواب سے مطلع کر دوں، ورکنگ کمیٹی ہونے پر اس کی رائے سے بھی مطلع کر دوں گا، یونیفارم سول کوڈ" کے بارے میں مسلمانوں کے متعلق حسب ذیل امور قابل توجہ ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے پرسنل میں جو امور آتے ہیں مثلاً شادی، طلاق، خلع اور

وراثت وغیرہ وہ کسی سوسائٹی، شخص، یا اشخاص کے بنائے ہوئے نہیں ہیں نہ وہ تہذیبی اور رسم ورواج کے معاملات ہیں بلکہ وہ بھی نماز، روزہ، حج، وغیرہ کی طرح مذہبی احکام کا حصہ ہیں اور مقدس قرآن کریم سے گائڈ ہوتے ہیں قرآن کریم مسلمانوں کے نزدیک خدائے پاک کا کلام ہے اور مذہب اسلام کی سب سے مقدس محترم کتاب ہے اور شرعی احکام کا مخزن ہے وہ کسی انسان یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۲ — قرآن میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی غیر مبہم اور واضح اجازت درج ہے۔

۳ — قرآنی قوانین یعنی مذکورہ بالا اسلامی قوانین نہ کسی مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے ہیں نہ کسی حکومت کے نافذ کردہ ہیں اس لئے ان میں ترمیم یا تبدیلی کا حق کسی کو نہیں ہے۔

۴ — مذکورہ بالا قوانین اور احکام میں کسی طرح کی بھی تبدیلی کی کوشش دین اسلامی میں صریح مداخلت ہے۔

۵ — یہ قوانین صرف مسلمانوں کے لئے واجب العمل ہیں ان قوانین کو نہ تسلیم کرنے والا مسلمان گنہگار ہوتا ہے۔

۶ — ان قوانین کا دوسرے شہریوں سے کوئی تعلق نہیں ہے ان قوانین کے لئے صرف اس شخص پر پابندی لازم ہوتی ہے جو مذہب اسلام کا پیرو ہو،

۷ — یہ قوانین کسی بھی امن عامہ میں مخل نہیں ہوئے اور نہ کسی طرح مخل ہیں۔

۸ — تعدد ازدواج لازم نہیں کیا گیا ہے بلکہ کچھ خاص حالتوں میں خاص شرائط کے ساتھ اجازت دی گئی ہے اس لئے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک سے زائد شادی کرنے کی تعداد ایک فی صدی بھی نہیں ہے۔

۹ — کانسٹی ٹیوشن آف انڈیا کی دفعہ ۲۵ اور دفعہ ۲۹ میں مذہبی آزادی کے تحفظ کی گارنٹی دی گئی ہے اس لئے ان قوانین میں کسی طرح کی بھی تبدیلی... کانسٹی ٹیوشن میں دیئے گئے بنیادی حقوق اور یقین دہانی کے خلاف ہوگی۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ مسلمان بہت سے مصائب اور مشقتیں برداشت کر لیتے ہیں لیکن وہ اپنے مذہبی امور میں مداخلت اور دین کی توہین کبھی برداشت نہیں کر سکے ہیں اور انہوں نے دین کے تحفظ کے لئے بڑی بڑی قربانی دینے سے بھی کبھی گریز نہیں کیا ہے، مذہب کے مسئلہ میں نہ ان کے لئے پاکستان کی غیر شرعی غیر جمہوری حکومت کے اعمال حجت ہیں اور نہ انڈونیشیا، مصر، اور مراکش کے وہ پابند ہیں، انکے پاس قرآن اور حدیث ہے، شریعت ہے، مذہبی احکام موجود ہیں وہ اگرچہ اپنی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے پوری طرح عمل نہ کر پاتے ہوں لیکن وہ دین کی توہین یا اس میں مداخلت کو کبھی برداشت نہیں کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ اور روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے جذبات سے نہ کھیلا جائے گا اور مذکورہ مسائل جو مذہب کے اجزاء ہیں ان کو چھیڑ کر ۶ کروڑ مسلمانوں کو بے چین نہ کیا جائے گا ورنہ حکومت کے سیکولر کیریکٹر کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے اور اس سے انٹی سیکولر اور رجعت پسند عناصر فائدہ اٹھائیں گے۔

یوم پرسنل لا منایا جائے

وزارت قانون کا رجحان ممبرانِ پارلیمنٹ کے مطالبہ کی وجہ سے اس طرف تھا کہ اگر ریاستوں کی طرف سے یکساں سول کوڈ کے حق میں رائے آجاتی ہے تو ملک میں یکساں سول کوڈ کا قانون بنا کر نافذ کر دیا جائے، ضابطہ کے جواب کے بعد ضرورت تھی کہ اس سلسلہ میں رائے عامہ کو بیدار کیا جائے اور اس رجحان کے خلاف عوامی مظاہرے ہوں،

۲۷ر نومبر ۱۹۶۶ء کو مجلس عاملہ کے جلسہ میں وزارت قانون حکومت ہند کے مکتوب اور وزیر قانون کے اس جواب پر جو انہوں نے مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں پارلیمنٹ میں دیا تھا، غور کیا گیا، ناظم عمومی کے جواب کی نقل اجلاس میں رکھی گئی، جواب کی تحسین کی گئی، حالات و رجحان اور معاملہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا گیا کہ حکومت ہند کو مسلم پرسنل لا

سے متعلق مسلمانان ہند کے جذبات و احساسات محسوس کرانے کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی ہمہ گیر اقدام کیا جائے۔ طے کیا گیا کہ پورے ملک میں ۲۴ ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو "یوم مسلم پرسنل لا" منایا جائے اور پورے ملک میں بڑے بڑے اجتماعات ہوں ان میں تجویزیں پیش ہوں اور منظوری کے بعد حکومت ہند کے پاس بذریعہ صدر جمہوریہ ہند بھیجا جائے، اخبارات میں اپیل شائع کردی گئی مجلس عاملہ نے ایک تجویز میں اپنی صاف اور غیر مبہم رائے ظاہر کر کے تجویز حکومت ہند اور وزارت قانون کو بھیجدی گئی تجویز کے الفاظ تھے۔

" مجلس عاملہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ تعدد ازدواج، نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ کے احکام قرآن وحدیث کے نصوص سے ثابت ہیں اور مسلم پرسنل لا شریعت اسلامیہ کا ایک غیر منفک جزو ہے، مجلس عاملہ مسلم پرسنل میں کسی بھی ترمیم کے اقدام کو مداخلت فی الدین تصور کرتی ہے اور ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے عقائد اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ واضح کردینا چاہتی ہے کہ مسلمان اپنے دینی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرسکتے اور نہ کسی دوسرے ملک کے کسی عمل کو اپنے لئے دلیل راہ بنا سکتے ہیں، مجلس عاملہ ارکان حکومت پر یہ واضح کردینا چاہتی ہے کہ مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو دستور ہند کی رو سے جو مذہبی بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں اور مسلم پرسنل کے تحفظ کا جس طرح صراحت سے ذکر کیا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ جمہوریت اور سیکولرزم کی بنیادیں نہ ڈھائی جائیں اور مسلم اقلیت کے بنیادی حقوق کو پامال کر کے مسلمانوں کے جذبات سے نہ کھیلا جائے اس کے نتائج ملک وقوم دونوں کے لئے مضر اور جمہوری زندگی کے لئے مہلک ہوں گے، ہر ایک مسلمان کا پختہ عقیدہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے اور اس کے احکام ناقابل ترمیم ہیں اور مسلم پرسنل لا دین اسلام کا ایک لازمی جزو ہے، مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی چھوٹی یا بڑی ترمیم انکے عقیدہ کے لئے چیلنج ہے۔

مجلس عاملہ حکومت پر یہ بھی واضح کردینا چاہتی ہے کہ پارلمنت اور

ریاستی قانون ساز اسمبلیاں دینی معاملات میں جمعیۃ علماء ہند یا عام مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی ہیں۔ لہذا قانون یا کسی دیگر ذرائع سے مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم یا ردوبدل کی گئی تو جمعیۃ علماء ہند اور مسلمانان کے لئے وہ ناقابل قبول ہوگی اور یہ سراسر آئین ہند کے خلاف ہوگا اور اس طرح جو صورت حال پیدا ہوگی اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی "

اور کارواں چلتا رہا ....

۱۹۶۵ء ہند و پاکستان جنگ ہوئی، اس جنگ کا اثر ملک کی معیشت اور عام سماجی زندگی پر پڑا اور ۱۹۶۶ء تک اس کے اثرات رہے یہ پورا سال گڑبڑی اور ہنگاموں کا سال رہا یہ ہنگامے جن میں فرقہ وارانہ اور سیاسی نوعیت کے ہنگامے دونوں شامل ہیں ۱۹۶۷ء کے الیکشن تک رہے، ۱۹۶۷ء میں جنرل الیکشن ہوا اس الیکشن کے نتیجہ میں کانگریس کئی صوبوں میں اقتدار سے محروم ہو گئی اور مرکز میں بھی کانگریس کو اکثریت حاصل نہ ہو سکی، جنوری ۱۹۶۶ء میں لال بہادر شاستری وزیر اعظم ہند جو جواہر لال نہرو کے بعد پرائم منسٹر ہوئے تھے تاشقند میں راہی ملک بقا ہو گئے، اس کے بعد ملک کی زمام اختیار مسز اندرا گاندھی کے ہاتھوں میں آئی، یہ وہ وقت تھا جب ملک میں ایک عام کانگریس مخالف فضا پیدا ہو چکی تھی، کئی سیاسی پارٹیاں ابھر کر سامنے آئیں مسلمانوں میں مسلم مجلس مشاورت اور مسلم مجلس نے گرم گرم نعرے بلند کئے اور سیاسی ظفر مندیوں کے ہرے باغ دکھائے، اس بحران میں کانگریس بنگال، بہار، اڑیسہ پنجاب، تامل ناڈو اور کیرالا میں اقتدار سے محروم ہو چکی تھی، ہریانہ، مدھیہ پردیش، اتر پردیش کی کانگریسی حکومتیں بعد میں ختم ہو گئیں، اس غیر یقینی ماحول اور فضا میں فرقہ پرست جماعتوں کو پھلنے پھولنے کے مواقع پیدا ہوئے، متعدد ریاستوں میں ان کی طاقت میں اضافہ ہوا، جمعیۃ علماء ہند بحیثیت جماعت پارلیمنٹری سیاست سے چونکہ علیحدہ تھی اس لئے اس سیاسی انتشار سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ اس کی کارکردگی متاثر ہوئی اس نے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو برابر ان کے مسائل کی طرف توجہ دلاتی رہی۔

سالانہ اجلاس گیا

اپریل ۱۹۶۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صدر جمعیۃ علماء ہند منعقد ہوا، اسی اجلاس میں کئی ایک بنیادی رزولیشن منظور کئے گئے، ضرورت تھی کہ ان باتوں کو ایوان حکومت تک پہونچایا جائے اور ان مسائل کے حل کرنے کے لئے ذمہ داروں کو متوجہ کیا جائے، مجلس عاملہ میں فسادات کے تسلسل اور معاشی میدان میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز اور ناروا سلوک کی دلدوز حقیقتوں پر غور کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ ان تمام مسائل پر مشتمل ایک جامع میمورنڈم تیار کر کے ایک موقر وفد کے ذریعہ حکومت کے سامنے رکھا جائے اور مطالبہ کیا جائے کہ مسلمانوں کے ان مسائل میں مسلسل ٹال مٹول کیا جا رہا ہے ان کو حل ہونا چاہیے چنانچہ مجلس عاملہ نے ایک میمورنڈم منظور کیا اور ۴ر جون ۱۹۶۶ء کو حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صدر جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں پندرہ ممبران پر مشتمل ایک وفد وزیر اعظم حکومت ہند سے ملا اور ۳۲ نکات پر مشتمل میمورنڈم پیش کیا۔

میمورنڈم

میمورنڈم میں کہا گیا کہ آزادی کے اٹھارہ انیس سال گذر چکے ہیں، اس مدت میں فسادات ہماری زندگی کا ایک مستقل جزو بن کر رہ گئے ہیں، حکومت کے پاس فسادات کو روکنے کے لئے بے پناہ وسائل اور قوت ہے لیکن افسوس کہ ان وسائل کا برمحل استعمال کبھی نہیں ہوتا، فسادی عناصر کے خلاف سخت تادیبی اقدام، اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کے لئے مقامی افسران کے خلاف ضابطہ کی سخت کاروائی، جب کسی مقام پر فرقہ وارانہ فسادات کی فضا بنائی جائے تو اس کی روک تھام کے لئے مناسب تدارک کی تدبیر، جہاں فسادات ہوں وہاں تعزیری ٹیکس لگانا، فرقہ وارانہ پریس اور اخبارات جو بے رحمی کیساتھ اور نڈر ہو کر نفرت کے بیج بوتے رہتے ہیں ان پر کنٹرول یہ وہ تدبیریں ہیں جن سے ان رجحانات کو کامیابی کیساتھ ختم کیا جا سکتا ہے جن کی وجہ سے ان انسانیت سوز فسادات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

۲۔ فرقہ وارانہ پریس فرقہ واریت کا زہر پھیلانے میں برابر مصروف ہے اسکی کوئی روک تھام نہیں کی

جاتی ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور وہ مسلمانوں کے خلاف برابر زہر اگلتے رہتے ہیں اور ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی۔

۳ــ اردو زبان بلا تفریق مذہب و قوم کروڑ ہندوستانیوں کی زبان ہے لیکن اسکے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کیا جارہا ہے یہ بات اشد ضروری ہے کہ اردو کو کم از کم ان علاقوں میں جہاں یہ عام طور پر بولی جاتی ہے دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دیجائے، آندھرا پردیش میں اردو کی یہ حیثیت تسلیم کرلی گئی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اتر پردیش، بہار اور دہلی وغیرہ میں اردو کو یہ مرتبہ نہ دیا جائے۔

۴ــ مسلم اوقاف پر ۱۹۴۷ء سے دوسروں نے قبضہ کر رکھا ہے اور ابتک ان کو واگذار نہیں کرایا گیا، وقف جائدادوں پر قبضہ مخالفانہ ہوجانے کی میعاد میں جس آرڈیننس کے ذریعہ مدت میں توسیع کی گئی ہے اس کی مدت ختم ہورہی ہے ضرورت ہے کہ اس مدت میں مزید توسیع کی جائے، مسلم اوقاف اور عبادت گاہوں کو قبضہ مخالفانہ سے نکالنے کے لئے اشد ضروری ہے کہ دوسرا آرڈیننس جاری کیا جائے

۵ــ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے بارے میں کچھ تنگ نظر حلقے ہیں جو برابر اس کوشش میں ہیں کہ اس کے نام اور کردار کو بدل دیں، یونیورسٹی عملاً پولیس کے قبضہ میں ہے اس صورت حال کو فوراً ختم ہونا چاہیئے، اسٹاف اور طلبہ پر جو مقدمات ہیں انکو واپس لینا چاہیئے۔

۶ــ آسام سے ہندوستانی مسلمانوں کو زبردستی نکالا جارہا ہے اگر کوئی غیر ملکی ہے تو اس کا معاملہ عدلیہ کے سپرد کیا جائے۔

۷ــ جیسلمیر اور باڑمیر کے سرحدی علاقوں کے مسلمانوں کیساتھ وحشیانہ سلوک کیا گیا ہے اور ان کو زبردستی ملک سے نکالا گیا ہے اس سلسلہ میں بلا تاخیر عدالتی تحقیقات کیجائے۔

۸ــ مسلمانوں کو فوج اور پولیس میں نہیں لیا جارہا ہے جب کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں مسلمانوں نے اپنی وطنی ذمہ داریوں کو پوری فدا کاری کے ساتھ ادا کیا ہے۔ لیکن پھر بھی حکومت کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، فوج اور پولیس میں ان کا داخلہ اب بھی بند ہے۔

اسی طرح میمورنڈم میں اور بھی پانچ ہنگامی مسئلوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی اور آخر میں مختصر طور پر اپنے مطالبات کی فہرست دی گئی تھی، میمورنڈم کے آخر میں کہا گیا تھا کہ حکومت ہند اور

برسراقتدار لیڈروں کی زبانی ہمدردی سے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا ہے، ضرورت ہے کہ ان مسائل کا حل قومی سطح پر کیا جائے، میمورنڈم پیش کرنے والے وفد میں جمعیۃ علماء ہند کی تمام بڑی اور معزز شخصیتیں تھیں جنمیں صدر جمعیۃ علماء ہند اور ناظم عمومی، دوسر عہدیداران اور ارکان مجلس عاملہ شامل تھے۔

وفد نے وزیراعظم سے کہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی جائز شکایات جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے بار بار حکومت اور کانگریس کمان کے سامنے پیش کی جاچکی ہیں لیکن آج تک مؤثر تدابیر اختیار نہیں کی گئیں جن سے چھ کروڑ مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ ہوسکے۔

وزیراعظم نے وفد سے زبانی کہا کہ میمورنڈم میں جو باتیں ہیں ان کا تعلق کچھ تو مرکزی وزیروں سے ہے اور کچھ کا تعلق ریاستی حکومتوں سے ہے، پہلے میں ان متعلقہ ذمہ داروں سے گفتگو کر لوں تو پھر جواب دیا جاسکتا ہے۔ وزیراعظم سے ملاقات کے بعد وفد نے صدر کانگریس مسٹر کامراج سے ملاقات کی انہوں نے بھی تقریباً یہی جواب دیا کہ متعلقہ ذمہ داروں سے گفتگو کے بغیر جواب دینا مشکل ہے اس لئے میں ان سے مشورہ کے لئے جلدی میٹنگ طلب کروں گا اور آپ حضرات کی باتیں ان کے سامنے رکھوں گا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں متعلقہ مرکزی وزیروں اور صوبوں کے چیف منسٹروں کو جمع کیا گیا اور خصوصیت کے ساتھ اس اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند کے میمورنڈم پر غور کیا گیا اس کے بعد ۶ ؍اگست ۱۹۶۶ء کو وزیراعظم حکومت ہند کا جواب موصول ہوا۔

وزیراعظم حکومت ہند کا جواب

حکومت ہند کی طرف سے میمورنڈم کا جواب ناظم عمومی مولانا سید اسعد مدنی کے نام موصول ہوا، وزیراعظم کے اس جواب میں اصل مسئلہ کو فلسفیانہ موشگافیوں اور اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی دبیز چادر اور الفاظ کے خوش منظر پردوں میں لپیٹ کر براہ راست اصل سوال کے جواب سے احتراز کیا گیا، وزیراعظم نے اپنے خط میں تاخیر سے جواب دینے کے لئے معذرت کرتے ہوئے تحریر کیا کہ۔

ہیں نے واضح کیا تھا کہ حریف فرقہ وارانہ عناصر جو مشکلات پیدا کرتے ہیں اس کے باوجود ہمارے سماج کی اکثریت نے سیکولرزم کے آدرش کو برقرار رکھا ہے اس سلسلہ میں محض انتظامی سطح پر ہی نہیں بلکہ ہر سطح پر بہتر کارگذاری کا امکان ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سماج کے جملہ عناصر اور ہر فرقہ کے افراد مفاہمت ، رواداری اور خیر سگالی کے جذبے سے کام لیں اس سلسلہ میں مزید ترقی کس طرح ہو سکتی ہے ؟ یہ بات مسلسل میرے ذہن میں ہے ، اور مجھے اعتماد ہے کہ ہر شعبہ میں بتدریج اصلاح اور بہتری ہو سکتی ہے "

اندرا گاندھی ۔

وزیر اعظم ہند کے نام

مسز اندرا گاندھی کا جواب موصول ہونے کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اس کو غیر تشفی بخش قرار دیتے ہوئے ضرورت محسوس کی کہ دوبارہ وزیر اعظم کو ان مسائل کی اہمیت اور صورت حال کی نزاکت کی طرف توجہ دلائی جائے ، خط سے یہ اندازہ لگایا کہ ان مسائل کے حل اور صورت حال کی نزاکت کے باوجود کوئی فوری اقدام مدنظر نہیں جبکہ حالات روز بروز بگڑتے جا رہے تھے ، ان چند مہینوں میں ملک میں حالات اور بھی سنگین ہو چکے تھے ، اس لئے مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی نے وزیر اعظم کو خط لکھا اور ان کو یاد دلایا کہ جب ہمارے وفد نے آپ سے ملاقات کی تھی تو آپ نے اس وقت بھی اور اس کے علاوہ متعدد موقعوں پر کم از کم یہ یقین دہانی فرمائی تھی کہ مسلمانان ہند کے ان مسائل پر واقعی سنجیدگی سے غور کرنے اور ان کے تدارک کی تدبیروں کی سخت ضرورت ہے ، اس کے بعد وزیر اعظم کے خط کے بعض اقتباسات نقل کرنے کے بعد خط میں لکھا گیا کہ

"ہم کو اطمینان پیدا ہو رہا تھا کہ ماضی کی بے عملیوں کے تلخ حقائق کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کی بدنصیبی دور ہو سکے گی لیکن ہمیں یہ گذارش کرتے ہوئے انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مؤثر اور نتیجہ خیز کارروائی نہیں کی گئی ، اور حالات پہلے سے زیادہ صبر آزما اور سنگین بن چکے ہیں جو ہندوستان کی مسلمانوں کے لئے مایوسی اور بھیانک مستقبل کی طرف انگشت نمائی کر رہے ہیں ۔

۔ خط میں مزید کہا گیا کہ یہ بات بالکل واضح اور بالکل کھلی ہوئی ہے کہ اگر ایک طرف وہ چشمے جاری ہوں جو ملک کے ذہن میں برابر زہر گھول رہے ہیں اور دماغوں میں نفرت اور وحشت و بربریت کی آگ دہکا رہے ہوں اور دوسری طرف صرف یہ تمنائیں ہوں کہ یہ زہر اپنا اثر نہ دکھائے تو یہ تمنا کیسے بارآور ہو سکتی ہے؟ ظلم و فساد اور قتل و غارتگری کرنے والے اگر مطمئن ہوں کہ انجام کار وہ گرفت سے باہر ہیں۔ اسی طرح اشتعال پھیلانے والوں اور فساد کی منصوبہ بندی کرنے والوں کو اگر یہ اطمینان ہو کہ ان کی طاقت کا دباؤ ان کے لئے حصار ہے تو پھر کیسے یقین کر لیا جائے کہ صورت حال میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ خط میں آگے لکھا گیا کہ ملک کے ایڈمنسٹریشن کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کی جان، مال، عزت، آبرو اور وقار کی کوئی قیمت نہیں، لہٰذا مسلمانوں کی قتل و غارت گری اور ان کی تباہی، بربادی روکنے سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ فرقہ پرستوں کو اس تباہی و غارت گری کے لئے موقعہ فراہم کرتا ہے، وزارت داخلہ کے تحت نظام عمل مسلمانوں کے جرم و گناہ کی جھوٹی سچی فائلیں تیار کرتا ہے اور ملک کی انٹلی جینس سروس مسلمانوں کے خلاف ثبوت مہیا کرتی ہے، اس ترتیب میں آر۔ایس ایس کی ان شاکھاؤں کی ترتیب کو بھی شامل کر لیجئے جنہوں نے آزادی کے بعد ان بائیس برسوں کے اندر ایک مسلمان دشمن نسل تیار کر دی ہے جو اسکولوں اور کالجوں سے نکلنے کے بعد پولیس، فوج، ایڈمنسٹریشن، عدالت، اور حکومت کے مختلف شعبوں میں ذمہ دارانہ حیثیت سے نظام حکومت چلانے کا ذریعہ ہے، ایسی ہی نسل مزید تیار ہو رہی ہے جو ہندوستان کے امن پسند سماج کے قالب کو مسلم دشمنی کے سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے، اس کے علاوہ ملک کی تمام تہذیبی اور مذہبی اکائیوں کو اپنے مذہب اور تمدن و معاشرت سے دست بردار ہو کر ہندوازم میں مدغم ہو جانے کی تشریح کے ساتھ ہندوستانی قومیت کی جو تعبیر فرقہ پرستوں کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے اور اسے ملک سے وفاداری کی شرط قرار دے کر ذہنوں کو اس تحریک کے لئے جس طرح آمادہ کیا جا رہا ہے وہ ساری کی ساری جد و جہد صرف اس لئے ہے کہ پورے

ماحول میں کوئی ایسا حصہ نہ رہ جائے جس میں ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف بارود نہ بھری ہوئی ہو، یہی وجہ ہے کہ ملک کی اس زہریلی فضا میں قطع نظر ان من گھڑت اور جھوٹے واقعات کے جن کا مسلمانوں کی طرف انتساب کر کے فسادات برپا کئے گئے اور فرقہ پرست افسران کی تحقیق کے ذریعہ جن کی صداقت پر ایمان لا کر وزارت داخلہ نے مسلمانوں کی طرف سے فسادات کے آغاز کرنے کا سرٹیفکٹ فرقہ پرستوں کو مہیا کر دیا چھوٹے چھوٹے اور معمولی واقعات جو عام طور پر، ہر جگہ، ہر وقت ہوتے رہتے ہیں اور انفرادی جھگڑوں کو مسلمانوں کا اجتماعی جرم بنا دیا جاتا ہے، اور اسی بہانے مسلمانوں کی بستیاں کی بستیاں ویران کر دیجاتی ہیں،

خط میں یہ بھی کہا گیا کہ سری نگر کی نیشنل انٹی گریشن کونسل کی تجاویز اور فساد کے تحقیقاتی کمیشن کے فیصلہ سے انصاف کی توقع کی جارہی تھی لیکن یہ ساری توقعات خاک میں مل گئیں، اور مسلمانوں کو کوئی انصاف نہ مل سکا، اس طرح مایوسیاں اور ناامیدیاں بڑھتی جارہی ہیں، آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنا مستقبل تاریک دکھلائی دے رہا ہے، اعتماد اور بھروسے کی شکلیں بالکل مفقود ہوتی جارہی ہیں مسلمانوں کیلئے عدل وانصاف کے کانٹے بدل چکے ہیں۔

ناظم عمومی نے مزید تحریر فرمایا کہ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ فسادات منصوبہ بند اور منظم ہوتے ہیں اور ملک کے اہم علاقوں میں ہوتے ہیں تاکہ مسلمان تباہی و بربادی کے بعد خوف زدہ ہو کر اقتصادی ومعاشی وسائل میں پراگندہ ہوجائیں ہمیں حیرت ہے کہ ملک کے اندر بڑے بڑے فسادات ہوئے لیکن حکومت کی انٹلی جنس آج تک نہ تو فساد کی منصوبہ بندیوں کا پتہ چلا سکی اور نہ فساد کرنے والوں کی نشان دہی کر سکی اور نہ پولیس آج تک ان کو گرفتار کر سکی بلکہ ہوا یہ کہ مظلوم لٹنے، جلنے، برباد ہونے والے ہی مجرموں کے کٹھرے میں کھڑے کئے گئے، پھر انتظامیہ عدلیہ اس حد تک متاثر ہے کہ ان مظلوموں کو یہاں سے بھی انصاف کی راہ نہیں مل پاتی، ہمارے علم میں ابھی تک ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ ذمہ دار پولیس افسران کے خلاف کبھی کوئی ایکشن لیا گیا ہو۔

اندراجی ! ملک کے اس طرح کے نقشے میں صورت حال کو بدلنے کے لئے آخر کون سا
وقت پھر آئے گا حالات کا تقاضا اب یہ نہیں رہا ہے کہ ہم کسی حادثہ کے بعد اس کے
لئے ندامت اور افسوس کا اظہار کر کے اسے فراموش کرتے رہیں بلکہ اب تو ضرورت ہے
مستقل حل کی اور مستقل علاج کی، ورنہ ہمارے ملک کو اپنی تاریخی عظمتوں کی روایات
پر خون کے آنسو رونا پڑیں گے "۔

اسعد مدنی (ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند)

یاد دہانی اور تقاضے

۲۶ ر ۲۷ ر نومبر ۱۹۶۶ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں میمورنڈم کے سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی ہے
اس پر غور کیا گیا، میمورنڈم میں درج مطالبہ کہ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ و اسٹاف پر چلنے والے مقدمات
واپس لئے جائیں وہ مقدمات اٹھائے گئے لیکن دوسرے تمام مطالبات جن میں خصوصیت سے
فساد کے انسداد کے لئے ٹھوس اور موثر اقدامات، اردو زبان کے جائز اور آئینی حق کے مطالبات
شامل تھے ان پر توجہ نہیں کی گئی اور نہ کوئی پیش رفت ہوئی ۔

۷ ر نومبر ۱۹۶۶ء کو گئو رکھشا آندولن کے سلسلہ میں مظاہرہ ہوا اور وزیر داخلہ مسٹر گلزاری
لال نندہ کو مستعفی ہونا پڑا، اس لئے میمورنڈم کے سلسلہ میں جن اقدامات کا وعدہ کیا گیا تھا وہ رک
گئے اور بات نئے ہوم منسٹر کے آنے تک ملتوی ہو گئی، ورکنگ کمیٹی نے صورت حال کی وضاحت
کے بعد اپنی تجویز میں کہا کہ مجلس عاملہ وزیر اعظم حکومت ہند سے ایک بار پھر پر زور مطالبہ کرتی ہے
کہ جمعیۃ علماء ہند کے میمورنڈم میں مسلمانوں کی جن مشکلات کے ازالہ اور جن مطالبات کو جلد از
جلد پورا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی تھی ان کے بارے میں واضح اور مثبت عملی اقدام کیا جائے تجویز
حکومت ہند کو بھیجدی گئی ،

جنرل الیکشن کے بعد

۱۹۶۷ء میں جنرل الیکشن ہوا، مرکز اور صوبوں میں نئی حکومتیں بنیں اور وزارت کی کرسیوں
پر نئے لوگ آئے، صوبوں میں زیادہ بڑی تبدیلیاں ہوئیں۔ اس لئے مسلمانوں کے مسائل پر

حکومت سے چلنے والی گفتگو کا وہ سلسلہ ٹوٹ گیا جو ساڑھے ڈیڑھ سال سے جاری تھا، اس الیکشن میں بہت سی ریاستوں سے کانگریس کی حکومت ختم ہوگئی، کئی ریاستوں میں مخلوط حکومتیں بنیں اختیارات کے بٹوارے میں جن سنگھ بھی شامل تھے، اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اس کے وزیروں کے دور میں نہ صرف ان محکموں میں آر، ایس، ایس کے لوگوں کی بھرتی ہوئی بلکہ انہوں نے فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دیئے اور ان کے سلسلہ میں الٹے مسلمانوں ہی کو الزام دیئے اور ان پر مظالم توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

ایک فہرست یہ بھی ہے

ہندوستانی مسلمانوں کی راہوں میں آگ اور خون کے دریا حائل ہیں؟ اسے کون بتائے کتاب تقدیر کے اوراق تک کسی کی رسائی ممکن نہیں، البتہ پرانے کلنڈر کے ایک ایک ورق کو پلٹ کر اس پر پڑے ہوئے خون کے دھبوں کو شمار کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہم نے اپنے زخمی اور لہولہان تلووں سے کتنے کانٹے نکالے ہیں، ان زخموں کو شمار کرتے ہوئے آج اٹھارہ انیس سال گذر گئے اور شاید فہرست ابھی ناتمام ہے۔

۱۹۶۷ء کا سال بھی ایک طویل فہرست لیکر آیا، اس سال مہاراشٹر کے علاقہ، ودربھ مرہٹواڑہ کے اہم مقامات مانگرولی، سیر پاسم، پوسد، جالنہ، بٹیر وغیرہ میں فسادات ہوئے، اس سے چند دنوں پہلے اودے پور، مٹیابرج کلکتہ، گونڈہ، پھلودی راجستھان وغیرہ میں خون کی ہولی کھیلی جا چکی تھی، اگست ۱۹۶۷ء میں رانچی ہٹیا، مالیگاؤں، رتلام (مدھیہ پردیش) آسام میں کریم گنج ضلع کچھار، بہار میں تینو گھاٹ ضلع رانچی، موسی پور ضلع پورنیہ، سرسنڈ ضلع مظفر پور میں قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا گیا۔ مئی ۱۹۶۷ء میں نظام آباد (حیدرآباد) بنارس، بستی میں ہولناک ہنگامے برپا ہو چکے تھے اسی سال میرٹھ کا فساد ایک منظم سازش کے تحت کیا گیا۔

بنارس کا ہنگامہ

بنارس کا ہنگامہ اتر پردیش کے ایک جن سنگھی وزیر کی اشتعال انگیز بیان کے نتیجے میں ہوا اور حکام نے کھلے بند جانب داری سے کام لیا جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے بنارس کے فساد پر اظہار تشویش کرتے ہوئے کہا اور حکومت کو لکھا کہ بنارس کا ہنگامہ افسران کی لاپرواہی پہلے

سے ہنگامہ کی تیاریوں کی اطلاع ملنے کے باوجود احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرنے بلکہ کھلی جانبداری کی بدولت ہوا جس میں کئی جانیں گئیں اور متعدد مجروح ہوئے، مسجدوں کو نقصان پہونچایا گیا اور بے حرمتی کی گئی جمعیۃ علماء نے اس فساد کے سلسلہ میں ایک وزیر کی نشان دہی کرتے ہوئے صاف طور پر کہا کہ۔

"یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ اتر پردیش کے ایک وزیر جو بنارس ہی کے رہنے والے ہیں اور ایک فسطائی فرقہ پرست پارٹی کے مشہور ورکر ہیں، نہایت مغرورانہ اور زہریلا بیان دے کر دبے ہوئے فساد کو پھر ابھارا ہے اور کمیونل اخبارات نے اس بیان کو لے کر خوب اشتعال انگیزی کی ہے جس نے اس کشیدہ فضاء میں جلتی پر تیل کا کام کیا جس کے نتیجہ میں مسجدوں کی بے حرمتی اور چھیڑے بازی ہوئی۔ مجلس عاملہ کا یہ اجلاس حکومت یوپی سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ وزیر لوکل سلف گورنمنٹ کے رویہ کی جرأت و غیر جانبداری کے ساتھ تحقیقات کرے تاکہ نئی حکومت فرقہ داریت اور عہد شکنی کے الزام سے محفوظ رہے"

میرٹھ کا فساد

جمعیۃ علماء اترپردیس کی مجلس منتظمہ کے اجلاس کے موقعہ پر میرٹھ میں زبردست فساد کیا گیا جس کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا اس جلسہ میں چونکہ شیخ عبداللہ (کشمیر) کی شرکت کا اعلان ہوچکا تھا اس لئے آر، ایس، ایس اور جن سنگھ نے "کشمیر بچاؤ" کمیٹی بنا کر فساد کی فضا تیار کی کئی دن پیشتر سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اور جلسے اور جلوسوں کے ذریعہ پبلک میں ہیجان پیدا کیا جاتا رہا اور عوام کو مشتعل کیا جاتا رہا۔ اس تمام ہنگامے میں پولیس اور حکام ضلع نے نہ صرف مجرمانہ خاموشی اختیار کی بلکہ ایسا رویہ اختیار کیا جس سے شرانگیزوں کو موقع ملا اور ان کے حوصلے بلند ہوئے اس میں ۱½ درجن مسلمان شہید ہوئے، اس فساد کا بدترین پہلو یہ بھی تھا کہ وزیر اعلیٰ اترپردیش کا رویہ مظلومین کے بجائے فسادیوں کے حق میں تھا، اس نے فساد کا الزام الٹے مسلمانوں ہی لگایا جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۲۶ر فروری ۱۹۶۷ء کے اجلاس میں ایک تجویز کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا کہ۔

کوٹھاری ایجوکیشنل کمیشن

۲۳ر۲۴ر ستمبر ۱۹۶۷ء کو مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء ہند منعقدہ دہلی کے اجلاس میں کوٹھاری تعلیمی کمیشن کی رپورٹ زیر بحث آئی، یہ کمیشن گورنمنٹ نے ہندوستان میں تعلیم کے معیار کو بلند کرنے اور تعلیمی میدان میں وسعت پیدا کرنے، اس کے طریقہ کار اور دوسری تفصیلات معلوم کرنے کیلئے مقرر کیا تھا۔ مسٹر کوٹھاری نے اس سال اپنی رپورٹ مرتب کر کے گورنمنٹ کو دی، تعلیمی مسائل پر یہ ایک جامع رپورٹ تھی، اور کئی لحاظ سے مفید اور بہتر رپورٹ تھی لیکن اس کے بعض پہلو ایسے تھے اگر اس کے مطابق جبری تعلیم کا پروگرام مرتب کیا جاتا ہے تو مسلمان بڑی حد تک اپنی مذہبی تعلیم سے بے بہرہ رہ جاتے، اس لئے اجلاس میں رپورٹ کے اس پہلو کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا گیا اور مجلس منتظمہ کی رائے کو مندرجہ ذیل تجویز کے ذریعہ ایوانِ حکومت تک پہنچایا گیا۔

مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حکومت کے مقرر کردہ کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ کے اس حصہ پر اپنی تشویش کا اظہار کرتا ہے جس کے نتیجے میں دینی تعلیم اور مدارس اسلامیہ کے وجود و بقا پر زد پڑنے کا اندیشہ ہے، دستورِ ہند کے آرٹیکل ۳۰ کے ماتحت ہندوستان کے دستور نے ملک کے ہر طبقہ کو اپنے اعتقادات کے مطابق دین و مذہب کی آزادی اعتقادی تعلیم کی اجازت اور دین کے سیکھنے سکھانے کا تحفظ دیتا ہے، ہندوستان کے مسلمان اپنی دینی تعلیم کے مسئلہ میں حکومت سے امداد کے خواہاں نہیں ہیں نہ اس ذمہ داری کو برداشت کرنے کیلئے حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے دین و مذہب کے تحفظ اور دینی تعلیم کے لئے خود کفیل ہیں۔ پھر بھی اگر ملک کے جمہوری دستور و آئین کے تحفظات اور اس کے مقاصد کو نظر انداز کر کے مسلمانانِ ہند کے دینی تعلیم و تربیت کے بنیادی حق میں مداخلت رخنہ اندازی اور کسی بہانے سے اس میں مشکل پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تو اس کے لئے مسلمانانِ ہند ہرگز تیار نہیں ہو سکتے۔

یہ اجلاس حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ دینی تعلیم اور مدارسِ اسلامیہ کے سلسلہ میں کوٹھاری ایجوکیشنل کمیشن کی سفارشات قبول نہ کرے ورنہ اس سے ہندوستان کا سیکولر کردار مزید مجروح ہوگا اور مسلمانوں میں اپنے تحفظات سے مزید بے اعتمادی پیدا ہوگی۔"

صرف تجویز کو حکومت تک پہونچا دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ملک کے بہت جلسوں میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے اور کمیشن کی بعض سفارشات سے اپنی بیزاری کا اظہار کرنے کے لئے بڑے بڑے اجتماعات کئے گئے اور صورتِ حال اور جمعیۃ علماء ہند کی رائے کو واضح کیا گیا۔ تمام ریاستی جمعیتوں کو سرکلر کیا گیا کہ وہ اپنے طور پر ریاست کے دینی مدارس کے نمائندوں کے اجلاس بلائیں اور ان کے سامنے صورتحال کو واضح کر کے اس کے خلاف تجویزیں پاس کریں اور حکومت کو بھیجیں۔ اس سلسلہ میں اتر پردیش کے مدارس کے نمائندوں کا اجلاس لکھنؤ میں بلایا گیا مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی اور مولانا سید احمد ہاشمی ناظم جمعیۃ علماء ہند نے مدارس اسلامیہ کے نمائندوں کو صورتِ حال کی اہمیت و نزاکت سے آگاہ کیا اور ایک ریزولیشن منظور کر کے حکومت کو بھیجا گیا۔

رانچی میں خون کی ہولی

اگست ۱۹۶۷ء میں رانچی کے مسلمانوں پر فرقہ پرستی کے خونی بھوت نے حملہ کر دیا۔ اور کئی سو مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ رانچی کے مسلمانوں پر حملہ ایک طے شدہ پروگرام اور منصوبہ بند سازش کے تحت ہوا۔ رانچی کے شہریوں نے اردو کی حمایت میں ایک جلوس نکالا تھا جو فرقہ پرستوں کو گراں گزرا تھا۔ اس کے جواب میں ایک زہریلا پمفلٹ پندرہ ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا جس میں بہار کے بہت سے مسلمانوں کو پاکستانی قرار دیا گیا تھا۔ اور ان کے خلاف زہر آلود جملے استعمال کئے تھے اور ہندوؤں کے جذبات کو ان کے خلاف برانگیختہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مسموم ذہنیت کے کچھ افراد نے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف تشدد پر اکسایا اور جب فضا میں کافی تناؤ پیدا ہو گیا تو فرقہ پرستوں کی رہنمائی میں ایک اردو مخالف جلوس نکالا گیا۔ جلوس کے ارادے خطرناک تھے، ایک اسکول کے مسلمان طلبہ کو گھیرا گیا اور پتھراؤ ہوا۔ اور پھر شام کے چار بجے سے قتل و غارت گری اور آتشزنی کا اصل کھیل شروع کر دیا گیا۔ شارعِ عام پر جب دکانیں لوٹی جا رہی تھیں تو پولیس افسران موقع پر موجود تھے لیکن انھوں نے فسادیوں کو نہیں روکا۔ ہٹیا، الو اور دوسرے مقامات پر قتل ہوا۔ ہٹیا، ہونو، بورانڈہ، ہندپوری کے ہوم گارڈوں نے بھی فساد میں حصہ لیا۔ آزاد ہائی اسکول اور مولانا آزاد کا قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ جو پولیس اسٹیشن کے نزدیک ہے پھونک دیا گیا اور اس میں جو کچھ سامان تھا لوٹ لیا گیا، جامع مسجد کی بے حرمتی کی گئی تمام سامان توڑ پھوڑ دیا گیا۔

عمارت کا کچھ حصہ مسمار کر دیا گیا۔ قرآن پھاڑ دیئے گئے اور اوراق نالیوں میں ڈال دیئے گئے یہ سب کچھ پولیس کی موجودگی میں ہوا، ۲۲ اگست ۱۹۶۷ء کو اپر بازار اور رساتو روڈ کے مسلمانوں پر حملہ کیا گیا، لوگوں کو قتل کیا گیا، ان کی املاک لوٹ لی گئیں، مکانات جلا دیئے گئے، دھروا میں فوج کی موجودگی میں کئی سوجانیں گئیں، بے گناہ مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا، وحشیانہ مارپیٹ کی گئی، بلا وارنٹ مسلمانوں کے گھروں کی تلاشیاں لی گئیں، گھر میں جو کچھ ملا لوٹ لیا گیا، عورتوں کی بے عزتی کی گئی، معزز مسلمانوں کو گھسیٹتے ہوئے تھانے لایا گیا، جو لوگ رپورٹ کرنے گئے ان کو گرفتار کر لیا گیا، مسلمانوں کے میمورنڈم کے مطابق سات سو سے زائد مسلمان مارے گئے، ہزار ہا زخمی ہوئے، لاکھوں کی جائداد لوٹی گئی، عورتیں اغوا کی گئیں، یہ تفصیلات اس کتابچہ سے دی جا رہی ہے جو ساپر رانچی اور دھروا کمیٹی کی طرف سے محترمہ سبھدرا جوشی نے شائع کی ہیں، کتابچہ کے آخر میں جو سوال نامہ دیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس فساد میں پولیس کا کیا رول رہا۔ سوالات یہ ہیں۔

(۱) ۲۲ اگست کو ۴ بجے جب رانچی میں فسادات شروع ہوئے اس وقت پولیس کہاں تھی۔

(۲) ۲۲ تاریخ کی پوری رات پولیس کہاں رہی؟ جب کہ شارع عام پر قتل وغارتگری رات بھر جاری رہی۔

(۳) ۲۲ تاریخ کو رانچی میں ہوئے فسادات کے بعد دھروا میں روک تھام کی کارروائی جس میں جملہ غنڈوں کی گرفتاری عمل میں آنی چاہیئے تھی، کیوں نہیں کی گئی؟

(۴) ان مجسٹریٹوں اور ہوم گارڈوں کو واپس بلانے کے لئے کوئی کارروائی کیوں نہیں کی گئی جن کے خلاف پبلک نے شکایتیں کی تھیں؟

(۵) اخباروں میں شائع کرنے کے لئے غلط تعداد کیوں بتائی گئی؟ جبکہ رانچی اور دھروا میں فساد کے دوران پانچسو مسلمان اور بار ہندوؤں کو قتل کیا گیا تھا۔

(۶) لنگا کے بے گناہ اور نہتے ورکروں پر گولی چلانے والی پولیس فسادیوں کو دیکھتے ہی کیوں بھیگی بلی بن گئی۔

اخبار الجمعیۃ پر حکومت کی نظر عنایت

فرقہ پرستی کے خلاف جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان اخبار الجمعیۃ نے محاذ آرائی کی، اور فرقہ پرستوں کے اخبارات آئے دن مسلمانوں پر طرح طرح کے الزامات عائد کرکے ان کو ہراساں اور خوف زدہ کرنے کی مہم چلائے ہوئے تھے، اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو فرقہ پرست بوکھلا گئے۔ فرقہ پرستوں کے اشتعال پھیلانے والے اخبارات آرگنائزر، پنج جنیہ، اور پرتاپ آئے دن کوئی نہ کوئی زہریلا تیر چلاتے تھے، جو براہِ راست مسلمانوں کے سینوں میں پیوست ہو کر رہ جاتا تھا۔ الجمعیۃ انہیں اخبارات کے لب ولہجہ میں ان کو حقائق و واقعات کی روشنی میں مدلل جواب دیتا تھا یہی بات فرقہ پرستوں کے لئے ناقابلِ برداشت بن گئی۔ اور الجمعیۃ کے خلاف مہم شروع کر دی گئی، الجمعیۃ کے تراشے پارلیمنٹ میں پڑھکر سنائے جاتے اور حکومت کے گوش گذار کیا جاتا کہ یہ اخبار مسلمانوں میں فرقہ پرستی پھیلا رہا ہے اس پر قانونی کارروائی ہونی چاہیئے یہ مہم آج سے پانچ چھ سال پہلے ہی شروع ہوچکی تھی اس وقت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند حیات تھے آپنے تراشے پڑھنے والوں اور الزام تراشنے والوں کو پارلیمنٹ ہی میں دنداں شکن جوابات دیئے، اسی طرح کا ایک واقعہ ۲۹ر مارچ ۱۹۶۱ء کا ہے مولانا موصوف نے فسادات کا ذکر کرتے ہوئے فرقہ پرست اخباروں کے بارے میں کہا کہ یہ اخبارات ان فسادات میں تباہ شدہ مسلمانوں ہی کو الٹے مجرم قرار دیتے ہیں تاکہ اپنے جرم کر کے دکھائیں، کبھی جمعیۃ علماء کا نام لیا جاتا ہے اور کبھی الجمعیۃ پڑھ کر سنایا جاتا ہے، میں پوچھتا ہوں اس اخبار نے کیا کہا ہے؟ دھرم یوگ کا کوئی قصور نہیں؟ آرگنائزر کا کوئی قصور نہیں؟ اس قسم کے اخبارات جو مسلمانوں کو انتہائی طور پر ذلیل کرتے رہتے ہیں ان کو پاکستان بتاتے رہتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے یہاں کوئی مقام نہیں ہے۔ ان کو یہاں نہیں رہنا چاہیئے اسی طرح ان اخبارات میں قتل تک کی دھمکیاں لکھی جاتی رہی ہیں۔ ان کا کوئی جرم نہیں؟ الجمعیۃ نے اتنا ہی تو لکھا ہے کہ جب تم تباہ ہو رہے ہو تو تم قانون کا احترام کرتے ہوئے ہر جگہ پر ڈٹ کر رہنے کے لئے جتنا مقابلہ کر سکتے ہو، کرو، اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ قانون کو ہاتھ میں لے لو

قانون کا احترام مت کرو، لیکن یہ ضرور کہا گیا ہے کہ مایوس نہ ہو، ڈیمارلائز نہ ہو، ڈیشا کر ڈیفنس کرو، ایسا کرنا تمہارا حق ہے، میں پوچھتا ہوں اس میں کونسی بری بات لکھی ہوئی ہے؟ کہ یہاں (الجمعیۃ کے تراشے پڑھے جاتے ہیں، آپنے سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ وہ جس جمعیۃ علماء کے لاکھوں آدمیوں نے اپنی قربانیاں دیکر ہندوستان کے آزاد کرانے میں حصّہ لیا، سیکولرزم کی خاطر ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اور اپنا خون بہایا آج اس کو بدنام کیا جائے اگر ایک ایسے موقعہ پر جب مسلمانوں کی یہ بربادی ہوئی۔ اس نے دو چار آرٹیکلس ایسے لکھدیئے جس میں مسلمان بالکل ڈیمار لائز نہ ہو جائیں تو وہ فرقہ پرستی ہے اور صبح سے شام تک جو آگ ان کے خلاف اگلی جاتی ہے اور برسائی جاتی ہے اسے کوئی فرقہ پرستی نہیں کہتا ہے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

سچ کہا ہے کسی شاعر نے ۔ جب کوئی فتنہ زمانہ میں نیا اٹھتا ہے
وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری

فرقہ پرستوں کی تلملاہٹ تو ایک طرف حکومت کی جبین جاہ وجلال پر بھی شکن آجاتی تھی اور اس کا خمیازہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اخبار کو بھگتنا پڑتا تھا۔ اگست ۱۹۶۸ء میں اخبار الجمعیۃ کے اسی طرح کے کچھ ریڈ ٹیوریل نوٹس کو بہانہ بنا کر پولیس نے دفعہ ۱۵۳ الف کے تحت یکے بعد دیگرے سات مقدمات چلائے، ناظم عمومی مولانا سید اسعد مدنی نے ان کیسوں کی پیروی کا نظم کیا، دہلی کے مشہور وکلاء نے ان کیسوں میں زوردار بحثیں کیں، ناظم عمومی نے ان مقدمات کے سلسلہ میں وزیر داخلہ وائی۔ بی۔ چوہان سے ملاقات کی اور کہا کہ الجمعیۃ تو پرتاپ جیسے بے لگام اخبارات کا صرف جواب دیتا ہے، مگر ستم یہ ہے کہ پرتاپ سے تو کوئی باز پرس نہیں کرتا اور حکومت کے غصہ کا نزلہ الجمعیۃ پر گرتا ہے اور اس پر مقدمہ چلایا جاتا ہے، یہ کونسا انصاف ہے؟ حکومت اگر فرقہ پرست اخبارات پر کڑی نظر رکھے اور ان کو ان کے منافرت پھیلانے والے مضامین پر گرفت کرے اور مقدمات چلائے۔ تب الجمعیۃ پر بھی اسکو مقدمہ چلانے کا حق ہو سکتا ہے ناظم عمومی نے وزیر داخلہ سے مطالبہ کیا کہ جو اخبارات گرفت میں آئیں بلا امتیاز حکومت سب پر

مقدمات چلائے تب ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا خواہ (جمعیۃ ہی کیوں نہ ہو، جمعیۃ علماء کی طرف سے ان سارے مقدمات کی پیروی کی گئی، اور بالآخر ان سارے مقدمات میں کامیابی ہوئی، اور ایڈیٹر پرنٹر اور پبلشر باعزت ان مقدمات سے بری ہو گئے،

پھر آسام کا مسئلہ

آسام کے مسلمانوں کا مسئلہ مسلسل پیچیدگی اختیار کرتا جا رہا ہے ان کے انخلاء کے سلسلہ میں جابرانہ وظالمانہ رویوں کا سلسلہ بھی برابر جاری ہے جمعیۃ علماء ہند ہر لحظہ آسامی مسلمانوں کے قضیہ پر نگاہ رکھے ہوئے تھی، آسام میں حکومت کی طرف سے سروے کرایا گیا لیکن یہ سروے نہایت بد دیانتی اور بدنیتی سے کیا گیا، پولیس نے جس مسلمان کے بارے میں جو چاہا لکھدیا، کوئی اس کا قلم پکڑنے والا نہیں تھا، اندازہ کیا گیا کہ زیادہ تر لوگوں کو پاکستانی لکھدیا گیا اسی کے ساتھ آسام کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈہ بھی کیا گیا کہ آسام کی تقسیم سے مسلمان اکثریت میں آجائیں گے، دراصل منصوبہ یہ تھا کہ اس بہانے خود ساختہ سروے کی رپورٹ کی بنیاد پر مسلمانوں کو نکال دیا جائے اس سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند نے فیصلہ کیا کہ فوراً ایک دفعہ حکومت ہند سے مل کر ساری صورتِ حال کی وضاحت کرے اور مندرجہ ذیل تجویز کی روشنی میں صحیح طریقۂ کار اختیار کرنے کا پرزور مطالبہ کرے،

۱۹۶۷ء کے الکشن کے وقت حکومتِ آسام اور حکومتِ ہند نے اعلان کیا تھا کہ آسام سے پاکستانیوں کے انخلاء کے جملہ مقدمات سوائے تین قسم کے مقدمات کے، یا تو سرحد پار کرتے ہوئے کوئی پکڑا گیا ہو یا ایک دفعہ نکال دینے کے بعد دوبارہ ہندوستان میں داخل ہوا ہو یا پاکستانی پاسپورٹ چھپانے کے الزام میں پکڑا گیا ہو، ان تمام صورتوں میں فیصلہ کورٹ میں ہوگا لیکن نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس اعلان کی برابر خلاف ورزی کی جا رہی ہے اور حسب سابق پولیس نوٹس جاری کر رہی ہے، اور معاملے ٹریبونل کے سپرد کئے جا رہے ہیں جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء آسام کا مطالبہ تھا کہ جملہ مقدمات جوڈیشیل کے حوالے کئے جائیں۔ لیکن حکومت نے نام نہاد ٹریبونل قائم کر دیا، اس ٹریبونل کے فیصلے کے بعد فوراً مبینہ ملزم کو پاکستان بھیج دیا جاتا ہے، اور سول میں مقدمہ دائر کرنے کا موقعہ

نہیں دیا جاتا کیوں کہ گورنمنٹ کے خلاف اپیل دائر کرنے میں ساٹھ دنوں کی مہلت کی ضرورت پڑتی ہے،

حکومت نے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر ہندوستانی شہریت کا جو معیار مقرر کیا تھا اور جس کا رجسٹر ریاستی جمعیۃ علماء اور کانگریس کے ضلع آفسوں کو دیئے گئے تھے اس پر بھی عمل درآمد نہیں کیا گیا ریاستی جمعیۃ علماء کے بار بار احتجاج کے باوجود حکومت اس وقت پی آئی پی اسکیم کے نام سے صرف مسلمانان آسام کی نئی مردم شماری کر رہی ہے جو نہ صرف بے ضابطہ اور غیر آئینی شکل ہے بلکہ اسے مسلمانان آسام کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش کہا جاسکتا ہے،

جمعیۃ علماء ہند کا مطالبہ ہے کہ ان تمام ناانصافیوں کو ختم کرنے کے لئے تمام مقدمات کو کورٹ میں پیش کیا جائے، ٹریبونل اور پی آئی پی اسکیم کو ختم کیا جائے تاکہ مسلمانان آسام کو امن و اطمینان نصیب ہو اور ہندوستانی شہریت کے حقوق سے ان کو خلاف قانون و انصاف محروم نہ ہونا پڑے،

اوقاف پر قبضہ مخالفانہ کا قانون نافذ نہ ہو

۱۹۴۷ء کے بعد سے بہت اوقاف پر غیر مسلم کو زبردستی قابض تھے اس وقت حالات ایسے تھے کہ بروقت ان کو بے دخل کرنا ممکن نہ تھا، اس صورت حال پر ایک عرصہ بیت گیا، ۱۲ سال کے بعد قبضہ مخالفانہ کا قانون نافذ ہوجاتا ہے اور قبضہ مان لیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ بہت سے مسلم اوقاف جس پر شرنارتھی عرصۂ دراز سے قابض چلے آرہے تھے مسلمانوں کے قبضہ و اختیار سے نکل جائیں گے اور وقف کی بنیاد ہی منہدم ہوجائے گی، اس لئے جمعیۃ علماء ہند مسلسل کوشاں رہی کہ اس پر قبضہ مخالفانہ کا قانون لاگو نہ ہو، حکومت نے اس مسلسل جدوجہد کے نتیجہ میں صرف ایک سال کی توسیع کی وہ مدت دسمبر ۱۹۷۰ء میں پوری ہو رہی تھی اس مدت کے گزرجانے کے بعد پھر کوئی کارروائی اوقاف کو بچا نہیں سکتی تھی، اس لئے پھر جمعیۃ علماء ہند نے ایک تجویز کے ذریعے حکومت سے اپنے مطالبہ کو دہرایا کہ اوقاف کا قانون ناقابل اطمینان ہے، اس میں ترمیم کی ضرورت ہے

حکومت کو چاہیے کہ اوقاف کی آئینی دفعات میں ایسی ترمیم کرے جس سے متعلقہ جائدادیں ہمیشہ کیلئے محفوظ ہوجائیں اور ان پر کسی بھی شکل میں قبضہ مخالفانہ کا قانون نافذ نہ ہوسکے،

مولانا اسعد مدنی ناظم عمومی نے اس تجویز کی بنیاد پر حکومت کے ذمہ داروں سے ایک سے زائد بار ملاقاتیں کرکے ان کو مسئلہ کی اہمیت وضرورت کو بتلایا۔ وقف کے مقاصد اور ان کا مسلمانوں سے جو گہرا تعلق ہے اس کی نزاکت کو سمجھایا اور اپنا مطالبہ دہراتے رہے

۸ر فروری ۱۹۶۹ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں ناظم عمومی نے اپنی اپنی جدوجہد کے نتیجے سے مجلس عاملہ کو باخبر کیا۔ اور رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ حکومت نے سردست وقف ایکٹ کی مدت میں دو سال کی توسیع منظور کرلی ہے، لیکن موقوفہ جائدادوں کو مستقل طور پر محفوظ رکھنے کی تجویز ابھی حکومت نے نہیں تسلیم کی ہے اس مسئلہ پر ہماری طرف سے مطالبہ اور توجہ دہانی کا سلسلہ برابر جاری رہنا چاہیئے۔

پبلک ٹرسٹ بل ۱۹۶۸ء

جمعیۃ علماء ہند کے سامنے اوقاف کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ اور آیا، پارلیمنٹ میں پبلک ٹرسٹ بل ۱۹۶۸ء کے نام سے ایکٹ کا مسودہ زیرِ غور تھا، اس مسودہ کا پس منظر یہ تھا کہ کچھ دنوں پیشتر بعض مندروں کے اوقاف کے متعلق بدعنوانیوں کی شکایت پر ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا تھا، جس نے ملک کے مندروں کے اوقاف کا سروے کرکے ان کے متعلق اپنی سفارشات پیش کی تھیں اور کمیشن نے ایک ایکٹ بنانے کی صلاح دی تھی، کمیشن نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھدیا کہ اگر ملک کے دوسرے مذہبی گروہ رضامند ہوجائیں تو انھیں بھی ایکٹ میں شامل کرلیا جائے، مجوزہ پبلک ٹرسٹ بل ۱۹۶۸ء سے سکھوں کے اوقاف کو مستثنیٰ کردیا کردیا گیا تھا، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کے لئے یہ بہتر موقعہ تھا کہ مسلم اوقاف کو بھی اس ایکٹ سے مستثنیٰ کرالے،

جمعیۃ علماء ہند نے حکومت سے کہا کہ مذکورہ کمیشن ہندو عبادت گاہوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا، مسلم اوقاف اس کے دائرۂ کار میں داخل نہیں تھے اس لئے کمیشن نے

مسلم اوقاف کا کوئی سروے بھی نہیں کیا چونکہ مسلم اوقاف ایک وقف ایکٹ کے تحت ہیں اور اس پر کسی حد تک عمل بھی ہو رہا ہے اگر مسلم اوقاف کے سلسلہ میں کوئی قابل اصلاح پہلو ہو تو وقف بورڈوں اور وقف کونسل کے ذریعہ ان کی اصلاح کی جاسکتی ہے، اگر اس ایکٹ میں مسلم اوقاف کو شامل کیا جاتا ہے تو مسلم اوقاف میں مداخلت نہ صرف ایک غیر مناسب اور غیر سیکولر بات ہے بلکہ یہ مذہب میں مداخلت بھی ہے۔

اس تجویز کولے کر جمعیۃ علماء ہند کا ایک وفد مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں وزیر اعظم حکومت ہند، وزیر قانون اور وزیر اوقاف سے ملا، اور ان کو مسلمانوں کے اضطراب سے آگاہ کیا، ذمہ داران نے توجہ سے باتوں کو سنا، مسئلہ کی اہمیت کو سمجھا، اور وفد کو اطمینان دلایا کہ سنجیدگی اور انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے مطالبہ پر غور کیا جائے گا۔ اگر مسلمانوں کا وقف ایکٹ کافی ہے تو اس کو ایکٹ میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

اڑیسہ میں فسادات

اس سال کٹک اور کیندر پاڑہ (اڑیسہ) میں تباہ کن ہنگامے برپا ہوئے جس میں مسلمانوں کے جان و مال کو شدید نقصان پہونچایا گیا، اور مزید ستم یہ کہ ایسے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اور بھی خوف وہراس بڑھ گیا، کاروبار زندگی معطل ہو گیا، فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کے خلاف اقتصادی بائیکاٹ اور مقاطعہ کی تحریک چلا کر ان کو دوہری مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کا ایک وفد ان علاقوں کے دورے کے لئے گیا، اس نے فساد زدہ مقامات میں جاکر مظلومین سے ملاقات کی، حالات کا جائزہ لیا، مقامی ذمہ داروں اور ضلع افسران سے مل کر امن و امان کی بحالی اور لوگوں سے خوف وہراس دور کرنے کا مطالبہ کیا ناظم عمومی نے ریاستی حکومت کے ذمہ داروں کو بذریعہ ٹیلی گرام صورت حال کی طرف توجہ دلائی، اور مرکزی وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کو بھی بذریعہ تار کٹک اور کیندر پاڑہ کے مظلومین کی امداد و بحالی، و باز آبادکاری کی طرف متوجہ کیا۔

عرب اسرائیل جنگ

جمعیت علماء ہند کا ذہنی وفکری رابطہ عالم اسلام کے مسائل سے ہمیشہ رہا، بالخصوص فلسطین میں جب سے یہودیوں کو آباد کیا گیا اور مقامی عربوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوا اور فلسطینیوں نے اپنی آزادی کی جنگ کا آغاز کیا اس وقت سے مسلسل جمعیۃ علماء ہند عرب کاز کی حمایت کی اور ہندوستان میں عربوں کی حمایت کے لئے رائے عامہ ہموار کرتی رہی، خوش قسمتی سے حکومت ہند بھی جمعیت علماء ہند کی ہمنوا تھی،

اسرائیل کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ اس کے ہمدردوں نے اکٹھا کر دیا تھا، اس لئے اسرائیلی حکومت کو طاقت کا غرور تھا وہ فلسطین سے آگے بڑھ کر عرب حکومتوں پر حملہ کا خواب دیکھنے لگا، مئی ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی وزیر اعظم کی مسلسل دھمکیوں کی وجہ سے یہ خطرہ بڑھتا جارہا تھا کہ اسرائیل اپنے اسلحہ کے غرور میں ایک خطرناک جنگ شروع کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈ رہا ہے اور یہ خطرہ دوسرے ہی مہینے حقیقت بن کر سامنے آگیا، ۵ رجون ۱۹۶۷ء کو اسرائیلی حکومت نے شام، اردن اور متحدہ عرب جمہوریہ کے خلاف اعلان جنگ ہی نہیں کیا بلکہ حملہ کر دیا، امریکہ اور دوسرے یورپین ممالک اسرائیل کی پشت پر تھے، یہ جنگ پانچ دنوں میں ختم ہوگئی۔ اور پورے عالم اسلام کے سینہ کو چھلنی کر گئی، مسلمانوں کا قبلہ اول یہودیوں کے قبضہ میں آگیا،

جمعیت علماء ہند نے جب اسرائیلی حکومت کی ریشہ دوانیوں اور اس کے ناپاک ارادوں کو محسوس کیا تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے ملک میں رائے عامہ کو عربوں کے حق میں کرنے کے لئے تن تنہا میدان میں آئی، ہندوستان کی مسلم جماعتیں، بعض بڑی شخصیتیں اور ادارے اس وقت عربوں کے نکتے چین پر نکتہ چینیاں کر رہے تھے اور صدر ناصر کے خلاف اخبارات ورسائل میں دل کا بخار نکال رہے تھے، اور عربوں کی شکست پر ان کو کوئی ملال بھی نہیں تھا بلکہ عربوں پر فرد جرم عائد کرنے میں مصروف رہے۔ اور سی۔ آئی۔ اے کے مشن کو تقویت پہونچا رہے تھے، جمعیت علماء ہند نے ۲۸ مئی ۱۹۶۷ء کو سفراء عرب جن میں متحدہ عرب جمہوریہ

حکومت شام، اور حکومت اردن کے سفراء شامل تھے، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند میں مدعو کیا، عرب اسرائیل کی موجودہ صورت حال پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اپنی مکمل ہمدردی اور اخلاقی امداد و تعاون کا یقین دلایا۔

دوسری طرف مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے تمام ریاستی و ضلعی جمعیتوں کو سرکلر کے ذریعہ ہدایت کی کہ اسرائیلی جارحیت اور امریکہ سامراجی سازش کی مذمت میں احتجاجی جلسے کریں، یہ جلسے بلا امتیاز مذہب و ملت مشترکہ کئے جائیں، یہ مسئلہ صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ پوری دنیائے انسانیت کا مسئلہ ہے، اس اپیل پر ملک کے گوشے گوشے میں جلسوں کا اہتمام کیا گیا تاکہ عربوں کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کیا جائے اور اسرائیل کے خلاف آواز اٹھائی جائے تاکہ اسرائیل اور اس کے حلیف اپنے ناپاک ارادوں سے باز آجائیں۔

اس ہمہ گیر احتجاج کا نتیجہ یہ ہوا کہ برادرانِ وطن کے اہل الرائے اور مختلف سیاسی و سیکولر جماعتوں کے رہنماؤں نے جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ تعاون کیا، اندرون ملک اور بیرونِ ملک اور ہندپارلیمنٹ میں عربوں کے حق میں اور اسرائیل کی چیرہ دستیوں کے خلاف آواز اٹھائی اور حکومت ہند نے بھی اپنے موقف میں کوئی کمزوری یا تبدیلی نہیں کی جو فلسطین اور عربوں کے حقوق کے بارے میں انڈین نیشنل کانگریس کا ہمیشہ سے رہا ہے۔

اسرائیل نے ۱۹۶۷ء کے اس حملہ میں اُردن کے اس پورے علاقے کو ہڑپ لیا جو دریائے اُردن کے مغربی کنارے پر واقع ہے، جس میں مسلمانوں کا قبلہ اول اور سرزمین قدس بھی شامل ہے، عرب جمہوریہ کے غزہ کے علاقے اور صحرائے سینا کو غصب کرلیا جس میں ابنائے طیران کے شروع میں شرم الشیخ کی وہ اہم چوکی بھی شامل ہے جس کی وجہ سے نہ صرف خلیج عقبہ غیر محفوظ ہوگئی بلکہ پورا بحیرۂ احمر اور نہر سوئز اسرائیل کی دست درازیوں کے لئے کھل گیا، نہر سوئز سالوں بند رہی جس کی وجہ سے مصر کو اربوں روپیوں کا سالانہ نقصان اٹھانا پڑا۔

مرکزی دفتر کی ہدایت پر تمام ماتحت شاخوں کو عرب ریلیف کمیٹیاں بنانے کی ہدایت کی گئی، اردو، انگریزی اخبارات میں عربوں کی امداد کیلئے اپیلیں شائع کی گئیں، مسلم عوام

نے اپنی روایتی جماعتی ایثار سے کام لیا، قابل قدر اور لائق تحسین ہمت کا مظاہرہ کیا اور عرب ریلیف فنڈ میں ... کا سلسلہ شروع ہوگیا یہ رقم جب مرکزی دفتر آئی تو اس کی پہلی قسط ۲۲ جولائی ۱۹۶۷ء کو ایک لاکھ ایک ہزار ایک سو ایک روپیہ کی ماؤلنکر ہال میں وزیر صنعتی ترقیات مسٹر فخر الدین علی احمد کے ذریعہ عرب سفراء کو پیش کی گئی اور دوسری قسط ۴ ستمبر کو درگاہ شیخ کلیم اللہ پر منعقدہ جلسہ عام میں ایک لاکھ تراسی ہزار روپے کی عرب سفراء کو پیش کی گئی جس میں مصر، شام، اور اردن کے سفراء شامل تھے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۶۷ء کو مرکزی دفتر کی ہدایت پر ملک گیر پیمانے پر جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام یوم فلسطین منایا گیا۔ جس میں عرب کاز کی حمایت اور اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی گئی خوشی کی بات یہ تھی کہ اکثر مقامات پر برادران وطن بھی ان احتجاجی جلسوں میں شریک ہوئے، اور اپنے خیالات وجذبات کا اظہار فرمایا اور عربوں کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا یقین دلایا اور اسرائیلی جارحیت کی بھرپور مذمت کی، دہلی میں یہ احتجاج ایک تاریخی احتجاج تھا، جلسہ کے بعد عوام کی ایک زبردست بھیڑ نے امریکی انفارمیشن سینٹر پہونچکر اپنے غم وغصہ کا مظاہرہ کیا مظاہرین نے امریکی افسر کو میمورنڈم دیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ امریکہ اسرائیل کے مقبوضہ عرب علاقوں کو خالی کرائے، اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے وسیع پیمانے پر عرب کاز کی حمایت کے لئے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے اقدامات کئے، ۱۰ اگست ۱۹۶۷ء کو عرب ایڈ کمیٹی کے تحت سپرو ہاؤس میں ممبران پارلیمنٹ آل انڈین امن کونسل انڈین ایسوسی ایشن برائے افریشیائی یک جہتی کانفرنس کے اشتراک تعاون سے ایک قومی کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا، اس کے افریشیائی کمیٹی کی جانب سے عربوں کے ساتھ اظہار یک جہتی کے لئے ایک بین الاقوامی کانفرس کے انعقاد میں تعاون کیا اس میں اٹھارہ ملکوں اور ساٹھ بین الاقوامی تنظیموں نے حصہ لیا تھا، اس کانفرس کے ذریعے عربوں کے حق میں بین الاقوامی رائے عامہ بیدار کرنے میں مدد ملی۔

عرب کاز کی حمایت میں عام ہندوستانیوں کی رائے کو مستحکم کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک آل انڈیا فلسطین کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کے صدر حکومت ہند کے

سابق وزیر پروفیسر ہمایوں کبیر بنائے گئے۔

اس کے بعد مسجدِ اقصیٰ میں آتش زدگی کا حادثہ پیش آیا جو اتفاقی نہیں تھا بلکہ ایک سازش تھی جس میں ایک آسٹریلوی باشندہ کو استعمال کیا گیا تھا یہ واقعہ ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو پیش آیا ہندوستانی مسلمانوں نے جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ اپنے اضطراب و بے چینی کا اظہار کیا۔ ۲۹ اگست ۱۹۶۹ء کو جمعیۃ علماء ہند نے یوم مسجدِ اقصیٰ منانے کا اعلان کیا اور تمام ریاستی شاخوں کو ہدایات دی گئیں کہ اپنے اپنے مقامات پر احتجاجی جلسے منعقد کریں اور اس واقعہ کی مذمت کریں اور مطالبات کے ٹیلی گرام مجلس اقوام متحدہ یونسکو، وزارتِ خارجہ حکومتِ ہند اور اس کی نقلیں عرب سفراء کو بھیجی جائیں، جمعیۃ علماء ہند نے ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اس واقعہ کو بین الاقوامی کمیشن کے ذریعہ تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا، حکومتِ ہند کو مسلمانوں کی اس بے چینی کا احساس ہوا پارلیمنٹ میں اس واقعہ پر اظہار تشویش کیا گیا، اور وزیر اعظم نے بھی اپنے بیان میں اس کی مذمت کی۔

چراغ تلے اندھیرا

انسانیت کے نام پر ہندوستان نے عرب کاز کی حمایت کی کیوں کہ حق عربوں کی طرف تھا، یہ ایک قابل قدر جذبہ تھا لیکن اسی انسانیت کی آبرو ہمارے ملک میں مسلسل لوٹی جاتی رہی ۱۹۶۸ء کا آغاز ہی انسانیت دشمن فسادات سے ہوا فروری ۱۹۶۸ء میں کٹک، کیندرپاڑہ واڑلیہ جوناگڈھ، ویراول گجرات میں خونریز فسادات ہوئے اس کے بعد اندور مئوناتھ بھنجن ہیلی ڈھاڑ واڑ (سیلور) بلرامپور گونڈہ، مونگیر، چمپارن، دربھنگہ، سہرسا، کے فسادات بھی کچھ کم ہولناک نہیں تھے اس صورت حال سے اندازہ ہوا کہ ہندوستان میں فرقہ پرستوں نے ایکبار پھر اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں

اندور کا خونی ڈرامہ

اگست ۱۹۶۹ء میں اندور میں انتہائی ہولناک ہنگامہ قتل وخوں ریزی گرم ہوا اور زبردست تباہی و بربادی پھیلائی گئی، ۱۹۴۷ء کے دور میں جب پورے ملک میں آگ

لگی ہوئی تھی اور قتل وغارتگری کا طوفان برپا تھا ان حالات میں بھی اندور کے ہندو مسلمانوں نے یہاں کی فضا میں تلخی پیدا نہ ہونے دی اور کسی طرح کا کوئی ہنگامہ وفساد نہیں ہوا اب جبکہ ملک میں وہ حالات نہیں رہے، فرقہ پرستوں کی نظر عنایت اندور پر ہوئی گرو گوالکر کا دورہ ہوا، اندور میں آر ایس ایس کے والنیٹروں کی پریڈ شروع ہوئی اور جن سنگھ والوں نے اس علاقہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔ آر ایس ایس کے اخبار "سودیش" کی مسلم دشمن مہم اور اشتعال انگیز تحریروں نے مسلسل ذہنوں کو زہر آلود کیا اور بالآخر اگست ۱۹۶۹ء میں ان کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا اور اندور میں قتل وغارت گری اور آتش زنی کا سیلاب امڈ آیا حکام اور پولیس نے حسب معمول اپنے نکمے پن کا ثبوت دیا اور فسادیوں اور بلوائیوں کی جانبداری کرتی رہی، کرفیو کے اوقات میں مسلم محلوں میں آگ لگائی گئی، لوٹ مار، قتل وغارت گری اور عصمت دری کی جو وارداتیں ہوئیں ان میں سے اکثر وبیشتر کرفیو ہی کے اوقات میں ہوئیں اور پولیس شریک کار رہی، تین دنوں تک مسلسل مسلم محلوں پر آگ اور خون کی بارش ہوتی رہی اور مسلمانوں پر قیامت ٹوٹتی رہی۔ حکام جان بوجھ کر اغماض کرتے رہے اور حالات پر کنٹرول نہیں کیا۔ البتہ کچھ انصاف پسند اور انسانیت دوست افراد میدان میں آئے اور انہوں نے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی لیکن پولیس نے ان کی راہ میں بھی روڑے اٹکائے۔

اتنے بڑے شہر میں بیک وقت فساد کا پھوٹ پڑنا، ایک ہی وقت میں حملہ کا آغاز کرنا، سب کچھ اس بات کا ثبوت تھا کہ فساد منظم اور منصوبہ بند طریقہ پر ہوا تھا، کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا،

جمعیۃ علماء ہند نے ریاستی حکومت کے ذمہ دار وزرا اور چیف منسٹر کو ٹیلیگرام کے ذریعہ فساد کو فرو کرنے کی جانب توجہ دلائی اور ریاستی جمعیۃ علماء کے ایک وفد نے فوراً وزیر اعلیٰ سے ملاقات کرکے صورت حال کی نزاکت بتائی اور مزید خطرات سے آگاہ کیا، وزیر اعلیٰ بلاتاخیر اندور پہونچے اور ان کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں کی وجہ سے حالات پر کنٹرول ہوا، وزیر اعلیٰ نے اندور ہی میں قیام کے وقت جوڈیشیل انکواری کا بھی فوراً

اعلان کردیا یہ امن شناسی کا ایک بہتر مظاہرہ تھا، جمعیۃ علماء ہند نے ضلع حکام کے تبادلہ کا مطالبہ کیا، کیونکہ اس کے بغیر کوئی انکوائری دیانتدارانہ نہیں ہو سکتی۔

مئوناتھ بھنجن میں پولیس ایکشن

انھیں دنوں قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ میں سینما ہال میں دو نوجوانوں کے جھگڑے کو بہانہ بنا کر جو پولیس ایکشن ہوا وہ بھی ایک دردناک داستان ہے، یکطرفہ معزز مسلمانوں کی گھروں اور مسجدوں سے گرفتاری، اور ان پر انسانیت سوز مظالم، اور مسلم محلوں کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا گیا، دور افتادہ محلوں میں آگ لگائی گئی، کھلیانوں کو پھونک دیا گیا، بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، ہندی کے دو زہریلے اخبار ,, دیول ،، اور ,, گانڈیو ،، نے جھوٹی خبروں کے ذریعہ اس فساد کو اطراف میں پھیلا دیا اور بہت دور تک اس فضا کو زہریلا بنا دیا۔

اسی طرح قصبہ کوپا گنج ضلع اعظم گڈھ میں ,, رتھ یاترا ،، کے موقعہ پر فرقہ پرستوں کی چھیڑ چھاڑ اور شرارت کا واقعہ ہوا اس موقعہ پر پولیس غنڈوں اور شرارت پسندوں کی ہمنوائی کرتی رہی اور جن پولیس مینوں نے فساد کی روک تھام میں دلچسپی لی ان کو لائن حاضر کر دیا گیا، سیکڑوں مسلمانوں کو بلا قصور گھروں اور مسجدوں سے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، اور پورے قصبے کے مسلمانوں میں خوف وہراس پیدا کر دیا گیا۔

آگ بڑھتی اور پھیلتی رہی

اسی سال ہولی کے موقعہ پر ہبلی ضلع ڈھارواڑ (میسور) میں فساد ہوا اور انسانی جانیں ضائع ہوئیں، بالا گھاٹ کیرالہ میں بھی فرقہ پرستوں نے دنگا کرایا اسی طرح ہولی ہی کے موقعہ پر اترپردیش میں بلرام پور ضلع گونڈہ میں بھی فرقہ پرستوں نے خون کی ہولی کھیلی ان فسادات سے کچھ ہی پہلے ریاست بہار کے مختلف علاقوں مونگیر، چمپارن، دربھنگہ، سہرسا میں مسلم اقلیت پر چھوٹے بڑے حملے ہوتے رہے ستمبر ۱۹۶۹ء میں احمد آباد، بروڈہ اور دوسرے مقامات پر فسادات ہوئے، مسجدوں میں آگ لگائی گئی، اور قرآن پاک کے نسخے پھاڑے اور جلائے گئے، اس صورت حال سے اندازہ ہوا کہ ۱۹۶۹ء میں ہندوستان کے فرقہ پرستوں

نے ایک بار پھر اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں جمعیت علماء ہند کے دفتر میں جب بھی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھتی ہے تو دل ڈھڑکنے لگتا ہے اور ریسیور اٹھاتے ہوئے ڈر سا لگتا ہے کہ کہیں ہو فساد کی خبر ہو۔

احمد آباد کا ہولناک فساد۔

ستمبر ۱۹۶۹ء میں احمد آباد میں ہونے والا فساد اتنا ہولناک تھا کہ اس کی گونج بین الاقوامی دنیا میں سنی گئی، اور ہر طرف سے اس کی مذمت کی گئی، احمد آباد کے اس فساد نے رباط میں ہونے والی اسلامی کانفرنس میں جو اسرائیل کی مذمت اور عربوں کی حمایت کیلئے منعقد ہوئی تھی، ہندوستانی نمائندے کو جو عربوں کا حامی تھا، کانفرنس میں بیٹھنے کی اجازت تک نہیں دی گئی، کیا یہ کوئی معمولی حادثہ تھا؟ کہ دنیا کے کئی ملکوں نے ہندوستانی نمائندے سے احمد آباد کے فساد کا حوالہ دے کر یہی کہا کہ آپ کانفرنس میں شریک نہ ہوں تو بہتر ہے۔

ہندوستانی نمائندہ جس کو باقاعدہ دعوت دیکر بلایا گیا تھا، اور وہ رباط پہونچ چکا تھا لیکن کانفرنس ہال کے دروازے پر اس کو روک دیا گیا، ہمارے ملک کی یہ توہین صرف اس لئے ہوئی کہ احمد آباد میں فرقہ پرستوں نے وحشت و بربریت کا جو خونی ڈرامہ کھیلا تھا اس پر انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا تھا، ساری دنیا نے اس کی مذمت اور ملامت کی۔

مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیت علماء ہند احمد آباد گئے، فساد زدہ علاقہ کا دورہ کیا، مظلومین سے ملے، ان کی غمناک کہانیاں سنیں، ہر ممکن تعاون کی سبیل پیدا کی، ریلیف کا نظم کیا، ان کے زخموں پر مرہم رکھا، تسلی و تشفی دی، احمد آباد ہی تک فساد محدود نہیں تھا بلکہ قرب وجوار کے کئی علاقہ کو لپیٹ میں لے لیا تھا، بڑودہ میں بھی یہ آگ بھڑک اٹھی تھی، یہ فساد نصف ستمبر میں ہوا تھا، ریاستی حکومت نے اس کی خبر کو چھپا رکھا تھا، اور دہلی تک اس خبر کو پہونچنے نہیں دی تھی وزیر اعظم ہند کو سب سے پہلی اطلاع مولانا سید اسعد مدنی کے ذریعہ ملی۔

فسادات کی آگ کچھ ٹھنڈی ہوئی تو اربابِ جمعیۃ امدادی اقدامات کے لئے سب سے پہلے احمد آباد پہونچے، پورا علاقہ جو اس آگ کی لپیٹ میں تھا ان تمام مقامات پر امدادی کام

کرنے والوں کی صفِ اوّل جمعیۃ علماء کے اکابر، ورکروں اور اس کے خدام ہی سے مرتب ہوئی تھی، جب احمد آباد فساد کی آگ میں جل رہا تھا اسی دوران مولانا سید اسعد مدنی احمد آباد پہونچے تھے ان کے ہمراہ اس دورے میں مسٹر چندرجیت یادو اور مسٹر رندھیر سنگھ چودھری بھی تھے، لیکن حکومت گجرات نے آپ کو وہ سہولتیں نہیں دی جو ایسے موقعوں پر ضروری ہوتی ہیں، لیکن ارباب جمعیۃ ہمیشہ اس سے بے نیاز رہے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر ناظم عمومی تمام متأثرہ علاقوں میں پہونچے،

ناظم عمومی کا دوسرا دورہ اس وقت ہوا جب فساد کی تباہی بھیانک شکل اختیار کر چکی تھی، اجڑے ہوئے مکانات، جلی ہوئی دکانیں، اور مکانات اور پورے شہر پر موت کا سناٹا، اور بھیانک ویرانی احمد آباد پر بسیرا کئے ہوئے تھی، اور بگڑے ہوئے معاشی واقتصادی مسائل جب خون آشام عفریت کی طرح احمد آباد کے مظلوموں پر حملہ آور ہو چکے تھے اس وقت پھر ناظم عمومی نے احمد آباد اور اطراف وجوانب کے تمام متاثرہ علاقوں کا ایک طویل اور تفصیلی دورہ کیا، حالات کے سدھار اور امدادی اقدامات کے لئے ضروری نظم اور بندوبست جو ایک محدود وسائل کی جماعت کر سکتی تھی تا حدامکان زندگی کے وسائل فراہم کئے، ریلیف کمیٹیاں قائم کرکے ضروریاتِ زندگی کا بندوبست کیا جو کئی مہینوں تک جاری رہا، اس کے علاوہ فساد کی انکوائری کمیشن کے سامنے مضبوط شہادتوں قابل اور ماہر قانون دانوں کے ذریعہ فسادات کی تفصیل پیش کی، ناظم عمومی نے خود کمیشن کے سامنے پیش ہوکر فساد کے لرزہ خیز حقائق کو بیان کیا، بعد میں وزیر اعظم ہند اور وزیر داخلہ حکومت نے خود بھی احمد آباد کا دورہ کیا۔

تسلی کے چند الفاظ

مجبوریوں کی انتہا یہ ہے کہ ہم تسلی وتشفی کے چند الفاظ کے سوا ان مظلوموں کو اور کیا دے سکتے ہیں ورنہ انصاف کا تقاضہ تو اور کچھ اور تھا۔ مگر بد قسمتی سے ابھی ہمارے بازوؤں میں اس انصاف کو حاصل کرنے کی قوت پیدا نہیں ہو سکی ہے اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اپنی شدید بیچارگی اور بے بسی کے تکلیف دہ احساس کے ساتھ

احمد آباد کے مظلومین سے کہا،

" مسلمان ہمت نہ ہاریں، کسی اور پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پر بھروسہ رکھیں کہ جب یہ بحران ختم ہوگا تو انشاءاللہ مستقبل انہیں کا ہوگا۔ اپنے جان ومال کی حفاظت ایک مذہبی اور قانونی حق ہے مجلس عاملہ مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ آج کے بحرانی حالات میں اپنی مدد آپ کریں۔ اس طرح وہ ملک وقوم کا فریضہ انجام دیں ایک طرف وہ مظلوم کی امداد، پسماندہ طبقوں کو آگے بڑھانے اور مساوی سطح پر لانے اور سیکولرزم کو کامیاب بنانے کے لئے ہر شہر ہر قریہ اور ہر جگہ اپنے کو منظم کریں اور اپنے ساتھ ایسی طاقتوں کو شریک کریں جو ملک میں امن وسلامتی کی فضا پیدا کرنے، معاشی وسماجی انصاف قائم کرنے، سیکولرزم کو مضبوط بنانے کے لئے پوری دیانت داری سے آپ کا ساتھ دے سکیں "

پھر اس کے بعد تجویز میں نیشنل انٹی گریشن کونسل کی تجویز کا حوالہ دیتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کی پیش کردہ انسداد فسادات کی تجویز پر عمل کرنے اور ان کو بروئے کار لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

آل پارٹیز میٹنگ میں،

مسلمانوں کی مسلسل نسل کشی کے خونی اور رسوا کن واقعات نے حکومت کے ذمہ داروں کو مجبور کیا کہ وہ اس سلسلہ میں کچھ سوچیں اور کچھ کریں، اسی مقصد سے نیشنل انٹی گریشن کونسل کی اسٹنڈنگ کمیٹی کی طرف سے ملک کے فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کی تدبیروں پر غور کرنے کے لئے وزیر اعظم حکومت ہند کی صدارت میں ۳؍ نومبر ۱۹۶۹ء کو آل پارٹیز میٹنگ بلائی گئی اس میٹنگ میں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی، وزیر داخلہ مسٹر یشونت راؤ چوہان وزیر دفاع مسٹر سورن سنگھ، وزیر صنعتی ترقیات فخرالدین علی احمد کے علاوہ کشمیر سے بخشی غلام محمد، مسلم لیگ کے منسٹر محمد اسمٰعیل، جن سنگھ کے مسٹر بھنڈاری مسلم مجلس کی طرف سے ڈاکٹر فریدی شریک ہوئے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء نے شرکت فرمائی ناظم عمومی نے اپنی تقریر میں کہا۔

" فسادات اور قیام امن کے لئے جب تک مقامی ایڈمنسٹریشن اور ضلع حکام کو عملی طور پر ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ اور امن وامان کی بحالی سے چشم پوشی یا غفلت اور کوتاہی پر نااہل قرار دیکر مقامی ایڈمنسٹریشن اور ضلع حکام کو معطل اور برخاست نہیں کیا جائے گا اس وقت تک یہ تصور کرنا کہ ہم فرقہ وارانہ فسادات پر قابو پاسکیں گے صرف خیال خام اور خوش فہمی ہے "

ناظم عمومی نے کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ فسادات کے موقعہ پر امن پسند اور انصاف دوست جمہوری حلقوں کی وہ عظیم اکثریت جس کے سامنے مٹھی بھر فرقہ پرستوں اور امن دشمن غنڈوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ اپنے گھروں میں بیٹھکر قتل وغارت گری، درندگی وبہیمیت کے یہ تماشے دیکھتے رہتے ہیں، لیکن اس وحشیانہ اور انسانیت سوز فعل کے مقابلہ میں سامنے نہیں آتے، ایسی شکل میں اگر مقامی ایڈمنسٹریشن، پولیس اور ضلع حکام کی غفلت شعاری کو نظر انداز کیا جاتا رہا اور فسادات ہو جانے کے بعد ہم اسی طرح جمع ہو کر مذمت، اظہار ندامت اور کاغذی تجویزیں پاس کر کے بری الذمہ ہوتے رہے تو یقین کر لینا چاہیئے کہ آج کے بعد خدا نخواستہ کسی نئے حادثہ کے لئے ہمیں پھر اسی طرح جمع ہونا پڑے گا، لہذا ضرورت ہے موثر عمل کی اور مقامی ایڈمنسٹریشن اور ضلع حکام کو ذمہ دار بنانے کی،

آپ نے احمد آباد گجرات وغیرہ کے فسادات کا ذکر کرنے کے بعد دو باتوں کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی کہ فساد کے انسداد کی تدبیروں کے سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ اسکولوں کے نصاب میں تبدیلی کی جائے، بچوں کے ذہنوں کو فرقہ پرست اساتذہ مسموم کرتے ہیں اور بچپن ہی سے ان میں مسلمانوں سے نفرت وعداوت کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں، اس لئے نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم کو سیکولر بنانا چاہیئے، آپنے آر ایس ایس کی شاکھاؤں کا بھی تذکرہ کیا کہ آر ایس ایس جس ڈھنگ سے مسلمانوں کے خلاف جارحانہ تبلیغی مہم چلا

رہی ہے، جس طرح سے نوجوانوں کے ذہنوں میں منافرت اور تشدد کی آگ بھڑکا
رہی ہے اگر اسی طرح اس کو کھلی چھوٹ ملتی رہی تو ہندوستان میں انسانیت کا
روشن چراغ گل ہوجائے گا۔

آپ نے میٹنگ میں جمعیۃ علماء ہند کی انسداد فساد کی تجاویز بھی پیش کیا اور
بتایا کہ حکومت کے ذمہ داروں کو یہ تجاویز پیش کی جاچکی ہیں اور بار بار توجہ
دہانی کے باوجود اب تک اس کو بروئے کار نہیں لایا جارہا ہے ان تجویزوں
پر عمل کئے بغیر یہ لعنت ہندوستان سے دور نہیں ہوسکتی۔

پارلیمنٹ میں اظہار حقیقت

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں احمد آباد کے فساد پر گرما گرم بحثیں ہوئیں ۱۹ نومبر ۱۹۶۹ء
کو مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند، ایم۔ پی نے فسادات پر تقریر
کرتے ہوئے کہا، ؎ بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

مظلوموں کی آہ سے ڈرتے رہو کیوں کہ جس وقت یہ دعا کرتے ہیں تو قبولیت خود
بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہے،

ہمارے ملک کی آزادی کے بعد ان بائیس برسوں میں یک طرفہ فسادات فرقہ وارانہ
غارت گری، حیوان نما بربریت اور درندگی کے متعلق دستور ساز اسمبلیوں اور پارلیمنٹ
کے دونوں ایوانوں میں غور کیا گیا، نیشنل انٹی گریشن کونسل کے متعدد جلسوں نے اس
کے انسداد کے لئے سفارشات پیش کی ہیں، ہمارے معزز ممبروں اور حکومت کے
ذمہ داروں نے ملک کی اس صورتِ حال پر بار بار اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ لیکن آخر کیا
بات ہے کہ ملک کے بہت بڑے انصاف دوست، امن پسند طبقوں اور حکومت کے
ذمہ داروں کی فرقہ واریت سے بیزاری اور اسے ملک دشمن سمجھنے کے باوجود اب تک ہمارے
ملک سے یہ بدقسمتی دور نہیں ہوسکی اور منظم فسادات اور فرقہ وارانہ درندگی کی ایک
دہشت انگیز مہم مسلسل جاری ہے جس کے منصوبے ایک مخصوص طبقے کی نسل کشی کی

طرف اشارے کرتے ہیں ۔

آگ اور خون کا یہ تماشہ آج بائیس سال سے جاری ہے ، ملک کے ذمہ داروں کا قومی جرم یہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اس گناہ کی پردہ پوشی کی ہے ، اس ظلم کے جواز کے لئے تاویلیں کی ہیں ، ایڈمنسٹریشن کی مجرمانہ فرقہ پرستی کی تاویل کی ، اور اپنی کوتاہی کا الزام کسی دوسری طاقت کے سر ڈال کر بری الذمہ ہوتے رہے اور صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے اور پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے عمومی طور پر اس کی ہمت افزائی کی جاتی رہی ، یہاں تک کہ اب چنگاری شعلہ بن گئی اور زخم ناسور ہوگیا

آپ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا میں پوری صفائی کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ بات بالکل ناپسندیدہ اور شرانگیز ہے کہ جب ظلم و ناانصافی کی بات آ سکے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی بات آئے تو اسکا رشتہ پاکستان یا کسی بیرونی طاقت سے جوڑنے کی کوشش کی جائے یہ ہندوستانی مسلمانوں کی توہین ہے ان کی عزت ان کے وقار کی تذلیل ہے اور مسلمانوں کی مظلومیت کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش ہے ، پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے ، اندور میں ہوا ، احمد آباد میں ہوا بار بار اس کا اعادہ کیا گیا ہے میں مسلمانوں کی اس توہین کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہوں ۔

آپ نے احمد آباد کے واقعات کی اصلیت بتاتے ہوئے کہا کہ ۱۹ ستمبر ۱۹۶۹ء کے واقعہ پر مسلمانوں نے معذرت کی اور افسوس کا اظہار کیا ، لیکن ایڈمنسٹریشن کی چشم پوشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرقہ پرست اشتعال پھیلاتے رہے ، ۱۸ و ۱۹ ستمبر کی درمیانی شب میں غیر مسلم ایریا میں دو مسجدیں جلائی گئیں ، قرآن کریم جلائے گئے ۱۹ ستمبر کو ہینڈبل نکلے اخبارات نے جھوٹی اور اشتعال انگیز سرخیاں لگائیں ، جلسوں کا اعلان کیا گیا ان سب کارروائیوں میں جن سنگھ اور ہندو دھرم رکشا سمیتی ، کے لوگ آگے آگے رہے اگر اس وقت پمفلٹ اور اخبارات ضبط کر لیے جاتے ، اور چند اشتعال پھیلانے والوں کو پکڑ لیا جاتا تو فساد کو روکا جا سکتا تھا ۔

۱۹ ستمبر کی شام کو چھ بجے جب کہ شہر میں لوٹ مار ، غارتگری اور آتش زنی عام ہو چکی

تھی۔ مسلمانوں کا ایک وفد وزیر اعلیٰ سے ملا اور درخواست کی کہ مسجدیں توڑی جارہی ہیں جلائی جارہی ہیں، مکانوں اور دکانوں کو لوٹا اور جلایا جارہا ہے فوراً کرفیو لگائیے، مگر وزیر اعلیٰ سوچتے رہے اور بہت دیر بعد دس گیارہ بجے شب میں کرفیو لگایا گیا، پھر بھی فسادیوں نے فوج کے آنے تک اس پر کوئی عمل نہیں کیا، بلکہ کرفیو کے اوقات میں کئی پولیس اسٹیشن کے سامنے چند گز کے فاصلے پر لوٹ مار اور آتش زنی کے واقعات ہوتے رہے اور پولیس تماشائی بنی رہی، مسلمان افسروں کو بے بس رکھا گیا، انھیں بلا قصور تبدیل کردیا گیا، اور راسوانی جس پر دو مسلمانوں کو بلا کر شوٹ کرنے کا الزام ہے آج تک معطل نہیں کیا گیا،

آپ نے مزید کہا کہ میں اس درمیان احمد آباد، بڑودہ، پالن پور، کھیڑا، کرڈھی وغیرہ مختلف فساد زدہ مقامات کا دورہ کرچکا ہوں، لیکن میرے یا میرے ساتھی حرمز ندھیر سنگھ اور چندر جیت یادو کے مشاہدات کو چھوڑیئے، میں کہتا ہوں اگر صرف نیشنل پریس کی تفصیلات میں واقعات کو منحصر تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس ہاؤس کے سامنے حق و انصاف کی پوری طاقت کے ساتھ کہتا ہوں کہ گجرات کی ریاستی حکومت نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مجرمانہ غفلت کی ہے، اگر یہ پالیسی بن سکے تو حکومت کو باقی رہنے کا کوئی آئینی اور اخلاقی جواز نہیں ہے ایسی حالت میں حکومت کو استعفا دینا چاہیئے، گجرات کی ریاستی حکومت نے قتل و غارت گری تباہی و بربادی کے بعد مظلوموں پر بھی مظالم ڈھائے ہیں تو میں پورے زور سے کہوں گا کہ اس حکومت کا ضرور استعفا ہونا چاہیئے،

گجرات کی حکومت نے قتل و غارت گری کے بعد مظلومین پر مظالم ڈھائے ہیں، کیمپوں میں پولیس نے ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، میں نے وہاں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی لاشیں دیکھی ہیں، میں نے وہاں جلی ہوئی لاشیں دیکھی ہیں، اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں، اس طرح وہاں زندہ انسانوں کو آگ پر بھونا گیا ہے، مشترکہ کالونیوں میں بھی ایسا ہوا ہے، اسی طرح وہاں جو پناہ گزیں کیمپ ہے وہ ایک جیل خانہ ہے میں نے وہاں دیکھا ہے کہ لوگوں کو زبردستی شہر سے باہر بھیجا جارہا ہے تاکہ فرسٹ انفارمیشن

رپورٹ درج نہ ہو سکے، کمیشنز نہ بن سکیں، جن کے آدمی اس فساد میں مارے گئے ہیں ان کو پانچ پانچ ہزار روپے دینے کا اعلان کیا گیا ہے مگر وہاں کوئی کہنے والا نہیں کہ میرا آدمی مارا گیا ہے، یہ رقم مجھے دیدو، خدا جانے وہ لوگ، مقتولین کے ورثاء کہاں بھیج دیئے گئے؟ ایسی صورتِ حال وہاں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ کی گئی ہے۔

آپ نے آخر میں فرمایا کہ "یہ بات بالکل غلط ہے کہ احمد آباد میں "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگائے گئے، میں پوری ذمہ داری اور تحقیقات کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں، یہ صرف اشتعال پھیلانے کے لئے کیا گیا ہے، احمد آباد میں جن لوگوں کو پاکستان کا ایجنٹ کہا جاتا ہے ایسی کوئی چیز نہیں تھی، کوئی مسلمان ہندوستان میں پاکستان کا جاسوس بن کر آئے تو شاید آج تک وہ کوئی مسلمان نہیں ہوا اور اب تک ملک کی بدقسمتی سے ایسے غیر مسلم بھائی ہی رہے ہیں اور آئندہ بھی ان کو موقعہ ہے کہ وہ پاکستان کی جاسوسی کریں آج جتنی فرقہ پرست پارٹیاں ہیں وہ ان کے مقصد کو پورا کر رہی ہیں۔ وہ پاکستان کے ایجنٹ اور وہی اس کی دلال ہیں۔

ملک کا سیاسی بحران

سنہ ۱۹۶۸ء اور سنہ ۱۹۶۹ء ان دو سالوں میں کانگریس اندرونی طور پر شکست و ہزیمت کا شکار رہی اور وہ عوامل پوری طاقت سے کام کر رہے تھے جو اس کے استحکام کو گھن کی طرح کھا رہے تھے مئی سنہ ۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند کے انتقال کے بعد نئے صدر جمہوریہ کے انتخاب کے سلسلے میں کانگریس کی اندرونی کشمکش نے باقاعدہ تصادم کی صورت اختیار کرلی، اس تصادم میں کانگریس کا ایک حصہ مسز اندرا گاندھی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگیا، بقیہ دوسروں نے اپنا الگ محاذ بنالیا، سرکاری امیدوار کے بجائے مسٹر وی، وی گری جن کو اندرا گاندھی کی حمایت حاصل تھی، جیت گئے اور سرکاری امیدوار کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، یہی وہ زمانہ ہے جب اندرا گاندھی نے اپنی قوت کو آزمایا تو انہوں نے سب سے پہلے مرارجی ڈیسائی وزیر خزانہ کو وزارت سے الگ کر کے بینکوں کو نیشنلائز کرنے کا آرڈیننس جاری کر دیا یہ ابتدا تھی ان اقدامات کی جو

مستقبل میں اندرا گاندھی کے پیشِ نظر تھے، چونکہ کانگریس کے دوسرے گروپ کو صدر جمہوریہ کے الیکشن میں ذلت آمیز شکست ہوئی تھی اس لئے انھوں نے اندرا گاندھی کے خلاف ایک مضبوط محاذ بنالیا اندرا گاندھی نے کانگریس کے جسم کا سب سے بڑا آپریشن کیا اور اپنے تمام مخالفین کو کانگریس سے نکال باہر کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، اسی دوران سابق راجوں مہاراجوں کے پریوی پرس اور مراعات کو ختم کرنے کرنے کا بل صرف ایک ووٹ سے راجیہ سبھا میں منظور نہ ہوسکا اور حکومت کو شکست ہوگئی، اور اس کی تنسیخ کے لئے صدر جمہوریہ کا جاری کردہ فرمان سپریم کورٹ سے ناجائز قرار دیا گیا اس لئے اب کوئی چارۂ کار نہیں رہا اور پارلیمنٹ کو توڑ دینا پڑا تاکہ نیا انتخاب ہوسکے۔

حالات اندرا گاندھی کے موافق ثابت ہوئے اور الیکشن میں اندرا گاندھی کو پارلیمنٹ میں دو تہائی سے بھی زیادہ اکثریت حاصل ہوگئی، پانچویں پارلیمنٹ کا یہ الیکشن دراصل سیکولرزم، جمہوریت اور سوشلزم کا بہت بڑا معرکہ تھا اس کا اثر نہ صرف ہماری داخلی سیاست پر پڑنے والا تھا، بلکہ بیرون ملک میں بھی اس کے اثرات کا پڑنا لازمی تھا،

بنگلہ دیش ایک نیا ملک

یہی وہ زمانہ ہے جب پاکستان میں ایک عرصہ کی فوجی ڈکٹیٹرشپ کے بعد "ایک فرد ایک ووٹ" کے اصول پر پاکستان کے دونوں حصوں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں الیکشن ہوئے، بنگال کے مقبول ترین لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان کے استحصال اور قاہرانہ بالادستی سے تنگ آکر خود مختار حکومت کے پروگرام کو لے کر الیکشن میں حصہ لیا اور مشرقی پاکستان میں سو فیصدی کامیابی حاصل کی لیکن مغربی پاکستان کے تنگ نظر حکمرانوں نے شیخ مجیب الرحمٰن پر بغاوت کا مقدمہ قائم کر کے نظر بند کردیا اور طاقت کے بل پر مشرقی بنگال پر اپنی ڈکٹیٹرشپ بحال رکھی، مارچ ۱۹۶۹ء کے تیسرے ہفتے میں اندرا گاندھی نے زمام اختیار سنبھالی اور آخر مارچ میں مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کی فوجوں نے دھاوا بول دیا اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں اور بہنوں پر وہ مظالم کئے

کہ چنگیز و ہلاکو کے مظالم بھی اس کے سامنے گرد ہو گئے، مگر بنگال کی مکتی باہنی فوجی تنظیم نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور کچھ دوسری مدد بھی اس کو حاصل ہو گئی جس کی وجہ سے پاکستانی فوج کو شکست ہوئی نوے ہزار فوجی قید ہوئے اور پاکستان کا بڑا حصہ مغربی پاکستان کے استحصال سے تنگ آکر علیحدہ ہو گیا اور مشرقی پاکستان کے بجائے اس نئے ملک کا نام "بنگلہ دیش" پڑ گیا۔

پاکستان جن پاکیزہ تصورات اور دین و مذہب کے اعلیٰ اقدار اور اسلامی حکومت کے بلند ترین تخیلات کے نام پر بنایا گیا تھا، جب ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے فرمانرواؤں نے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کے ساتھ اس وحشت و بربریت کا سلوک کیا تو ہم کو یقین نہیں آتا کہ تقسیم ملک کے عوامل درحقیقت وہی تھے جن کا اسٹیج سے برابر اظہار کیا جارہا تھا، ورنہ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں پر مظالم کے لئے کیا وجہ جواز بن سکتی ہے بنگلہ دیش میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا تین کروڑ سے زیادہ لوگ بے گھر ہو گئے ایک کروڑ انسانوں کو ترک وطن کر کے ہندوستان آنا پڑا اور دس ماہ کیمپوں میں رہنا پڑا، عورتوں کو بے آبرو کیا گیا، لاکھوں عورتیں بیوہ ہو گئیں اور بچے یتیم ہو گئے، کروڑوں کی املاک تباہ ہوئیں اور یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہوا، خرد کا نام جنوں اور جنوں کا نام خرد رکھنے کی یہ ایک زندہ مثال ہے، اگر پاکستان کے حکمرانوں میں دین کا ذرا بھی جذبہ ہوتا تو صورتِ حال بدل سکتی تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ طاقت کے بل بوتے پر اسے مجبور و مقہور بنائے رکھنے کی پالیسی نے بنگالیوں کو پاکستان کے نام سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا اور انھوں نے پاکستان سے آزادی کی تحریک کا آغاز کر دیا اور بالآخر ظلم و جبر کا انجام ہمیشہ شکست رہا اس لئے بنگلہ دیش کامیاب رہا۔ اور اس نے اپنی ایک آزاد خود مختار حکومت قائم کر لی جسے جلد ہی ساری دنیا نے تسلیم کر لیا اور وہ سارے دلائل کند چھری ثابت ہوئے جو تقسیم ملک کے موقعہ پر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے شمشیر براں بنتے رہے ہے۔

ناظم عمومی کا معائنہ کیمپ

بنگلہ دیش سے آنے والے مظلوموں کا بذاتِ خود مشاہدہ کرنے کے لئے مولانا سید احمد ہاشمی ناظم جمعیت علماء ہند ان کے کیمپ گئے اور واپس آکر اخبار میں وہاں کے حالات پر ایک سلسلۂ مضمون لکھا اور ملک کو بنگلہ دیش میں پیش آنے والے واقعات وحقائق سے واقف کرایا، جمعیت علماء ہند نے مسلمانوں کی اس آپسی خانہ جنگی کو بڑے درد وکرب سے دیکھا اس نے مشرقی پاکستان پر حملے کے ٹھیک ایک مہینے کے بعد ۲۶ اپریل ۱۹۷۱ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا،

"جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس مشرقی بنگال میں ہونے والے انسانیت سوز مظالم پر اپنی بیزاری اور اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، مشرقی بنگال پر جو مظالم ہوئے ہیں وہ پوری مہذب دنیا کے لئے باعثِ تشویش ہیں، اسلام ایسے قتل وغارت گری کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، جمعیت علماء ہند کا تاثر یہ ہے کہ اگر پاکستان کے اہل حل وعقد وسعتِ قلبی، بلند حوصلگی، دانشمندی اور تدبر سے کام لیتے تو آپس کی یہ خوں ریز جنگ، انسانی جانوں کی اتنی بڑی تباہی اور مال ومتاع کی غارت گری سے بچا جاسکتا تھا جمعیت علماء ہند پاکستان کے ذی شعور دانشور اور سنجیدہ اہل فکر سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ننگِ انسانیت مظالم اور خون ارزانی کو بند کرانے کے لئے پوری جدوجہد صرف کریں جمعیت علماء ہند مشرقی بنگال کے ان ستم رسیدہ مظلوموں سے ہمدردی کا اظہار کرتی ہے، جو ظلم وجبر، ناانصافی اور بربریت کا شکار ہوئے ہیں،

شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کرو،

بنگلہ دیش کے عظیم اور ہر دلعزیز رہنما شیخ مجیب الرحمٰن پر فوجی عدالت میں بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا، پاکستان کے سابق صدر یحییٰ خان نے یہ اعلان کیا کہ شیخ مجیب کو کسی وقت بھی پھانسی دی جاسکتی ہے، اس موقعہ پر جمعیت علماء ہند نے ایک بار پھر اپنا

قومی و ملی فریضہ ادا کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن کے مقدمہ پر اظہارِ تشویش کرتے ہوئے ان کی رہائی کے لئے آواز بلند کی، ۱۸، ۱۹ ستمبر ۱۹۷۱ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں ایک تجویز کے ذریعہ جمعیت علماء ہند کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کی گئی۔

"جمعیت علماء ہند شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری اور ان پر مقدمہ چلانے پر اپنی سخت تشویش و اضطراب کا اظہار کرتی ہے اور یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری اور مقدمہ چلانے کی خبروں نے تمام انسانیت دوست عوام کے دلوں میں سخت تشویش پیدا کر دی ہے، نہ صرف جمعیت علماء ہند بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں اور دنیا کے تمام انسانیت دوستوں اور انصاف پسندوں کی خواہش ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر کے مشرقی بنگال کا سیاسی حل نکالا جائے اور دنیا کے امن پسند عوام کے لئے سکون و مسرت کا موقعہ فراہم کیا جائے مقدمہ کی واپسی اور مشرقی بنگال کا سیاسی حل جہاں ہند و پاکستان اور دنیا کے عوام کے لئے باعثِ سکون ہوگا وہاں پاکستان کے لئے بھی استحکام اور نیکنامی کا باعث ہوگا"

مگر جمعیت علماء ہند کی آواز پر کان نہیں دھرا گیا، دنیا کے سب سے ہوشمند اور ذی شعور اور انسانیت دوستوں کی اپیل رائیگاں گئی اور شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا نہیں کیا گیا اور جمعیۃ علماء ہند کا اندیشہ حقیقت بن گیا اور پاکستان کے دونوں حصوں میں ایک خوں ریز جنگ کا آغاز ہوگیا اس جنگ نے ایک نئے مسلم ملک بنگلہ دیش کو حقیقت کا روپ دیدیا اور جب بنگلہ دیش واقعات کی منطقی ترتیب کے نتیجہ میں وجود میں آیا تو اس کے حقیقی وجود سے انکار کرنا ناممکن ہوگیا، اس لئے جمعیت علماء ہند نے شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی اور بنگلہ دیش واپسی اور زمام اختیار سنبھالنے پر انکو مبارکباد دی۔ لیکن اس مبارکباد کے موقعہ پہ واقعہ کے ایک المناک پہلو کی طرف توجہ دہانی کو فراموش نہ کر سکی،

مشرقی بنگال میں بہاری مسلمانوں کا جو قتلِ عام ہوا اور مکتی باہنی نے غیر بنگالی مسلمانوں پر جو عبرتناک مظالم کئے وہ بھی تاریخ کا بدترین اور انتہائی دردناک واقعہ تھا

بنگالی مسلمانوں نے غیر بنگالی مسلمانوں کا جس بے دردی اور وحشت وبربریت کے ساتھ قتل عام کیا وہ دنیائے انسانیت کا قابل صد مذمت واقعہ تھا، بہاری مسلمانوں کے خاندان کے خاندان کو ختم کر دیا گیا، بچے بوڑھوں عورتوں کسی کو نہیں بخشا گیا، جمعیۃ علماء ہند نے ان بہاری مسلمانوں پر ہونیوالے مظالم کے سلسلہ میں ۲۲ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو بنگلہ دیش کے قائم مقام صدر سید نذر الاسلام کو ایک خط لندن سے آئے ہوئے ایک ٹیلی گرام کے ساتھ روانہ کیا، خط میں لکھا گیا کہ "خط کے ساتھ منسلک ٹیلیگرام کے علاوہ کچھ دوسرے ذرائع اور

اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ غیر بنگالیوں پر جبر و تشدد کیا جا رہا ہے اس مسئلہ پر فوری توجہ کرنے کی سخت ضرورت ہے، اس کی روک تھام کے لئے فوری اقدام ہونا چاہیئے

اسی مضمون کا ایک خط وزیر اعظم حکومت ہند کو بھی لکھا گیا، پھر ۱ر فروری ۱۹۷۲ء کو شیخ مجیب الرحمٰن کو اس مسئلہ پر توجہ کرنے کے لئے خط لکھا گیا۔ اس خط کی کاپی بھی وزیر اعظم حکومت ہند، وزیر خارجہ شری سورن سنگھ، وزیر زراعت مسٹر فخر الدین علی احمد، وزیر صنعتی ترقیات مسٹر معین الدین چودھری اور بنگلہ دیش مشن نئی دہلی کے سربراہ مسٹر ہمایوں رشید چودھری کو بھی بھیجا گیا، اس کے بعد حکومت کے ذمہ داروں سے مل کر کچھ ٹھوس اقدامات بھی تجویز کئے گئے، شیخ مجیب الرحمٰن کو خط میں لکھا گیا تھا

"بنگلہ دیش سے آنے والے متعدد خطوط میں غیر بنگالی مسلمانوں کی مشکلات اور ان کے مسائل کی دردناک اطلاعات مل رہی ہیں، ان مسلمانوں کی معاشی مشکلات اور جان کے عدم تحفظ کا المناک ذکر ملتا ہے،

اس مسئلہ پر انسانیت کے نقطۂ نظر سے غور کرنے کی سخت ضرورت ہے آپ کی دانشمندانہ قیادت میں انتقامی کارروائی کو ختم ہونا چاہیئے اور ایسے اقدامات کئے جانے چاہیئے کہ بنگلہ دیش میں غیر بنگالیوں کو پناہ مل سکے، اور وہ اس کو اپنا وطن سمجھ سکیں"

جلگاؤں اور بھیمڑی جل اٹھا

جولائی ۱۹۷۰ء میں جلگاؤں قلابہ اور بھیمڑی میں زبردست فسادات ہوئے بھیمڑی اور جلگاؤں میں جانی نقصان کے ساتھ زبردست مالی نقصان بھی ہوا بھیمڑی پاور لوم صنعت کا بہت بڑا مرکز ہے فسادیوں نے خاص طور پر اسی صنعت کو نشانہ بنایا اور ان کارخانوں میں آگ لگا کر اقلیتی فرقہ کی معاشیات کو تباہ و برباد کر دیا، یہ فساد کئی دنوں تک چلتا رہا ناظم عمومی مولانا سید اسعد مدنی نے فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا، مظلومین سے ملے، زخمیوں کو دیکھا، شہید ہونے والے گھرانوں کو تسلی و تشفی دی، آتشزنی کے شکار کل کارخانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، پھر ذمہ داران حکومت سے مل کر امن وامان کی بحالی اور مظلومین کی امداد اور باز آبادکاری کی طرف توجہ دلائی، ہزاروں مقدمات جو بے قصور مسلمانوں پر ایسے چلائے گئے تھے، بمبئی کی ریاستی جمعیۃ علماء نے ان کی بھرپور پیروی کی اور لاکھوں روپے کے اخراجات برداشت کئے، مگر مظلوم مسلمانوں کو اس دُہرے عذاب سے نجات دلایا۔

اور ۱۲ر جولائی ۱۹۷۰ء کے اجلاس عاملہ میں ناظم عمومی مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے دورۂ بھیمڑی وجلگاؤں کی تفصیلات اور اپنے تاثرات پیش کئے، ان کی روشنی میں مجلس عاملہ نے درج ذیل تجویز میں اپنے جذبات کا اظہار کیا،

"بھیمڑی اور جلگاؤں ضلع تھانہ اور قلابہ اور دوسرے مقامات کے حالیہ فسادات ہولناک اور منظم فسادات میں یک طرفہ انتہائی درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا گیا، اور فسادی طاقتوں کے ساتھ مقامی پولیس نے مجرمانہ تعاون کیا اور گرفتار شدگان پر وحشتناک مظالم کئے گئے، بھیمڑی میں صنعتی کارخانے برباد کر دیئے گئے"،

تجویز میں حکومت مہاراشٹر سے مظلومین کی امداد وبحالی و آبادکاری اور افسران ضلع کو جلد سے جلد معطل کر کے ان کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ

کیا گیا اور حکومت نے جو انکواری کمیشن کا دائرۂ کار شہروں تک محدود رکھا تھا
اس کو وسیع کر کے تمام فساد زدہ مواضعات کو اس کے دائرۂ کار میں شامل
کرنے کا مطالبہ کیا گیا،
اجلاس میں آر ایس ایس پر پابندی لگانے اور قومی یک جہتی کونسل کے
اجلاس منعقدہ سری نگر کی تجاویز کو بروئے کار لانے کی مانگ کی گئی۔

چائیباسہ میں فساد

چائیباسہ میں فساد نے شدت اختیار کی اور اس کے نتیجہ میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں
کو تباہ و برباد کیا گیا، ان کی معاشیات کو اس درہم برہم کر دیا گیا کہ بہت سے خاندان
نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے، پورے علاقہ میں خوف و ہراس نے مسلمانوں کی زندگی کو
اجیرن بنا دیا، پولیس نے مسلمانوں کی حفاظت سے چشم پوشی کی اور الٹے فسادیوں کی
جانبداری کرتی رہی اور اس آگ کو اور بھڑکانے میں اس کے رویہ سے مدد ملتی رہی، ان
حالات سے مجبور ہو کر ریاستی جمعیت علماء بہار نے بہار اسمبلی کے سامنے چائیباسہ میں ہونے
والے مظالم کے خلاف احتجاج کیا لیکن اس احتجاج سے متاثر ہو کر حکومت چائیباسہ
کے حالات کو معتدل بنانے کی طرف متوجہ کیا ہوتی، الٹے اس نے احتجاج کرنیوالے
جمعیت علماء کے رہنمائوں ورکروں اور کارکنوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا، جمعیت علماء ہند
کی مجلس عاملہ نے بہار اسمبلی کے سامنے جمعیت علماء ہند کے کارکنوں کے احتجاج پر
ریاستی جمعیت علماء بہار کے ذمہ داروں کی گرفتاری پر ریاستی حکومت کے اس جابرانہ طرز
عمل کی مذمت کی اور حکومت بہار کے اس اقدام کو غیر قانونی اور غیر منصفانہ بتایا گیا،
اور اس کو اقلیت پر ظلم سے تعبیر کیا گیا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ گرفتار شدگان
کو جلد از جلد رہا کیا جائے،

ہزاری باغ میں فساد

اکتوبر ۱۹۷۰ء میں پترا ضلع ہزاری باغ میں فساد ہوا، ایک مردہ گائے کہیں پڑی ہوئی پائی گئی. بس اتنا بہانہ ایک خوں ریز ہنگامہ کے لئے کافی تھا، ایک جن سنگھی لیڈر کی اشتعال انگیزی اور ایک مندر کے سادھو کی زہریلی تقریروں اور گمراہ کن پروپیگنڈوں سے صورت حال بگڑ گئی، شرپسندوں نے افواہ اڑائی کہ مسلمانوں نے گائے ذبح کی ہے، پولیس حرکت میں آئی اور بہت سے مسلمانوں کو پکڑ کر لے گئی اور جیل بھیج دیا، دوسری طرف جن سنگھ اور آر ایس ایس کے والینٹروں نے ایک منظم منصوبہ کے تحت قتل وغارت گری آتش زنی اور لوٹ کھسوٹ مچادی، پانچ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، بارہ مسلمانوں پر چھرے سے کاری زخم لگائے گئے، دوکانوں اور مکانوں کو لوٹ کر خالی کر دیا گیا اور پھر آگ لگادی گئی

اسی طرح دوبارہ رانچی میں بھی فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور اپنی روایتی وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا،

پارلیمنٹ میں فریاد کی گئی،

سال رواں میں فسادات کے تسلسل نے پھر ایک بار مجبور کیا کہ مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیت علماء ہند پارلیمنٹ کے معزز ایوان تک مظلوم مسلمانوں کی فریاد پہنچائیں آپ نے ۲۰ اپریل ۱۹۷۰ء کو پارلیمنٹ میں مسلم اقلیت کی مسلسل نسل کشی پر تقریر کرتے ہوئے کہا،

"ابھی تازہ واقعہ جائباسہ کا ہے، جہاں اگر فرقہ پرستوں اور پولیس کی سازش نہ ہوتی تو اقلیتی طبقہ کے پچیس افراد کی جان نہ جاتی، اور نہ لاکھوں روپے کی املاک لوٹی جلائی جاتی. میں خود جائباسہ گیا ہوں، میں نے خود ان باتوں کا جائزہ لیا ہے، ہمارے پاس ثبوت ہے کہ حکومت کو علم تھا کہ رام نومی کے موقعہ پر فساد ہونے والا ہے، پولیس نے حالات سے چشم پوشی کی، ہزاروں کے جلوس میں صرف چھ کانسٹبل جلوس کے ہمراہ تھے. مسلمان محلوں میں

میں جلوس والے زبردستی گھسے اور جھوٹ موٹ شور مچا دیا کہ مسلمانوں نے بم پھینکا ہے اور ایک کانسٹبل کو مار ڈالا ہے، فوراً مسلح پولیس آتی ہے مسلمانوں کے تمام راستوں کو گھیر لیتی ہے اور کرفیو کا اعلان کر دیا جاتا ہے پھر کرفیو ہی میں دکانوں کو لوٹا گیا، جلایا گیا، مسلمانوں کو گھروں سے نکال نکال کر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا، اور ان کو اٹھا کر انتہائی بربریت کے ساتھ جلتی ہوئی دکانوں اور آگ اگلتے ہوئے مکانوں میں پھینک دیا جاتا ہے بند مکان کے اندر جہاں عورتیں، بچے بند تھے پولیس نے گولیاں چلائیں، جن سے عورتیں اور بچے زخمی ہوئے

فساد کی منصوبہ بندی سے پولیس اور ایڈمنسٹریشن کی مجرمانہ غفلت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ٹھیک جس وقت جائباسہ میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جاتا ہے اسی وقت شہر سے تین میل دور آئی ٹی۔ آئی کالج کے ایڈیشن سپرانٹنڈنٹ جے رحمان کو کالج کے کیمپس کے کوارٹر میں پرنسپل کی طرف سے تحفظ کی یقین دہانی کے باوجود قتل کر دیا جاتا ہے، بہانہ یہ تراشا جاتا ہے کہ ان کا تعلق پاکستان سے تھا، حالانکہ وہ بانکوڑا کے تھے۔ جھوٹے بہانے بنا کر معمولی معمولی افواہوں پر فساد برپا کیا جاتا ہے، ملک کے اکثر و بیشتر فسادات خواہ وہ بلرام پور گونڈہ، مئوناتھ بھنجن، کٹک، کیندرپاڑہ ہو یا دلیشہ ٹیٹاگڑھ، تیلن باڑی اور بھینسہ ہو، حیدرآباد ہو یا نوادہ احمد آباد، بھلائی ہو یا بڑودہ جہاں کسی فرقہ پرستی اور نازیزم نے پیر پھیلائے ہیں وہاں واقعات کی تفصیل یہی ہے، یا تو محض بے بنیاد افواہ تھی جس کو بہانہ بنا کر فساد برپا کیا گیا یا بہت معمولی سا سماجی واقعہ جسے ایک طبقہ کا اجتماعی جرم بنا کر پولیس اور مقامی ایڈمنسٹریشن کے سازش سے پوری کمیونٹی کی قتل و غارتگری کی گئی اور پولیس کھڑی تماشہ دیکھتی رہی

اسی جائباسہ کا واقعہ ہے، ایک کار چھپوا سے آرہی تھی اس میں ایک شخص اور ایک بچہ تھا بلوائیوں نے کار کو گھیر لیا اور کار پر پٹرول چھڑک کر دونوں سواریوں

سمیت عین پولیس اسٹیشن کے سامنے جلا کر خاک کر دیا گیا پولیس اسٹیشن سے بہ مشکل دس بارہ فٹ کا فاصلہ ہوگا۔ پولیس تھانے میں موجود تھی اور رکھلے بندوں کار کو سڑک پر جلا کر خاک کر دیا گیا پولیس کیسے بری ہو سکتی ہے؟ پولیس اسٹیشن کے سامنے سینکڑوں مکان اور دو کانیں لوٹی اور جلائی گئیں، اسی طرح صدر تھانے کے سامنے ایک مسجد اور چار دکانیں جلائی گئیں، سڑک کے دونوں طرف صدر بازار میں مسلمانوں کی ۴۴ دکانیں تھیں ۴۰ دکانیں لوٹ کر خالی کر دی گئیں ان میں سے چار کو جلا بھی دیا گیا اور اب وہاں صرف چار دکانیں باقی رہ گئی ہیں۔

معزز صدر صاحب! ان تمام حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل صاف اور عیاں ہے کہ فرقہ پرستی کے عفریت کو اس وقت تک مارا نہیں جا سکتا جب تک عوامی محاذ کے ساتھ ہی لا اینڈ آرڈر کے کاز کو مضبوط نہ بنایا جائے۔ لا اینڈ آرڈر کی چشم پوشی اور عمومی طور پر پولیس اور ضلع حکام کی فرقہ پرستانہ فکر و ذہن نے فرقہ پرستی کو پروان چڑھنے میں مدد دی ہے، اور بے گناہ شہریوں کا خون پلا کر اس کی پرورش کی ہے۔ ایک سیکولر اور جمہوری ملک میں تمام اقلیتوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت جان مال عزت آبرو اور ان کے جائز مفادات کی گارنٹی دی گئی ہے، اس گارنٹی کی محافظ یہ ہوم منسٹری ہے، میں ملک کے ہر ذمہ دار شہری کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس محافظ منسٹری یعنی ہوم منسٹری نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا ہے، بلکہ بار بار اپنے فرائض میں بے رحمانہ غفلت کی ہے، چنانچہ آج ملک کا پورا سماجی ڈھانچہ بگڑ چکا ہے کرپشن اور بدعنوانیوں کے ساتھ تشدد، بربریت اور فاشزم کے اعداد و شمار میں اضافہ ہوا ہے اگر ذمہ داران حکومت نے اپنی ذمہ داریوں کو اب بھی نہیں پہچانا تو ملک کو تاراج اور تباہی سے نہیں روکا جا سکتا۔

بھارتیہ کرن

جنوری ۱۹۷۰ء بھارتیہ جن سنگھ کا آل انڈیا اجلاس پٹنہ میں ہوا اس اجلاس میں ایک تجویز مسلمانوں کے "بھارتیہ کرن" کی پاس کی گئی، اس تجویز کا مقصد یہ تھا کہ

ہندوستانی مسلمان اپنے مخصوص کلچر کو خیر باد کہہ کر ہندوستانی تہذیب و کلچر میں ضم ہوجائیں اور قومی دھارے میں شامل ہو جائیں اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو ملک سے ان کی محبت ان کی وفاداری مشکوک سمجھی جائے گی، یہ فتنہ بلراج مدھوک کی زبانی بھی ملک میں ابھرا، فرقہ پرست اخباروں نے اس تجویز کو خوب اچھالا لیکن ہندوستان کے روشن خیال اور سیکولر ذہن ومزاج کے لوگوں نے اس فتنہ کی سمیت کو محسوس کیا اور ان کی طرف سے اس کے خلاف بیانات آنے لگے،

جمعیت علماء ہند نے اس کے خلاف آواز بلند کی مسلسل جلسوں میں اخباروں میں، تجویزوں میں اس نعرہ کے پس پردہ کام کرنے والے ذہن ومزاج کی نقاب کشائی کی اور نعرہ بلند کرنے والوں کو حیثیت وحقیقت پر کڑی سے کڑی تنقیدیں کیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نعرہ چند دنوں سے زیادہ نہیں چل سکا اور اپنی پیدائش کے ابتدائی ایام ہی میں مر گیا۔

یکساں سول کوڈ کا مسئلہ،

جن سنگھ کا یہ نعرہ چونکہ کھلی ہوئی تنگ نظری اور فرقہ پرستی کا مظہر تھا اس لئے جمعیت علماء ہند کے ساتھ دوسری ترقی پسند جماعتوں اور خود حکومت کے ذمہ داران نے اس کے خلاف بیانات دیئے اور یہ فتنہ آسانی سے ختم ہو گیا اس سے کہیں زیادہ خطرناک وہ فتنہ تھا جو ہمارے ملک میں "یکساں سول کوڈ" کے نام سے اٹھایا گیا تھا کیونکہ یہ نعرہ بلند کرنے والے بدنام فرقہ پرست نہیں تھے سماج میں وہ لوگ سیکولر ذہن اور ترقی پسند کہے جاتے ہیں اس لئے آسانی سے اسکو دبایا نہیں جا سکتا تھا، مزید ستم یہ کہ خود مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا حلقہ بھی اس آواز میں آواز ملانے لگا اور مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا مطالبہ کرنے لگا۔ اسی کی شہ پر مہاراشٹر میں مسلم خواتین کی ایک چھوٹی موٹی کانفرنس ہوئی جس میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا حکومت سے مطالبہ کیا گیا، مہاراشٹر جن سنگھ نے ایک قرارداد پاس کر کے مسلم خواتین کے اس مطالبہ کا خیر مقدم کیا، قومی پریس میں اس کانفرنس کی تشہیر کی گئی، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں جیسے آل انڈیا ریڈیو اور لا انسٹی ٹیوٹ کی جانب

سے بھی اس رجحان کی تائید اور اس کی نشر و اشاعت میں مدد کی گئی۔

کیا یہی سیکولرزم ہے؟

جمعیت علماء ہند نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ شاید کچھ لوگوں کے ذہن میں دانستہ یا غلط فہمی کیوجہ سے سیکولرزم کی کوئی نئی تشریح آ گئی ہے، ورنہ اب تک سیکولرزم کا جو مفہوم سمجھا اور سمجھایا گیا وہ وہی ہے جو آئین بنانے والوں اور اس کو نافذ کرنیوالوں نے بیان کیا تھا کہ ہمارا ملک ان لفظوں میں سیکولرزم ہے کہ اسٹیٹ کا کوئی مذہب نہیں، اسٹیٹ اور دین اور دھرم کی بنیاد پر کسی فرقہ سے امتیاز نہیں برتے گی، مذہب بالکل آزاد ہوگا، کسی کے مذہبی معاملات میں حکومت مداخلت نہیں کرے گی لیکن جن سنگھ سیکولرزم کو مانتے ہوئے بھی بھارتیہ کرن کا نعرہ دیتی ہے تو کیا ترقی پسند گروپ جن سنگھ ہی کی طرح سیکولرزم کو تسلیم کرتے ہوئے "یکساں سول کوڈ" کا نعرہ بلند کرتا ہے؟ ان دونوں نعروں میں بنیادی طور پر کیا فرق ہے؟ اس لئے چاہے وہ فرقہ پرست جماعتوں کی طرف سے یہ نعرہ بلند کیا گیا ہو یا ترقی پسندی کے خوبصورت پردوں میں چھپا کر کسی تہذیب کو فنا کرنے کی سازش کی گئی ہو جمعیت علماء ہند ہر قدم پر اس کا مقابلہ کرے گی اور سیکولرزم کی اس تشریح کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کرے گی کیونکہ جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک مسلم پرسنل لاء کا معاملہ دوسرے تمام معاشی اور ہر قسم کی مشکلات سے زیادہ سنگین ہے، ساری قیامتیں جھیلی جا سکتی ہیں لیکن مسلم پرسنل لاء میں مداخلت برداشت نہیں کی جا سکتی جو لوگ یکساں سول کوڈ یا دوسرے معنیٰ میں مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی سازش کرتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ اس میں کامیاب ہو جائیں گے، ان کا یہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا جب تک مسلمان نام کی کوئی قوم موجود رہے گی اسی لئے جمعیت علماء ہند کے سالانہ اجلاس گیا میں واشگاف لفظوں میں مسلم پرسنل لاء کے بارے میں اپنا نقطۂ نگاہ واضح کر دیا گیا ہے۔

رسیدہ بود بلائے ......

۱۴ر مارچ ۱۹۷۲ء کو مرکزی وزارت قانون میں وزیر مملکت مسٹر نیتی راج نے

پارلیمنٹ میں ایک سوال کے جواب میں یہ بتایا کہ اس وقت ریکسان سوں کو ٹوٹ ، بنانے کی کوئی تجویز حکومت کے زیر غور نہیں ہے ،

مہاراشٹر کی چند نفری خواتین کانفرنس کا موثر اور عملی جواب حیدرآباد ، کان پور ، لکھنؤ ، اور احمد آباد کی مسلم خواتین کی بڑی بڑی کانفرنسوں کی جانب سے دیدیا گیا ہے ، ان تمام کانفرنسوں میں پوری قوت سے کہا گیا کہ مسلم پرسنل لا میں کسی طرح کی ترمیم مسلم خواتین منظور نہیں کریں گی ، غلط کار افراد ہر قوم ہر مذہب و ملت اور ہر ملک میں ہوتے ہیں ان کی روش طور طریقوں کو سند کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ایسے لوگوں کے مطالبات پر قومی و ملکی پالیسی تشکیل نہیں ہوا کرتی ، خدا کا شکر ہے کہ جلد ہی حکومت کی سمجھ میں بات آگئی اور اس نے خاموشی اختیار کر لی ،

ے رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ایک اور نیا محاذ ،

مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے سلسلہ میں چونکہ ایک اونچا طبقہ بھی دل چسپی لے رہا ہے اور وہ اندر سے یہ چاہتا ہے کہ ہندوستان میں مسلم کلچر کا وجود مٹ جائے کچھ اسی طرح کی غمازی لا انسٹی ٹیوٹ کے اس سیمینار سے بھی ہوتی ہے جو جنوری ۱۹۷۲ء میں ،، جدید ہندوستان میں اسلامی عائلی قوانین ،، کے عنوان سے دہلی میں کیا گیا تھا ، اس سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے وزیر قانون شری ایچ . آر . گوکھلے نے اگرچہ یہ بات دہرائی کہ حکومت مسلم پرسنل لا میں تبدیلی اس وقت کرے گی جب خود مسلمان اس کا مطالبہ کریں گے لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ اب مسلمان عورتوں اور مردوں نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے ، یہ خطرہ کی گھنٹی تھی حکومت چند افراد کی ہنگامہ آرائیوں کو خود بھی اہمیت دے رہی ہے ، اس سیمینار میں جمعیۃ علماء ہند کو بھی دعوت دی گئی تھی . اس لئے جناب بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ الہ آباد نے جمعیت علماء ہند کی جانب سے اس سیمینار میں شرکت کی ، جنہوں نے اپنی جانب سے شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء پر وسیڈ یا میں ترمیم کے لئے ۲۰ نکات پر مشتمل ایک

مسودہ بھی پیش کیا، جس کی منشاء سابقہ قانون کے ان نقائص کو دور کرنا تھا جو اس زمانے میں مسلم لیگ کے تعاون نہ کرنے کے باعث رہ گئے تھے جمعیۃ علمار ہند بڑی دیدہ ریزی سے ان تمام حالات کا مطالعہ کرتی رہی جس میں اس طرح کے فتنے کھڑا کئے جانے کا خطرہ محسوس ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ ابتک حمید دلوائی، کریم چھاگلہ جیسے لوگ مسلمانوں میں پاؤں نہ جما سکے،

عہدیداران جمعیتہ کا انتخاب

جولائی ۱۹۷۰ء کو جمعیۃ علمار ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں ریاستی شاخوں کی مجلس عاملہ کی صدارت کے سلسلہ میں سفارشات پیش ہوئیں، ریاستی شاخوں کی طرف سے صدارت کے لئے آنے والے ناموں میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا شاہد میاں فاخری الہ آبادی حضرت مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہاں پوری اور حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی کے اسمار گرامی شامل تھے، لیکن مؤخر الذکر تینوں حضرات نے اپنے اپنے نام واپس لے لئے اس لئے حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب متفقہ طور پر صدر منتخب ہو گئے۔

۹ر جنوری ۱۹۷۱ء کے اجلاس میں صدر جمعیتہ علمار ہند نے مجلس عاملہ کے مشورے سے آئندہ دو سالہ ٹرم کے لئے مولانا سید اسعد مدنی کو ناظم عمومی نامزد فرمایا، مولانا مدنی جون ۱۹۶۳ء سے مسلسل اسی عہدے پر چلے آرہے ہیں مجلس عاملہ کے ارکان مندرجہ ذیل حضرات منتخب کئے گئے

(۱) مولانا سید فخر الدین احمد صاحب (صدر) (۲) حضرت مولانا شاہد میاں فاخری
(۳) حضرت مولانا ابو الوفا صاحب شاہجہاں پوری (۴) حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب
(۵) حضرت مولانا شاہ عون صاحب پھلواری شریف (۶) جناب پروفیسر ضیار الحسن فاروقی جامعہ ملیہ دہلی
(۷) الحاج احمد بخش سندھی ایڈوکیٹ (۸) جناب مولانا خلیل احمد صاحب بجنوری
(۹) جناب محمد حنیف صاحب دائماکار ایڈوکیٹ (۱۰) جناب مولانا احمد علی صاحب آسام
(۱۱) جناب جنرل شاہ نواز صاحب دہلی (۱۲) حضرت مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی)

بارہ گھنٹے کا آگ اور خون کا ڈرامہ

۵ر نومبر ۱۹۷۱ء کو سیونی (مدھیہ پردیش) میں پولیس کے نکمے پن کی وجہ سے بلوائی

اور غنڈے بارہ گھنٹے تک اقلیت کے جان و مال اور املاک کی تباہی کا خوفناک ڈرامہ کھیلتے رہے، مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی نے سیونی پہونچ کر اس تباہی کو دیکھا اور باہر آ سبھا میں مظلومین کے دکھ درد اور کرب کو ارباب حکومت کے کانوں تک پہونچایا، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۱۶ر جنوری ۱۹۷۲ء کو درج ذیل تجویز میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس سیونی (مدھیہ پردیش) میں ۲۵ر نومبر ۱۹۷۱ء کے حادثۂ آتشزدگی اور لوٹ مار پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، اس فساد میں یک طرفہ مسلمانوں کو شدید طور پر نقصان پہونچایا گیا، اس فساد کا دردناک پہلو یہ ہے کہ ملک کے نازک حالات میں بھی پولیس نے بارہ گھنٹے تک غنڈوں اور فسادیوں کو اشتعال پھیلانے، شرارت، فساد اور لوٹ مار کرنے اور آتشزنی کا پورا پورا موقعہ دیا، اور مقامی ذمہ دار شہریوں کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود نہ تو غلط افواہ کی تردید کی گئی نہ ہی حالات کو خراب ہونے سے روکنے کے سلسلے میں کوئی کاروائی کی، مجلس عاملہ کی نظر میں امن و نظم کے ذمہ داروں کا یہ رویہ ان کی گندی اور متعصب ذہنیت اور فرض کی ادائیگی سے غفلت کا بہترین مظاہرہ ہے،

مجلس عاملہ کا یہ اجلاس ریاستی حکومت مدھیہ پردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ سیونی کے امن و نظم کے ذمہ داروں کو جن کی غفلت سے یہ حادثہ ہوا ان کے خلاف سخت کارروائی کرے، مصیبت زدگان کی آبادکاری اور بحالی کے لئے مناسب اور معقول انتظام کرے نیز جن مساجد کو نقصان پہونچایا گیا ہے ان کی مرمت کرائے یہ اجلاس ریاستی حکومت کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ صوبے کے فرقہ وارانہ امن وامان کی طرف خصوصی توجہ دے اور ایڈمنسٹریشن کے اندر اور باہر فرقہ پرست متعصب اور تنگ نظر عناصر پر کڑی نگاہ رکھے تاکہ آئندہ کسی ناخوشگوار حادثے کا اعادہ نہ ہو سکے،

یہ اجلاس اس بات پر سخت افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ اب تک نیشنل انٹیگریشن کونسل کی سفارشات کے مطابق فسادات کے بعد افسرانِ ضلع کو معطل کرنے کے اقدامات

نہیں کئے جا رہے ہیں، جس کے نتیجے میں افسرانِ ضلع فرض شناسی میں کوتاہی اور غفلت کے عادی ہوگئے ہیں لہذا ضروری ہے کہ جلد از جلد کونسل کی سفارشات پر عمل کیا جائے۔

تلی چری کیرالہ میں فساد

بعض تاریخوں میں کیرالہ کے ایک مقام تلی چری میں اور ریاستِ میسور کے ایک مقام مودی بھیل میں بھی فساد ہوا اور وہاں بھی وہی ڈرامہ کھیلا گیا جو عام طور پر فسادات میں کھیلا جاتا رہا ہے، پولیس اور مقامی ایڈمنسٹریشن نے اپنا وہی روایتی رول ادا کیا جو ہمیشہ سے اقلیت دشمنی کا رہا ہے۔

قابلِ تقلید مثال

کیرالہ میں جب سے ملا پورم نام کا ایک مسلم اکثریت کا ضلع بنا ہے اس وقت سے وہاں جن سنگھ نے اپنا قدم جمانا شروع کر دیا ہے اور وہاں بھی فرقہ وارانہ منافرت کی فضا پیدا کر دی، ۲۹ر اپریل ۱۹۷۲ء کو وزیر اعظم ہند نے بھی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی کوچین کی تقریر میں کہا،

یہ بات بہت ہی افسوسناک ہے کہ کیرالہ جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ ریاست میں جہاں مختلف مذاہب کے لوگ صدیوں سے امن اور شانتی سے رہتے آئے ہیں وہاں فرقہ وارانہ فسادات ہوں؟ آپ نے سوال کیا، یہ اتفاق ہی ہے کہ جہاں کہیں جن سنگھ کے قدم جم جاتے ہیں وہاں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں؟

تلی چری کے اس فساد کے سلسلہ میں اخبارات کی یہ اطلاع خصوصیت سے قابلِ توجہ تھی کہ آر ایس ایس کے چیف گرد گوالوجی نے وہاں کا خفیہ دورہ کیا تھا، خوشی کی بات اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال بھی ہے کہ تلی چری کے فساد کے بعد کیرالہ کی حکومت نے فساد کے سرچشمہ کو بلا تاخیر سمجھ لیا اور آر ایس ایس کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی، پانچ ضلعوں میں ہتھیار لے کر ٹریننگ سے مکمل طور پر روک دیا ہے اور پولیس کو سختی سے ہدایت دی ہے کہ وہ ہر جگہ دھیان رکھے کہ پرائیویٹ اور پبلک مقامات پر یہاں تک کہ مندروں میں

بھی جہاں وہ ٹریننگ کر سکتے ہیں ٹریننگ کرنے والوں کو فوراً گرفتار کرلے، کیرالہ حکومت کا یہ احساس زندہ سبق ہے ان لوگوں کے لئے جو دوسری ریاستوں میں اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، کیرالہ حکومت کے اس بروقت اقدام نے ریاست کو فرقہ وارانہ دنگوں سے نجات دلادی،

لا اینڈ آرڈر کہاں ہے؟

مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند ایم. پی نے ۵ ارمارچ ۱۹۷۱ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے چیرمین صاحب کو یاد دلایا کہ،

"آپ نے گذشتہ ایڈریس میں لا اینڈ آرڈر کے استحکام کی طرف اور کسی تقریر میں نوجی سطح پر فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنے کی یقین دہانی فرمائی تھی اور قومی حکومت کی رہنمائی فرمائی تھی، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فسادات کے سلسلے اب بھی ختم نہیں ہو رہے ہیں اور بدقسمتی سے پرانی روایات اور فرقہ پرستی کی دہشت ناکی جاری ہے اور حکام غفلت شعاری کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہیں جس سے غلط عناصر کو اس طرح سے من مانی کرنے کی چھوٹ مل جاتی ہے اور مظلومین کا خون سستا ہو جاتا ہے، ابھی نومبر میں سیونی میں فساد ہوا وہاں رات میں غلط طریقے سے پروپیگنڈہ کر کے کچھ گوشت کے بارے میں کہا گیا کہ یہ گائے کا گوشت ہے، ڈاکٹر نے اس کے خلاف سرٹیفکیٹ دیا لیکن پولیس نے اس غلط افواہ کی تردید اعلان کے ذریعہ نہیں کی تاکہ اشتعال ختم ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح کو پولیس کی معیت میں جلوس نکلا، لوٹ مار ہوئی اور یہ سب کچھ پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے ہوا لاکھوں روپے کی جائداد تباہ ہوئی،

اگر پولیس کے خلاف ایکشن لیا جائے اور یہ طے کر لیا جائے کہ بونڈ چھوڑے نہیں جائیں گے اور ان کو سسپنڈ کر کے تحقیقات کرائی جائے تو فساد کیسے نہیں رک سکتا ہے، لیکن اگر پولیس کو چھوڑ دیا جائے۔ سی. آئی. ڈی. والوں کو چھوڑ دیا جائے، کوتاہی، فرض ناشناسی کے ان مجرموں کو سزا

نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کبھی فساد نہیں رک سکتا ہے ،

ابھی حال میں سیونی میں گلبرگہ میں، پوار کیرالہ میں فسادات ہوچکے ہیں اور اسی طرح ہوتے رہیں گے، نیشنل انٹیگریشن کونسل کی سفارشات بہت عمدہ ہیں، اسی طرح احمد آباد کے فساد پر جو کمیشن بیٹھایا گیا اس نے بھی کچھ تجویزیں رکھی ہیں لیکن یہ سب ردی کی ٹوکری میں پڑی ہوئی ہیں، ان پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا ہے، ان تجویزوں سے کیا فائدہ؟ اگر یہی صورت حال رہی، اسی طرح من مانی کارروائیاں ہوتی رہیں تو ہمارا جو مقصد ہے کہ ان فسادات کو روکا جائے یہ مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہوسکتا ہے،

ہمارے ملک میں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ جیسی نیم فوجی تنظیم موجود ہے اس کا خطرناک لٹریچر تقسیم ہوتا رہتا ہے، نوجوانوں کو وہ فوجی ٹریننگ دیتی رہے، وہ اپنی حرکتوں میں آزاد رہیں، حکومت ان پر کوئی پابندی نہ لگائے تو ملک میں لا اینڈ آرڈر اور امن ہرگز قائم نہیں ہوسکتا، ان باتوں کی طرف حکومت کو فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے ہر فساد کے بعد کچھ دنوں اس کا ذکر چلتا ہے، پھر فراموش کردیا جاتا ہے، اور پھر وہی روایات دہرائی جاتی ہیں یہ صورت حال ملک میں باقی نہیں رہنی چاہیئے ،

علیگڈھ اور مرادآباد کے حادثے کے بعد

۱۹۷۱ء میں پارلیمنٹ کا وسط مدتی انتخاب ہوا، اسی انتخاب کے دوران علی گڈھ اور مرادآباد میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، پچھلے سال کے مسلسل فسادات کے بعد علی گڈھ اور مرادآباد کے تازہ زخموں نے پھر جمعیۃ علماء کو مجبور کیا کہ مسلمانوں کی، اس بدنصیبی کے خاتمہ کے لئے ایک نئی جدوجہد شروع کی جائے، وزیر اعظم ہند اور صدر کانگریس سے مل کر ملک کی موجودہ تشویشناک صورت حال کی طرف توجہ دلائی جائے اور

اس پرانی بیماری کے علاج کی طرف متوجہ کرانے کی ایک بھرپور کوشش کی جائے، طے کیا گیا کہ از سر نو ایک میمورنڈم میں مرتب کر کے فسادات کے انسداد کی اپنی تجاویز حکومت کے سامنے رکھا جائے اور اس پر عمل درآمد کے لئے اصرار کیا جائے چنانچہ ۷ ارجون ۱۹۷۱ء کو جمعیت علماء ہند کا ایک مؤقر وفد مولانا عبدالوہاب صاحب آروی نائب صدر جمعیت علماء ہند کی قیادت میں وزیر اعظم حکومت سے ملا اور مجلس عاملہ کا مرتب کردہ میمورنڈم پیش کیا میمورنڈم میں انسداد فسادات کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند کے مطالبات درج ذیل تھے،

(۱) آرمی، پولیس، ایڈمنسٹریشن میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی دی جائے

۲۔ ایسے مقامات جہاں خطرات زیادہ ہوں وہاں ایسے افسران کو تعینات کیا جائے جو سیکولرزم پر یقین رکھتے ہوں اور سیکولر ذہن و مزاج کے ہوں

۳۔ ضلع حکام کو وارننگ دی جائے کہ جب بھی ان کے حلقہ میں فساد ہوگا ان کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور ان کو معطل کر کے ان کے خلاف انکوائری کرائی جائیگی اور ڈسمس تک کرنے میں دریغ نہیں کیا جائے گا

۴۔ پولیس اگر مجرمین کو گرفتار کرنے میں ناکام پائی جائے تو اس کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کی جائے،

۵۔ پولیس اور ایڈمنسٹریشن سے فرقہ وارانہ ذہنیت والے عناصر کو فوراً نکالا جائے

۶۔ جان و مال کے نقصان کے لئے حملہ آور طبقہ پر تعزیری جرمانے عائد کئے جائیں

۷۔ مذہبی مقامات مثلاً مسجد، مندر، درگاہوں وغیرہ کو اگر فسادات کے دوران نقصان پہونچے تو سرکاری خرچ سے اس کی تعمیر کی جائے

۸۔ فرقہ وارانہ فساد کی جانچ کے لئے ایک غیر جانبدار کمیشن مقرر کیا جائے،

۹۔ فاشسٹ تنظیموں مثلاً آر ایس ایس پر پابندی عائد کی جائے۔

۱۰۔ کمیونل امن و امان کو خراب کرنے والی اشتعال انگیز تحریروں پر پابندی

عائد کی جائے،

۱۱۔ فساد میں اجڑے ہوئے لوگوں کی آبادکاری اسی طرح کی جائے جیسے شرنارتھیوں کی کی جاتی ہے

۱۲۔ حکمراں پارٹی کے پارلیمانی بارڈ کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ وہ پارلیمنٹ میں فسادات پر پورے غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے ذریعہ ایسی فضا پیدا کرے کہ فرقہ پرست عناصر کی مذلت ہو اور سیکولر طاقتیں مضبوط ہوں

۱۳۔ رولنگ پارٹی کی ان مقامی شاخوں کو معطل کر دیا جائے اگر وہ فساد سے نمٹنے میں ناکام پائی جائیں۔

میمورنڈم میں اور دوسرے مسائل بھی تھے جن سے مسلم اقلیت دوچار ہے لیکن انسدادِ فسادات یہ صد بنیادی نکتے تھے، جو سیکڑوں اور ہزاروں تجربے کے بعد جس نتیجہ پر جمعیۃ علماء ہند پہونچا ہے اس کا خلاصہ یہ تجویزیں تھیں جمعیۃ علماء ہند کو یقین ہے کہ اگر ان مشوروں پر صدق دلی سے عمل کیا جائے تو فسادات کا یہ تسلسل ٹوٹ جائیگا اور ملک میں امن وامان بحال ہوگا،

محرومیٔ قسمت

جس وقت یہ میمورنڈم حکومت ہند کو پیش کیا گیا اس وقت مشرقی بنگال کا مسئلہ پورے شباب پر تھا، اس کے بعد پناہ گزینوں کا سیلاب عظیم ہندوستان کی سرحدوں سے اندرونِ ملک داخل ہو گیا، اس مسئلہ نے اتنا طول کھینچا اور صورتِ حال اتنی تشویشناک ہو گئی کہ حکومتِ ہند کی ساری توجہ مشرقی بنگال کے مسئلہ کی طرف ملتفت ہو گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میمورنڈم کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر کارروائی حکومتِ ہند اور اس کے ذمہ داروں کی طرف سے نہیں ہوئی، ان الجھنوں اور پریشانیوں میں وزیر اعظم سے ان مسائل پر مذاکرات اور توجہ دہانی سے آگے بات نہیں بڑھی اور بات "ہنوز امروز اول" ہو کر رہ گئی،

جمعیۃ علماء ہند نے ان مسائل کو کانگریس کی اقلیتی سیل کی میٹنگ میں اور نیشنل انٹی گریشن کونسل کی پارٹی میٹنگ میں بھی بار بار اٹھایا لیکن مسلم اقلیت کے درد کا درمان کہیں سے نہ مل سکا اور کسی نے بھی مسلمانوں کے گہرے زخموں پر مرہم رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور اس مسئلہ کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جو خود مسلم اقلیت کے دل میں تھی،

سالانہ اجلاس دہلی

جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس عام چھ سالوں کے بعد دہلی کی شاہی عیدگاہ میں ۵،۶،۷، رمئی ۱۹۷۲ء کو حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی صدر جمعیۃ علماء ہند کی صدارت میں ہوا اس اجلاس میں حکومت کے کئی بڑے وزیروں نے بھی شرکت کی اور مسلم مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا، ان میں ہیمو تی نندن بہوگنا وزیر مواصلات مسٹر جگ جیون رام وزیر دفاع شری راج بہادر وزیر پارلیمان اور خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

برسر اقتدار پارٹی کے ذمہ داروں کو خصوصیت سے اجلاس میں شرکت کی دعوت صرف اس لئے دی گئی تاکہ وہ مسلم مسائل کا قریب سے مطالعہ کر سکیں مسلمانوں کے بعد روں کے جذبات وخیالات ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کے رہنماؤں کے نقطۂ نگاہ اور مسلم مسائل کی اہمیت کو صحیح طور پر وہ محسوس کریں اور پھر جب عملی اقدام کی ضرورت پیش آئے تو وہ سنجیدگی سے ان مسائل پر دھیان دے سکیں اور حکومت کے رویہ کو ہمدردانہ بنانے اور مسائل کو حل کرانے میں صدق دلانہ کوشش کر سکیں ان وزراء نے جمعیۃ علماء ہند کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا اس سے پتہ چلا کہ ابھی ملک میں وہ نسل موجود ہے جس نے جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں کے ساتھ انگریزی جیلوں میں بستر لگایا ہے اور چکیاں پیسی ہیں، ارباب جمعیت کے قربانیوں اور ان کے خلوص، ان کی بے لوثی و بے غرضی کے چشم دید گواہوں کی ابھی کمی نہیں ہے یہ ایک فال نیک تھی،

بدقسمتی سے وہ نسل ایک ایک کر کے ہمارے درمیان سے اٹھتی جارہی ہے نئی نسل تو اپنے ہی اکابر کے کارناموں سے واقف نہیں وہ جمعیۃ علماء کی قومی و وطنی خدمات اور اس کے عظیم کارناموں سے کیا واقف ہوں گے۔

اجلاس عام میں جو تجویزیں منظور کی گئیں وہ مسلم اقلیت کے اہم مسائل پر مشتمل ہیں ایک تجویز میں مسلم پرسنل لا، کو ناقابل ترمیم کہا گیا، ایک تجویز میں جمہوریت اور سیکولرزم کی صحیح تشریح کی گئی اور کہا گیا کہ اگر اس کے خلاف کوئی تشریح کی جاتی ہے تو جمعیۃ علماء ہند اسے تسلیم کرنے کے لئے کسی قیمت پر تیار نہیں، ایک تجویز میں فسادات کے انسداد کیلئے ضلع اتھارٹیز کو ذمہ دار بنانے کا مطالبہ کیا گیا، ایک دوسری تجویز میں ہند و پاک تعلقات میں جو خوشگواری آئی ہے اس کا خیر مقدم کیا گیا اور کہا گیا کہ اس کے دائرے کو اور وسیع ہونا چاہیئے، ایک تجویز میں مسلمانوں سے احساس کمتری اور ہمت شکنی سے دوچار ہونے سے روکا گیا۔ ان آفات و شدائد سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا حوصلہ دیا گیا اور منظم ہونے کی ہدایت کی گئی اسی طرح اوقاف کی واگذاری، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اردو زبان کو علاقائی زبان تسلیم کئے جانے اور سرکاری اداروں میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی دینے کا مطالبہ کیا گیا،

اردو ایک مظلوم زبان

اردو کے لئے آزادی کے بعد سے جمعیۃ علماء جو کچھ کرتی آئی ہے اس کی سرگذشت ۱۹۶۵ء تک کی پیش کی جا چکی ہے پچھلے آٹھ سالوں میں بھی جمعیۃ علماء ہند اس کو جائز مقام دلانے اور اس کو دوسری سرکاری بنائے جانے کی مسلسل جدوجہد کرتی آئی ہے ۱۹۷۲ء میں اردو کے خلاف وہ فضا نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اسے غیر ملکی اور پاکستانی زبان کہنے والوں کی زبانیں بند ہو چکی تھیں خود کانگریس کی صفوں میں ایسے لوگ تھے جو جن سنگھ اور مہاسبھا کے سُر میں سر ملا کر بولتے تھے وہ فضا میں وہ تناؤ باقی نہیں رہا مگر اس کے باوجود اس مظلوم زبان کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکا وہ اپنے ہی وطن

میں بے وطن اور مسافر بن کر رہ رہی ہے بلکہ اس کو اپنے گھر میں بھی رہنے کی اجازت نہیں ملی۔ اتر پردیش والوں نے ۲۴ لاکھ اور بہار والوں نے ۱۲ لاکھ دستخطوں سے اردو کو اس کا واجبی حق دلانے کیلئے آئین کے دفعہ ۳۴۷ کے رو سے ایک قانونی اور آئینی قدم اٹھایا تھا لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں میں انصاف کا قلم تھا انہوں نے انصاف نہ دینے کی قسم کھا رکھی ہو تو پھر اردو کو اس کا حق کیونکر مل سکتا تھا، الیکشن کے وقت سبھی پارٹیاں حتی کہ اردو دشمن جن سنگھ بھی الیکشن پر جپگنڈہ کے لئے اردو کا سہارا لیتی ہے اور استعمال کرتی ہے ملک میں اخبارات ورسائل کی تعداد کے لحاظ سے اردو ہی وہ زبان ہے جس کا درجہ ہندی کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے، سری نگر سے میسور تک پنجاب سے کلکتہ تک ہر علاقہ ہر اسٹیٹ میں اردو بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے والے ملتے ہیں، اور اردو کے اخبارات ورسائل شائع ہوتے ہیں لیکن ان تمام حقائق کے باوجود اردو کو اس کا حق نہیں دیا گیا پہلے مادری زبان میں ابتدائی قسم کے فارمولہ کے مطابق اردو تعلیم کی گنجائش پیدا ہوئی تھی پھر لسانی فارمولہ بنا کر اس کی راہ میں دیوار کھڑی کردی گئی، اسکولوں میں دس اور چالیس کی شرط لگا کر اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں، سہ لسانی فارمولہ کا غلط استعمال کیا گیا اور اس میں سنسکرت کی تعلیم کا راستہ نکالا گیا، دہلی میں مزید ستم یہ ہوا کہ اردو ذریعہ تعلیم والے بچوں کیلئے بھی ابتدائی سنسکرت لازمی کردی گئی،

دہلی اور لکھنؤ دونوں ہی اردو کے گھر تھے، جہاں وہ پلی، بڑھی، یہاں کی تہذیب کو ہندوستان کی حسین ترین اور مثالی تہذیب کا رنگ وروپ دیا آج اس تہذیب کی رنگا رنگی کی جھلک دیکھنے کے لئے کتابوں کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں اردو ان شہروں میں نوک پلک سے اس طرح آراستہ ہوئی کہ ہندو مسلمان اور سکھ سبھی اس کے دیوانے ہو گئے، لیکن یہ اردو کی بدقسمتی ہی ہے کہ اسے یہاں بھی شہر بدر کیا گیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے سالانہ اجلاس گیا ۱۹۶۵ء میں بنیادی حقوق سے متعلق قرارداد میں اردو کے ساتھ معاندانہ رویہ اور ناانصافی کیطرف توجہ دلائی تھی اور

اردو کی ایک مستقل یونیورسٹی کے قیام کا مطالبہ کیا تھا اس کے بعد سے اب تک اردو کے سلسلہ میں جتنی تحریکیں چلیں اور اردو دانوں کی طرف سے مطالبات کئے گئے جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اجلاس میں ان کی حمایت اور اردو کو نقصان پہونچانے والی اقدامات کی مذمت کی ہے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے پچھلے سالوں میں اہم میمورنڈم حکومت کو دیئے گئے دونوں میں اردو کا مسئلہ پوری اہمیت اور قوت کے ساتھ شامل کیا گیا بمبئی میں جو اردو کمیٹی بنی تھی اور اس نے آنند نرائن ملا کی قیادت میں ہندوستان کی مختلف زبانوں کے دو ہزار سے زیادہ اہل قلم اور دانشوروں کی طرف سے وزیر اعظم ہند کو میمورنڈم پیش کیا، کمیٹی نے کانفرنس اور جلسے کئے جمعیۃ علماء ہند نے ہر قدم پر اردو کمیٹی کے اقدامات کی حمایت اور تائید کی مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس منعقدہ ۱۸ ار ۱۹ اپریل ۱۹۶۷ء میں اس کی تائید و حمایت میں باقاعدہ ایک تجویز منظور کر کے اخبارات کو بھیجا،

اردو کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح یہ بھی ایک قومی مسئلہ ہے، اور کسی خاص مذہب یا فرقہ کی زبان نہیں ہے اسی لئے جمعیۃ علماء ہند کی جنرل کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۳ ر ۲۴ ر ستمبر ۱۹۶۷ء میں ایک قرارداد کے ذریعہ اس پر اظہارِ مسرت کیا گیا تھا کہ اردو تحریک میں بلا امتیاز مذہب و فرقہ ہر شخص شریک ہے ۱۹۶۷ء میں اتر پردیش اور بہار میں مخلوط حکومتیں تھیں انہوں نے جو کم سے کم مشترکہ پروگرام بنایا تھا اس میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینا بھی شامل تھا، لیکن جب عمل کا وقت آیا تو جن سنگھ نے اس کی مخالفت کی اور جن جماعتوں نے اس سلسلہ میں الیکشن کے وقت وعدہ کیا تھا وہ بھی منحرف ہو گئیں، جمعیۃ علماء ہند کی جنرل کونسل نے ۲۴ ر ستمبر ۱۹۶۷ء کے اجلاس میں اس پر اظہار افسوس اور سنسکرت کو سہ لسانی فارمولہ میں زبردستی داخل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قرارداد میں کہا تھا۔

,, یہ جلسہ اس بات پر بھی اپنی بے اطمینانی کا اظہار کرتا ہے کہ اب تک ملک میں اردو کو اس کا جائز حق نہیں ملا اور نہ اسے دہلی اتر پردیش، بہار کی علاقائی زبان کے طور پر تسلیم کیا گیا

حد یہ ہے کہ جن جماعتوں نے الیکشن کے وقت اردو زبان کو اس کا دستوری حق دلانے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی اقتدار میں آنے کے بعد اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے، اور نہایت افسوسناک صورت یہ ہے کہ اردو کو ختم کرنے کیلئے سنسکرت کو سہ لسانی فارمولہ میں زبردستی داخل کیا جا رہا ہے یہ اعلیٰ زبان ہو سکتی ہے مگر یہ کسی علاقہ کی زبان قطعاً نہیں ہے،

یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ آندھرا پردیش کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے وہ دہلی، اترپردیش اور بہار میں اردو کو قانونی حیثیت سے علاقائی زبان کے طور پر تسلیم کریں اور ان صوبوں میں جہاں اردو دوسری علاقائی زبان نہیں ہے لیکن دس فیصد اردو آبادی ہے وہاں اردو میں درخواست لینے کی ہدایات لوکل باڈیز کو دی جائیں اور ہائر سیکنڈری اسکولوں میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا انتظام کیا جائے،

۱۹۷۲ء میں حکومتِ ہند کی جانب سے مرکزی وزارت ہاؤسنگ میں وزیر مملکت مسٹر اندر کمار گجرال کی صدارت میں ایک اردو کمیٹی بنا دی گئی ہے جسے چھ ماہ کے اندر اردو ترقی کے لئے تجاویز اور اقدامات کی سفارش کرنی ہے۔

ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے کردار پر ضرب کاری

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا مسئلہ بھی اقلیت کا ایک سلگتا ہوا اور جذباتی مسئلہ ہے۔
جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس مئی ۱۹۷۲ء میں ہوا تھا اس وقت تک یونیورسٹی کیلئے کوئی قانون نہیں بنا تھا اور حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے باربار یہ وضاحت کی جارہی تھی کہ مسلم یونیورسٹی کا تاریخی اور اقلیتی کردار بحال رکھا جائیگا. لیکن اگست ۱۹۷۲ء میں مسلم یونیورسٹی کا ترمیمی ایکٹ بن چکا تھا. یہ ایکٹ خلاف توقع اتنا ناکارہ اور معاندانہ تھا کہ مسلمان اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اس ایکٹ کے خلاف پورے ملک میں آگ لگ گئی، ملک کے ہر حصہ میں احتجاجی جلسے اور جلوسوں کا تانتا لگ گیا. اور حکومت سے اس ایکٹ کو ختم کرنے کا مطالبہ زور پکڑتا رہا. شاطر شعبدہ بازوں نے حکومت سے براہ راست سیدھے سادے مطالبہ کے مسئلہ کو فرقہ واریت کی طرف موڑ دیا اور بدنیت لیڈروں نے فرقہ وارانہ رخ دیدیا اور فرقہ پرستوں کو بھڑکا کر احتجاج کرنے والوں سے بھڑا دیا. پھر تو خون کی ندیاں بہ پڑیں. علی گڈھ، فیروز آباد اور بنارس میں زبردست فساد ہوئے لیکن آگ اور خون کی یہ بارش حقیقت و صداقت، انصاف اور سچائی کو نہیں بدل سکتی. تھی. مسلمانوں کا یہ مطالبہ انصاف کا مطالبہ تھا. اور وہ اپنے مطالبہ میں حق بجانب تھے اور ان قیامتوں کے باوجود اپنے مطالبہ میں مضبوطی سے جمے رہے.

جمعیۃ علماء ہند نے اسی آگ اور خون کی بارش میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا. اس اجلاس نے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ترمیمی ایکٹ ۱۹۷۲ء کو ایک تعلیمی ادارے کی آزادی اور خودمختاری پر دست درازی، ایک کاری ضرب اور مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی قرار دیا. اور کہا کہ یہ ایکٹ کانگریس مینی فیسٹو میں دی گئی ضمانتوں اور ان وعدوں اور یقین دہانیوں کے بھی خلاف ہے جو برابر کی جارہی تھیں. جمعیۃ علماء ہند نے ایکٹ پر نظرثانی اور اس کے نقائص پر زور دیتے ہوئے حسب ذیل اصلاحات کا مطالبہ کیا.

۱:- مسلم یونیورسٹی کورٹ با اختیار بنایا جائے اور یونیورسٹی کورٹ کے ممبران کی اکثریت منتخب ہو.

۲:۔ چانسلر، وائس چانسلر، پرو وائس چانسلر کی نامزدگی کے طریقے کو بدلا جائے۔
۳:۔ وائس چانسلر کے اختیارات کو ۱۹۵۱ء کے ایکٹ کے مطابق کیا جائے۔
۴:۔ ایگزیکیٹیو اور فنانس کمیٹی کی تشکیل ۱۹۵۱ء کے ایکٹ کے مطابق ہو۔
۵:۔ اکیڈمک کونسل کے اختیارات کو بحال کیا جائے۔
۶:۔ آزیری ٹریژرر کے عہدے کو بحال کیا جائے۔
۷:۔ ترقیات کیلئے سینارٹی اور صلاحیت کو معیار قرار دیا جائے۔
۸:۔ اسٹوڈینٹس یونین کے ہوتے ہوئے اسٹوڈینٹس کونسل کے قیام کو ختم کیا جائے۔
۹:۔ یونیورسٹی کی تعلیم اور اندرونی انتظام کیلئے قواعد و قوانین بنانے کا مکمل اختیار ہو۔

مسلم یونیورسٹی کنونشن

حکومت کو مطالبات کی فہرست دیدینے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ جمعیۃ علماء ہند نے دہلی میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کنونشن کا اہتمام کیا۔ کنونشن میں ہندوستان کے مسلمانوں کے مختلف مکاتب خیال کے لوگوں اور اہل الرائے اور دانشوروں کو مدعو کیا گیا۔ اس کنونشن نے بھی انھیں لائنوں پر اپنی تجویز مرتب کی جو جمعیۃ علماء پیش کرچکی تھی۔

جمعیۃ علماء ہند حکومت پر زور دیتی رہی کہ مطالبات کو منظور کرکے یونیورسٹی کو خلفشار سے بچائے۔ مارچ ۱۹۷۳ء میں ایک بار پھر اگست ۱۹۷۳ء میں ایکٹ کے خلاف آواز اٹھائی اور مجوزہ اصلاحات کو تسلیم کرنے پر زور دیا لیکن وزارت تعلیم نے لاپرواہی کا اظہار کیا اور مسلمانوں کے اضطراب سے بے نیاز رہی بلکہ مزید کچھ ایسے اقدامات کئے گئے جن سے صورت حال اور بھی نازک ہوگئی اور یونیورسٹی ایک بحران کا شکار ہوگئی، یونیورسٹی کو بند کرکے طلبہ کا تعلیمی نقصان کیا گیا اور نہایت بے دردی اور ظالمانہ طریقے سے پولیس کے ذریعہ طلبہ کو ہوسٹلوں سے دھکے دیکر نکالا گیا اور کچھ اساتذہ کو بلاوجہ معطل کردیا گیا۔ یونیورسٹی کو غیر معین مدت تک کیلئے بند کردیا گیا۔

مسلم یونیورسٹی کی تالابندی

مسلم یونیورسٹی کو تشویشناک حالات کا بہانہ بنا کر بند کئے جانے پر مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے ایک اخباری نمائندے کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ مسلم یونیورسٹی کی تالابندی غلط، غیر جمہوری اور یہ اقدام قطعاً غیر دانشمندانہ ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ ایک سازش ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے بند کئے جانے کے غیر جمہوری اقدام نے آج یہ حقیقت کھلے طور پر واضح کردی ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی خود مختاری ختم ہوچکی ہے اور وزیر تعلیم کے چشم وابرو کی محض ایک کٹھ پتلی ہی نہیں ہے، بلکہ ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور انانیت پسندی کا شکار بھی ہے۔ آپ نے یونیورسٹی کو پولیس اور پی اے سی کے کیمپ میں تبدیل کئے جانے کی مذمت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وزیر تعلیم مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کو تباہ و برباد کرنے کے مواقع تلاش کرتے رہے ہیں اور اس کے لئے منصوبہ بندی کرتے رہے ہیں، چنانچہ اب یونیورسٹی کی تالہ بندی نے وزیر تعلیم کی اس نیت کو بے نقاب کردیا ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ جمعیۃ علماء کی قرارداد اگست ۱۹۷۲ء جو حکومت کو بھیجی جاچکی ہے اگر تسلیم کرلی گئی ہوتی تو مسلم یونیورسٹی تباہی و بربادی سے بچ سکتی تھی۔ اور مسلمانوں کا اعتماد مجروح نہ ہوتا۔

وزیر تعلیم نے غیر ضروری تشدد سے کام لیا

۲ رجون ۱۹۷۲ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے فرمایا تھا:-

"آزادی کے بائیس سالوں کے اندر جبکہ دوسرے تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں میں آئے دن طلبہ اور اسٹاف میں جھگڑے ہوتے ہیں، مار پیٹ بھی ہوجاتی ہے، آگ بھی لگائی جاتی ہے، توڑ پھوڑ بھی ہوتی ہے، گھنٹوں پرنسپل اور وائس چانسلر کو بند رکھا جاتا ہے کہ پولیس بھی ان کو چھڑا نہیں سکتی اور بھی دوسری طرح کی

خانہ جنگی ہوتی رہتی ہے۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں ان بائیس سالوں میں اس طرح کی کبھی کوئی بات نہیں ہوئی، اس کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔ بدقسمتی سے ۱۹۶۵ء میں ایک ہنگامہ ہوگیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا سر شرم سے جھک گیا۔ یہ ایک بدقسمت واقعہ تھا لیکن بدقسمتی سے ہمارے وزیر تعلیم نے اس واقعہ پر بڑی سختی اور غیر ضروری تشدد سے کام لیا انھوں نے وہاں کے قانون کو توڑ دیا اور فوراً ایک آرڈی نینس جاری کر دیا۔

اس طرح کی باتوں سے ملک میں تشویش، غیر یقینی حالت اور بدگمانیوں کی فضا پیدا ہوئی۔ اسی ناخوشگوار فضا میں یہ سات سال گذرے ہیں۔ ہر شخص کے ذہن میں سوال تھا، ہمارے ادارہ کا کیا حال ہوگا؟ یہ فضا تمام اقلیتوں اور مسلمانوں کے دلوں میں قائم ہے۔ ملک کی سات کروڑ اقلیت اپنے معاملات میں تکلیف محسوس کرتی ہے تو ملک مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس سے ملک کی ترقی میں کاوٹ پیدا ہوگی۔ یہ چیز اچھی نہیں، بری ہے۔ یہ ادارہ اس لئے قائم ہوا تھا کہ مسلمانوں کیلئے جدید اور ترقی یافتہ تعلیم کا نظم ہو۔ اگر اقلیت کے لوگوں کو دوسرے مقامات پر جگہ نہ ملے اور جیسی تکلیف وہ تاریخ سات سال کی ہے، ایسی حالت میں اگر آپ صرف اس کی سب سے پہلے اصلاح کرنے کیلئے چلیں اور عملی طور پر ساری تلخیاں موجود ہیں تو اس سے بڑی مایوسی ہوگی۔ جس دن ساری یونیورسٹیوں میں اقلیت کو داخلہ کی سہولتیں ملنے لگیں تو اس دن سب سے پہلے ہم کھڑے ہوکر کہیں گے کہ اس کے نام سے "مسلم" کا لفظ کھرچ دو، نکال دو، سب کو ایک ساتھ ملا کر چلاؤ۔

ناظم عمومی نے وزیر تعلیم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا، آپ ایک خاص قسم کے ذہن کے لوگوں کو یونیورسٹی میں لانا چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ یونیورسٹی سے اب تک وابستہ رہے ہیں۔ آپ ان کو پیچھے ہٹانا چاہتے ہیں۔ آج پیسے کو ہی سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جس نے

اس کو جنم دیا ہے جو اس کا بانی ہے اگر اس کے چند آدمی لئے جائیں تو کوئی غضب نہیں ہو جائے گا۔ اس طرح فنانس میں اگر آپ فنانس افیسر کھنا چاہتے ہیں تو رکھ لیجئے۔ لیکن اس کے ساتھ بہت سے مسئلے ہیں۔ جمہوری نظام کے واسطے اگر رجسٹرار کو رکھ لیا جاتا ہے تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی۔ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن ان باتوں کے نہ ماننے سے یہ تاثر پیدا ہوگا کہ ہماری ایک ہی یونیورسٹی تھی وہ بھی ہمارے ہاتھوں سے نکال لی گئی۔ یہ بات اچھی نہیں ہوگی۔"

فسادات کا سیلِ رواں

۱۹۶۷ء کے نصف آخر کے بعد تو جیسے ہندوستان میں فسادات کا سیلاب عظیم اُمڈ پڑا۔ جون ۱۹۶۷ء میں علی گڈھ، بنارس، اور فیروزآباد میں اقلیت پر انسانیت سوز مظالم ہوئے۔ مسلمانوں کی جانوں، جائدادوں، کارخانوں، دکانوں اور عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ان فسادات کو فرقہ وارانہ کہنا حقیقت کو منہ چڑھانا ہے۔ اور اس پر پردہ ڈالنا ہے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف یکطرفہ حملے تھے، جو ضلع اتھارٹیز کی پشت پناہی میں پی، اے سی اور سول پولیس کے ذریعہ کیا گیا اور کرایا گیا۔ اسی طرح عثمان آباد (مہاراشٹرا) میں سات گھنٹوں تک مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ جاری رہا۔ اور ان کی جان، مال اور جائداد کو تباہ و برباد کیا جاتا رہا۔ اور مقامی پولیس دور کھڑی تماشہ دیکھتی رہی۔

اسی سال دادری، لونار، سبھنی (اعظم گڈھ) پالن پور (گجرات) بالاپور اکولہ (مہاراشٹرا) در بھنگا ضلع در بھنگہ اور بنگلور (میسور) میں بڑے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ اور ہر جگہ یکطرفہ اقلیت کی تباہی ہوئی۔ بستیوں میں آگ لگا دی گئی۔ جائدادیں مکانات اور دکانیں لوٹ لی گئیں، بہت سے مقامات پر مسجدوں کو منہدم کر دیا گیا۔ توڑ پھوڑ کی گئی۔ کھڑی فصلوں کو برباد کیا گیا، کھلیانوں میں آگ لگائی گئی۔ معصوم بچوں، عورتوں، اور کمزور بوڑھوں کو وحشت و درندگی کا نشانہ بنایا گیا، اکثر مقامات میں تو پولیس خاموش

تماشائی رہی یا فسادیوں کی مدد کی اور لوٹ مار میں شریک رہی -

نیپال میں فرقہ وارانہ فساد

۱۹۷۲ء کی ابتدا میں ہمارے پڑوسی ملک نیپال میں ہندو مسلم فساد ہو گیا اور مسلمانوں کا بہت جانی ومالی نقصان ہوا۔ جمعیۃ علماء بہار کے ذریعہ مرکزی دفتر کو اس فساد کی اطلاع ملی۔ جمعیۃ علماء کا تین نفری وفد تین ہزار دو سو ایک روپیہ ریلیف کے کاموں کیلئے لیکر نیپال گیا۔ ریاستی جمعیۃ علماء نے فساد کی اطلاع ملتے ہی شاہ نیپال کو کاٹھمنڈو میں، سفیر نیپال مقیم دہلی، وزارت خارجہ حکومت ہند اور مرکزی جمعیۃ علماء ہند کو ٹیلی فون سے اطلاع پہونچائی۔ اور فساد کی طرف توجہ دلائی۔ ریاستی جمعیۃ علماء بہار اور مرکزی جمعیۃ کی طرف سے ضروری اقدامات کیے گئے۔ مرکزی دفتر سے ایک مشاہد نیپال گیا۔ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی نے شاہ نیپال کو تار دیکر مظلوموں کی امداد کی طرف متوجہ کیا اور پھر ایک تفصیلی خط لکھ کر شاہ کو تباہ و برباد مسلمانوں کی آبادکاری اور انکی بستیوں سے خوف وہراس دور کرنے کی مانگ کی۔

یہ کوششیں کامیاب ہوئیں۔ شاہ نیپال نے فراخدلانہ امداد کی۔ فسادیوں کی سرکوبی امن و امان کی بحالی، فساد زدہ لوگوں کی مالی امداد اور مظلوموں کو حق و انصاف دینے کے مسلسل اور مؤثر اقدامات کئے۔ فساد سے تین ضلع ٹھٹ، بارہ، پرسا متأثر ہوئے تھے۔ شاہ نیپال نے متعلقہ علاقہ کے کمشنر لکشمن پانڈے کو معطل کر کے ان کی جگہ دوسرا کمشنر مقرر کر دیا اور فساد کی تحقیقات کے لئے سپریم کورٹ کے ایک جج کی سرکردگی میں یک نفری کمیشن مقرر کیا۔

ہم فریاد ہی کرتے رہے

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا کوئی اجلاس ایسا نہیں جسمیں نسل کشی کی اس انسانیت سوز مہم پر نوحہ خوانی اور ماتم سرائی نہ کی گئی ہو۔ مجلس عاملہ کا رجسٹر کارروائی آزادی کے بعد سے ہونے والے ان فسادات کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ہر فساد پر جمعیۃ علماء کی

توانائیاں صرف ہوتی ہیں اور کسی دیرپا تعمیری جد وجہد کا آغاز ہوا اور ابھی چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ راہ میں آگ اور خون کا دریا حائل ہو گیا اور بڑھا ہوا قدم وہیں رک گیا اور نوحہ و ماتم کی غمناک فضا سے جذبات پر اوس پڑ گئی، ہر فساد شب و روز کی لگاتار محنت اور جد و جہد کا متقاضی ہوتا ہے۔ فساد زدہ مقام پر وفود کی روانگی، صحیح معلومات کی فراہمی، جان و مال کے نقصانات کا جائزہ، اسکی تلافی کی صورتیں امداد در یلیف، مرکزی و ریاستی حکومتوں کے ذمہ داروں سے مل کر امن و امان کی بحالی، بازآباد کاری اور نقصان کی تلافی پر اصرار، اُجڑے اور تباہ و برباد لوگوں کیلئے زندگی کے وسائل کا بندوبست کھانے پینے، اوڑھنے بچھانے، دوا علاج، تعمیر و مرمت کے سیکڑوں کام اژدہے کیطرح منہ کھولے ہوئے سامنے آجاتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے محدود ذرائع سے ان ہنگامی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی انتھک جد و جہد کرتی ہے اور ارباب اقتدار کو ان کے فرائض یاد دلاکر فسادات کے انسداد پر عملی کارروائیوں کا مطالبہ کرتی ہے، تقاضے کرتی ہے الجھتی ہے، گفتگوؤں میں ایسا اوقات تلخی بھی ہوتی ہے، نخوت و رعونت کے روح فرسا عادتوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ مگر ہمت ہار کر بیٹھ جانا جمعیۃ علماء ہند کی کبھی تاریخ نہیں رہی ہے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ انسداد فسادات کے سلسلہ میں ابتک کی اسکی ساری جد وجہد رائیگاں ہوتی رہی ہے۔ اور حکومت کی طرف سے کوئی نیک نیتی اور صدق دلی سے کارروائی نہیں ہوئی۔ اور جمعیۃ علماء کی آواز مسلسل صدا بہ صحرا ثابت ہوتی رہی ہے۔

پولیس اور فسادیوں کے رول میں فرق نہیں

۲۲ فروری ۱۹۷۳ء کو مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی نے پارلیمنٹ میں ایک بار پوری قوت سے اس مسئلہ کو اٹھایا اور حکومت کو گرم لب و لہجہ میں متعدد فسادات کی تلخ کہانیوں کو دہراتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

• فرقہ وارانہ جذبات رکھنے والے پولیس میں گھس گئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اپنے فرض کو ایمانداری سے ادا نہیں کرتی، بلکہ اس کا رویہ ایسا ہے جس سے جانور

اور درندے بھی شرما جائیں۔ ابھی جو فسادات فیروزآباد، بنارس، لونا ری اور دوسرے مقامات پر ہوئے ہیں ان میں پولیس نے جو رول ادا کیا ہے وہ بالکل لٹیروں اور فسادیوں جیسا ہے۔ میں فیروزآباد کی بات بتاتا ہوں، وہاں علیگڈھ یونیورسٹی کے سلسلہ میں نئے ایکٹ کے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگ نعرے لگا رہے تھے، ایک کانسٹیبل نے قصداً ایک نوجوان سے جھگڑا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ کانسٹبل سے بندوق چھین لی گئی تھی۔ پھر کانسٹبل نے بندوق لیکر اسکو ہیں گولی ماردی، چھ سات آدمیوں نے پولیس کی حرکت پر پتھر چلائے لیکن سب لوگوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیئے گئے۔ اس کے بعد کرفیو لگایا گیا اور پھر فیروزآباد کو خوب لوٹا گیا اور یہ بلوائیوں کے ساتھ پی اے سی کی شرکت سے سب کچھ ہوا۔ ۶۷ کے قریب جانیں گئیں، لاکھوں کا نقصان ہوا اگر مسلمان بھی لوٹ پر آمادہ ہوتے تو وہاں کی اناج منڈی لٹ سکتی تھی، وہاں کا صرافہ لٹ سکتا تھا جو مسلم ایریا میں ہیں، مگر کچھ نہیں ہوا۔ وکیل پورہ میں آگ لگائی گئی۔ سب جھونپڑیاں اور لکڑی کی دکانیں جل کر خاک ہو گئیں۔ مسلمانوں کے پورے کے پورے محلے جلا دیئے گئے۔ جامع مسجد کے امام مولانا عبدالسلام آزاد کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا، اسکی کوئی انکوائری نہیں ہوئی۔ محلہ کمبوہان کے امام مسجد کو مارا گیا، مسجد جلا دی گئی، جائدادیں لوٹی گئیں میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

سب اسی طرح کے سنگین فسادات ہیں، پولیس موجود، کرفیو لگا ہوا پی اے سی بھی موجود، مگر سب کچھ ہوتا رہا، قتل بھی، آتشزنی بھی، ایک بھی کہیں قتل ہو جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان واقعات پر کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ اگر پولیس کی ڈیوٹی لگنے کے بعد کوئی قتل ہوتا ہے یا لوٹ ہوتی ہے یا آگ لگائی جاتی ہے۔ پھر بھی پولیس ذمہ دار نہیں کہی جا سکتی ہے؟ تو پھر کیا طریقہ ہوگا؟

ایک بات میں اپنے ہوم منسٹر سے پوچھنا چاہتا ہوں، وہ بتائیں کہ کتنے فسادات میں افسران ذمہ دار موجود ہیں۔ کتنوں کو سزائیں دی گئیں؟ یا کتنے ایسے ہیں جن کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا، کتنے ہیں جن کی ترقی روکی گئی؟ یا ان کے کیریکٹر رول خراب کئے گئے؟ ڈسٹرکٹ اتھارٹیز، پولیس افسران کچھ نہیں کرتے تو پھر کیا ہوگا؟ کیسے ملک چلیگا؟ وہی چیز آندھرا میں بھی ہو رہی ہے، ابھی میرے محترم ساتھی شکایت کر رہے تھے کہ خود افسران آندھرا میں آگ لگا رہے ہیں، گورنمنٹ کا کوئی کنٹرول نہیں ہے کاسٹ کے نام پر، زبان کے نام پر کہیں بھی ایسے ظلم ہونے دینا، اپنوں اور پرایوں کا فرق ہونے دینا، ملزموں کو پکڑا نہ جانا، ان پر کیس نہ چلانا، ذمہ داران کو سسپنڈ نہ کیا جانا، جاری رہا، تو پھر ملک میں کہاں کہاں کچھ کیوں نہ ہوگا۔ ضرور ہوگا اور ملک برباد ہو کر رہ جائیگا۔

آپ نے سلسلہ تقریر میں کہا کہ ان معاملات میں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ ایکشن لینا ضروری ہے۔ میری درخواست ہے کہ حکومت اس بات پر غور کرے اس کے لئے اسپیشل فورس بنائے۔ اور اس کو ہر طرح کی سہولتیں جیسے ہیلی کوپٹر وغیرہ دینا چاہیئے۔ جس سے وہ منٹوں میں موقعہ پر پہونچکر مقامی افسران اور پولیس سے چارج لے کر حالات پر کنٹرول کرے۔ اس کے لئے کانسٹی ٹیوشن میں امنڈمنٹ کرنا پڑے تو وہ بھی ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ لوگوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کو بچانا ضروری ہے۔ ورنہ اس ملک میں لوگ کس طرح بھروسہ کریں گے؟ کس طرح جئیں گے؟

آپ نے مزید فرمایا:۔ امسال کتنے فسادات ہوئے؟ یہ ہوم منسٹر ہی بتائیں گے، سیکڑوں فسادات ہو چکے ہیں۔ اُنیس بڑے بڑے فسادات بنارس میں، فیروز آباد میں، بنگلور میں، دربھنگہ میں، ٹوٹاری میں،

"سبھی ہیں ، وہ بھی بھوت ہیں اور گونڈہ وغیرہ میں ہوئے ہیں ۔ بدقسمتی سے ۹۶ فیصدی میں عوام نہیں بلکہ پولیس پی اے سی ملوث ہے جہاں بھی جھگڑے ہوئے پولیس امن و امان کیلئے بلائی گئی وہاں اس طرح لوٹ مار اور تباہی مچادی کہ کوئی چیز نہیں چھوڑی ۔ جان و مال ، عزت و آبرو ہر چیز برباد کردی جو صورت حال چل رہی ہے اس طرح کی باتیں آئندہ نہ ہوں انکی مسلسل اور بھرپور کوشش ہونی چاہیئے ۔

ناظم امور نے مسلمانوں کی بے بسی اور مجبوریوں کی تصویر پیش کرتے ہوئے کہا کہ جن کو لوٹا جائے ، مارا جائے ان کو ہسپتال کے بجائے جیل خانہ لے جایا جاتا ہے ، جس کے ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہوں انہیں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی ڈالی جاتی ہیں ۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ اسّی سال کا بوڑھا ہے کلائی ٹوٹی ہوئی ہے اور اسمیں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی ہیں ۔ کیونکہ اس پر قتل کا مقدمہ ہے ، جس کے ہاتھ کا پنجہ ٹوٹا ہوا ہو وہ قتل کرنے گیا تھا ؟ یہ حالت ہے ۔ مسلمانوں کو مقدمات اس طرح گھیر لیا جاتا ہے کہ تھانے میں رپورٹ کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے ، سوچ نہیں سکتے ۔ یہ ہو رہا ہے عمل سری نگر کی قومی یکجہتی کونسل کی سفارشات پر ، بھی مجرم ہیں جن کے گھر جلے تھے ؟ افسران رپورٹ کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے مکان اور دوکان میں آگ لگائی ہے ، یہ دھاندلی ہو رہی ہے سرکاری مشینری میں ۔ اس کے باوجود بھی وہ افسران گرفت کے قابل نہیں ہوتے اور ان کو سزا نہیں دی جاتی ، وہ مجرم نہیں ہوتے ہیں اور انھوں نے ظلم نہیں کیا ہے تو کیا کوئی اور یہ ظلم کرنے آگیا ہے ؟؟"

اور بھی غم ہیں زمانے میں ....

فسادات کی بلاءِ عظیم کے ساتھ مسلم اقلیت کے کچھ اور بھی مسائل ہیں جن کے اثرات فسادات کی طرح فوری تو نہیں لیکن قومی زندگی میں دیمک کی حیثیت رکھتے ہیں جو دھیرے دھیرے لکڑی کو کھوکھلا کرتا ہے۔ ان مسائل کے حل نہ ہونے کی وجہ سے پوری مسلم اقلیت بتدریج معاشی و اقتصادی تباہی کی خندق میں گرتی چلی جارہی ہے۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے ضروری سمجھا کہ اس طوفان کرب و بلا میں بھی ان اہم مسائل کی طرف حکومت کو توجہ دلانا اور ان کیلئے جد و جہد کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

نومبر ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں ایک وفد وزیر اعظم حکومت ہند سے ملاقات کرے اور مسلمانوں کے ان مسائل کی طرف حکومت کو توجہ دلائے، چنانچہ وفد نے فیصلہ کے مطابق وزیر اعظم ہند سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ مندرجہ ذیل مطالبات رکھے۔

(۱) "ہندوستانی مسلمانوں کی اقتصادی و تعلیمی پسماندگی کا جائزہ لینے اور اس کے اسباب کا کھوج لگانے کے لئے سیکولرزین رکھنے والے رہنماؤں پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کرے، یہ کمیشن ان اقدامات کی سفارش بھی کرے کہ مسلمان ملک کی تعلیمی ترقی اور اقتصادی خوش حالی میں اپنا حصہ پاسکیں۔ کمیشن مسلم رہنماؤں اور جماعتوں کو بھی موقعہ دے کہ وہ اپنا نقطۂ نگاہ پیش کرسکیں۔ اور ایک معین مدت میں یہ کمیشن اپنی رپورٹ پیش کردے۔ یہ اس لئے کہ اتر پردیش گورنمنٹ نے ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج کی سرکردگی میں ایک اقلیتی کمیشن مقرر کردیا ہے جو اپنا کام کر رہا ہے۔ مرکزی حکومت کو ملکی سطح پر ایک کمیشن مقرر کرکے معلومات فراہم کرنی چاہیئے تاکہ چھ کروڑ کی اتنی بڑی آبادی جو معاشی پسماندگی کا شکار رہے اس کا لازمی اثر پورے ملک پر پڑے گا۔ جو ملک کے لئے ایک شرم کی بات ہے۔

۲:۔ سرکاری ملازمتوں، سول اور پولیس مرکزی و ریاستی میں بھرتی اور اس کیلئے

صرف تحریری امتحانات ۔

۳:۔ ٹیکنیکل اداروں میں مسلمان طلباء کے داخلے ۔

۴:۔ تجارتی اور پبلک سیکٹر کے اداروں نیشنلا کرڈ بنکوں سے قرضہ کی سہولتوں

۵:۔ پرائیویٹ اداروں اور پرائیویٹ سیکٹر کے کارخانوں میں ملازمتوں

۶:۔ لیجسلیچر اور لوکل باڈی ینز میں مناسب نمائندگی

۷:۔ مسلم اوقاف کے تحفظ اور قانون سازی کے موقف ان کے مفادات کا خیال رکھنے اور ناجائز قبضہ ختم کرانے ۔

۸:۔ مسلم پرسنل لا میں ترمیم نہ کرنے اور قانون سازی میں اس کا خیال رکھنے

۹:۔ نصاب کی کتابوں کا جائزہ لیکر ان سے منافرت پھیلانے والے مضامین نکالنے کے مطالبات درج تھے ۔

جمعیۃ علماء ہند نے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ سرکاری نوکریوں، پولیس اور فوج میں، نیز امداد یافتہ غیر سرکاری ملازمتوں، کارخانوں کی نوکریوں اور تعلیمی اداروں کے داخلوں میں مسلمانوں کا کوٹہ مقرر کیا جائے ۔

جمعیۃ علماء ہند کی صدارت ونظامت

۱۱ر اگست ۱۹۷۳ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں ریاستی جمعیتوں کی سفارشات بسلسلہ صدارت جمعیۃ علماء ہند پیش ہوئیں۔ چونکہ دوسرے حضرات نے اپنے نام واپس لے لئے اس لئے تنہا نام حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا باقی رہ گیا۔ اس لئے اتفاق رائے سے مولانا موصوف صدر منتخب کئے گئے۔ صدر محترم نے دستور کے دفعہ ۴۵ کے تحت مجلس عاملہ کے مشورہ سے مولانا سید احمد ہاشمی (غازی پور) کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم عمومی نامزد فرمایا ۔

ملک میں نراج اور لاقانونیت پھیل گئی

۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء کے نصف اول تک ہندوستان میں لا اینڈ آرڈر نام کی کوئی چیز نہیں رہی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ملک میں جنگل کا قانون نافذ ہے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"، کا اصول سماج کے ہر طبقہ میں کارفرما نظر آرہا تھا۔ اور سب کا نزلہ عضو ضعیف مسلمانوں پر گرتا تھا، ان ڈھائی سالوں میں فسادات کی ایک لمبی فہرست تیار ہوگئی۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کو ان گنت آگ اور خون کے دریاؤں کو پار کرنا پڑا۔

مارچ ۱۹۷۳ء میں اور اس کے بعد رانی مئو، درگ جوت، گونڈہ، اجاگر پور، بمبئی، ناگور وغیرہ میں آگ اور خون کی بارش میں مسلم اقلیت کو بسر کرنا پڑا۔ درگ جوت میں پی اے سی کے ہاتھوں زبردست تباہی و بربادی ہوئی۔ اگست ۱۹۷۳ء میں پونا ہزاری باغ اور دہلی میں فسادات کی لہر آئی۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں منڈاسہ ضلع سابرکانٹھا (گجرات) میں حکام کی کوتاہی و غفلت کے نتیجہ میں زبردست فساد ہوا۔ مگر حسب دستور ریاستی حکومت نے غفلت شعار افسران نے کوئی باز پرس نہیں کی۔

۱۹۷۴ء کا آغاز الٰہ آباد اور میرٹھ کے فساد سے ہوا، میرٹھ کا یہ فساد اتفاقیہ نہیں بلکہ فرقہ پرستوں کی ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ جس میں فسادیوں کی اعانت حکام کی طرف سے صاف طور پر محسوس کی گئی۔ میرٹھ میں پی اے سی اپنی سفاکی کے اصل کردار میں کھل کر آئی۔ اپریل میں پونا، چھندواڑہ (مدھیہ پردیش) پورسد (گجرات) جبل پور، دورنڈا ضلع رانچی بہار میں ہولناک فساد ہوئے۔ دہلی میں بھی ایک ہنگامہ میں پولیس کے جانبدارانہ رول نے ایک درجن انسانوں کو خاک و خون میں لوٹنے پر مجبور کردیا۔ اور محلہ ردد گراں کے مسلمان کانپ کر رہ گئے، نومبر ۱۹۷۴ء میں آگرہ، کھرگون، (مدھیہ پردیش) اور بمبئی میں فسادات ہوئے۔ آگرہ کے فساد کے موقعہ پر مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اور مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی آگرہ گئے۔ انھوں نے

دیکھا اور سنا کہ آگرہ میں فسادیوں اور بلوائیوں سے کہیں زیادہ تباہی خود پی اے سی نے برپا کی ہے۔ وہاں کی بربادی میں سب سے بڑا ہاتھ پولیس ہی کا ہے۔

۱۹۷۵ء کے چوتھے مہینے سے مسلمانوں کی نسل کشی کے ڈرامے کا آغاز ہوا۔ پیلی بھیت، کانپور، اعظم گڑھ، متھرا، ہزاری باغ، برن پور، جوگیشوری اور مالیگاؤں کی اقلیت کو قیامتوں اور طوفانوں کے ریلے سے ٹکرانا پڑا۔ ان سارے فسادات میں ایک بات مشترک تھی کہ ہر جگہ پولیس اور ایڈمنسٹریشن نے بلوائیوں کو حوصلہ افزائی کی اور چشم پوشی سے کام لیا اور مسلم اقلیت کی تباہی میں بلوائیوں سے کم حصہ پی اے سی کا نہیں ہے۔ ان فسادات میں اکثر مقامات پر جمعیۃ علماء ہند وفودنے فساد زدہ مقامات کا دورہ کیا۔ لوگوں کے جانی ومالی نقصانات کی تفصیلی رپورٹیں تیار کرکے اخبارات، مرکزی و ریاستی حکومتوں کو دیں۔ فساد سے متأثر لوگوں کو ریلیف پہونچائی اور ارباب جمعیۃ کا حکومت سے پیہم اور مسلسل اصرار رہا کہ وہ سری نگر کی نیشنل انٹگریشن کونسل کے فیصلوں کے مطابق فسادات کے انسداد کی جد وجہد کرے اور ضلع حکام کو اس کا ذمہ دار قرار دے۔ جمعیۃ علماء کے وفودنے متعدد بار حکومت پر زور دیا کہ جلد از جلد ان تجاویز کو عملی جامہ پہنایا جائے تاکہ مسلم اقلیت اپنے جان ومال، عزت و آبرو کی طرف سے مطمئن ہوسکے۔ اور فسادات کے سلسلہ میں لازمی طور پر کیا جائے:

۱:- فساد زدگاں کو ان کے نقصانات کا معقول معاوضہ دیکر اور انھیں دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کیا جائے۔

۲:- فساد میں شہید ہونے والے کے پسماندگاں کو معقول معاوضہ دیا جائے۔ انھیں تعلیم، رہائش اور روزگار کی سہولتیں دی جائیں تاکہ وہ اپنی زندگی آبرومندی کے ساتھ بسر کرسکیں۔

۳:- ایڈمنسٹریشن، پولیس اور پی اے سی کے جو ذمہ دار فسادات کے دوران امن برقرار رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ کوتاہی اور غفلت شعاری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان کو قرار واقعی سزائیں دی جائیں۔ نیز فسادات کے مجرموں کے خلاف

بھی جلد از جلد کارروائی کرکے ان کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

۴:- جن مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کو فسادات میں نقصان پہونچا ہے حکومت ان کی تعمیر و مرمت کرے۔

پولیس کا رول ہر فساد میں جانبدارانہ ہوتا ہے

بلا استثناء ہر فساد میں پولیس کا رول جانبدارانہ رہا۔ تازہ ترین شواہد کی روشنی میں مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند ایم۔ پی نے ۲۵ر فروری ۱۹۷۵ء کو پارلیمنٹ میں صدر کے شکریہ کی تحریک پر تقریر کرتے ہوئے کہا:-

ڈپٹی چیئرمین صاحب!

آپ نے شکایت کی ہے کہ لوگ ملک میں تشدد اور ہنسا پھیلا رہے ہیں۔ ہنسا اور تشدد یقیناً بدترین چیز ہے۔ اس کا بھیانک روپ تب اور بھی خوفناک ہو جاتا ہے۔ جب یہ تشدد اور ہنسا مسلم اقلیت پر ہونے لگتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس ملک میں فرقہ پرست طاقتیں ہیں، جو ملک میں ٹینشن پھیلاتی ہیں، اشتعال پیدا کرتی ہیں، یہی طاقتیں اقلیتوں پر شبخون مارتی ہیں، آگ اور خون کا دریا بہاتی ہیں۔ ان کی عزت، جان، مال اور آبرو کو برباد کرتی ہیں، ایسے واقعات کے موقعہ پر پولیس کا کیریکٹر اور رول عام طور پر اچھا نہیں ہوتا۔ پولیس اپنے فرائض میں کوتاہی کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا رول جانبدارانہ ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس کا کیریکٹر ظالمانہ کیریکٹر ہو جاتا ہے، دشمن کے مانند کیریکٹر ہوتا ہے۔ میں مثال دوں گا، اسی دلی کے اندر جو حال ہی میں واقعات ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے کانپور، پیپلی بھیت، جوگیشوری کے واقعات ہمارے سامنے آئے۔ اس سے پہلے بھی پولیس کے بارے میں ایسی شکایتیں رہی ہیں۔

سارے ملک میں ہماری پولیس کا کردار ایسا ہونا چاہیئے جس کو ہم کہہ سکیں کہ ہمدردانہ

اور ذمہ دارانہ ہے۔ اگر پولیس کا یہی رول رہا جو اب تک ہم نے دیکھا ہے تو ظاہر ہے کہ اس رول سے بے اعتمادی اور بے اطمینانی بڑھے گی۔ پولیس کے اس رول میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ ایک بڑی کمی یہ ہے کہ ہماری پولیس ہماری فوج میں اقلیت کے لوگ نہیں ہیں۔ ان کے اندر مسلمان نہیں ہیں اور دوسری اقلیت کے لوگ نہیں ہیں۔ اگر اقلیتوں کے لوگ پولیس میں فوج میں اور دوسری سروسوں میں ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ پولیس جو وحشیانہ اور شرمناک رول ادا کرتی ہے وہ بدل سکتا ہے اور حالات کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔

ایمرجنسی اور اس کے بعد

ملک میں لاقانونیت اور نزاج پھیلتا جا رہا تھا، تشدد کی گرم بازاری تھی، لا اینڈ آرڈر نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی سارا نظام زندگی بکھراؤ کا شکار تھا، فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری تھا، ہر شخص اپنے کو غیر محفوظ سمجھ رہا تھا، اسٹرائک ہڑتال، کام روکو تحریکوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، قانون بازیچۂ اطفال بن گیا تھا، اسمگلنگ، چور بازاری شباب پر تھی، حکومتیں بے بس اور سرکاری مشنری مفلوج نظر آرہی تھی، انھیں حالات میں ۲۶/ جون ۱۹۷۵ء کو ملک میں ایمرجنسی نافذ کی گئی، فرقہ پرست پارٹیوں کو خلاف قانون قرار دیا گیا، ان پر پابندیاں عائد کردی گئیں، مخالف پارٹیوں کے لیڈروں کی اکثریت کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا، اخبارات پر زبردست سنسر قائم کردیا گیا، میسا اور ڈی آئی آر کے تحت اسمگلروں ذخیرہ اندوزوں بلیک مارکیٹ اور چور بازاری کرنے والوں پر چھاپے پڑنے لگے اور ان کی بڑی تعداد آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کردی گئی، اس کارروائی نے ملک پر متضاد اثرات ڈالے ایک مخصوص طبقہ میں خوف و ہراس پھیل گیا اور اس کا ہر فرد اپنی جگہ سہما ہوا اپنی گرفتاری کا منتظر تھا، سرکاری عملہ اور حکومت کے دفاتر کے لاپرواہ افسروں اور کارکنوں میں اپنے انجام سے ڈر کر احساس فرض پیدا ہوا انتظامیہ نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا اور اپنے فرائض کی ادائگی میں چاق چوبند ہو گئے، نظام زندگی میں ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہوا۔ بہت سے مسائل میں حیرت انگیز سدھار ہوا عوام نے راحت محسوس کی، مسلمانوں کو روزمرہ کی قتل و غارت گری سے نجات مل گئی، لا اینڈ آرڈر کا ایک حقیقی وجود ہر جگہ نظر آنے لگا، اس طرح ایمرجنسی کے ابتدائی ایام عوام کے لئے پرسکون اور اتنے خوشگوار ثابت ہوئے کہ عوامی سطح پر ہر جگہ ایمرجنسی کے نفاذ کا پوری بشاشت سے خیر مقدم کیا گیا، مسز اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام پر عمل شروع کر دیا گیا، سماج کے نچلے طبقے کو اوپر اٹھانے اور بھوم ہینوں میں زائد زمین کی تقسیم کو اولیت دی گئی، ضروریات زندگی کے حصول میں سہولت پیدا ہوئی، ٹرینوں کا نظام صحیح ہو گیا، سرکاری دفتروں کی کارگذاری اطمینان بخش ہو گئی۔

ایمرجنسی آمریت میں بدل گئی

لیکن یہی ایمرجنسی جس کا ابتداءً عوام کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا تھا ان کے لئے عذاب خداوندی بن گئی دھیرے دھیرے مطلق العنانیت اور ڈکٹیٹر شپ کی بدترین شکل بنتی چلی گئی، آزادی رائے، آزادی ضمیر، آزادی عمل کا گلا گھونٹ دیا گیا، وزیر اعظم ہند اور مسٹر سنجے گاندھی کے ۲۴ نکاتی پروگرام میں صرف دو پروگراموں کو اولیت اور اہمیت دی گئی اور بعد میں یہی دونوں پروگرام ایمرجنسی کا حاصل بن کر رہ گئے، اول یہ کہ شہروں کو خوبصورت بنانے کے نام ہندوستان کے عام شہروں میں بالخصوص دہلی میں کروڑوں کی بلڈنگیں بلڈوزروں کے ذریعہ ڈھادی گئیں، ہزاروں خاندان آسمان کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے ہزاروں لاکھوں دکاندار بے روزگار ہو گئے، لاکھوں افراد بے گھر، بے در ہو گئے، جن لوگوں نے عمارتوں کو ڈھاتے میں رکاوٹ ڈالی تو ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیئے اور ہر طرف کہرام اور چیخ، پکار مچ گئی۔

دوسرے پروگرام میں ہندوستان کے اضافہ آبادی کو روکنے کے لئے نسبندی کا پروگرام بڑے وسیع پیمانے پر چلایا گیا، اس پروگرام نے وہ بھیانک شکل اختیار کی کہ عوام کی زندگی میں ایک اضطراب اور زبردست بے چینی پھیل گئی اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے نادرشاہی طریقہ کار اختیار کیا گیا پورے ملک میں جبر و تشدد کی وہ لہر چل پڑی کہ لوگوں نے سفر کرنا چھوڑ دیا، کیونکہ ایسی بھی مثالیں تھیں کہ راستہ چلتے لوگوں کو پکڑ کر ان کی نسبندی کر دی گئی، ہر صوبہ کے وزیر اعلیٰ نے اپنے صوبہ کا ایک کوٹہ مقرر کر لیا کہ ہم دس لاکھ اور پندرہ لاکھ افراد کی نسبندی کرائیں گے، پھر ہر ضلع میں حکام کو احکام بھیج دیئے گئے، ہر تحصیل میں آرڈر آ گیا لیکھپال، قانون گو، تحصیلدار شکاریوں کی طرح گاڑی میں گھوم پھر کر چلتے پھرتے آدمیوں کو پکڑتے اور گاؤں میں لگے ہوئے نسبندی کیمپ میں لے جا کر اس کی نسبندی کرا دیتے ملازمین کی تنخواہیں روک دی گئیں کہ جب تک نسبندی نہیں کراؤ گے تنخواہیں نہیں ملیں گی، ہر سرکاری عہدہ دار کے لئے ایک خاص تعداد مقرر کر دی گئی وہ عہدیدار اپنے اختیارات سے ہر طرح کام لے کر مجبور و بے کس لوگوں کو پکڑ کر کبھی سختی سے اور کبھی دس بیس روپیوں کا لالچ دے کر کیمپ میں لایا جاتا اور اس کے جوہر مردانگی کا خاتمہ کر دیا جاتا حکومت کے

مختلف مشہور شخصیتوں سے بیانات دلوائے، ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائیں شائع کی گئیں،
نسبندی کے فوائد پر مضامین لکھوائے گئے، ہندوستان کے علماء، مشائخ اور مفتیوں سے فتوے
لکھوائے گئے، ممتاز علماء اور مشہور اداروں کے سربراہوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ نسبندی
کی حمایت میں اپنی رائے کا کھلے بند اعلان کریں سربرآوردہ رہنماؤں کی رائیں ہزاروں لاکھوں
کی تعداد میں کتابچے، ہینڈ بل اور لقاوے شائع کر کے پورے ملک میں پھیلائے گئے، ریڈیو
سے ان تحریروں اور رایوں کو نشر کیا جاتا، ہندوستان کی ایک عظیم درسگاہ کی ایک اہم شخصیت
سے آل انڈیا ریڈیو کے ایک نمائندے نے نسبندی کے سلسلہ میں ان کے خیالات دریافت
کئے، انھوں نے جو کچھ فرمایا اس کا ایک خاص مفہوم لے کر مسلسل ریڈیو سے اس کا اعلان کیا جاتا
رہا، مگر اس سے نسبندی کی تائید کا ایک پہلو پیدا کر لیا گیا تھا، عام شکایت یہ تھی کہ مسلمان اس
پروگرام سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور مسلمانوں میں نسبندی کا کیس ناقابل ذکر حد تک کم ہے،
مظفر نگر میں نسبندی کیمپ پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا، ریپٹ بھی ہوئی پھر پولیس نے گولی چلائی
اور کئی آدمی مارے گئے، دہلی ترکمان گیٹ پر بھی پولیس نے گولی چلائی تھی، اس میں بھی
مسلمان مرے تھے۔

حکومت کی طرف سے گاؤں گاؤں میں کیمپ لگائے جاتے، عوام کی نگاہوں میں خوف وہراس
کی وجہ سے نسبندی کیمپ کا ڈاکٹر جلاد نظر آتا، لیکھپال، چوکیدار، قانون گو دیہاتیوں کو پکڑ لاتے،
کیمپ میں ان کی بجبر گری کر دی جاتی، وہ لنگڑاتا ہوا اپنے گھر چلا جاتا ٹرینوں میں بلا ٹکٹ مسافروں
پہ چھاپے پڑتے جو لوگ پکڑے جاتے ان کی جبراً نسبندی کر دی جاتی، ان تمام کارروائیوں
سے پورے ملک میں کہرام مچ گیا بعض علاقوں میں کیمپ لگانے پر گاؤں والوں نے مزاحمت
کی اور پولیس سے تصادم کی نوبت آئی تو ان لوگوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، اس کا
ایک نمونہ صورت حال کی نزاکت کو سمجھنے کے لئے پیش خدمت ہے۔

جنتا حکومت کے دور میں ایک شاہ کمیشن قائم کیا گیا تاکہ ایمرجنسی کے دور میں ہونے والی
زیادتیوں کی تحقیقات کی جائے، ۴ر جون ۱۹۷۸ء کو اسی شاہ کمیشن کے سامنے جو شہادتیں
گذریں صورت حال پر واضح روشنی ڈالتی ہیں، نسبندی کے سلسلہ میں اتر پردیش اور ہریانہ
سر فہرست تھے، یہ شہادت ہریانہ اسٹیٹ کے متعلق ہے۔

گواہ حاضر ہے

۱۴ جون ۱۹۷۸ء کو شاہ کمیشن کے سامنے جو شہادت گذری اس میں گواہوں نے بتایا کہ کس طرح ہریانہ میں نسبندی کے لئے لوگوں کو خوف زدہ کیا گیا اور جبراً پکڑا گیا، مسلح پولیس کے دستے جن کے ساتھ آنسو گیس اور گھوڑ سوار پولیس کے دستے تھے، دیہاتوں میں چھاپے مارتے تھے اور گاؤں کے مردوں کو پکڑ لیتے تھے جن میں بوڑھے بھی ہوتے تھے، انھیں نسبندی کیمپوں میں لے جایا جاتا تھا اور سب کی نسبندی کر دی جاتی تھی جن کے بارے میں ڈاکٹروں کی رائے یہ رہتی تھی کہ یہ نسبندی کے لائق نہیں ہے اور نہ نسبندی کے لئے موزوں ہے پھر بھی اس کی نسبندی کر کے فہرست میں تعداد بڑھالی جاتی تھی تاکہ کارگذاری کی تکمیل ہو سکے۔

ضلع گوڑگاؤں کے ایک گاؤں اٹاور جو میواتیوں کی آبادی ہے اس میں اسی طرح چھاپہ مار کر لوگوں کو پکڑا گیا اور ان کی نسبندی کی گئی، تین ممتاز شہریوں خورشید احمد ایم ایل اے، بلاک سمیتی کے سابق صدر سفید احمد خاں اور گاؤں سرپنچ عبدالرحمن نے کمیشن کے سامنے شہادت دی، مسٹر خورشید احمد نے بتایا کہ اٹاور میں گوڑگانوہ کے ضلع مجسٹریٹ کو میں نے یقین دلایا تھا کہ اس وقت اٹاور والوں کو مجبور نہ کریں جیسے ہی اٹاور کے لوگ کھیتی باڑی سے فارغ ہو جائیں گے وہ اپنی مرضی سے نسبندی کرالیں گے میں نے سمجھا کہ معاملہ ختم ہو گیا، لیکن اس وقت کے وزیر اعلیٰ مسٹر بنارسی داس گپتا نے مجھے بتایا کہ انھیں سنجے گاندھی اور شری بنسی لال کے حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں کو نسبندی کے خلاف اکسا رہے ہو، میں نے اس کی تردید کی اور میں نے اس وقت بھی کہا کہ اٹاور کے لوگ تعاون کریں گے۔ اس کے باوجود اٹاور پر چھاپہ مارا گیا، مسٹر خورشید احمد نے جو اس وقت ہریانہ ریاستی کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری تھے بطور احتجاج استعفاء دے دیا، ایریا مجسٹریٹ مسٹر جگبیر سنگھ کا جنھوں نے چھاپہ مارنے کی مخالفت کی تھی بزدل قرار دے کر تبادلہ کر دیا گیا، لوک سبھا میں مسٹر بنسی لال کے دفتر سے ضلع مجسٹریٹ اور ایس پی نے چھاپے مارنے کی منظوری حاصل کی اور چھاپہ مارا گیا، اس وقت ہریانہ کے وزیر اعلیٰ بنارسی داس گپتا موجود تھے، چھاپہ مارنے کے لئے بہانہ بنایا گیا کہ گاؤں کے ۲۵ آدمی نسبندی اور

۲۰ نکاتی پروگرام کے خلاف ہیں اور انھوں نے راجستھان کے علاقہ سے ناجائز طور پر ہتھیار حاصل کئے ہیں۔ مسٹر سفید احمد خاں نے بتایا کہ گاؤں سے کوئی ہتھیار برآمد نہیں ہوا، چھاپے کے دوران گھروں کے سامان کو نکال کر باہر پھینک دیا گیا آس پاس کے دوسرے گاؤں میں بھی یہی کیا گیا۔ وائرلیس کے ذریعہ جو اطلاع چنڈی گڑھ بھیجی گئی اس میں ٹیک چند ایس۔ پی نے کہا کہ سات سو افراد کو جن میں نوجوان شامل ہیں حراست میں لے لیا گیا ہے، پانچ سو لاٹھیاں ۳۵ بھالے برآمد ہوئے، دو سو بوڑھوں کو چھوڑ دیا گیا باقی کی نسبندی کر دی گئی، مسٹر سفید احمد خاں کو چھاپے سے قبل گرفتار کر لیا گیا، علاقے کی بجلی کاٹ دی گئی بجلی کے لائن سپرنٹنڈنٹ جی پی تیوتیا کو بجلی سپلائی پھر شروع کرنے پر زدوکوب کیا گیا اور ان کو میسا کے تحت نظربند کر دینے کی دھمکی دی گئی۔

سرپنچ عبدالرحمٰن نے شہادت دی کہ جب چھاپہ مارا گیا تو میں گاؤں میں نہیں تھا جب واپس آیا تو دیکھا کہ عورتیں بچے رو پیٹ رہے ہیں تمام سامان گھر کے باہر پڑا ہوا ہے گیہوں کے ذخیرے پر مٹی کا تیل چھڑکا ہوا ہے، اس ظلم کو دیکھ کر میں رو پڑا، مسٹر خان اور مسٹر رحمان کو بعد میں سرپنچی کے عہدہ سے ہٹا دیا گیا۔

ہریانہ کے وزیر صحت نے میوات کے علاقے میں موثر کارروائی کرنے پر زور دیا، آئی جی پولیس نے مدھوبن میں ۲۶ / اکتوبر کو میٹنگ بلائی اور تین لاکھ نسبندی کا نشانہ مقرر کیا گیا، پولیس کو ہدایت دی گئی کہ وہ نسبندی کے سلسلہ میں مزاحمت کرنے والوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرے

مسٹر خورشید احمد نے مزید بتایا کہ خاص طور پر میوات کے علاقے کو ایڈمنسٹریشن کے حملہ کا نشانہ بنایا لوگوں کو ہراسان اور خوف زدہ کیا جاتا رہا، ایک نوجوان کو اس لئے پکڑا گیا کہ وہ سرکاری فارم میں مویشی چرارہا تھا اس کو اتنا مارا گیا کہ وہیں مرگیا گاؤں کے ایک معمر بزرگ حاجی چھٹمل نے بتایا کہ اس دن ان کے گھر کا تمام سامان اور تمام غلہ برباد کیا گیا، میں مارے ڈر کے تمام دن گاؤں سے باہر ایک دور افتادہ مسجد میں چھپا رہا، سا ٹھ سالہ لگا نے جس کی جبری نسبندی کی گئی تھی بتایا کہ آپریشن کے وقت اس کی عمر ۴۵ سال لکھی گئی، اس کے بیٹے کی بھی نسبندی کی گئی جس کی عمر چھ سال تھی اسکی عمر ۲۵ سال لکھی گئی (الجمعیۃ ۴ / جون ۱۹۷۸ء)

میں آنکھوں کا اندھا اور کانوں کا بہرا ہوں

ایمرجنسی کے دور کا ہر حاکم اور عمارتوں کو ڈھا کر شہروں کو خوبصورت بنانے کے نام پر تباہی وبربادی پھیلانے والا بلڈوزر دونوں ایک تھے فرق صرف یہ تھا کہ بلڈوزر پر لگی ہوئی تختی پر لکھا ہوا تھا، میں آنکھوں سے اندھا اور کانوں سے بہرا ہوں، اس لئے مظلوموں کی چیخ میرے کانوں تک نہیں پہونچ سکتی اور تڑپتی ہوئی لاشوں اور پھڑکتے ہوئے جسموں کو دیکھ کر رحم آنے کا کوئی سوال ہی نہیں، لیکن افسران کی پیشانی پر نہیں ان کے دلوں کی تختی پر یہ تحریر تھی دونوں کا کام یکساں تھا بے مروتی سختی، اور جبر وتشدد میں مشترک ہے۔

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۷ء کو شاہ کمیشن کے سامنے ہریانہ کے وزیر تعلیم کرنل بلرام یادو سنگھ نے گواہی دی کہ ہماری آبادی پر جو بلڈوزر چلائے گئے ان پر لکھا ہوا تھا، میں آنکھوں سے اندھا اور کانوں سے بہرا ہوں، دہلی ترکمان گیٹ پر مکانات کو منہدم کرنے کے لئے جو بلڈوزر چلائے گئے ان پر بھی یہی تختی لگی ہوئی تھی، دہلی میں سب سے دلدوز واقعہ ترکمان گیٹ کی عمارتوں کا انہدام کا تھا، ایک طرف نسبندی کیمپ لگا ہوا تھا جس میں زبردستی لوگوں کو پکڑ پکڑ کر نسبندی کا سلسلہ جاری تھا دوسری طرف بلڈوزر مکانات کو ڈھانے کے لئے تیار کھڑے تھے، عوام انتہائی بے چینی کے عالم میں گھروں سے باہر نکل آتے تھے انھوں نے غصے میں پولیس پر ڈھیلے پھینکے، جس کے جواب میں پولیس نے فائرنگ جھونک دی کمیشن کے سامنے ایک خاتون فاطمہ بی نے بتایا کہ میرا نوجوان لڑکا عبدالمالک پولیس کی گولی سے زخمی ہوگیا، جب وہ گر گیا تو انسپکٹر بھاٹیہ پھر بھی اس کو ڈنڈوں سے پیٹ رہا تھا، بعد میں اس کو ہسپتال بھیج دیا گیا، میں نے اس سے ملنا چاہا تو مجھے اپنے بیٹے سے ملنے نہیں دیا گیا اور وہ ہسپتال ہی میں دم توڑ گیا، شری اویناش چندر نے اپنے تحریری بیان میں بتایا کہ دوجانہ ہاؤس میں نسبندی کیمپ کی وجہ سے صورت حال اور نازک ہو گئی لوگ ڈی، ڈی اے کی توڑ پھوڑ کی کارروائیوں کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور گلی کوچوں میں کھل کر پولیس پر پتھراؤ کر رہے تھے انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے آدمیوں کو گرائی ہوئی عمارتوں پر تعینات کیا تھا، انسپکٹر غریب رام نے شاہ کمیشن کے سامنے اپنی شہادت میں کہا کہ فائرنگ اور کرفیو کے بعد بلڈوزروں سے عمارتوں کے گرانے کا کام اور تیز ہو گیا۔

دو دو تین تین منزلہ عمارتیں بھی زبردستی گرائی جانے لگیں انھوں نے بتایا کہ میں شروع سے آخر تک موقعہ پر رہا ہوں (الجمعیۃ ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۵ء)

جبری نسبندی؟ ہاں بھی نہیں بھی

نسبندی کے سلسلہ میں جب جبر و تشدد کی مسلسل شکایتیں اور خبریں آنے لگی تھیں تو حکومت کی طرف سے بطور صفائی کہا جاتا تھا کہ اس سلسلہ میں جبر و تشدد سے کام نہیں لیا جائے گا، دوسری طرف جبر و تشدد کا وہ عالم تھا کہ پورا ملک چیخ اٹھا تھا اترپردیش کے چیف منسٹر نے بریلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"حکومت فیملی پلاننگ کو لازمی بنانے کے لئے کوئی قانونی قدم اٹھانے کا ارادہ نہیں رکھتی"، وزیر اعلیٰ نے یہ صفائی یوں ہی نہیں دی بلکہ حقیقت واقعہ یہ تھی کہ کئی سرکاری محکموں میں پورے اسٹاف کی تنخواہیں ایک دم سے روک دی گئی تھیں کہ جب تک نسبندی آپریشن کا سرٹیفکٹ پیش نہیں کیا جائے گا تنخواہیں نہیں ملیں گی جو لوگ سرٹیفکٹ پیش کر دیں گے اپنی تنخواہ پانے کے حقدار ہوں گے اور ان کو تنخواہ ادا کر دی جائے گی وزیر اعلیٰ نے اس جبر کی تردید کرتے ہوئے اپنی اسی تقریر میں کہا کہ۔

"تنخواہوں کے روکنے سے ہمارا مقصد ملازمین کو خاندانی منصوبہ بندی کی اہمیت کا احساس کرانا تھا"، (الجمعیۃ ۶ر ستمبر ۱۹۷۶ء)

وزیر اعظم ہند نے ۲۷ر اکتوبر کو اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا جو ایک مقام پر نسبندی کیمپ کی مخالفت کرنے والوں پر پولیس نے گولی چلائی تھی اور کئی آدمی مر گئے تھے وزیر اعظم نے کہا کہ "ان لوگوں کو سزا دی جائے گی جو فیملی پلاننگ کے پرچار کے سلسلہ میں لوگوں کو پریشان کر رہے ہیں، انھوں نے نسبندی کی مخالفت کرنے والوں کے بارے میں کہا۔

یہ کام زیادہ آسان ہوتا اگر لوگوں کو بھڑکایا نہ جاتا۔ ایسے لوگوں کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی گئیں سیاسی جماعتیں صورت حال کا سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں، وزیر اعظم نے کہا کہ حکومت جبر کو پسند نہیں کرتی مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ نسبندی کا پروگرام آبادی کے کنٹرول کے تمام معلوم اور موثر اقدامات نہایت ضروری ہیں (الجمعیۃ دہلی ۲۹ر اکتوبر ۱۹۷۶ء)

ریکارڈ ٹوٹ گیا

سماچار کی اطلاع ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام پر جس طرح عمل ہو رہا ہے اس کے نتیجہ میں اس شہر کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں، نسبندی کے مقررہ تیرہ لاکھ آپریشن کا نشانہ گذشتہ ماہ ستمبر ہی میں پورا ہو گیا جو ۷۵-۱۹۷۴ء کے پورے سال میں ہونے والے آپریشنوں کی تعداد سے دوگنا سے بھی زیادہ ہے، موجودہ مالی سال میں اب تک ہونے والے آپریشنوں کی تعداد ۲۷ لاکھ تک پہونچ گئی ہے جبکہ پورے سال کے لئے صرف ۳۴ لاکھ آپریشنوں کا نشانہ مقرر کیا گیا تھا اس رفتار سے امید ہے کہ اکتوبر تک ہی سال کا نشانہ پورا ہو جائے گا (الجمعیۃ دہلی ۱۱/ اکتوبر ۱۹۷۶ء)

لازمی نسبندی

مہاراشٹر لازمی نسبندی زائد بل پر جوائنٹ کمیٹی کی رپورٹ میں نسبندی کے لئے لازم فرد کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا کہ وہ فرد جس کے تین بچے ہوں وہ نسبندی کے لازم فرد کی تعریف میں آتا ہے، کمیٹی کی رپورٹ کے بموجب بل کا مقصد چونکہ فیملی کے حجم کو محدود کرنا ہے اس لئے لازمی نسبندی ہی اس مقصد کے لئے واحد ذریعہ ہے، ہر اس شخص کی جس کے دو یا تین بچے ہوں اس کی یہ دستوری ذمہ داری ہے کہ اپنے نئے بچے کی پیدائش کی اطلاع ایک ماہ کے اندر حکام کو دے تاکہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ آیا وہ نسبندی کے لئے واجب اور لازم فرد بنا ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں جھوٹے سرٹیفکٹ دینے یا جھوٹا بیان دینے یا جھوٹا اعلان کرنے کے خلاف اقدام کے لئے کمیٹی نے ایکٹ میں ایسی مشق رکھی ہے کہ ایسے افراد کو سزا دے (الجمعیۃ دہلی ۱۸/ جون ۱۹۷۶ء)

صرف تین بچے

سماچار ایجنسی نے اطلاع دی کہ مرکزی حکومت کے ملازمین کے اوپر تین بچوں سے زیادہ بچے رکھنے پر پابندی عائد کر رہی ہے، سنٹرل سروسز کنڈکٹ رولز میں ترمیم کر کے ایک دفعہ ۲۱ (الف) کا اضافہ کیا جائے گا تاکہ اس فیصلہ کا نفاذ کیا جا سکے، اس قانون کا نفاذ

ان سرکاری ملازمین پر نہیں ہوگا جس کے تین بچے ۳۰ ستمبر ۱۹۷۶ء کو موجود ہوں گے (الجمعیۃ ۵ ستمبر ۱۹۷۶ء)

نسبندی کی مخالفت کرنے والا گرفتار

بھوپال کی ایک خبر میں بتایا گیا کہ سرگجا ضلع کی سوراج پور تحصیل میں دیونگر گاؤں کے رہنے والے دو افراد نے گاؤں میں لگائے گئے فیملی پلاننگ کیمپ میں آنے والوں کو گمراہ کرنے اور فیملی پلاننگ کی مذمت کرنے کے الزام میں دفعہ ۱۵ سی، آر، پی، سی کے تحت گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا (الجمعیۃ دہلی ۳۱ اگست ۱۹۷۶ء)

نسبندی کا نیا ریکارڈ

۲۳ اگست ۱۹۷۶ء کو سرکاری رپورٹ اخباروں میں شائع ہوئی کہ اپریل، مئی، جون، جولائی ان چار مہینوں میں گیارہ لاکھ تینتیس ہزار آٹھ سو چھپن نسبندی آپریشن کئے گئے، یہ تعداد گذشتہ سال کے مماثل عرصہ کی تعداد کے مقابلہ میں تین گنی ہے اس سال نسبندی آپریشن کی لہر دوڑ گئی ہے، مختلف ریاستیں نسبندی آپریشن کے ضمن میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی ہیں (الجمعیۃ ۲۳ اگست ۱۹۷۶ء)

افسروں کو بار بار توجہ دلائی جارہی تھی کہ مسلمان نسبندی آپریشن سے الگ ہیں اس پر یوپی کانگریس کی اقلیتی سیل کی کنوینر مسز فلتی پٹیل نے آگرہ میں مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ نسبندی کے کام میں پورا پورا تعاون دیں، خبر میں یہ بھی بتایا کہ آگرہ میں اب تک چار ہزار ایک سو نسبندی آپریشن ہو چکے ہیں۔

آندھیوں میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ

ڈی، آئی، آر اور میسا کے خوف سے بڑے سے بڑے لیڈر کو حکومت کے ان اقدامات کے خلاف لب کشائی کی ہمت نہیں تھی جس نے بھی ایمرجنسی کے دوران حکومت کے کسی فعل پر نکتہ چینی کی اس کے لئے سوائے جیل کے اور کوئی جگہ نہیں تھی، جبری نسبندی سے عوام گمراہ

رہے تھے لیکن کسی سمت سے اس کے خلاف حق سے ہلکی بھی آواز نہیں اٹھ رہی تھی، اسی دوران جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۰/۱۱ اپریل ۱۹۷۶ء کو دہلی میں ہوا اور جبری نسبندی کے مسئلہ پر درج ذیل تجویز کے ذریعہ جمعیۃ علماء ہند کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کی گئی۔

"جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس اس بات کا اظہار اپنا قومی فریضہ سمجھتا ہے کہ جبری نسبندی اور اس کے لئے قانون سازی کی کوئی شکل متعدد اسباب و دلائل کی روشنی میں ملک و قوم کے لئے نہایت مضر اور سخت غیر مناسب ہے اس سے عوام میں سخت اضطراب اور بے چینی ہے، اس بے چینی کا اثر ملک کے دوسرے مفید منصوبوں پر بھی پڑ رہا ہے، اس لئے مجلس عاملہ کا یہ اجلاس حکومت ہند سے اپیل کرتا ہے کہ نسبندی کے لئے جبر کا طریقہ کار اختیار نہ کیا جائے اور نہ اس سلسلہ میں کوئی قانون وضع کیا جائے۔ نیز ریاستی حکومتوں کو بھی ضروری اور فوری ہدایات جاری کردی جائیں کہ وہ بھی اس سلسلہ میں ہر قسم کے جبری طریقہ کار اور قانون سازی سے احتراز کریں

ترکمان گیٹ کا المیہ

۱۳ مئی ۱۹۷۶ء کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں ایمرجنسی عہد کے سب سے بھیانک حادثہ ترکمان گیٹ میں انہدام کی کارروائیوں پر غور کیا گیا اور سخت ترین الفاظ میں اس کارروائی پر تنقید کی گئی، تجویز میں ترکمان گیٹ کے توڑ پھوڑ کے سلسلہ میں دہلی ایڈمنسٹریشن اور پولیس کے ظالمانہ رویہ پر اظہار افسوس اور اظہار مذمت کیا گیا اور اس ہنگامہ میں مرنے والوں کے ورثاء کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا گیا، اجلاس میں یہ بھی طے کیا گیا کہ ہمیں حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ حکومت ایسے مکانات تعمیر کرائے جس کے کرائے نسبتاً کم ہوں، انھیں مکانوں میں اجاڑے گئے لوگوں کو آباد کیا جائے، اس نئی آبادکاری میں جہاں دیگر ضروریات زندگی سہولتوں اور ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کا خیال رکھا گیا ہو، وہیں

ان کی تہذیبی اور معاشرتی ڈھانچے کو بھی برقرار رکھتے ہوئے انھیں ایک جگہ آباد کیا جائے پولیس کے مظالم کی وجہ سے جن لوگوں کے کاغذات اور ثبوت تلف ہو گئے ہیں انکی بھی آبادکاری کا معقول انتظام کیا جائے، اور بحال کیا جائے، ان علاقوں کی پسندیدگی کے مطابق ان کی طرف سے ایک میمورنڈم تیار کیا جائے اور حکومت سے اسے تسلیم کرانے کی جدوجہد کی جائے۔

تحقیقاتی کمیٹی

جبری نسبندی کے سلسلہ میں ہریانہ میوات، مظفرنگر اور سلطان پور میں زیادتیاں ہوئیں ان تمام مقامات پر صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مولانا عبدالرؤف صاحب اور حکیم سید حسین دہلوی پر مشتمل بنائی گئی تاکہ ان مقامات پر جاکر وہاں کے عوام پر اس سلسلہ میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کی تفصیلی رپورٹ مرتب کرے اور مجلس عاملہ میں پیش کرے اگر اس سلسلہ میں کوئی مفید تعاون اب بھی ہوسکتا ہے تو اس پر غور کیا جائے۔

جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی مولانا سید احمد ہاشمی نے ابتدا ہی سے مسٹر شیو چرن گپتا اور دوسرے قومی کارکنوں سے مل کر اس بات کی کوشش کی کہ ترکمان گیٹ کا حادثہ نہ ہونے پائے، انھوں نے مرکزی وزیر مکانات اور مسلم کلیرنس کے دوسرے ذمہ داروں کو بار بار توجہ دلائی جلسے کئے، میٹنگیں بلائیں تاکہ چاندنی کی بازار، اجمیری گیٹ، ترکمان گیٹ اور دلی گیٹ کی قدیم آبادی کو بے دردی سے اجاڑ کر وہاں کے باشندوں کو تتر بتر نہ کیا جائے مولانا ہاشمی اور مسٹر شیو چرن گپتا نے ان علاقوں کے رہنے والوں کی طرف سے ایک میمورنڈم مرتب کرکے حکومت ہند کو اور مسلم کلیرنس کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کیا تاکہ خوش اسلوبی اور انسانی ہمدردی کے جذبات کے سایہ میں یہ پروگرام چلے لیکن ان حضرات کی ساری تگ ودو نخوت پسند اور بد دماغ افسروں کی وجہ سے رائیگاں گئی اور وہ سب کچھ ہوا جس کی وجہ سے مارچ میں ہولے اور وہ الیکشن برسر اقتدار پارٹی کے لئے عذاب جان بن گیا اور تاریخ میں یہ نادر شاہی دور کہلانے کا مستحق ہوگیا۔

(الجمعیۃ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۷۶ء)

ذہن اور مزاج نہیں بدلا

اخبارات کی پوری طاقت ہاتھوں میں لینے کے بعد حق و انصاف کی حکمرانی کرنے کا شور برپا تھا مگر تنگ نظری اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کی جو بیماری افسران کے دل و دماغ کو لگ گئی تھی اس سے نجات نہیں مل سکی تھی اس لئے بیس ۲۰ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کے وقت بھی وہ اسی تنگ نظری اور تنگ دلی میں گرفتار رہے اور اس مرحلہ پر بھی مسلمانوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے حکومت سے کہا۔

"۲۰ نکاتی پروگرام میں مسلمانوں اور خاص کر ان کے کمزور طبقوں کے ساتھ زبردست امتیاز برتا جارہا ہے، زمین سے محروم مسلمانوں کو باوجود مستحق ہونے کے نہ کاشت کی زمینیں دی جارہی ہیں نہ ان کے رہنے اور مکان بنانے کے لئے زمین دی گئی، جبکہ بہت سے دیہاتوں میں مسلمانوں کو کسی قیمت پر زمین نہیں دی جاتی ہے مسلمان دستکاروں، بنکروں اور چھوٹے صناعوں کو قومی بینکوں سے قرض ملنے میں بڑی حد تک محرومی رہی ہے، ملازمتوں اور سرکاری دفتروں میں اب بھی پوری طرح مسلمانوں سے امتیازی سلوک ہورہا ہے اور اس کے نتیجہ میں متعدد محکمے اور دفاتر مسلمانوں سے خالی ہوچکے ہیں، پولیس اور فوج اور سینٹرل ریزرو فورس وغیرہ میں مسلمانوں کی معقول تعداد نہ ہونے کی وجہ سے فرقہ وارانہ فسادات کو روکنے میں اور امن و امان بحال کرنے میں سخت پریشانی ہوتی ہے، سرکاری کارخانوں، امداد یافتہ پرائیویٹ سیکٹروں میں مسلمانوں کے ساتھ نہایت افسوسناک حد تک امتیاز برتا جارہا ہے جس کی وجہ سے کارخانے اچھے کاریگروں سے محروم ہوگئے ہیں اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں بھیانک بے روزگاری اور بیکاری پھیل رہی ہے عام مسلمان نوجوانوں میں مایوسی پیدا ہورہی ہے، یہی حال سرکاری اور امداد یافتہ اسکولوں، تعلیمی اداروں کا بھی ہے اسی طرح میڈیکل کالجوں اور انجینیرنگ اور ٹیکنیکل تعلیم کے اداروں میں داخلہ کے موقعہ پر برابر امتیاز برتا جارہا ہے۔

اس لئے جمعیۃ علماء ہند کو اس صورتحال پر سخت تشویش ہے، جمعیۃ علماء ہند کرلا

اور بنگال کی حکومتوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہے کہ ان حکومتوں نے مسلم اقلیتی حقوق کی بحالی اور ان کو ملازمتوں اور دیگر شعبوں میں مناسب نمائندگی دینے کی کوشش کی ہے اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے لئے کوٹہ مقرر کر دیا ہے ۔

مجلس عاملہ کا یہ اجلاس حکومت ہند اور ریاستی حکومتوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ۲۰ نکاتی پروگرام کو صحیح طور پر کامیاب کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں انصاف دلانے کے لئے، اس بھیانک تکلیف دہ امتیاز کو ختم کرنے کے واسطے فوری طور پر موثر اقدامات کریں ۔ مجلس عاملہ کی رائے میں اس بھیانک امتیاز کو ختم کرنے اور ملک کی عظیم اقلیت کو محرومی سے بچانے کے لئے سرکاری نوکریوں، پولیس اور فوج نیز امداد یافتہ غیر سرکاری کارخانوں کی نوکریوں اور تعلیمی اداروں کے داخلوں میں کوٹہ مقرر کیا جائے اور ان کو محرومی اور مایوسی سے بچایا جائے ۔''

کلمۂ حق

جبری نسبندی کے جابرانہ طرز عمل پر مجلس عاملہ کی تجویز کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کے اجلاس منعقدہ میرٹھ اپریل ۱۹۷۶ء میں وہی تجویز کھلے اجلاس میں منظور کی گئی جو جبری نسبندی کے خلاف مجلس عاملہ منظور کر چکی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ جبری نسبندی کا طریقہ کار اختیار نہ کیا جائے نیز ریاستی حکومتوں کو بھی ضروری اور فوری ہدایات جاری کر دی جائیں کہ وہ بھی اس سلسلہ میں ہر قسم کے جبری طریقہ کار اور قانون سازی سے احتراز کریں، اس اجلاس کے پہلے دن جمعیۃ علماء ہند کے ایک وفد نے وزیر اعظم ہند سے ملاقات کی اور انھیں میمورنڈم پیش کیا اس میں بھی یہ بات شامل تھی وزیر اعظم ہند اور وزیر صحت ڈاکٹر کرن سنگھ نے پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ کے باہر غیر مبہم الفاظ میں جو اعلان کیا کہ جبری نسبندی نہیں کی جائے گی جمعیۃ علماء کے وفد کی اسی گفتگو اور مطالبہ کی صدائے بازگشت تھی، اگرچہ ریاستوں میں عمل اس کے خلاف ہی ہوتا رہا جیسا کہ بعد میں شاہ کمیشن کی تحقیقات کے دوران انکشاف ہوا۔

مسلم کلچرل کے نام پر تباہی

۱۹ر اپریل ۱۹۷۶ء کو ترکمان گیٹ کے علاقہ میں دہلی ماسٹر پلان کے نفاذ کے سلسلہ میں دہلی

ایڈمنسٹریشن نے جس بیدردی اور انسانیت سوز عمل کا مظاہرہ کیا اس سے پوری دہلی میں ایک کہرام مچ گیا، لوگ چیختے ہیں چلاتے ہیں، میرا گھر مت اجاڑو، میرا آشیانہ مت تباہ کرو، ہم تباہ ہو جائیں گے برباد ہو جائیں گے مگر اندھا کیا دیکھے اور بہرا کیا سنے؟ زیادہ شور مچایا تو پولیس نے نال سیدھی کر دی اور فریاد کرنیوالی زبانوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کے اجلاس منعقدہ ۱۵، ۱۶ مئی ۱۹۷۶ء بمقام فیض عام انٹر کالج میرٹھ نے اپنے دلی اضطراب اور شدید بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے ایک تجویز میں کہا۔

"مجلس منتظمہ کے اس اجلاس کو سخت تشویش اور حیرت و استعجاب ہے کہ دہلی کے ماسٹر پلان کو شاہجہان آباد میں بروئے کار لانے کے لئے کوئی واضح اسکیم اور معقول لائحہ عمل تیار نہیں کیا گیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ان خاندانوں کے ساتھ جو پشتہا پشت سے دہلی میں رہتے آرہے ہیں اور جن کے دم سے دہلی کی قدیم تمدنی زندگی کا آب و رنگ ہے غیر قانونی جھگی جھونپڑی والوں اور ناجائز قبضہ کرنے والوں جیسا سلوک کیا جارہا ہے، یہ وہی دہلی ہے جسے کبھی ہندوستان کا دل کہا جاتا تھا، جہاں صالح تمدن زندگی کے نمونے ڈھلتے تھے جس کے پیچھے صدیوں کی شریفانہ تہذیبی روایات کی تاریخ ہے، جس نے تاریخ کے مختلف ادوار میں ہندوستان کی معاشرت و معیشت کو متاثر کیا ہے لیکن آج جس طریقے سے دہلی کے ماسٹر پلان کی اسکیموں کو من مانے طور پر نافذ کیا جارہا ہے اس کا انجام یہ ہوگا کہ شاہجہاں آباد کی مشترک معاشرتی زندگی کا سانچہ ٹوٹ جائے گا اور اس شہر کی بچی کھچی خصوصیات بھی معدوم ہو جائیں گی۔

مجلس منتظمہ دہلی کے معاملات کے ذمہ داروں کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتی ہے کہ انگریزوں کے دور تسلط اور آزادی کے فوراً بعد کے معاشی و معاشرتی بحران کے سبب شاہجہاں آباد کے حسین شہر کی صورت بڑی حد تک بگڑ چکی تھی اور حال میں نئے صنعتی و تجارتی عوامل کی وجہ سے بھی اس کی ہیئت بہت کچھ بدل گئی ہے، آج یہ تاریخی شہر ٹرانسپورٹ کے دفتروں، ریلوے وارڈوں، منڈیوں، گوداموں اور بڑے کارخانوں وغیرہ کی وجہ سے بے حد

گنجان اور صحت و صفائی سے محروم علاقہ بن گیا ہے اس لئے مجلس منتظمہ کے نزدیک یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر سے بڑی صنعتوں تھوک فروشی کے گوداموں، ٹرانسپورٹ کے دفتروں، ریلوے کالونیوں، ریلویز کے وارڈوں اور گڈس شیڈوں کو ہٹا کر مناسب مقامات پر پہونچا دیا جائے تاکہ اگر ایک طرف ان سے شہروں کی خوشی ہی میں اضافہ ہو تو دوسری طرف اس کی آبادی کو غیر صحتمند ماحول کے ناقابل برداشت بوجھ سے نجات بھی مل جائے اور شہر کے قدیم باشندوں کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں ان جگہوں پر بسانے کا موقع مل سکے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ اور مجلس عاملہ اس ضرورت کو محسوس کرتی ہے کہ دہلی کے رہائشی علاقوں کو صاف ستھرا اور خوبصورت بنانا چاہیئے لیکن ان پر ان آبادیوں میں رہنے والوں کے ساتھ مجرموں جیسے سلوک کو کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی اور مطالبہ کرتی ہے کہ

(۱) اس شہر کے تاریخی کردار کو باقی رکھا جائے اور اس کی نئی آبادکاری کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے جائیں اور جو عمارتیں بنوائی جائیں اس کا طرز تعمیر دہلی کے قدیم طرز تعمیر سے ہم آہنگ ہو۔

(۲) ان عمارتوں میں انھیں باشندوں کو کم سے کم کرایہ پر بسایا جائے جو اس علاقہ میں رہتے ہیں اور جن باشندوں کو رہائشی مکانات نہ دیئے جائیں انھیں نئے علاقہ میں ایک جگہ اس طرح بسایا جائے کہ انھیں اپنے تہذیبی و معاشرتی و مذہبی امور کی ادائے گی میں آسانی ہو۔

(۳) اس کا خیال رکھا جائے کہ جن باشندوں کے مکانات سے کسی نہ کسی طرح ان کی معاشی زندگی وابستہ ہے انھیں نئے علاقوں میں بھی زمین کے ساتھ وہ سہولتیں بھی فراہم کی جائیں کہ ان کی آبادکاری کے ساتھ ان کی معاشیات بھی جلد از جلد جم جائیں اور ان کو معاشی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(۴) پہلے شاہجہاں آباد دہلی کے شہر پناہ کے باہر منٹو روڈ، ماتا سندری روڈ، سول لائنز، آرام باغ، گول مارکیٹ اور ریسٹرن ایکسٹنشن، عیدگاہ کے مغرب خالی قطعات کو جو طبیہ کالج تک چلے گئے ہیں کے علاقوں میں آباد کیا جائے جہاں

آباد کاری سے قبل زندگی کی ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں

۵۔ بوسیدہ اور گندہ مکانات کا انہدام اور ان کی جگہ نئی آباد کاری اور پھر زائد آبادی کو کسی دوسری جگہ بسانے کا کام منصوبہ بند طریقے سے اس طرح کیا جائے کہ لوگوں کو بے جا مشکلات اور شدائد کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ہوشیار باش

جمعیۃ علماء ہند نے مسلم کلیرنس کے سلسلہ میں درپیش ترکمان گیٹ کا معاملہ جو اپنی نوعیت کا اہم ترین حادثہ تھا اس کے بارے میں اپنا نقطۂ نگاہ حکومت کے سامنے پیش کرنے کے بعد اطمینان کی سانس نہیں لی، اس نے خطرہ محسوس کیا کہ یہ سیلاب جس انداز سے چلا ہے بہت جلد اس کے دھارے دوسرے شہروں تک پہونچنے والے ہیں اگر وہاں کے باشندے چوکنا اور ہوشیار نہیں رہے تو شاید ان کو ترکمان گیٹ کے باشندوں سے زائد شدائد و مصائب کا سامنا کرنا پڑے، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کے اسی اجلاس میں دوسرے شہروں کے باشندوں کو بھی انتباہ دیا گیا کہ وہ جاگتے رہیں، تجویز میں کہا گیا۔

"مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء ہند کی نظر میں یہ بات ہے کہ دہلی کے علاوہ بمبئی، جے پور، آگرہ مدراس اور دوسرے بڑے شہروں میں مسلم کلیرنس کا کام چل رہا ہے، دہلی میں یہ کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے جبکہ دوسرے شہروں میں جہاں آبادی گنجان نہیں اس کی رفتار تیز نہیں ہے اس کا قوی امکان ہے کہ وہ جلد ہی بنارس، کانپور لکھنؤ، میرٹھ، بلند شہر، مرادآباد، بریلی، گورکھپور وغیرہ شہروں میں جہاں آبادی گنجان، مکانات بوسیدہ اور ماحول غیر صحت بخش ہے مسلم کلیرنس کا کام تیز رفتاری سے چل پڑے اور وہاں کے باشندے اس سے متاثر ہوں چونکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد قدیم شہروں کے ایسے ہی حصوں میں آباد ہے جو مسلم کلیرنس کی اسکیم سے سختی سے متاثر ہوں گے اس لئے یہ اجلاس شہری اور ریاستی جمعیتوں کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں چوکنے رہیں۔ جن مقامات پر مسلم کلیرنس شہروں کی آبادی کے سلسلہ میں پلان تیار ہیں وہاں کی جمعیتیں ان کا مطالبہ کریں اور ضروری

ہو تو اس میں مناسب ترمیمات کرائیں تاکہ ان شہروں میں رہنے والے مسلمانوں
کا معاشرتی تہذیبی اور معاشی ڈھانچہ منتشر ہونے سے محفوظ رہے، یہ اجلاس متعلقہ
مقامی جمعیتوں کو مشورہ دیتا ہے کہ مسلم کلچرل کے سلسلہ میں کام کرنے کے لئے
سیل قائم کریں تاکہ اس سے متعلق کارروائیوں پر نظر رہے اور اقدامات میں آسانی ہو

ہم حکام کے چشم و ابرو دیکھ کر بات نہیں کریں گے

ایمرجنسی کے وندے بھرے قانون میں کوئی رعایت نہیں تھی، جبر و تشدد اس کے ضمیر میں
داخل تھا اس لئے ان تجاویز کا پاس کرنا اور جلسہ عام میں پیش کرنا تلوار کی دھار پر چلنا تھا، یہ
تجویزیں ہزاروں کے اجتماع میں ایک طرف منظور کی جارہی تھیں دوسری طرف "راز درون خانہ"
کے واقف کار دائیں بائیں ہتھکڑیوں کی جھنکار سننے کے لئے کان لگائے ہوئے تھے، مگر ایک
سچائی تھی جسے خوف و ہراس کی پرچھائیوں سے ڈر کر چھپایا نہیں جاسکتا تھا، جمعیۃ علماء ہند نے
یہ جرم کبھی نہیں کیا اور نہ کرسکتی ہے اس لئے سارے اندیشوں کے باوجود اسی میرٹھ میں جہاں
مجلس منتظمہ کا اجلاس ہو رہا ہے انھیں تاریخوں میں ضلع کانگریس کمیٹی کا ایک جلسہ شہر میں ہو رہا تھا

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا

"کانگریس اور جمعیۃ علماء کا تعلق قدیم ہے، اکابرین جمعیۃ نے مادر وطن کی عزت و سربلندی کے لئے کانگریس کے دوش بدوش رہ کر کام کیا ہے۔ جمعیۃ علماء کا مقصد ہمیشہ خدمت اور صرف خدمت رہا ہے، ہم کرسی کے حصول میں آپ کے حریف نہیں بلکہ صرف وطن کی خدمت میں حلیف ہیں، جو ہمارا مقصد اور نصب العین ہے ہم اس کی تکمیل کرتے رہیں گے، حق اور سچائی کا برملا اظہار کرتے رہیں گے اور یہی بنیاد ہے جس کی بنا پر ہم آج بھی اپنے مقاصد پر قائم ہیں، ہم اپنے فیصلوں میں اپنے پروگراموں میں اپنے اعمال میں آپ کی آنکھوں کا رنگ نہیں دیکھیں گے، آپ کی آنکھوں میں غیظ و غضب کی چنگاریاں ہو یا محبت کی کرنیں ہم اپنے دل کی بات اور سچائی کا اظہار کرتے رہیں گے۔"

روداد مجلس منتظمہ ۱۶/۱۷ مئی ۱۹۷۶ء میرٹھ

مسلمانوں کے لئے کوٹہ مقرر کیا جائے

۱۴/ اگست ۱۹۷۶ء کو مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند ایم، پی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اقلیتوں کے لئے ملازمتوں کا کوٹہ مقرر کیا جائے، آپ نے کہا کہ اگر مسلم اقلیت کے لئے کوٹہ سسٹم رائج کیا جائے تو اس کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے لیکن وزیر مملکت مسٹر اوم مہتہ نے اقلیتوں کے لئے ملازمتوں کا کوٹہ مقرر کرنے کی تجویز کو مسترد کر دیا جبکہ وزیر اعظم ہند نے اعتراف کیا کہ اقلیتوں کو ان کا جائز حق نہیں مل رہا ہے، انھوں نے کہا کہ تمام صنعتی اداروں پبلک اور پرائیویٹ سیکٹروں سے کہا گیا ہے کہ اقلیتوں کو ان کا جائز حق جس کی اگرچہ آئین میں کوئی ضمانت نہیں دی گئی ہے ملنا چاہیئے (الجمعیۃ دہلی ۱۴/ اگست ۱۹۷۶ء)

ایمرجنسی کی سالگرہ

۲۶/ جون ۱۹۷۶ء کو ایمرجنسی کے نفاذ کو ایک سال پورے ہو گئے اس کا ایک پہلو سب سے روشن ہے کہ ایمرجنسی سے پہلے کے دو سالوں میں فسادات کا جو سیلاب آیا ہوا تھا وہ ایک بیک رک گیا اس ایک سال میں کہیں بھی چھوٹا سے چھوٹا فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا اس کا معنی یہ تھا کہ حکومت کے چشم و ابرو کے اشاروں کو سمجھ کر ضلع اتھارٹیز، پولیس، سی آئی، ڈی نے اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کیا اور جب بھی ذمہ داروں کے احساس کے ساتھ ضلع حکام اپنے فرائض کو بجالائیں گے کبھی بھی یہ فسادات نہیں ہو سکتے اس لئے مسلم اقلیت کے لئے یہ سال خیر و عافیت کا یادگاری سال بن گیا۔

لیکن ایمرجنسی کا ایک دوسرا پہلو وہ بھی تھا جس سے ہندوستان کے عوام کراہ اٹھے پورے ملک میں دہشت و اضطراب اور بے چینی عام ہو گئی جبری نسبندی اور مسلم کلیرنس کے نام پر غریبوں کی خانہ ویرانی اور خانہ بربادی ان دونوں باتوں نے پورے ملک کو دہلائے رکھا وزیر اعظم اور وزیر صحت کے بیانات کے مطابق کسی کو جبر کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر عملاً اس سے بڑا کوئی جبر نہیں ہو سکتا تھا، جبری نسبندی کے شکار زیادہ تر سرکاری ملازمین ہوئے، ہر محکمہ میں کام کرنے والے دہشت زدہ، ہر طرف خوف و ہراس کی فضا چھائی ہوئی اس دہشت زدگی کی وجہ سے تمام سرکاری ملازمین برسراقتدار پارٹی سے انتقام کی آگ میں سلگ رہے تھے اور جب کچھ ہی دنوں

کے بعد الیکشن کا موقعہ آیا تو انھوں نے ایمرجنسی کی ذمہ دار پارٹی کو ذلت آمیز شکست دے کر اپنے انتقام کی پیاس بجھائی۔

ایمرجنسی کے خاتمہ کا اعلان

۱۸ر جنوری ۱۹۷۷ء کو مسز اندرا گاندھی نے اعلان کیا کہ مارچ میں پارلیمنٹ کے انتخابات ہونگے ۱۹ر جنوری ۱۹۷۷ء کو صدر جمہوریہ نے ۱۹ مہینوں کی ایمرجنسی کے خاتمہ کا اعلان کیا اور پارلیمنٹ کو تحلیل کر دیا گیا، تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کی رہائی کا حکم ہو گیا صرف آر ایس ایس اور جماعت اسلامی پر پابندی باقی رہی،

جس دن ایمرجنسی کے خاتمہ کا اعلان ہوا اسی دن جے پرکاش نارائن نے ملک کی تمام پارٹیوں سے اپیل کی کہ ساری پارٹیوں کو توڑ کر ایک پارٹی بنائی جائے اگر وہ ایسا کر لیتی ہیں تو میری حمایت انکو حاصل رہیگی ورنہ میں خود کو الیکشن سے علیحدہ رکھوں گا، کانگریس کے پرانے لیڈروں میں مسٹر جگجیون رام نے کانگریس سے استعفاء دیدیا، مسٹر بہوگنا کو صدر کانگریس نے چھ سال کے لئے کانگریس سے نکال دیا ان دونوں لیڈروں نے مل کر اپنی الگ ایک سیاسی پارٹی سی ایف ڈی بنالی، دوسری تمام سیاسی پارٹیوں نے اپنے مجموعہ کا نام "جنتا پارٹی" رکھا جگجیون رام نے اعلان کیا کہ الیکشن کے بعد، جمہوری کانگریس، بھی جنتا پارٹی میں ضم ہو جائے گی۔

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

مارچ میں الیکشن کا اعلان کر دیا گیا کانگریس اپنے کئی بڑے اور اہم لیڈروں سے محروم ہو چکی تھی اور الیکشن کے میدان میں وہ ایک طرف تنہا تھی دوسری طرف تمام پارٹیوں کا مجموعہ جنتا پارٹی، میدان کارزار گرم ہو گیا، اب حکمران پارٹی کو ۱۹ مہینوں کی حکمرانی کے بعد عوام کی عدالت میں آنا تھا، مخالف پارٹیوں کا سب سے بڑا ہتھیار حکومت کا نسبندی پروگرام تھا، کانگریس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا عوام نے کس گھٹن کے ماحول میں یہ انیس مہینے گذارے ؟ اس کا اظہار اب ہو رہا تھا، مظفر نگر میں مسلمانوں پر فائرنگ اس لئے ہوئی تھی کہ انھوں نے نسبندی کیمپ کی مخالفت کی تھی اور کئی آدمی پولیس کی گولیوں سے مارے گئے تھے۔ یہ واقعہ دلوں کا ناسور بن چکا تھا جب اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ انتخابی مہم کے سلسلہ میں مظفر نگر آئے تو

انھوں نے کھتولی ضلع مظفر نگر میں تقریر کرتے ہوئے کہا

"مجھے مظفر نگر کے واقعہ پر ندامت ہے، واقعہ کی جانچ کی جارہی ہے، ملوث افراد کو بخشا نہیں جائے گا، نسبندی کے جھگڑے کے سلسلہ میں جو مقدمات چل رہے تھے وہ واپس لے لئے گئے ہیں" (الجمعیۃ دہلی ۹ر مارچ ۱۹۷۷ء)

صدائے بازگشت

اس کے برخلاف جمہوری کانگریس کے لیڈر ہیم وتی نندن بہوگنا نے مظفر نگر میں جبری نسبندی کے سلسلہ میں ہونے والے مظالم کے بارے میں عوام کے دل کی بات کی کہی۔

"اس معاملہ میں افسران کے بجائے سرکار مجرم ہے، افسران نے تو صرف حکم کی تعمیل کی ہے، جب سرکار نے ان پر زور ڈالا تو انھوں نے نسبندی کا کوٹہ پورا کرنے کے لئے اس طرح کے طریقے اپنائے، جس وقت مظفر نگر میں گولیاں چل رہی تھیں تو حکومت نے اس کو کیسے برداشت کیا، اس لئے سزا افسران کو نہیں اس سرکار کو ملنی چاہیئے جس کے حکم پر یہ ظلم ڈھائے گئے ہیں"

کانگریس کو شکست فاش

ایمرجنسی کے دور میں ہونے والے جبر و تشدد کا مسئلہ عوام کی عدالت میں آیا تو انھوں نے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے خلاف فیصلہ دیا اور بھاری اکثریت سے ان کو شکست دے کر بتا دیا کہ ایک جمہوری ملک میں اس طرح کے جبر و تشدد کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کانگریس کے تمام وزراء، تمام بڑے لیڈر خود مسز اندرا گاندھی، سنجے گاندھی بھاری اکثریت سے شکست کھا گئے، اکثر ریاستوں میں تو کانگریس کو ایک بھی سیٹ نہیں ملی، جمہوری کانگریس جنتا پارٹی میں ضم ہو گئی، پارلیمانی پارٹی میں مرارجی ڈیسائی کو پارٹی لیڈر چن لیا گیا اور وہ وزارت عظمیٰ پر فائز ہو گئے، ۲۶ مارچ ۱۹۷۷ء کو مرارجی کی کابینہ نے وزارت کا حلف لیا اور باقاعدہ جنتا سرکار وجود میں آگئی، تین مہینوں کے بعد جنتا حکومت نے دس صوبوں کی حکومتوں کو توڑ کر دوبارہ الیکشن کرایا اس الیکشن نے ان تمام صوبوں میں کانگریس کا جنازہ نکال دیا کہیں بھی کانگریس حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہیں رہی بنگال میں مارکسی، تامل ناڈو میں ان ڈی ایم کے، کشمیر میں نیشنل کانفرنس،

پنجاب میں اکالی دل اور باقی صوبوں میں جنتا پارٹی کی حکومت بنی اس طرح پورے ملک میں کانگریس کی ہوا اکھڑ گئی۔

جنتا حکومت کا خیر مقدم

۱۷/۱۶ اپریل ۱۹۷۷ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس نے جنتا حکومت کا خیر مقدم کرتے ہوئے قومی ترقیاتی پروگراموں میں اپنے تعاون کی پیشکش کی تجویز میں کہا گیا۔

"مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کو مسرت ہے کہ موجودہ مرکزی حکومت نے گاندھی جی کے اصولوں کو بروئے کار لانے کا عہد کیا ہے اور سابقہ حکومت کی کوتاہیوں اور غلطیوں کی تلافی کا وعدہ کیا ہے، جمعیۃ علماء ہند حکومت ہند کو اپنا تعاون پیش کرتی ہے کہ ملک وقوم کی ترقی وبہبود کے لئے وہ جو بھی مشترکہ پروگرام بنائے گی حکومت ہند کو جمعیۃ علماء کا بھرپور تعاون حاصل رہے گا۔"

جنتا حکومت کا پہلا تحفہ

جنتا حکومت کے قیام کے تین ہی مہینے بعد اگست ۱۹۷۷ء میں بہار شریف میں فرقہ وارانہ فساد ہوگیا جو ڈیڑھ سال سے بند تھا، یہ فساد نہیں تھا بلکہ پولیس اور غنڈوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کردیا تھا مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند فوراً بہار شریف پہونچے، زخمیوں اور شہید ہونے والوں کے گھروں پر گئے، وقتی امداد کے لئے کچھ رقمیں بھی دیں اور پورے حالات کا جائزہ لیا، معلوم ہوا کہ اس فساد کی تیکنک بالکل وہی ہے جو اب تک رہی ہے، ہندوؤں کے ایک جلوس نے فسادیوں اور بلوائیوں کی شکل اختیار کرلی، کئی آدمی مارے گئے، معزز لوگوں کو بے عزت کیا گیا، ان کی داڑھیاں نوچی گئیں، حوالات میں پانی مانگنے والوں کو پیشاب پینے کے لئے کہا گیا، مسلمان ہی لٹے پٹے، اور وہی بڑی تعداد میں پکڑے بھی گئے اور انھیں پر مقدمات بھی قائم کئے گئے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

الجمعیۃ سچ کیوں بولتا ہے؟

جب الجمعیۃ نے بہار شریف کے فساد کا سچا پکا بیان کیا تو اس پر فرد جرم قائم کردی گئی کہ وہ سچ کیوں بولتا ہے؟ اور مقدمہ چلایا گیا، مولانا سید احمد ہاشمی جب بہار شریف کے دورے سے واپس آئے اور انھوں نے فساد کی اصل حقیقت ایک اخباری بیان میں کھولی انھوں نے

اپنے اس بیان میں مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کی تفصیل اور پولیس کی جانبداری کی شکایت کی، اسی بیان سے پہلی بار معلوم ہوا کہ بہار شریف میں اتنا بھیانک فساد ہوا ہے اور مسلمانوں کو ظلم و تعدی کا شکار بنایا گیا ہے، یہ جنتا حکومت کا مسلم اقلیت کے لئے پہلا تحفہ تھا جو گاندھیائی اصولوں پر چلنے کا ڈنکا پیٹ رہی تھی، ایک سچی حقیقت کے اظہار پر اس کی جبین نخوت پر شکنیں پڑ گئیں اور جمعیۃ علماء ہند کے آرگن الجمعیۃ پر دفعہ ۱۵۳ (الف) اور دفعہ ۱۲۴ کے تحت مقدمہ قائم کر دیا، اس صورت حال پر اظہار خیال کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں ایک تجویز میں کہا۔

"جمعیۃ علماء ہند اس بات کو پریس کی آزادی اور شہریوں کے اظہار رائے اور خیال کی آزادی پر ایک حملہ تصور کرتی ہے، ملک کی نئی حکومت اور جنتا پارٹی نے بڑے زور شور سے اعلان کیا ہے کہ تمام جمہوری آزادیاں بحال کر دی گئی ہیں۔ اور خاص طور پر پریس کی آزادی پر اب کوئی پابندی۔۔ ہے، لیکن محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض زبانی باتیں ہیں اور عملاً یہ نظر آتا ہے کہ فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان کے خلاف کسی احتجاج کی اجازت نہیں ہے، جمعیۃ علماء ہند اس صورت حال پر اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتی ہے اور الجمعیۃ پر مقدمہ چلانے کے منصوبہ پر احتجاج کرتی ہے"

خطرے کا الارم

جے پرکاش نارائن کی جنتا پارٹی میں وہی حیثیت تھی جو کانگریس میں گاندھی جی کی، انھوں نے الکشنی مہم کے دوران بمبئی میں ایک بیان میں کہا کہ میسا کے تحت تمام گرفتار کئے جانے والوں کو رہا کیا جائے اور یہ بھی کہا کہ آر ایس ایس جیسی جماعت کے لوگوں کو نظر بند رکھنے کا کوئی تک نظر نہیں آتا ہے الیکشن کے موقعہ پر لوگوں کو نظر بند رکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ بنیادی حقوق اور آزادی بحال نہیں کی گئی ہے، ۱۴ر مارچ ۱۹۷۷ء کو جنتا پارٹی کی طرف سے ایک بیان جاری کیا گیا کہ آر ایس ایس کا گاندھی جی کے قتل سے کوئی تعلق نہیں تھا اس بیان میں یہ بھی کہا گیا کہ آر ایس ایس جن سنگھ ہے اور جن سنگھ آر ایس ایس ہے، یہ دونوں بیانات اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ آر ایس ایس ایک نئی طاقت بن کر ابھر رہی ہے

جنتا پارٹی اور حکومت کے اونچے طبقے میں آر ایس ایس والوں کو عزت و احترام کا درجہ حاصل ہے اس لئے اب اس پر حکومت کی طرف سے نکتہ چینی یا اس کی امن دشمن سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس کا مقام حکومت کی نگاہ میں وہی ہے جو دوسری سیاسی پارٹیوں کا، اس لئے آر ایس ایس بالواسطہ اقتدار و اختیار میں حصہ دار بن گئی، اس پر نکتہ چینی اور اس کے کاموں پر حرف گیری جنتا حکومت کی مصلحت کے خلاف تھا اس لئے اب آر ایس ایس اپنی ناپاک سرگرمیوں میں آزاد ہو گئی، ایسی صورت میں اگر فسادات کا سلسلہ شروع ہو جائے اور الجمعیۃ جیسے اخباروں پر مقدمہ چلایا جائے تو اس میں جرأت کی کیا بات ہے؟

آر ایس ایس سے یارانہ

جنتا پارٹی کے جنرل سکریٹری مسٹر مدھو لیمئے نے تجویز رکھی کہ مختلف تنظیمیں رضاکار ہوں یا کلچرل جن کا جنتا پارٹی میں شامل یونٹوں سے تعلق رہا ہو مثلاً آر ایس ایس ان سب کو مل جانا چاہیے، اس طرح جنتا پارٹی میں پائے جانے والے تنازعات اور وفاداریوں کے سوالوں کے باعث جو کشیدگی داخلی طور پر پائی جاتی ہے وہ کم ہو سکے گی، انھوں نے حال ہی میں مسٹر جے پرکاش نارائن اور آر ایس ایس کے اعلیٰ لیڈروں بالا صاحب دیورس اور مادھو راؤ نے لوے سے رضاکار تنظیموں کے انضمام پر گفتگو کی ہے ان کا کہنا ہے کہ ان کی تجویز سے کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے، مسٹر مدھو لیمئے نے مرارجی ڈیسائی وزیر اعظم ہند سے بھی بات کی ہے وہ امن کار تنظیموں کے انضمام کے حق میں تھے اور انھوں نے کہا کہ اگر آر ایس ایس لیڈر ملنا چاہتے ہیں تو انھیں اس پر بڑی خوشی ہو گی، یہ خبر پی او نے دی ہے

آر ایس ایس کا غلبہ

فساد کی خبر شائع کرنے کی وجہ سے الجمعیۃ پر مقدمہ کی کارروائی نے بتایا کہ اب ہوا کا رخ کیا ہے؟ اب مسلمانوں کے لئے اپنی ہزار مظلومیت کے باوجود ماتم و فریاد کرنا بھی جرم بن چکا ہے، اب زخموں پر زخم کھانے کے باوجود آہ و فریاد کی تو اس کی بھی سزا ملے گی اس سے یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جنتا حکومت آر ایس ایس کے سامنے سپر ڈال چکی ہے اور وہ جنتا سرکار میں شریک غالب کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، اس کا احساس

جنتا لیڈروں کو بھی تھا، چنانچہ سی، بی گپتا کا ایک خط اخباروں میں شائع ہوا جو انھوں نے مرارجی ڈیسائی وزیر اعظم ہند کو لکھا تھا اور اس کی کاپی جنتا پارٹی کے صدر مسٹر چندر شیکھر کو بھی بھیجی تھی، سی بی گپتا نے خبردار کیا کہ آر ایس ایس کی جانب سے کس طرح باقاعدہ طور پر متوازی سرگرمیوں کے ذریعہ جنتا پارٹی پر کنٹرول کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جنتا پارٹی کے آر ایس ایس اور غیر جن سنگھی عناصر کے درمیان کشیدگی بڑھتی جارہی ہے اور یہ مسئلہ جنتا پارٹی کی پچھلی میٹنگ میں زیر بحث آیا تھا، غیر آر ایس ایس طبقہ اس بات سے بہت فکرمند اور پریشان ہے کہ وہ تنظیم پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، پورے ہندی علاقے کی حکومتوں میں شامل جن سنگھی وزراء کی مدد سے آر ایس ایس کی سرگرمیاں شدت اختیار کر گئی ہیں، بہت سی جگہوں پر تو پریڈ گراؤنڈ بھی جو عام طور پر سرکاری تقریبات کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان میں صبح کو آر ایس ایس کی شاکھائیں لگتی ہیں جنتا پارٹی کے غیر جن سنگھی عناصر کو اس بات پر پریشانی ہے کہ جبکہ وہ جنتا پارٹی میں ضم ہو گئے ہیں اگر جن سنگھ نے اپنی محاذی تنظیموں آر ایس ایس اور ودیارتھی پریشد کو برقرار رکھا ہے۔ اس لئے اس بات کا اندیشہ ہے کہ آر ایس ایس کلیدی پوزیشن حاصل کرے گی،،

آر ایس ایس کی صفائی

جنتا پارٹی کے "عقل کل" جے پرکاش نرائن نے ایک ہفتہ وار اخبار و رسالہ کاروان" کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ بدلے ہوئے حالات میں آر ایس ایس کو تنظیم کے طور پر برقرار رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے البتہ جے پرکاش نارائن نے آر ایس ایس کی غیر فرقہ وارانہ کارروائیوں کی تعریف کی، انھوں نے کہا کہ آر ایس ایس کے رہنماؤں اور ارکان کے ساتھ رابطہ کے دوران انھوں نے ان کے مطمح نظر میں تبدیلی محسوس کی ہے، وہ اب دوسرے فرقوں کے خلاف نفرت کے جذبات نہیں رکھتے لیکن وہ اپنے نہاں خانۂ دل میں اب بھی ہندو راشٹر کا تصور بسائے ہوئے ہیں۔

پھر وہی سیلاب بلا

اس طرح بتدریج آر ایس ایس جنتا حکومت پر چھاتی چلی گئی اور اس کی سرگرمیوں میں

کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں رہا، ابتدا میں جمعیۃ علماء ہند بڑی صاف دل سے اقتدار و اختیار کی تبدیلی کا خیر مقدم کیا تھا لیکن ابھی صبح کی شام بھی نہیں ہوئی کہ جنتا پارٹی کی نقاب سرکنی شروع ہوگئی اور اس کا اصل چہرہ بتدریج صاف نظر آنے لگا، اب نظام حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگیا تھا جو خود ہی قاتل اور خود منصف بھی تھے، ایسی صورت میں مسلم اقلیت کو انصاف ملنے کی توقع بھی اڑ گئی لاکھوں طوفانوں اور رتھیاستوں کے باوجود آس ہمیشہ بندھی رہتی تھی کہ ایک دن انصاف پسند اور انسانیت دوست طبقہ مسلم اقلیت کے ساتھ ہونے والی مسلسل ناانصافیوں کو محسوس کرے گا اور مسلمانوں کو انصاف مل کر رہے گا لیکن اب امید کی وہ آخری کرن بھی نگاہوں سے اوجھل ہوتی جارہی تھی ؎

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید　　ناامیدی اس کی دیکھا چاہیئے

ان حالات میں بدنصیب مسلم اقلیت پر مصائب کے جتنے بھی پہاڑ ٹوٹیں وہ خلاف امید نہیں، ابھی جنتا سرکار کی ششماہی بھی پوری نہیں ہوئی کہ آدھے درجن سے زائد ہولناک فسادات ہوگئے، ایمرجنسی کے ڈیڑھ سالوں میں جو بند بندھا ہوا تھا وہ پھر ٹوٹ گیا اور یکے بعد دیگرے بہار شریف، کوٹہ، بوندی، چتوڑ، پانی پت، نظام آباد (آندھرا پردیش) کے تعلقہ کے مسلمانوں کو جس بیدردی کے ساتھ تباہ کیا گیا ہے وہ صاف بتانے میں کہ ہوا کا رخ پلٹ گیا، نفرت و تشدد کا زہر بونے والے جیل کی سلاخوں کے باہر آگئے ہیں اور اپنی سرگرمیوں میں لگ گئے، ان واقعات اور فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات سے ظاہر ہونے لگا کہ ملک میں فرقہ پرست طاقتوں کو اب کوئی کھٹکا نہیں رہا اور وہ ہر سطح پر سرگرم ہوگئیں

۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو بنارس میں ایک معمولی واقعہ نے بھیانک فساد کی شکل اختیار کرلی ۲ر نومبر ۱۹۷۷ء کو آتش زنی، چاقوزنی اور پتھراؤ کے واقعات ہوئے، چوک کے علاقہ میں دوبارہ کرفیو لگایا گیا، ایک مسجد میں آگ لگائی گئی، اکادکا واردات کا سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا، پورے شہر کی فضا میں خوف وہراس پھیلا ہوا تھا، مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند بنارس گئے مگر انتظامیہ اور ضلع افسران نے ان کو

فساد زدہ علاقہ میں جانے نہیں دیا، انھوں نے بذریعہ ٹیلی گرام وزیر اعظم ہند مرارجی ڈیسائی وزیر داخلہ چرن سنگھ وزیر اعلی اترپردیش اور ہوم سکریٹری کو بنارس کی صورت حال کی طرف توجہ دلائی اور مطالبہ کیا کہ جلد از جلد امن و امان بحال کیا جائے اور مسجد کے جلے ہوئے حصہ کی فوری مرمت کرائی جائے۔

یوپی سوشلسٹ پارٹی کی تحقیقاتی ٹیم جس نے بنارس جاکر تحقیقات کی اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ مسلمانوں کو بری طرح لوٹا گیا اگر تلاشی لی جائے تو لوٹ کا مال پی اے سی کے قبضہ سے برآمد ہوسکتا ہے، فسادیوں نے بنارسی ساڑیوں کے کرگھوں اور کامدانی کی ساڑیوں کو برباد کرنا اپنا خاص مقصد بنا رکھا تھا۔

وزارت داخلہ کی میٹنگ میں

وزارت داخلہ کی مشاورتی میٹنگ میں مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی نے بنارس کے فساد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ پی اے سی کو پہلی فرصت میں توڑ دینا چاہئے، آپ نے کہا کہ پورے ملک میں پی اے سی کا رول انتہائی شرمناک اور ظالمانہ ہے جس کی تازہ مثال بنارس کا فساد ہے مولانا ہاشمی نے بتلایا کہ پی اے سی کا رول ملک کے دوسرے حصوں میں اور بنارس میں بھی لوٹ مار اور آتش زنی کا رہا ہے اس نے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت اور رکھوالی کے بجائے غارت گری کی ہے، پی اے سی نے بے گناہ شہریوں پر فائرنگ کی ہے، انھیں گولیوں سے مارا ہے اور ان کی عزت و آبرو لوٹی ہے اس لئے اگر پی اے سی سے شہریوں کی جان مال عزت، آبرو کو خطرہ ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی اور اسے فوراً توڑ دینا چاہئے، آج ملک میں صورتحال یہ ہے کہ پی اے سی ہر طرح خود مختار ہے اور بغیر مجسٹریٹ کے آرڈر کے دھن مانی کرتی ہے اور ہر طرح آزاد ہے اس طرح عوام کا بھروسہ پی اے سی پر سے اٹھ گیا ہے اس کی ظالمانہ بربریت کی وجہ سے جہاں کہیں پی اے سی لگائی جاتی ہے وہاں کے لوگ تھرا اٹھتے ہیں اور پناہ مانگنے لگتے ہیں اس صورت حال پر وزارت کو فوری توجہ دینی چاہئے اور کم سے کم درجہ میں اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہئے کہ ایسے ضابطے اور

پابندیاں عائد کی جائیں جس سے پی اے سی من مانی کرنے میں آزاد نہ رہے اور لوگ اس کے مظالم سے محفوظ رہیں (الجمعیۃ ۵ر نومبر ۱۹۷۷ء)

اعتراف گناہ

بنارس کے کمشنر نے سریندر موہن کمیٹی کے سامنے اعتراف کیا کہ ۲۲ر۲۳ر اکتوبر کو پولیس کی جو طاقت موجود تھیں وہ فساد کو روکنے اور دبانے کے لئے کافی تھی، یہ کمیٹی جنتا پارٹی کی ایگزیکیٹو کمیٹی کی طرف سے بنارس کے فساد کے موقعہ پر جائزہ لینے کیلئے بنائی گئی تھی، کمیٹی کی رائے میں اگر انتظامیہ چاہتی تو وہاں فساد نہیں ہوتا وہ اقدامات میں ناکام رہتی، کمشنر نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ اس فساد سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہونچا ہے، رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ انتظامیہ نے کل آٹھ اموات کی تصدیق کی ہے ان میں سے چھ مسلمانوں کی ہے اسی طرح زخمی ہونے والے ۱۷۶ افراد میں بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے۔

ایک سال میں ایک سو فسادات

جنتا حکومت کو زمام اختیار ہاتھ میں لئے ہوئے ایک سال ہو چکے ہیں، اس ایک سال میں مسلمانوں پر کیا گذری؟ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس مدت میں چھوٹے بڑے ایک سو فسادات ہو چکے ہیں یعنی اوسطاً ہر مہینے آٹھ فسادات ہوتے رہے، ۱۲ر۱۳ر مارچ ۱۹۷۸ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں جنتا دور حکومت کا جائزہ لیتے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کا اندازہ لگایا گیا کہ جنتا حکومت کے اس ایک سالہ دور میں ایک سو سے زیادہ فسادات ہو چکے ہیں، ان فسادات میں اقلیت کو شدید جانی و مالی نقصانات برداشت کرنے پڑے جس کی تلافی کی کوئی شکل نہیں اختیار کی گئی، بلاشبہ ان فسادات کی تہ میں مسلمانوں کو اپنے ہی وطن میں بے گھر اور تباہ و برباد کر دینے کی ایک سوچی سمجھی اور منظم سازش کام کر رہی ہے

تب اس میں فساد کرانے کے لئے جلوس کے قدیم راستہ کو بدل دینے کی ایک

نئی تکنک کا اختیار کرنا اسی منظم سازش کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس سے پہلے بنارس میں کبھی دُرگا کی مورتی کا جلوس مسلم محلوں سے نہیں گذرا تھا لیکن اس مرتبہ خاص طور پر ایسا کیا گیا جلوس پولیس پی اے سی کی طاقت پر زبردستی نکالا گیا جس سے شرپسندوں کے حوصلے بڑھے اور شرپسندوں کو پیچھے چھوڑ کر خود پولیس اور پی اے سی نے درندگی وبہیمت وحشت وبربریت اور لوٹ مار میں کھل کر حصہ لیا اکتوبر ہی کے مہینے میں دوسری مرتبہ بنارس میں ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۸ء کو شروع ہوا اور چار دنوں کے بعد ۲۷ راکتوبر تک حالات کسی حد تک معمول پر بھی آنے شروع ہو گئے لیکن بنارس میں پولیس چوکی کی زیر نگرانی واقع گیان باپی کی تاریخی مسجد اور ایک مزار کی آتش زدگی اور اس پر مسلمانوں کے اظہار غم کو بہانہ بنا کر نئی فتنہ انگیزی شروع کر دی گئی اور غیر سماجی فرقہ پرست عناصر کے ساتھ مسلح پولیس بھی درندگی اور لوٹ مار میں شریک ہو گئی مدن پورہ دیوناتھ پورہ نئی سڑک امان اللہ پورہ بنکر کالونی دال منڈی وغیرہ علاقے خاص طور پر پولیس اور جارح فرقہ پرستوں کے نشانہ بنے، مسجدیں شہید کی گئیں مسلم محلوں میں یک طرفہ کرفیو لگایا گیا، کرفیو کے دوران پولیس نے بڑی آزادی کے ساتھ لوٹ مار کی، ستم بالائے ستم یہ کہ جو لوگ لوٹ مار کا نشانہ بنے تھے انھیں کو گرفتار کیا گیا اور ان پر مقدمات چلائے گئے زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے ریڈ کراس کے ڈاکٹروں تک کو جانے نہیں دیا گیا بنارس کے فساد میں جانی نقصان کے علاوہ چار کروڑ روپے تک مالی نقصان کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

بنارس کے فساد کے بعد فوراً ہی قصبہ نوح (ہریانہ) میں تشدد کے واقعات پیش آئے راجستھان عموماً فرقہ وارانہ تشدد سے پاک صاف رہتا تھا لیکن اس مدت میں راجستھان کے کئی مقامات پر بھی بے حد افسوسناک واقعات ہوئے ہیں، بہار شریف کا دوسرا فساد ۲ رجنوری ۱۹۷۹ء شروع ہوا خاص گنج، مغل کنواں، بیار بیگہ محلے خاص طور پر نشانہ بنے یہ فساد ایک احاطہ میں واقع ایک پیپل کے درخت کو سفید در کا ٹیکہ لگا کر شروع کیا گیا

وسط فروری قصبہ بڑوت میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے پولیس کے چہرہ پر کالک پوت دی ہے، یہ واقعہ ایک شخص نظام الدین کی پر اسرار گم شدگی اور اس کی بیوی کے اغوا اور اس کے ساتھ پولیس کی شرمناک آبروریزی کا ہے جو مسٹر چرن سنگھ وزیر داخلہ کے حلقہ انتخاب میں پیش آیا ہے، اسی ماہ مارچ میں اد گرا کھیڑی تحصیل پانی پت کے غریب مسلمان جبر و تشدد کا نشانہ بنے یہ چند واقعات بطور مثال بیان کئے گئے ہیں۔

مجلس عاملہ کی تجویز میں مزید کہا گیا کہ فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کی خبروں کے بلیک آؤٹ کے بارے میں کئی قومی لیڈروں نے شکایت کی ہے ہم یقیناً نہیں چاہتے کہ ایسی خبریں مزید اشتعال انگیزی کا ذریعہ بنیں، لیکن اگر ان خبروں کو اس لئے پوشیدہ رکھا جاتا ہے کہ اس سے حکومت کی بدنامی ہوتی ہے تو یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ ان خبروں کو دبانے سے شرارت پسندوں کی ہمت افزائی بھی ہوگی اور مظلومین کی حوصلہ شکنی بھی، یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ارباب اختیار نے حال ہی میں اقلیتوں کے مسائل پر رازداری برتنے کا جو حسرت انگیز اور افسوسناک رویہ اختیار کیا ہے وہ بے حد اذیتناک ہے اقلیتوں پر فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات کی پردہ پوشی کے علاوہ مسلم ملازمین کے اعداد وشمار کو خفیہ رکھنے کا رویہ بھی شبہات کو جنم دیتا ہے اور شبہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ملازمتوں میں ان کے تناسب کے مطابق حصہ دینا نہیں چاہتے ہیں اس لئے اس بات کو چھپایا جارہا ہے۔

فرقہ وارانہ تشدد کے یہ واقعات اس بات کی علامت ہیں کہ ہمارے معاشرے میں نہ تو ابھی سیکولرزم کا تصور راسخ ہوا ہے اور نہ ہی جارحانہ فرقہ واریت کا زور ٹوٹا ہے بلکہ آر ایس ایس جیسی تشدد پسند اور جارح تنظیم کا مزید اچھا ہو رہا ہے اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہوا ہے اور حکومت کی مشنری میں ان کو شریک کیا جارہا ہے۔

لازمی نکاح رجسٹریشن

جنتا حکومت نے مسلم اقلیت کے ایک اور اہم اور نازک مسئلہ میں لاپرواہی اور بے نیازی کا اظہار کیا، خبروں سے معلوم ہوا کہ حکومت پارلیمنٹ میں ایک بل لارہی ہے جس میں ہر شخص کو نکاح کا رجسٹریشن لازمی طور پر کرانا ہوگا، اس طرح کے بل پر اظہار تشویش

ایک مسلمان کے لئے لازمی ہے کیوں کہ اسلام میں اسکی نہ ضرورت ہے اور نہ اہمیت، اگر کوئی شخص نکاح کرے اور رجسٹریشن نہ کرائے تو حکومت اس کو تسلیم نہیں کرے گی جبکہ مذہبی حیثیت سے یہ نکاح منعقد ہوگیا اور تمام شرعی ذمہ داریاں زوجین پر عائد ہوگئیں، اگر حکومت یہ بل پاس کردیتی ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ مسلمانوں کے خصوصی قوانین میں دخل اندازی کرنی ہے اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے حکومت کو اپنا نقطہ نگاہ بتا دینا ضروری سمجھا ۱۱، ۱۲ مارچ ۱۹۷۸ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا اور حکومت کو اس سے مطلع کیا کہ

"جمعیۃ علماء ہند کو یہ معلوم کرکے تشویش ہے کہ حکومت ہند شادی کے لازمی رجسٹریشن کے لئے پارلیمنٹ میں ایک بل لارہی ہے، ہر ایک جانتا ہے کہ مسلمانوں کے نکاح، طلاق، وراثت کے معاملات پرسنل لا کے حدود میں داخل ہیں اور شریعت اسلامیہ میں ان کے لئے قواعد وضوابط مقرر ہیں جن میں ترمیم واضافہ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

جمعیۃ علماء ہند کو اندیشہ ہے کہ اس مجوزہ قانون سے مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کی راہیں نکلیں گی اور ان کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائگی میں مشکلات پیش آئیں گی، لہذا جمعیۃ علماء ہند حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ایسا قانون بنانے سے احتراز کرے اور مستند علماء کرام کے مشورہ کے بغیر اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کرے"

تباہیوں کی ایک مسلسل داستان

۱۹۷۸ء کا سال اپنے ساتھ تباہیوں اور بربادیوں کی ایک مسلسل داستان لے کر آیا، ۳۰ مارچ ۱۹۷۸ء سنبھل ضلع مرادآباد کا منحوس دن تھا، اس مردم خیز قصبہ کا امن چین لیڈروں اور قاتلوں نے درہم برہم کردیا ایک معمولی سے واقعہ نے تباہی وبربادی کا طوفان برپا کردیا ۱۳ افراد ہلاک ہوئے جس میں نو لاشوں کو جلاکر فسادیوں نے اپنی وحشت وبربریت کا مظاہرہ کیا ۲۱ افراد بری طرح گھائل ہوئے، ریاست میں حکومت جنتا پارٹی کی تھی، شری رام نریش یادو وزیر اعلیٰ تھے انھوں نے اسمبلی میں بتایا کہ سنبھل میں فسادیوں کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے ۱۹ راؤنڈ چلائے، بلوائیوں میں سے ایک بھی زخمی نہیں ہوا، ۱۳ لاشوں میں سے نو لاشوں کو ہجوم نے جلادیا

بلوائیوں نے ایک کھنڈ ساری فیکٹری پر بھی حملہ کیا، پچاس دکانوں کو لوٹا اور جلایا گیا ۲۱ افراد زخمی ہوئے ان میں چار کی حالت نازک ہے، وزیر اعلیٰ نے فساد کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ بلوائیوں نے دو مسلم طالبات پر رنگ ڈالے اور ان کو فحش ٹائٹل دیئے پچاس لاکھ کا نقصان ہوا یہ سرکاری بیان ہے جو اسمبلی میں دیا گیا، بلوائی قتل و غارت گری میں مصروف ہیں ۱۳ افراد کو قتل کر دیئے ہیں چار افراد لب گور پہونچ گئے اور پولیس انھیں ۱۹ راؤنڈ چلائی ہیں اور کسی کو خراش بھی نہیں آتی ہے۔ کیا یہ حیرتناک بات نہیں ہے۔

فساد کی اطلاع ملتے ہی مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے وزیر اعظم، وزیر داخلہ حکومت ہند وزیر اعلیٰ اترپردیش اترپردیش کو بذریعہ ٹیلی گرام صورت حال کی نزاکت کی طرف توجہ دلائی اور مطالبہ کیا کہ شرپسند عناصر اور غنڈوں کی سختی سے سرکوبی کی جائے اور سخت سزا دی جائے، مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند تیسرے دن ۲ راپریل ۱۹۸۰ء کو سنبھل پہونچے اور متاثر علاقہ کا دورہ کیا واپسی پر آپ نے جو بیان دیا اس سے صورت حال کی سنگینی کا پتہ چلتا ہے، انھوں نے بتایا کہ سنبھل بہت دنوں سے آر ایس ایس کی سرگرمیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے، اب جبکہ جنتا پارٹی کی حکومت ہے ان کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی ہے اس لیے ان کی سرگرمیوں پر روک ٹوک کی ہمت مقامی ایڈمنسٹریشن کو نہیں ہو رہی ہے، آپ نے یہ بھی انکشاف کیا کہ سنبھل میں پی اے سی کے رہتے ہوئے بھی کوتوالی کے آس پاس آتش زنی اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا لیکن دس بجے دن سے دو بجے دن تک کوئی مناسب اور ضروری کارروائی عمل میں نہیں آیا اور نہ فسادیوں سے کسی قسم کی مزاحمت کی گئی۔

ناظم عمومی کے دورے کے بعد جمعیۃ علماء ہند کا ایک اور دو نفری وفد پھر سنبھل گیا، اس نے ضلع جمعیۃ علماء مرادآباد کے رہنماؤں کو لے کر متاثرہ علاقوں کو دیکھا، ڈی آئی جی اور ایس پی سے مل کر بحالی امن کی طرف توجہ دلائی، قصبہ اور ضلع کے جماعتی کارکنوں کے تعاون سے قانونی امدادی کمیٹی قائم کی اور ریلیف فنڈ کی ذمہ داری ضلع جمعیۃ علماء مرادآباد کے رہنماؤں نے اپنے سر لی اور انھوں نے مسلسل اور ہر طرح کی مدد مظلومین کو پہونچائی اور بازآبادکاری میں ہر طرح کا تعاون دیا۔

حیدرآباد اور سکندرآباد میں فساد

۲۹ مارچ ۱۹۷۸ء کو ایک نوجوان شادی شدہ جوڑا احمد حسین اور رمیزہ بی بی تالاکنٹ روڈ پر جو عادل آباد کے قریب واقع ہے چہل قدمی کر رہے تھے دو پولیس مین جو ڈیوٹی پر تھے اس جوڑے کو پکڑ کر پولیس اسٹیشن لے گئے دونوں نے احتجاج کیا اور پوچھا کہ ہمارے تھانے لے جانے کی کیا وجہ ہے، ہم نے کون سا جرم کیا ہے؟ لیکن پولیس والوں نے کوئی جواب نہیں دیا ان کو حوالات میں بند کر دیا گیا صبح کو احمد حسین لاک اپ میں مردہ پایا گیا، کرائم پولیس اس کی بیوی رمیزہ بی بی کو تفتیش کے لئے سٹی کرائم پولیس اسٹیشن لے گئی، وہاں اس کی عصمت دری کی گئی، صبح کو یہ خبر آگ کی طرح حیدرآباد و سکندرآباد میں پھیل گئی، شہر میں اس کے خلاف مظاہرہ ہوا۔ سرکاری گاڑیوں کو آگ لگادی گئی اس کے بعد بڑھتے بڑھتے فساد کا سلسلہ کا شروع ہوگیا، پولیس نے مظاہرین پر فائرنگ کی اور نو آدمیوں کو گولی سے اڑا دیا، ریاستی کانگریس کمیٹی، جنتا پارٹی، اتحاد المسلمین وغیرہ کے لیڈروں نے اپنے بیان میں حکومت کے طرز عمل کی مذمت کی اور کہا کہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۸ء کی شب میں ایک عورت کی عصمت دری اور اس کے شوہر کو ہلاک کرنے والے پولیس مینوں کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کے بجائے عوام پر ظلم کررہی ہے اور بیان میں عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا، بعد میں اس واقعہ نے ہندو مسلم فساد کی شکل اختیار کرلی، پرکار، وارنگل اور نظام آباد میں فساد ہوگیا عادل آباد کے قصبہ نرمل میں ہنگامہ ہوگیا دوسرے دن جنتا پارٹی کمیونسٹ پارٹی، اتحاد المسلمین نے اس واقعہ پر مظاہرہ کیا اس میں پولیس کی فائرنگ سے ، آدمیوں کی جان گئی۔

نواب گنج ضلع گونڈہ میں فساد

نواب گنج ہندوؤں کے مشہور تیرتھ استھان اجودھیا سے قریب تر ہے اپریل ۱۹۷۸ء کے اخیر عشرہ میں چند شرارت پسند عناصر کی وجہ سے خوفناک فساد ہوگیا، اطلاع ملتے ہی مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی ضلع گونڈہ جمعیۃ علماء ہند کے چار رکنی وفد کو لے کر نواب گنج پہونچے حالات کا مشاہدہ کیا آپ نے دیکھا کہ فرقہ پرستوں کی مقامی حکام سے سازباز ہے اور اس کی افواہیں گرم ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے،

اور ہر شخص دہشت زدہ ہے، نواب گنج سے واپسی پر آپ نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ نواب گنج مجسٹریں انکوائری حکام کے تبادلے کے بغیر ایک لغو کام ہے اس طرح ان مظلوموں کو انصاف ملنے کی کیا توقع ہے، موجودہ حکام جن کی لاپرواہی کی وجہ سے یہ فساد ہوا وہ اس انکوائری پر اثر انداز ہوں گے اور کوئی صحیح شہادت خوف کی وجہ سے نہیں گذر سکے گی آپ نے بتایا کہ نواب گنج میں پوری انتظامیہ اور پولیس کی نگاہوں کے سامنے مفاد پرست اور شرپسند عناصر اور آر ایس ایس کے والنٹیروں نے مسجد میں آگ لگائی مسجد کے املاک کو نقصان پہونچایا، توڑا، جلایا، غریب مسلمانوں کو لوٹا اور ان کے گھروں کو جلایا جو بہت تھوڑی پونجی کے دکاندار تھے، آج پچاسوں خاندان معاشی اعتبار سے بہت ہی پریشان ہیں، آج نواب گنج میں ہر انصاف پسند یہ کہتا ہے کہ فسادیوں کی پولیس سے ساز باز ہے آپ نے یہ بھی بتایا کہ وہاں کے مسلمان اس افواہ سے اور بھی ترساں اور لرزاں ہیں کہ مستقبل قریب میں آر ایس ایس کی طرف سے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے خلاف ایکشن لیا جائے گا مسلمانوں کا یک طرفہ نقصان ہونے کے باوجود پولیس نے فسادیوں سے دگنی تعداد میں مسلمانوں کو گرفتار کیا ہے اور ان پر دہرا ظلم کیا ہے، آپ نے ضلع مجسٹریٹ اور ایس پی سے مل کر نواب گنج کی انتظامیہ کو وہاں سے فوراً تبادلہ کی مانگ کی اور مظلومین کے ساتھ انصاف کرنے کا مطالبہ کیا، ناظم عمومی نے ضلع جمعیۃ کے کارکنوں پر مشتمل ایک ریلیف کمیٹی کی تشکیل کردی ہے جو مظلومین کی داد رسی اور مقدمات کی پیروی میں مدد دے گی۔

دھام پور میں اودھم مچادی گئی

مئی ۱۹۸۰ء میں دو دکانداروں کی آپس کی چپقلش کے نتیجہ میں پورے قصبہ دھامپور ضلع بجنور کے مسلمانوں کو فرقہ پرستوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہونا پڑا ۱۲ افراد زخمی ہوئے ،، دکانیں لوٹ لی گئیں، سات دکانوں اور مکانوں کو آگ لگا کر راکھ کر دیا گیا۔

فساد کی اہمیت کے پیش نظر مرادآباد اور میرٹھ سے پولیس کمک دھامپور بھیجی گئی۔

مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی دھامپور گئے، صورت حال کو دیکھا آپ نے اپنے بیان میں کہا کہ یوپی میں نظم ونسق کی بگڑی ہوئی صورت حال کی تازہ ترین مثال دھامپور

کا فرقہ وارانہ فساد ہے جس پر قابو پانے کیلئے مراد آباد، میرٹھ اور بجنور سے پولیس کمک بلائی گئی اور وہاں فوراً کرفیو نافذ کر دیا گیا، اسی سے صورتحال کی سنگینی کا اظہار ہوتا ہے آپ نے کہا کہ دو ماہ کے مختصر عرصہ میں سنبھل کے بعد دھام پور میں بڑا فساد ہوا جس کی تہ میں یقیناً فرقہ پرست جمہوریت دشمن عناصر کی شر انگیزیاں صاف نظر آتی ہیں۔

ناظم عمومی نے فساد کی اطلاع ملتے ہی وزیر اعظم د وزیر داخلہ حکومت ہند اور وزیر اعلیٰ حکومت اتر پردیش اور وزیر داخلہ کو تار دے کر صورت حال کی طرف متوجہ کیا اور خود دھام پور جا کر امن وامان کی بحالی اور مظلومین کی دادرسی کا نظم ونسق کیا، اور ضلع جمعیۃ کے کارکنوں کو ریلیف کی ذمہ داری سپرد کی۔

ذمہ داروں کو انتباہ

فسادات کو ہوا دینے میں فرقہ پرست اخباروں کا زبردست رول ہے سنبھل کے فساد کے بعد ہی متعدد اخبارات نے مسلم اقلیت کے خلاف اشتعال انگیز تحریروں کا سلسلہ کر دیا فسادات ایک طرف تو ہزاروں لاکھوں انسانوں کو آرام کی نیند حرام کر دیتے ہیں جانی نقصان مالی تباہی کی وجہ سے ان کا ایک مستقبل تاریک معلوم ہونے لگتا ہے دوسری طرف فسادی ذہنیت کے لوگ نفرت و عداوت کا زہر پھیلا کر فضا میں اور بھی تلخی بھر دیتے ہیں تاکہ اقلیت کو سکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہ آئے، دہلی کے دو تین کثیر الاشاعت اخباروں نے ان فسادات کے سلسلہ میں واقعات کو الٹ کر اکثریت کو مشتعل کرنے، واقعات کو مبالغہ آرائی سے پیش کرتے اور جھوٹی افواہیں پھیلا کر مسلمانوں میں مزید سراسیمگی پھیلانے کی کوشش شروع کر دی مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی نے خطرے کی بو محسوس کر لی انھوں نے حالات کے مزید بگڑنے سے پہلے حکومت کے ذمہ داروں، مرکزی وزیروں اور جنتا پارٹی کے صدر کو متنبہ کرنا ضروری سمجھا آپ نے شری مرارجی ڈیسائی وزیر اعظم حکومت ہند و وزیر داخلہ مسٹر چرن سنگھ وزیر اطلاعات ونشریات مسٹر اڈوانی اور دہلی کے لفٹنٹ گورنر مسٹر کوہلی جنتا پارٹی کے صدر چندر شیکھر کو ایک ہی مضمون کا تار دے کر دہلی کے اردو ہندی اخباروں میں شائع ہونے والی ان اشتعال انگیز تحریروں کی طرف متوجہ کیا کہ اگر ایسی اشتعال انگیز تحریروں پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی تو یہ بدگمانی ضروری ہے کہ

حکومت خود ان حرکتوں سے دلچسپی لے رہی ہے آپ نے ان سے کہا کہ سنبھل کے فساد کے بعد جس طرح غلط اور اشتعال انگیز اور دھمکی آمیز جارحانہ خبریں اور اداریہ ریل دہلی سے نکلنے والے اردو ہندی دو اخباروں میں شائع ہو رہے ہیں وہ انتہائی خطرناک ہیں اس سے عام امن پسند شہریوں اور خود مسلمانوں اور اقلیتوں میں خوف وہراس کا پیدا ہونا لازمی ہے، کوئی دن نہیں جاتا کہ ان فرقہ پرست اور امن دشمن اخباروں میں اس طرح کی اشتعال انگیزیاں نہ ہوتی ہوں، اردو کے ایک اخبار میں تسلسل کے ساتھ اداریوریل کی ایک سیریز آرہی ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف فساد کرنے کی ترغیب ہے اس صورت حال کے پیش نظر اس بدگمانی کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے کہ کیا حکومت کو خود اس بات سے دلچسپی ہے کہ اقلیت کے خلاف اشتعال پیدا ہو اور فرقہ وارانہ جذبات بھڑکیں، مسلمانوں کے خلاف نفرت کی فضا پیدا ہو اور ان کے خلاف فرقہ وارانہ فسادات کے لئے زمین ہموار ہو، میں چاہتا ہوں کہ یہ بدگمانی دور ہو، عام مسلمانوں کے خلاف اس اشتعال انگیزی کی امن دشمن تحریک کو ختم کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے ایسا قدم ضرور اٹھایا جائے گا جس سے ملک میں امن وامان قائم اور استوار ہو اور مسلمانوں میں اس وقت کی اشتعال انگیزیوں کے باعث جو بے اطمینانی اور خوف وہراس پیدا ہو گیا ہے دور ہو سکے۔

حیدر آباد پھر نشانہ

ناظم عمومی کے اس تحریر کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ اگست ۱۹۷۸ء میں حیدر آباد پر فرقہ پرستوں کی پھر نگاہ کرم ہو گئی اور مسلم اقلیت کی ایک بار پھر دھواں دھار پٹائی شروع کر دی گئی اور کم از کم دو سو آدمیوں کی ہڈی پسلی توڑ کر بٹھا دیا گیا، کچھ لوگوں نے ان چوٹوں کی تاب نہ لاکر جان کی قربانی دے دی اور روز روز کے عذاب سے نجات پا گئے۔

دہلی اطلاع ملتے ہی مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی حیدر آباد پہونچے اور فساد زدہ علاقہ کا تفصیلی دورہ کر کے جب دہلی واپس آئے تو انھوں نے ایک اخباری بیان میں فساد کی کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ

"چند ہی ہفتے پہلے اپریل میں اسی سبزی منڈی میں ایک خون ریز فساد ہو چکا تھا اور ایک درجن کے قریب جانیں جا چکی تھیں لیکن پولیس کے نکے پن کا کہاں

تک رونا رویا جائے جب دوبارہ یہاں حالات بگڑنے شروع ہوئے تو بروقت کارروائی
کی گئی ہوتی تو اتنا بڑا حادثہ نہ ہوتا اور نہ اتنا زبردست مالی نقصان لوگوں کو
اٹھانا پڑا ہوتا کہ ایک طبقہ مکمل طور پر تباہ و برباد ہوکر رہ گیا۔

آپ نے بتایا کہ دو سو سے زائد افراد بری طرح گھائل ہوئے بہت سے
خاندان بے گھر ہو گئے ہیں اور محتاط اندازے کے مطابق دس لاکھ روپے کا
ان غریب دکاندار کا مالی نقصان ہوا ہے، یہ نقصان یک طرفہ ہے ان میں سے
بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا سب کچھ ضائع ہو چکا ہے آپ نے کہا کہ جمعیۃ علماء ہند
کی طرف سے ایک قانون امدادی کمیٹی اور ایک بحالی و بازآبادکاری کمیٹی بنادی
گئی ہے، سابق گورنر اترپردیش میر نواب اکبر علی خاں کی سربراہی میں ریلیف
فنڈ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

مولانا ہاشمی نے یہ بھی کہا کہ لوگوں نے مجھ سے یہ بھی بتایا کہ اس حلقہ کا ایم
ایل اے فساد میں ملوث ہے اس نے ایک میٹنگ کی تھی اس کے بعد ہی یہ فساد
ہوا، فساد میں ضعیفوں اور عورتوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا دوسرے دن
کرفیو کے دوران وسیع پیمانے پر لوٹ مار، آتش زنی اور چھرا گھونپنے کی وارداتیں
ہوئیں فساد کی بے روک ٹوک غارت گری میں مصروف رہے اور پولیس
تماشائی بنی رہی۔

مولانا ہاشمی نے حیدرآباد کی ریاستی جمعیۃ علماء کے عہدیداروں کو لے کر تمام متاثر علاقوں
کا دورہ کیا عورتوں بچوں سے ملے ان کو تسلی وتشفی دی، عثمانیہ ہسپتال جاکر زخمیوں سے ملاقات
کی اس کے بعد وزیر اعلیٰ آندھرا پردیش ڈاکٹر چنا ریڈی سے اسمبلی چیمبر میں اور وزیر داخلہ
مسٹر ایم ہاشم سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی انہیں تفصیل سے تمام صورت حال بتائی اور
ضروری اقدامات انسدادی تدابیر اور بحالی امن اور آبادکاری کی طرف توجہ دلائی (الجمعیۃ دہلی ۱۴ ستمبر)

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا؟

جمعیۃ علماء اس مسلسل سیلاب بلا اور طوفان حوادث کے باوجود ناامیدی کا شکار نہیں ہے۔

جمعیۃ علماء ہند اقلیت کشی کی اس وبا کو مخصوص حالات کا نتیجہ سمجھتی ہے، اسے یقین ہے کہ جس دن ہندوستان والوں میں صحیح وطنیت و قومیت کا احساس پیدا ہو جائے گا اور اپنے دلی جذبات کی تسکین کے بجائے قوم و وطن کی عزت و حرمت کو اولیت دی جانے لگے گی یہ مسئلہ از خود حل ہو جائے گا، ابھی ہندوستان غیروں کی غلامی سے نکل کر خود غرض اور تنگ نظر لیڈروں کے جال میں پھنس گیا ہے، ابھی عوام دل کی آواز ضمیر کی پکار پر جرأت کے ساتھ آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، جس دن انھوں نے اپنی اس طاقت کا صحیح احساس کیا تو وہ احساس ہندوستان میں انقلاب آفریں ہوگا کانگریس کا تیس سالہ اقتدار اور آن واحد میں اس کا زوال، اور چند ہی دنوں کے تجربہ کے بعد پھر کانگریس کا برسر اقتدار آجانا، یہ الٹ پھیر، یہ تغیر و تبدل اسی جذبہ احساس کی کارفرمائی ہے۔

ہمارے ملک میں ایک طبقہ ہے، جو اندر سے تنگ دل اور تنگ نظر اور باہر سے ترقی پسند اور وسیع الخیال نظر آتا ہے وہی اپنے گروہی و نسلی ذہن و مزاج کے ساتھ حکمراں ہے، اس کی نگاہ اپنے محدود دائرے سے آگے نہیں جاتی ہے اس لئے ہمالیہ جیسی حقیقتوں سے صرف نظر کئے ہوئے ہے، ہریجنوں، مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں دوسرے پسماندہ طبقوں کے لوگوں کا مجموعہ، جو امتیازات کا شکار ہے ایک ناقابل تسخیر اکائی بننے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے صرف اس کا انتشار اس کی کمزوری ہے، جس دن یہ انتشار ختم ہو جائیگا اور اسے موجودہ دور کی تنگ نظری ہی ختم کرے گی، اسی دن ہندوستان میں ایک نئے انقلاب کا سورج طلوع ہوگا۔

آج حکومت کی گرفت ان پر اگرچہ سخت ہے لیکن جس بندھن کو مسلسل کھینچ کر کسا جائے گا اس کا آخری انجام یہی ہوگا کہ وہ بندھن یک بیک ٹوٹ جائے گا، پھر اسے کوئی طاقت جوڑ نہیں سکتی اور طاقت کے بکھراؤ کو روکا نہیں جا سکتا،

۳۵ سال سے اقلیتوں اور دوسرے پسماندہ طبقات کا مسئلہ ایک عقدۂ لاینحل بنا ہوا ہے اور یہ قصداً اسی طرح رکھا گیا ہے اگر ارباب اختیار صدق دلی سے چاہیں تو صرف ایک دن میں یہ مسئلہ اس طرح حل ہو جائے گا جیسے یہ مسئلہ کبھی نہ رہا ہو،

اس کی تازہ مثال ایمرجنسی کا نفاذ ہے، چاہے ہم اس کی کتنی ہی مذمت کریں اور اس کے تاریک پہلوؤں کو اجاگر کریں لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں کہ ایمرجنسی نے نظام حکومت کو چوکس کر دیا سیکڑوں قانون اور حکمتوں نے جو کام نہیں کیا تھا صرف ایک آرڈیننس نے ملک کے نظام کو اس طرح منظم کر دیا جیسے محسوس ہوتا تھا کہ ہندوستان میں لوگوں کو اپنی ذمہ داریوں کا جتنا شدید احساس ہے اور اپنے فرائض کی ادائگی کے لئے جو مستعدی نظر آتی ہے وہ کسی اور ملک میں نہیں ہے، روزمرہ کی زندگی میں ہم نے دیکھا کہ جو ٹرینیں بارہ بارہ گھنٹہ لیٹ چلتی تھیں وہ از خود ٹھیک وقت پر منٹ اور سکنڈ کے لحاظ سے چلنے لگیں اب نہ کوئلہ ختم ہوتا ہے نہ انجن کی مشینری میں کوئی خرابی ہوتی ہے نہ کراسنگ کا کوئی مسئلہ ہے، اسی طرح معاشرہ کے ہر شعبہ اور پہلو میں توازن، ذمہ داری کا احساس، قانون کی حکمرانی، اور ضابطوں کی پابندی آ گئی پولیس اور تھانوں نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا سرکاری ملازمین وقت سے پہلے اپنے دفتروں میں پہونچنے لگے، فسادیوں اور بلوائیوں نے اپنا کاروبار سمیٹ لیا، کوئی پتہ کھڑکا کر پولیس چوکنی ہو گئی، اس طرح ہر محکمہ کی کارگذاری اطمینان بخش ہو گئی، ضروریات زندگی کے حصول میں ضابطوں کی پابندی نے سہولتیں پیدا کر دیں اور ایک صحتمند تبدیلی ہر جگہ نظر آنے لگی حکومت نے پورے ملک کے علی الرغم کئی پروگروم چلائے لیکن آپ نے دیکھا کہ ایک پتہ بھی نہیں کھڑکا اور مخالفت کی ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی پورے ملک نے ان پروگراموں سے نفرت کے باوجود ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

ایمرجنسی کا ایک دوسرا نہایت ہی تاریک پہلو بھی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس سے یہ حقیقت ضرور آشکارا ہو گئی کہ ہمارے ملک میں صحتمند تبدیلی کے لئے ہمہ وقت مواقع حاصل نہیں اگر حکومت تیز قدمی کے ساتھ اس تبدیلی کا ارادہ کرے انھیں میں سے فسادات کا بھی مسئلہ ہے لیکن حکمراں طبقہ قصداً اس طرف سے اغماض کئے ہوئے ہیں وہ خود اقلیتوں کے مسئلہ کو حل کرنا نہیں چاہتی ورنہ یہ مسئلہ کب کا ختم ہو چکا ہوتا بلکہ اس کے برعکس حالات کے بگاڑ میں انتظامیہ کا حصہ ہے ذمہ داروں کی

خاموشی سے اس کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے، اس طرز عمل نے جہاں ملک میں مزاج لاقانونیت اور امن وامان کے نازک مسائل پیدا کر دیئے ہیں وہیں ہمارا ملک کافی بدنام ہوتا جارہا ہے، ہندوستان کے باہر کیا کہا جارہا ہے؟ ارباب اقتدار کو سوچنا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ بین الاقوامی دنیا میں ہمارے ملک کا سر شرم وندامت سے اس طرح جھک جائے کہ گردن اٹھا کر بات کرنے کی بھی ہمت نہ ہو سکے میں اس سلسلہ میں ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے جمہوریت اور سیکولرزم کے بلند بانگ دعووں کو دوسرے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں

ہندوستان میں مسلمانوں کا حال زار

ایک انگریز مصنف مسٹر ایس ہرمن نے ”ہندوستان میں مسلمانوں کا حال زار“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کو ڈی ایل پبلیکشنز لندن نے شائع کیا ہے، کتاب کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ پہلا ایڈیشن چھپتے ہی ختم ہو گیا اس کے بعد فوراً دوسرا ایڈیشن ادارہ نے شائع کیا، مصنف نے آغاز کتاب میں بتایا کہ میں نے ایک طرفہ آسی سوالات مرتب کئے اور دو ہزار سے زائد ہندوؤں اور مسلمانوں سے یہ سوالات کئے انھوں نے جو جوابات دیئے انھیں کی روشنی میں میں نے یہ کتب لکھی ہے وہ لکھتا ہے

> ۹ کروڑ سے زائد مسلمانوں کی زندگی پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بڑی تعداد جو برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کی کل آبادی سے زیادہ ہے خود اپنے ملک میں اجنبیوں کی طرح زندگی گذار رہی ہے ہندوستان ان کی جائے پیدائش ہے، اور ان کا آبائی وطن، لیکن مسلمان اس عظیم ملک میں دوسرے درجہ کے شہری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ان مسلمانوں اور ان کے لاکھوں آباواجداد نے کبھی ہندوستان کے باہر قدم نہیں رکھا لیکن ان کو ملک کے مساوی باعزت شہری ہونے کا درجہ حاصل نہیں ہے، وہ ہندوستان کے حقیقی باشندے ہیں لیکن اپنے ملک میں وہ غیروں کی طرح رہتے ہیں، وہ ہندوستان کی

سرزمین پر پلے، بڑھے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی جڑیں کہیں اور ہیں، وہ انھیں ملکی گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں جو ہندوستان میں موجود ہیں لیکن پھر بھی ان کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے اور ان سے دوری اختیار کی جاتی ہے، قانوناً وہ ہندوستان کے شہری ہیں، لیکن درحقیقت ان کو مدد اور تائید کے لئے باہر دیکھنا پڑتا ہے، ان کو انڈین یونین میں مکمل اور پورے حقوق دیئے گئے ہیں لیکن مسلمان اپنے آپ کو ہندوستان میں کبھی سلامت اور محفوظ نہیں سمجھتے، آئینی طور پر ان کو معاشی اور خوشحالی کے برابر مواقع دینے کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر کو اس طرح روزی کمانی پڑتی ہے جیسے وہ اکثریتی فرقہ کے رحم و کرم پر ہوں۔

مسٹر ہرمن نے اپنے پڑھنے والوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی مسلمان غیر انسانی زندگی جینے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں اور ان کے مسائل اتنے نازک اور اہم مسائل ہیں کہ عالمی پیمانے پر توجہ کے مستحق ہیں، مسٹر ہرمن نے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے۔

"تقسیم ملک کے بعد بھی ہندو اور مسلمان مستقل طور پر ایک دوسرے سے خائف اور غیر یقینی حالت کا شکار رہتے ہیں جس کی وجہ سے ملک کی نارمل ترقی ہوئی ہے، دیہاتوں میں ان کا اوسط ایک اور پانچ کا ہے، ایک دوسرے سے ان کی عداوت تاریخی ہے اور گہری ہے، ہندو مسلمانوں کے غیر ملکی کلچر، غیر ملکی تہذیب اور مختلف زبان اور ان کے اخلاقی وسماجی اصولوں سے چڑھتے ہیں اور ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں"

(قومی مورچہ بنارس ۱۰ ردسمبر ۱۹۷۷ء)

اس اقتباس سے صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ہمارا دستور دنیا کے بہترین دستوروں میں شمار ہونے کے لائق ہے جو ملک کے ہر طبقہ کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں یکساں سہولتیں اور مواقع دیتا ہے لیکن اسکو زینتِ طاقِ نسیاں

بنا دیا گیا ہے اور اس کے بجائے جذبات اور اداری رجحانات کے حکمرانی قائم
کی جارہی ہے، اسی بات نے دوسروں کو موقعہ دیا کہ وہ ہمارے ملک کو نشانہ
بنائیں اور بدنام کریں جو ہمارے ملک کے لئے ایک تکلیف دہ حادثہ ہے، مگر اس کو
یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ مسٹر ہرمن کی نگاہ کہاں کہاں گئی کچھ کہا نہیں
جاسکتا، اور ہمارے ملک میں ہر سال لاتعداد آنے والوں اور جانے والوں میں سے
کتنے لوگوں کی نگاہیں ان حقیقتوں تک پہونچی ہیں جو مسٹر ہرمن نے دیکھی ہیں۔ اس طرح
سوچنے والے خود ہمارے ملک میں بھی ہیں۔ جن کے بیانات سے مسٹر ہرمن کی تائید
ہوتی ہے، انھوں نے چھوٹے چھوٹے واقعات سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ ہمالیہ
جیسی حقیقتوں کو ہمارے سامنے لاکھڑا کر دیتے ہیں۔

مسلمان قابل اعتبار نہیں

مسٹر جارج فرنانڈیز سے کون ناواقف ہے؟ انھوں نے اپنے ذاتی تجربات کی
بنیاد پر جن باتوں کا انکشاف کیا ہے اس کو محض جماعتی پروپیگنڈہ کہہ کر ٹالا نہیں جاسکتا
اور نہ ان کا وزن کم کیا جاسکتا ہے جب تک کہ حقائق کی روشنی میں اس کی مدلل
تردید نہ کی جائے جو واقعات انھوں نے پیش کئے ہیں اور ان سے جو نتیجہ انھوں
نے نکالا ہے اس کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے وہ ذمہ دار ہیں لیکن انھوں نے
اپنے پڑھنے والوں کے اعتماد کی بنیاد تو ایکبار ہلا کر رکھ ہی دی ہے اور دونوں
میں ایک دائمی اور ایسی اذیت رساں کھٹک پیدا کر دی ہے، جیسے کوئی کانٹا چبھ
کر اندر ہی ٹوٹ جائے، انھوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے۔

"حکومت کے امتیازی سلوک سے مسلمانوں کو بدترین نقصان
پہونچا ہے کہ ملک کے عوام کی اکثریت انھیں ناقابل اعتبار اور
غیر وفادار سمجھتی ہے، جسے حکومت خاطر میں نہ لائے اسے عوام قدر
کی نگاہوں سے کیوں دیکھیں گے میں اس افسوسناک صورت حال
کی چند مثالیں پیش کر رہا ہوں

۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کی ہند و پاک جنگ کے موقعہ پر بابے میونسپل کارپوریشن نے وتیرنا دائرورکس میں کام کرنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا تبادلہ کردیا، میری یونین نے اس مسئلہ کو مسلم مخالف اقدام کے طور پر اٹھایا تو میونسپل کمشنر نے مجھے بتایا کہ مرکزی وزارت داخلہ نے دہلی سے احکامات بھیجے ہیں کہ وتیرنا سے بمبی کے لئے پانی فراہم کیا جاتا ہے اس لئے ان حالات میں مسلمانوں کو وہاں سے ہٹا دیا جائے، مقصد یہ ہے کہ حکومت مسلمانوں پر بھروسہ کرنا نہیں چاہتی۔

اسی طرح جب ایک درجن مسلمانوں کو بی، ای، ایس، ٹی نے کنٹرولر کی ڈیوٹی سے ہٹا کر روڈ انسپکٹر کا کام سونپا تو میری یونین کے احتجاج پر انتظامیہ نے بتایا کہ دہلی کی ہدایات کے بموجب جنگ کے دوران مسلمانوں کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی کہ وہ بسوں کی آمد ورفت کو کنٹرول کریں، اسی دوران بھابھا اٹامک چادر سنٹرائر ابے میں کام کرنے والی ایک مسلمان اسٹیف گرافر کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہوئے وہاں سے ہٹا دیا گیا، وزارت داخلہ نے تمام سرکاری اداروں کو ایک خفیہ سرکلر جاری کیا تھا کہ مسلمانوں کو کلیدی اور اہم ملازمتیں نہ دی جائیں، میں اس خفیہ سرکلر سے واقف تھا اس لئے برسوں اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔

(ہفت روزہ، ہمعصر بمبئی ۲۲ نومبر ۱۹۸۰ء)

یہ اقتباس صورت حال کی منہ بولتی تصویر ہے، ان واقعات کا بار ثبوت مسٹر جارج فرنانڈیز کے ذمہ ضرور ہے لیکن ہمارے پاس بھی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں کہ ہم اس کی تردید کرسکیں، اگر یہ واقعات صحیح نہیں تو اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی صحیح پوزیشن کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اگر مسٹر ہرمن نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری کہا ہے تو ہم اس کو جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے کا الزام کیسے دے سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے حکومت کو اس طرح کی کارروائی کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ آزادی کے بعد کی تیس بتیس سال کی تاریخ میں مسلمانوں کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے اور اس پورے دور میں ایک بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جو مسلم اقلیت کو بداعتمادی کی اس دلدل میں لے جانے کا باعث ہو۔

شاید تہ در تہ پردوں میں چھپی ہوئی انھیں حقیقتوں کی کارفرمائی ہے کہ فسادات کا ایک نہ ختم ہونے سلسلہ جاری ہے اور کسی بھی موقعہ پر حکومت کی طرف سے ایسی موثر کارروائی نہیں کی گئی جو قاتلوں، لٹیروں اور بلوائیوں کو پھر اس طرح کے ارتکاب جرم سے باز رکھ سکے، جس کی وجہ سے ملک میں امن وامان کی زندگی عنقا ہے اور باہر کی دنیا میں ہمارے وطن عزیز کی رسوائی مزید ہے۔

برمی مسلمانوں پر افتاد

برما انگریزی دور حکومت میں ابتداءً ہندوستان ہی کا ایک حصہ تھا وہاں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے ان میں دینی بیداری بھی ہے اتر پردیش کے مشہور دینی مدارس میں برمی طلبہ کی خاصی تعداد آزادی سے پہلے رہا کرتی تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ برما کے مسلمان دینی امور میں بہت حساس ہیں، اخیر انگریزی دور حکومت میں انگریزوں نے اپنی ڈپلومیسی کے تحت اس کو ہندوستان سے الگ ایک چھوٹا سا ملک بنادیا پھر انھیں مختلف شگوفے چھوڑ کر آپس میں لڑادیا گیا اور جب ہندوستان سے انگریزوں نے رخت سفر باندھا اور ان کے اثر واقتدار کے سورج کو گہن لگ گیا تو برما پر کمیونسٹوں کی نگاہ کرم پڑی اور دررکے جراثیم کی طرح اس کے رگ وپے میں سرایت کر گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برما میں ایک دن سرخ انقلاب آگیا اور جنرل نے دن اس کا آمر مطلق بن گیا لیکن کیمونزم کی کامیابی میں مسلمان ہر جگہ اپنے مذہبی اصولوں کی بنا پر سنگ گراں بنا رہا اس لئے کمیونسٹ ملکوں میں سرخ انقلاب کی چوکھٹ پر سب سے زیادہ گردنیں مسلمانوں ہی کی کٹتی رہیں اور ان کے خون سے

سرخ انقلاب کا رنگ گہرا ہوتا رہا ہے سمرقند و بخارا میں بھی یہی ہوا، رومانیہ اور بلغاریہ کا بھی یہی قصہ ہے، سرخ چین کے صوبہ سنکیانگ کی بھی یہی کہانی ہے اور برما کی داستان بھی اسی طرح کی ہے۔

برما میں کمیونسٹوں نے زمام اختیار ہاتھ میں لیتے ہی سارے مذہبی اقدار کو پامال کرنا شروع کردیا مسجدوں، مدرسوں کو یک لخت بند کر دیا گیا اور طاقت کے بل پر ایسے قوانین نافذ کئے گئے جنھیں مسلمان ایک لمحہ کے لئے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے جبر و تشدد سے کام لینا شروع کردیا اور طرح طرح کے مظالم توڑے یہاں تک کہ دس ہزار سے زائد مسلمانوں کو شہر بدر کردیا گیا، لاوارثی اور خانہ بدوشی کی زندگی میں ان کی بڑی تعداد شکستہ روش اور وبائی امراض کی وجہ سے لقمہ اجل بن گئی اقوام متحدہ نے ان کو کیمپوں میں رکھا اور ان کے وقتی گذارے کا بندوبست کیا مگر برمی حکومت نے ان کے لئے آزاد مذہبی زندگی کے لئے کوئی راستہ نہیں کھولا ہندوستانی اخبارات میں ان پر ہونے والے مظالم کی خبریں مسلسل آرہی تھیں، جمعیۃ علماء ہند نے برمی مسلمانوں کے حال زار پر بے چینی کا اظہار کیا اور برمی حکومت کے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ملک سے اپیل کی کہ ان مظالم کے خلاف آواز بلند کی جائے مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اخباری بیان میں کہا گیا

"برما ہمارے ملک کا ایک صوبہ تھا اس لئے وہاں کے باشندے ہندوستانی مسلمان اور ان کی اولاد ہیں، آپ نے حکومت ہند پر زور دیا کہ جن مسلمانوں پر وہاں انسانیت سوز مظالم ہو رہے ہیں ان کے خلاف آواز اٹھانا اور احتجاج کرنا حکومت ہند کا فرض ہے آپ نے رابطہ عالمی اسلامی اور تمام مسلم حکومتوں سے اپیل کی کہ برمی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف سخت احتجاج کریں جو کئی پشتوں سے برما میں آباد ہیں اور ان کو وہاں سے شہر بدر کیا جارہا ہے آپ نے عالم اسلام سے اپیل کی کہ ان مظلوم مسلمانوں کی آبادکاری ان کے تحفظ دین کے لئے اقوام متحدہ کو متحرک کیا جائے اور دنیا کی رائے عامہ کو ہموار کیا جائے۔

مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی نے ایک جلسہ میں جو دہلی میں برمی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے منعقد کیا گیا تھا حکومت ہند سے اپیل کی برمی حکومت کو ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات سے باخبر کر دے اور مظلوم مسلمانوں کے تحفظ اور ان کے ساتھ انسانیت کے سلوک کرنے کے لئے زور دے اور ان مظالم کے خلاف احتجاج کرے آپ نے اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری سے بھی اپیل کی کہ وہ نسل کشی کے ان سنگین مسائل پر ضروری توجہ دے کر برمی حکومت کی ظالمانہ روش کا محاسبہ کریں اور مسلمانوں کے تحفظ ان کی آبادکاری اور جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے برمی حکومت کو متوجہ کریں۔

پھر جمعیۃ علماء ہند نے پورے ملک میں اپنی تمام ریاستی شاخوں کو ہدایت کی وہ اپنی تمام ذیلی شاخوں کو ہدایت کریں کہ پورے ملک میں برمی حکومت کے خلاف پرزور احتجاج کریں جلسے منعقد کریں اور تجویزیں منظور کر کے حکومت ہند کے پاس بھیجیں کہ اس مسئلہ کی طرف توجہ کرے اور برما میں ہونے والے مظالم کی روک تھام کے لئے عملی اقدام کرے اس اپیل کا اثر یہ ہوا کہ اس وقت ہندوستان کے تمام اخبارات میں برمی حکومت کے خلاف احتجاجی جلسوں کی مسلسل اطلاعات اور رپورٹیں آتی رہیں اور مہینوں اس کا سلسلہ چلتا رہا، کچھ اور دوسرے اسباب کی بنا پر برمی حکومت کو اپنے رویہ میں نرمی اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

کل ہند مسلم اوقاف کانفرنس

جمعیۃ علماء ہند کی نگاہ میں مسلم اوقاف کے مسئلہ کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی کیونکہ یہ مسلمان قوم کا ایک عظیم سرمایہ ہے جس سے ملت کے بہت سے امور انجام پاتے ہیں اور پا سکتے ہیں، آزادی کے بعد اس مسئلہ نے اور بھی اہمیت اختیار کر لی، اوقاف کی جائدادوں پر قانون کی زد پڑنے لگی جس کی وجہ سے اوقاف کی حیثیت متاثر ہونے لگی ایک ترقی پذیر ملک میں ایسا ہونا ناگزیر بھی ہے کیونکہ ملک کی ترقی کے لئے جو قوانین بنائے جاتے ہیں بسا اوقات اس کی زد ایسے اصولوں پر پڑتی ہے جس کا کسی مذہب اور قوم سے کوئی خصوصی تعلق ہو اسی طرح د .. کا مسئلہ تھا نئے قوانین کی زد سے بچانے اور اوقاف کی افادیت اور اس کے تحفظ کے مسائل حل کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے ایک

کل ہند اوقاف کانفرنس ۱۶ ر ۱۷ ر ۱۸ر فروری ۱۹۷۹ء کو دہلی میں بلائی جس کی صدارت کے فرائض مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر علی محمد خسرو نے انجام دیئے، کانفرنس کے مدعوین خصوصی میں رہنما، علماء دین، سیاستدان، پارلیمینٹرین، دانشور اور ماہرین اقتصادیات شامل تھے، دو صوبوں کے وقف منسٹر جناب عزیز سیٹھ وزیر اوقاف کرناٹک اور ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا وزیر اوقاف مہاراشٹر، ممبران پارلیمنٹ، جماعتوں میں سے امیر جماعت اسلامی مولانا محمد یوسف صاحب مسلم لیگ کے صدر جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ مسلم مجلس مشاورت کے چیرمین جناب مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، صوبائی وقف بورڈوں کے صدر اور سکریٹری، ان کے علاوہ کشمیر سے کیرالا اور سوراشٹر سے آسام تک کے ۳ ½ ہزار مختلف گوشوں کے نمائندے اس کانفرنس میں شریک ہوئے، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند صدر استقبالیہ تھے،

آپ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں اوقاف کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ مسلم اوقاف بالعموم خورد برد کے شکار ہیں، دوسرے فرقے اپنے اوقاف کا صحیح استعمال کر کے بڑے بڑے اہم امور انجام دے رہے ہیں لیکن اتنی عظیم مالیت کے اوقاف کے باوجود مسلمانوں نے ان اوقاف سے کوئی صحیح مفید اور عظیم کارنامہ انجام نہیں دیا، ایک ہمارے اسلاف تھے کہ کروڑوں روپیوں کا اوقاف ہمارے لئے چھوڑ گئے اور ایک ہم ہیں کہ ان کی قبروں تک کو بیچ رہے ہیں، آج ضرورت ہے کہ مسلمان اس کی اہمیت کو محسوس کریں اور اسے اپنے قومی و ملی کاموں کے لئے مفید بنانے کے واسطے ایک قابل عمل لائحہ عمل تیار کریں۔

صدر اجلاس پروفیسر علی محمد خسرو نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں اوقاف کا اثاثہ دو سو کروڑ روپے سے زیادہ کا ہے جس سے کم سے کم آمدنی کا تخمینہ ۱۰ کروڑ روپے سالانہ ہے، لیکن اوقاف معاشی بدانتظامی کا شکار ہیں مجموعی اثاثہ کے مقابلہ میں آمدنی کم ہے، وقف کی کافی جائدادوں پر دوسروں کا قبضہ ہے، انھیں واپس لینے کا سوال ہے جو صرف ایک باقاعدہ تنظیم ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، ضرورت ہے کہ اوقاف کی دیکھ بھال

کیلئے کوئی بہتر طریقہ کار اختیار کیا جائے تاکہ وقف کے اثاثے سے اس کی حیثیت کے مطابق آمدنی ہو سکے اور اسے قوم کی فلاح وبہبود اور تعلیم وغیرہ پر خرچ کیا جاسکے۔

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند و صدر استقبالیہ نے پہلے دن اعلان کیا کہ وقف کے مسائل پر غور وخوض کرنے کے لئے چار پینل بنائے گئے ہیں ان کے چیرمینوں کے نام کا اعلان کیا جارہا ہے، مندوبین میں سے جن کی جس مسئلہ سے دلچسپی ہو اس پینل میں شریک ہو کر اپنے مشورے دے سکتے ہیں، کمیشن درج ذیل بنائے گئے۔

کمیشن ۱ وقف کا تحفظ۔ جنرل شاہنواز خاں جناب ذوالفقار اللہ صاحب (مسلم مجلس) جناب اطہر حسین صاحب، جناب ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ۔

کمیشن ۲ قوانین وقف اور عملدرآمد۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب [illegible] مجلس مشاورت جناب ڈاکٹر خالد رشید صاحب پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

کمیشن ۳ وقف انکوائری رپورٹ اور ترمیم پر غور۔ جناب غلام رسول صاحب۔ جناب مولانا محمد مسلم یوسف امیر جماعت اسلامی جناب بدر الدین طیب جی۔

کمیشن ۴ اوقاف کی آمدنی سے بہتر استفادہ۔ جناب عزیز سیٹھ بنگلور) ڈاکٹر رحمٰن علی خاں علی گڈھ) جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ (صدر مسلم لیگ)

چاروں کمیشنوں نے اپنے اپنے موضوع پر کامل غور وخوض کرنے کے بعد اپنے مشورے مرتب کر کے کانفرنس میں پیش کئے، ان رپورٹوں کی بنیاد پر کانفرنس میں انیس ۱۹ رزولیشن منظور کئے گئے جو مسئلہ وقف کے جملہ مسائل پر حاوی تھے۔

ایک رزولیشن میں موجودہ وقف ایکٹ ۱۹۵۴ء کو ناقابل اطمینان قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ وقف تحقیقاتی کمیٹی ۱۹۷۶ء کی سفارشات بھی مسلمانوں کی خواہشات کو پورا نہیں کرتیں اس لئے کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وقف ایکٹ میں ایسی ترمیمات کرے جس سے مسلمانوں کی خواہشات کو پورا کیا جاسکے، اور جس سے وقف کی املاک کو بہتر بنایا جاسکے، ایک رزولیشن میں وقف کی جائدادوں کو رینٹ کنٹرول سے مستثنیٰ کئے جانے کا مطالبہ کیا گیا، آٹھ صوبوں کی حکومتوں نے موقوفہ جائدادوں کو رینٹ کنٹرول سے پہلے ہی مستثنیٰ کر دیا ہے۔

ایک تجویز کے ذریعہ حکومت سے مانگ کی گئی کہ موقوفہ جائدادوں کو حد ملکیت کے قانون سے مستثنیٰ رکھا جائے کیوں کہ یہ کار خیر اور مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے ہیں، اسی طرح مختلف ٹیکسوں سے موقوفہ جائدادوں کو مستثنیٰ رکھنے کی مانگ کی گئی اور یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ مساجد و مقابر کی جائدادوں اور زمینوں کو ایکوائر نہ کیا جائے، موقوفہ جائدادوں پر قبضہ مخالفانہ قانون نافذ نہ ہو، موجودہ وقف بورڈوں کی کارکردگی کو درست کرنے کے لئے کانفرنس نے مانگ کی کہ وقف کونسل کے ممبران کی نامزدگی کے بجائے انتخاب ہونا چاہیئے

ناظم عمومی نے پریس کانفرنس میں کہا

مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے جو تشکیل شدہ مرکزی وقف کمیٹی کے کنویز بنائے گئے ہیں ۱۹ر فروری ۱۹۷۰ء کو ایک پریس کانفرنس میں کل ہند اوقاف کانفرنس کی منظور کردہ تجویزوں کو اخبارات کو اشاعت کے لئے دیتے ہوئے اعلان کیا کہ ہندوستانی مسلمان اب اوقاف کے تحفظ کے معاملہ میں نہ تو زیادہ دن انتظار کر سکتے ہیں اور نہ ان کی طرف سے غفلت برت سکتے ہیں آپ نے کہا کہ اس کانفرنس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہر مکتبہ خیال اور ہر جماعت کے مسلمانوں نے شرکت کی اور اس کی کارروائیوں میں پورے جوش وخروش سے حصہ لیا، آپ نے بتایا کہ ہمارے ملک میں دو ارب سے زیادہ کی مالیت کے اوقاف پورے ملک میں بکھرے ہوئے ہیں اگر ان کو ترقی دی جائے تو ان کی مالیت اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے، آپ نے بتایا کہ فیصلوں پر عملدرآمد کے لئے ایک کمیٹی بنادی گئی ہے، یہ کمیٹی کانفرنس کے فیصلوں کے نفاذ اور عمل آوری کی نگرانی اور طے کردہ امور کو بروئے کار لانے کی جدوجہد کریگی، مرکزی وقف کمیٹی ۴۱ ارکان پر مشتمل ہے جس میں ہر مکتبہ خیال کے لوگ شامل ہیں، یہ کمیٹی غیر سرکاری ہوگی اس لئے سرکاری فیصلوں کی پابند نہ ہوگی، یہ مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے وقتاً فوقتاً بیٹھ کر وقف کے مسائل پر غور کرے گی اور حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرے گی۔

مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ

مارچ ۱۹۷۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ترمیمی ایکٹ ۱۹۷۸ء پارلیمنٹ میں پیش ہوا جس کے ذریعہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۲ء کی ترمیموں سے یونیورسٹی کو جو نقصان پہونچ چکا ہے اس کی تلافی کی کوشش کی گئی تھی، جبکہ یہ ترمیمی ایکٹ بھی قابل اطمینان نہیں تھا۔ اور اس میں بہت سی خامیاں تھیں، مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ سے ۱۹۶۵ء ہی سے ایک خاص دلچسپی رہی ہے۔ جب اس کی اندرونی خود مختاری پر آرڈی ننس کے ذریعہ ضرب لگائی گئی تھی، ۲۵ اپریل ۱۹۶۵ء کو طلباء نے وائس چانسلر پر حملہ کیا۔ اور پولیس نے طلباء پر فائرنگ کی، پھر اس کے بعد حکومت نے آرڈی ننس جاری کر دیا۔ جمعیۃ علماء ہند نے اسی وقت مسلم یونیورسٹی کے بحران پر اپنے شدید تأثر کا اظہار کرتے ہوئے وائس چانسلر پر حملہ اور اس کے جواب میں طلبہ پر پولس کی فائرنگ کی مذمت کی اور کہا۔

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کی رائے میں ضروری ہے کہ یونیورسٹی کے موجودہ بحران اور سنگین صورت حال پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور ایسے فیصلے کئے جائیں جن سے یونیورسٹی کا تاریخی کردار برقرار رہے۔ یونیورسٹی کو جدید تعلیم اور اسلامی تعلیم کے عالمی مرکز کی حیثیت سے بہر حال باقی رہنا چاہیئے۔

مجلس عاملہ کی رائے ہے کہ یونیورسٹی کے موجودہ بحران کی عدالتی تحقیقات کے بغیر آرڈی ننس جاری کرنا انتہائی عاجلانہ اور غیر دانشمندانہ اقدام ہے۔ اس اقدام نے ملک کے کروڑوں باشندوں کو رنج و غم میں مبتلا کر دیا ہے، مجلس عاملہ مطالبہ کرتی ہے کہ آرڈی ننس کو فوراً واپس لیا جائے کیونکہ تعلیم گاہوں کے مسائل ہنگامی قوانین سے نہیں بلکہ دانشوروں کے فیصلے ہی سے حل ہوسکتے ہیں۔ موجودہ آرڈی ننس بحران میں اضافہ کرے گا۔ اور صورت حال کی مزید خرابی کا باعث ہوگا۔ مجلس عاملہ یونیورسٹی کے متعلق وزیر تعلیم مسٹر چھاگلہ کے بیانات کو اشتعال انگیز اور غیر ذمہ دارانہ سمجھتی ہے۔ اور یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو محسوس کریں گے۔ جو ایک ملک کے وزیر تعلیم

ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہے ۔ مجلس عاملہ کے اس اجلاس کی یہ رائے ہے کہ گرفتار شدہ طلبہ کے کیس میں انتقامی کارروائیوں کو ختم کیا جائے ۔ اور بے گناہ طلبہ کو فوری تحقیقات کے بعد رہا کر دیا جائے ۔ مجلس عاملہ وزیر اعظم حکومت ہند سے اپیل کرتی ہے کہ وہ یونیورسٹی کے کیس کو اپنے ہاتھ میں لیں اور اس سلسلہ میں مدبرانہ اقدام کریں ۔ مجلس عاملہ طے کرتی ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کا ایک نمائندہ وفد پرائم منسٹر سے ملے اور مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ میں ان کو صحیح معلومات بہم پہونچائے ۔ اور مسلمانان ہند کی تشویش اور پریشانیوں سے ان کو مطلع کرے ۔ یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے مسلم یونیورسٹی کے حالات کو جلد از جلد معمول پر لائے تاکہ مسلم اقلیت کے دلوں میں جو ہراس پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو ۔ اور یونیورسٹی کی تعلیمی و ثقافتی زندگی بحال ہو ۔

رٹ پٹیشن اور اس کا نتیجہ

جمعیۃ علماء ہند کے ایک نمائندہ وفد نے وزیر اعظم حکومت ہند سے ملاقات کر کے یونیورسٹی کے مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ۔ لیکن عملاً اس کا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا ۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے فیصلہ کیا کہ پورے ملک میں آرڈی نینس کے خلاف احتجاج کیا جائے ۔ اور آرڈی نینس کے خلاف سپریم کورٹ میں ایک ماہر قانون داں کے ذریعہ رٹ پٹیشن داخل کر کے آرڈی ننس کو چیلنج کیا جائے ۔ دونوں پروگراموں پر فیصلہ کے بعد عملدرآمد شروع کر دیا گیا ۔ ایک طرف ملک میں ایک ہمہ گیر احتجاج شروع کر دیا گیا ۔ دوسری طرف سپریم کورٹ میں آرڈی ننس کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا گیا ۔ اس کیس کی پیروی کے لئے ہندوستان کے مشہور لائیر اور قانون داں مسٹر ٹرینک اینتھونی کو منتخب کیا گیا ۔ مسٹر انتھونی نے اپنی بہترین قانونی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ۔ اور بہ ظاہر عدالت کو اپنی مدلل بحث سے کافی متاثر کیا ۔ اور اندازہ کیا جا رہا تھا کہ مقدمہ کامیاب ہوگا ۔ لیکن مسٹر انتھونی نے اپنا تاثر عدالت کے رخ کو دیکھ کر یہ بتایا کہ کیس میں کامیابی مشکل ہے ۔ کیوں کہ عدالت کا رجحان کچھ اور ہے اسلئے

انہوں نے بحیثیت ایک ماہر اور تجربہ کار قانون دان کے یہ رائے دی کہ مقدمہ اٹھالیا جائے ورنہ عدالت کے فیصلہ کے بعد مزید نقصانات ہوسکتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اس سلسلہ میں عدالت کا کوئی فیصلہ ہی نہ ہو جو یونیورسٹی کو نشانہ بنانے والوں کیلئے بطور حربہ کام آئے۔ مسٹر اشتھول کے مشورہ پر جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اخراجات کے باوجود یونیورسٹی کے مفاد میں کیس کو اٹھالیا۔ اور دشمنوں کے ہاتھوں میں تلوار دینے کی غلطی نہیں کی، اور صورت حال کے مزید خراب ہونے سے بچانے کے لئے اپنے اقدام کو واپس لے لیا۔

غیر دانشمندانہ اقدام

جب جمعیۃ علماء ہند نے اپنا مقدمہ واپس لے لیا تو ایک دوسری جماعت نے جو اس کیس کی کارروائیوں اور مسٹر اشتھولی کی زوردار بحث سے واقف تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس مدلل اور زوردار بحث کے بعد مقدمہ میں کامیابی یقینی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند نے کیس اٹھاکر زبردست غلطی کی ہے۔ اور کامیابی کا کریڈٹ خود لینے کے لئے اس نے اپنی طرف سے رٹ پیٹیشن داخل کردیا، مگر نتیجہ وہی ہوا جس کا اندیشہ جمعیۃ علماء ہند کے وکیل نے ظاہر کیا تھا۔ عدالت نے فیصلہ بالکل اس کے برعکس کیا جسکی بنیاد پر اس جماعت نے مقدمہ دائر کیا تھا۔ اب سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد مسلم یونیورسٹی کے ہمدردوں میں مایوسی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے یونیورسٹی کے بارے میں اپنے موقف کے اعلان کے اظہار کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ ریزرویشن منظور کیا۔ اور اخباروں میں اشاعت کیلئے آیا۔

> "سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ متعلقہ مسلم یونیورسٹی سے مسلمانوں میں مایوسی اور بد دلی کا عام احساس پیدا ہورہا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی اقلیت ہونے کی حیثیت سے ان کو اپنے مخصوص قومی و ملی ادارے قائم کرنے اور انھیں اپنے ڈھنگ پر چلانے کا جو دستوری حق حاصل ہے ان کی بقاء پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ جمعیۃ علماء ہند ان کے جذبات کو محسوس کرتی ہے۔ قانونی فیصلہ سے

قطع نظر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کا قالب اول اینگلو محمڈن کالج مسلمانوں کے ایک تعلیمی ادارہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مخصوص دینی و دنیوی تعلیمی مقاصد کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے ہر دور میں اس کیلئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کیں اور نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ دیگر ممالک کے مسلمانوں نے بھی اس سے نہ صرف جذباتی بلکہ عملی تعلق کا اظہار کیا۔ اور لاکھوں کی رقم اسلامی ممالک سے اس کیلئے وصول ہوتی رہی۔ ان تاریخی حقائق سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا اس میں شک نہیں کہ یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہوجانے کے بعد اس مسلم ادارہ پر کچھ قانونی ذمہ داریاں عائد ہوئیں۔ مگر بنیادی طور پر اس کا مسلم ادارہ ہونا حکومت اور مسلمانوں کو یکساں قابل تسلیم رہا۔ چنانچہ جہاں مسلمان اسے اپنا ایک عزیز ملی تعلیمی ادارہ سمجھتے رہیں۔ وہاں حکومت ہند بھی وقتاً فوقتاً سرکاری و نیم سرکاری تحریروں میں اسے مسلمانوں کا مخصوص تعلیمی ادارہ قرار دیتی رہتی ہے اور اسی حیثیت سے بین الاقوامی دنیا میں اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔

ان تفصیلات کے پیش نظر جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عامہ ایک طرف مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلے سے مایوسی کا شکار نہ ہوں ان کی یہ متاع عزیز انشاء اللہ حسب سابق ان کی آرزؤں کا مرکز اور ان کے تعلیمی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہوگی۔

دوسری طرف حکومت ہند اور انصاف پسند غیر مسلم اور مسلم ممبران پارلیمنٹ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ جلد سے جلد مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں ایسی تبدیلیاں لائیں جن سے سابقہ ایکٹ کے نقائص دور ہوں۔ اور یہ ادارہ اپنی بنیادی اسلامی خصوصیت کو پوری طرح باقی رکھ سکے"

مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ ۱۹۷۲ء کے موقعہ پر ایک سب کمیٹی جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں سے بنائی گئی۔ جس کے کنوینر حیدرآباد کے مسٹر یونس سلیم صاحب وکیل تھے۔

مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند، عبیدالرحمٰن خاں شیروانی، کنور شاد احمد خاں، ضیاء الرحمٰن انصاری ایم، پی، پروفیسر ابرار احمد صدیقی اس کمیٹی کے ممبر تھے۔ یہ سب کمیٹی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ترمیمی ایکٹ ۱۹۷۲ء کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ایک نمائندہ اجتماع منعقدہ ۲۰ اگست ۱۹۷۲ء ملام ایوان غالب ہل زیر صدارت عبیدالرحمٰن خاں شیروانی کے فیصلہ کے مطابق بنائی گئی تھی۔ اس سب کمیٹی نے ۳۱ ستمبر ۱۹۷۲ء کو اپنی ایک نشست میں فیصلہ کیا کہ ترمیمی ایکٹ ۱۹۷۲ء کے ان مقامات کی جہاں ڈیموکریسی اور خود مختاری کو مسلم یونیورسٹی سے ختم کیا گیا ہے۔ اور ان تمام جگہوں کی جہاں مسلم یونیورسٹی کے بعض مفاد کو نقصان پہونچانے اور انتشار پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جائزہ لیا جائے اور مرتب کیا جائے۔ مزید یہ بھی طے کیا گیا کہ مسلم یونیورسٹی اسٹاف ایسوسی ایشن کی تجاویز پر غور کیا جائے۔ کمیٹی نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ٹیچرس ایسوسی ایشن اسٹوڈینٹس یونین اور اولڈ بوائز کی طرف سے کورٹ کی تشکیل کا بائیکاٹ کرنے کی اپیل کی جائے۔ کمیٹی نے پروفیسر اے ایچ حق پولیٹیکل سائنس علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، پروفیسر ظہیر احمد صدیقی دہلی یونیورسٹی، پروفیسر حمیدالدین خاں ریٹائرڈ ذاکر باغ علی گڈھ کو بھی اس کمیٹی میں شامل کیا جائے۔

کمیٹی نے بڑجی کمیشن کی رپورٹ اور گجیندر گڈکر کمیشن کی رپورٹ۔ نیز علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ ۱۹۷۲ء پر لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں جو بحث ہوئی ان سب پر غور کیا اور ہر ایک کو مد نظر رکھ کر ایک یادداشت مرتب کی اور کمیٹی نے اسے حکومت ہند کے سامنے پیش کیا۔ اور مطالبہ کیا کہ ترمیمی ایکٹ پر نظر ثانی کی جائے لیکن حکومت کی طرف سے سرد مہری کا اظہار کیا گیا۔ جبکہ کمیٹی نے ترمیمی ایکٹ پر نظر ثانی کے لئے بہت ہی مضبوط بنیاد اور دلائل فراہم کئے تھے۔ لیکن کوئی نیک نیتی کے ساتھ کچھ کرنا ہی نہ چاہے تو مضبوط سے مضبوط دلیل بھی کیا کام کر سکتی ہے۔ ایک خاص قسم کی ذہنیت جو محکمۂ تعلیم میں کارفرما تھی اس نے ہر قدم پر روڑے اٹکائے۔ اور راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کی ہیں۔

یونیورسٹی کے حالات ایسے تھے کہ ترمیمی ایکٹ کے ردعمل کے طور پر طلبہ میں خلفشار
تھا۔ اور ہمہ وقت تصادم کا اندیشہ تھا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے،
آخری علاج کے طور پر پروفیسر ابرار احمد مصطفیٰ نے کمیٹی کو مشورہ دیا کہ ہر مکتبہ خیال
کے لوگ مل کر پرائم منسٹر سے ملاقات کریں۔ اور وزیر تعلیم نور الحسن کو ہٹانے کا
مطالبہ کریں، موجودہ وزیر تعلیم کے رہتے ہوئے یونیورسٹی کے مفاد میں کسی کام کا
ہونا ممکن نہیں ہے۔ کمیٹی کے ارکان نے ہوم منسٹر مسٹر ڈکشٹ اور پرائم منسٹر سے
بھی اس سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کی۔ مطالبات کی فہرست بھی حکومت کے سامنے رکھی گئی۔
اور جد و جہد کا کوئی پہلو ترک نہیں کیا گیا۔ اور ہر بار کمیٹی نے محسوس کیا کہ کوئی غیر مرئی
ہاتھ بنتے ہوئے کام کو بگاڑ دیتا ہے۔ اور سارے نقشہ عمل پر قلم تنسیخ کھینچ دیتا ہے۔
اور بات جہاں کی رہیں وہیں رہ جاتی ہے۔ اور کوئی کوشش کارگر نہیں ہوئی۔

یونیورسٹی کا مسلم اقلیتی کردار بحال ہو

۱۹۷۲ء کے ترمیمی ایکٹ کے خلاف نورالحسن وزیر تعلیم کی وجہ سے کوئی تحریک
اور کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ مگر اس ایکٹ کی وجہ سے عام مسلمانوں میں غصہ تھا۔
اور اس کے خلاف مسلسل احتجاج کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ حکومت نے مجبور ہو کر پھر
۱۹۷۹ء میں مسلم یونیورسٹی ایکٹ پر غور کرنے کو منظور کر لیا۔ اسی دوران اقلیتوں
کے مسائل کو حل کرنے کے لئے حکومت نے ایک اقلیتی کمیشن قائم کیا۔ حکومت کی طرف
سے کہا گیا کہ کمیشن کی سفارشات کا لحاظ کیا جائے گا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے
سلسلہ میں ہندوستان کے مسلمان گذشتہ بارہ تیرہ برسوں سے بے چین تھے۔ اب
پھر حکومت کو زیر غور مسلم یونیورسٹی ایکٹ زیر غور آیا۔ چونکہ جمعیتہ علماء ہند کا
ابتدا ہی سے اس کا یہ موقف رہا کہ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال رہنا چاہیئے۔
اس لئے ۹ رمئی ۱۹۷۸ء کو پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی، شمیم احمد صاحب، ارشد علی
قدوائی، ناز انصاری صاحب ایڈیٹر الجمعیتہ کا ایک وفد سید احمد ہاشمی ناظم عمومی
جمعیتہ علماء ہند کی قیادت میں اقلیتی کمیشن سے ملا۔ وفد نے کمیشن کے چیرمین

مسٹر ایم. آر مسانی، جسٹس ایچ. آر انصاری، مسٹر وی. پی جون کے وضاحت طلب سوالات کا جواب دیتے ہوئے کمیشن پر یہ واضح کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ صرف ایک تعلیمی ادارہ ہی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی ثقافتی اقدار اور ایک تاریخی ورثہ کی حفاظت اور اس سے بھی زیادہ جذباتی وابستگی کا مسئلہ ہے. وفد نے بتایا کہ ۱۹۶۵ء میں ایک دن اچانک محسوس ہوا کہ وہ مسلم یونیورسٹی جو انھیں کی قائم کردہ، انھیں کیلئے اور انھیں کے زیر انتظام چلنے والی اور یونیورسٹی ان کے ہاتھوں سے چھن گئی ہے. اور وہ ایک اقلیتی ادارہ نہیں رہی ہے اس احساس نے انھیں بے چین کر دیا. اور اُس دن سے آج تک بے چین اور بے قرار ہیں۔

وفد نے کمیشن سے کہا کہ جب دفعہ ۳۰ (۱) کے تحت اقلیتوں کو اپنے تعلیمی ادارہ قائم کرنے اور انھیں چلانے کا حق حاصل ہے. تو پھر اس میں کیا قباحت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کو ایک اقلیتی ادارہ تسلیم کر لیا جائے. وفد نے یہ بھی کہا کہ گورنمنٹ کو اس مسئلہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کی آڑ نہیں لینا چاہیئے. بلکہ حکومت کو خود اس کے لئے کوئی راہ نکالنی چاہیئے. یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کر دینے سے وہاں غیر مسلم طلبہ پر داخلے میں، غیر مسلموں پر ملازمتوں کے دروازے بند نہیں ہو جائیں گے. "مسلم یونیورسٹی کو چونکہ قومی اہمیت کی یونیورسٹی قرار دیا گیا ہے. اس لئے وہ اقلیتی یونیورسٹی نہیں ہو سکتی." یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ وہ اقلیتی یونیورسٹی ہو کر بھی قومی اہمیت کی یونیورسٹی ہو سکتی ہے. کمیشن کو مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ کو ہمارے پیش کردہ نقطۂ نگاہ سے دیکھنا چاہیئے. اور مسلمانوں کے ساتھ انصاف ہونا چاہیئے۔

حکومت نے اقلیتی کمیشن کی سفارشات ماننے سے انکار کر دیا۔

کمیشن کے ارکان نے جمعیۃ علماء ہند کے وفد کے دلائل اور توضیحات سے اتفاق کیا. اور اپنی دو روزہ میٹنگ میں اس نے اپنی سفارشات مرتب کر کے حکومت ہند کو بھیجدیا.

اور سفارش کی کہ پارلیمنٹ کے آئندہ سیشن میں رپورٹ پیش کردی جائے لیکن مرکزی حکومت نے اقلیتی کمیشن کی اس تجویز کو رد کر دیا کہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کو مسلم اقلیت کی طرف سے قائم کردہ ادارہ قرار دیا جائے۔ پارلیمنٹ کی رپورٹ کے پارلیمنٹ کے سامنے جو میمورنڈم رکھا گیا اس کے مطابق آئین میں کوئی ایسی دفعہ موجود نہیں ہے جس سے حکومت کو اس قسم کے اعلان کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ سپریم کورٹ نے عزیز پاشاہ کے مقدمہ میں یونیورسٹی کے مقام کے تاریخی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے فیصلہ کیا تھا کہ یونیورسٹی دراصل مسلم فرقہ نے نہیں بلکہ مرکزی حکومت نے ۱۹۲۰ء میں "علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ" کے تحت قائم کیا۔ پھر بھی حکومت علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ بل ۱۹۷۸ء جو پارلیمنٹ کے زیر غور ہے۔ کمیشن کی پیش کردہ تجاویز کی روشنی میں بعض مناسب ترمیمیں کرنے پر رضامند ہو گئی ہے۔ یونیورسٹی کو مکمل با اختیار بنانے اور کورٹ کو جمہوری بنانے کی غرض سے کمیشن نے کئی تجویزیں پیش کی تھیں۔ کمیشن نے رائے ظاہر کی تھی کہ ۱۹۲۰ء کے ایکٹ میں ۱۹۶۵ء میں کی گئی ترمیم سے نہ صرف اختیارات مجروح ہوئے جو آئین کی رُو سے حاصل تھے۔ بلکہ اس سے یونیورسٹی کی داخلی خود مختاری قطعی طور پر مجروح ہو کر رہ گئی ہے۔ ۱۹۷۹ء میں یہی ترمیم بل پارلیمنٹ کے سامنے تھا جس پر پارلیمنٹ کو غور کرنا تھا۔ مسلم یونیورسٹی کے ہمدردوں کا یہ کہنا تھا کہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۲ء کی ترمیموں سے یونیورسٹی کو جو نقصان پہونچ چکا ہے اس میں کچھ کمی ضرور آسکتی ہے۔ لیکن اس میں بعض دوسری زبردست خامیاں ہیں اور ترمیمی ایکٹ ہے اور جتنا حکومت کا عوام کے ساتھ فراڈ ہے۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

اور جب حکومت نے اقلیتی کمیشن کی سفارشات کو در خور اعتنا نہیں سمجھا۔ اور انھیں یکسر مسترد کر دیا تو کمیشن کے چیرمین مسٹر مسانی نے اقلیتی کمیشن سے استعفا دیدیا، چیرمین نے اپنے استعفا کے ساتھ جو وضاحتی بیان دیا ہے اس سے

مسلمانوں کی بے بسی اور مجبوریوں کا صحیح احساس اور اندازہ ہوتا ہے۔

آپ آزادی کے بعد سے اب تک کے حادثات و واقعات کو پیش نظر رکھکر ایک طائرانہ نظر ڈال جائیں تو آپ بھی میرے اس احساس میں یقینی طور پر شریک ہو جائیں گے۔ آزادی کے ۳۲ برس گذر چکے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو جیسے آزاد خیال سوشلسٹ ذہن و مزاج کے لیڈر نے سترہ برس حکومت کی ہندوستان نے حیرت انگیز ترقی کی، عالمی سیاست میں ملک کا مقام بلند ہوا۔ اندرون ملک بڑے بڑے کل کارخانے، ڈیم، اقتصادی و معاشی اور زراعتی ترقی کے پروگرام بنائے گئے۔ اور کامیاب ہوئے شہروں سے لیکر دیہاتوں تک سرمایہ کا پھیلاؤ ہوا۔ شہروں کے ساتھ ساتھ دیہاتوں اور گاؤں میں معاشی خوش حالی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اس پورے دور میں بھی مسلمان تنہا اپنے زخموں کی ٹیس سے مسلسل چیختا اور کراہتا رہا۔ ایک زخم کے علاج سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ اس سے بھی گہرا زخم لگ گیا۔ اس کا سارا جسم ان زخموں سے داغ داغ ہو گیا۔ چیخا، چلایا، فریاد کی، لیکن اس کیلئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں مل سکی، جہاں وہ ظلم وستم کے ان تیروں سے محفوظ ہو جائے۔

۱۹۶۴ء میں پنڈت جواہر لال نہرو اس دنیا سے چلے گئے۔ اب مسٹر لال بہادر شاستری راج سنگھاسن پر براجمان ہوا اور اس کی شوبھا بڑھائی۔ ان کے زمانہ میں ہندو پاک کی منحوس جنگ آگئی۔ اس پورے دور میں مسلمان کو نفرت کا لم ثابت کرنے کی مسلسل جد و جہد رہی۔ اور اس پر طرح طرح کے مظالم ہوتے رہے پھر گلزاری لال نندہ آئے۔ اور چلے گئے، اور آخر میں مسز اندرا گاندھی نے زمام اختیار سنبھالی، اس وقت تک مسلمانوں پر ہر زخم ناسور بن چکا تھا۔ اب اس کے علاج کی طرف توجہ کی گئی۔ لیکن خلوص اور نیک نیتی اور ہمدردی کا پہلو اب بھی عنقا تھا اور جب الکشن کا معرکہ کارزار گرم ہوتا تھا، تو اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں کے سامنے نادان بچہ سمجھ کر کچھ رنگین کھلونے ڈال دیئے جاتے تھے۔

کھلونوں کی حقیقت اس وقت کھلتی تھی جب وعدہ کرنے والی پارٹی الکشن میں کامیاب ہوکر زمام اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیتی تھی۔

اقلیتی کمیشن کا تقرر بھی اسی طرح کا ایک حادثہ تھا۔ جب اقلیتی کمیشن قائم کیا گیا تھا تو اقلیتوں نے بڑی امیدوں اور تمناؤں کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا تھا اور انھوں نے سمجھا کہ ایک عرصہ کے بعد مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کیلئے ایک قانونی راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کمیشن کے اختیارات اور حدود کار کی جو تشریح کی گئی تھی۔ اس کی روشنی میں بجا طور پر یہی توقع کی جاسکتی تھی لیکن جلد ہی معلوم ہوگیا کہ ہمارے سامنے جس کو کھرا سونا کہہ کر پیش کیا گیا تھا درحقیقت پیتل پر سونے کی قلعی تھی۔ اور یہ قلعی اس وقت اتر گئی جب کمیشن نے اپنی مجبوریوں کو دیکھ کر استعفاء دیدیا۔ استعفاء کے بعد اقلیتی کمیشن کے چیرمین مسٹر وی، آر مسانی نے جو بیان دیا ہے اس نے ثابت کر دیا کہ اس کمیشن کو اقلیتوں کے مسائل حل کرنے کے لئے نیک نیتی سے قائم ہی نہیں کیا گیا تھا۔ مسٹر مسانی نے چیرمین اقلیتی کمیشن سے اپنے بیان میں کہا۔

" میں ۳۱ مئی ۱۹۷۸ء کو اپنے عہدے سے انتہائی مایوسی اور تکلیف دہ احساسات کے ساتھ مستعفی ہو جاؤں گا۔ میرے اس اقدام کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہماری طرف سے حکومت کی دعوت قبول کرنے کے وقت میرے رفقاءِ کار اور جو مجھے یقین دلائے گئے تھے، ان کا احترام نہیں کیا گیا، میں نے اقلیتی کمیشن کی ذمہ داریاں اعزازی طور پر تین سال کیلئے انسانی جوش اور عظیم امیدوں کے ساتھ قبول کی تھیں کہ میں ملک کی کوئی حقیقی خدمت انجام دے سکوں گا۔ لیکن صرف تین ماہ بعد ہی مجھے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا پڑا۔"

مسٹر مسانی نے مزید کہا کہ " میرے دو اجتماعی خطوں کا ابھی تک جواب نہیں دیا گیا۔ ان میں سے ایک خط ۲ مئی ۱۹۷۸ء کو پورے کمیشن کی طرف سے

اور دوسرا خط ۹ رمئی ۱۹۷۸ء کو میں نے اپنی طرف سے اور اپنے ایک رفیق کار مسٹر دی، وی جان کی طرف سے بھیجا تھا۔ خطوط وزیراعظم کے نام تھے۔ ان خطوں میں ہم نے کمیشن کی کارکردگی کے اسباب تفصیل سے بیان کر دیئے تھے۔ ہم کو یقین دلایا گیا تھا کہ اقلیتوں سے متعلق عام معاملات میں کمیشن سے مشورہ لیا جائے گا۔ اور اس کو اہمیت دی جائے گی، پہلے ہی موقعہ پر ہم نے دیکھا کہ ہمارے مشورہ کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں سے متعلق ایک اہم معاملہ کے سلسلہ میں پیش آمدہ یعنی علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے متعلق اس ترمیمی بل کے سلسلہ میں تھا جو حال ہی میں پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں اس بات کا یقین دلایا گیا تھا اور اس کو پورا نہیں کیا گیا۔ کہ پارلیمنٹ کے گذشتہ بجٹ سیشن میں ایک بل کمیشن کو قانونی اور خود مختارانہ حیثیت دینے کے لئے پیش کیا جائے گا۔ لیکن ایسا کوئی بل پارلیمنٹ میں پیش نہیں کیا گیا۔ اور نہ کمیشن کو قانونی حیثیت دی گئی۔ ہمیں یہ بھی یقین دلایا گیا تھا کہ یہ کمیشن اپنے معاملات میں آزاد ہوگا۔ لیکن افسوس کہ اسے وزارت داخلہ سے منسلک ایک دفتر کی حیثیت دے کر اسکی کارکردگی کو متاثر کیا گیا۔

طلبار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا مظاہرہ دہلی

اقلیتی کمیشن کے چیرمین کے بیان نے امیدوں کا محل ڈھا دیا۔ اور پارلیمنٹ میں زیر غور ترمیمی بل سے جو تھوڑی بہت امید تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ اس لئے طلبار مسلم یونیورسٹی نے پارلیمنٹ تک اپنی آواز پہونچانے کے لئے ۹ رمئی ۱۹۷۹ء کو دہلی میں مظاہرہ کا ایک پروگرام بنایا۔ اور ممبران پارلیمنٹ سے درخواست کی کہ وہ اس ریلی کو خطاب کریں۔ یہ مظاہرہ بوٹ کلب پر ہونے والا تھا۔ اس ریلی کو کامیاب بنانے کے لئے مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیتہ علماء ہند نے اخبارات میں ایک بیان شائع کیا،

جسمیں آپنے کہا کہ :-

"مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی " یہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا مطالبہ ہے اور یہ مظاہرہ ان کے جذبات واحساسات کا ترجمان ہے ۔ آپ نے حکومت کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی ایک سو تینا یونیورسٹیوں میں صرف ایک یونیورسٹی کے اقلیتی کردار سے کوئی آفت نہیں آجائے گی ۔ جبکہ آئین کے ارٹیکل ۳۰ (۱) کے تحت ایسا کیا جاسکتا ہے ۔ آپ نے تمام لوگوں سے جو سیکولرزم اور جمہوریت میں یقین رکھتے ہیں اپیل کی کہ اس مظاہرہ کو کامیاب بنائیں اور اس کی حمایت کریں ۔

فرقہ پرستوں کی ریشہ دوانیاں

دوسری طرف فرقہ پرستوں نے یونیورسٹی کیمپس میں فرقہ وارانہ تناؤ پیدا کرنے کی ہر ممکن جد و جہد شروع کر دی ۔ اگست میں علی گڈھ میں جن سنگھیوں اور فرقہ پرستوں کی ایک میٹنگ ہوئی ۔ جس میں یونیورسٹی کے بعض لکچرر ، شہر کے وکیل اور شہر کا ایک جن سنگھی لیڈر لومان وغیرہ نے شریک ہو کر علی گڈھ میں بل کے خلاف ایک بنائی ۔ اور ۸ رمئی ۱۹۷۶ء کو جب مسلم یونیورسٹی کے طلبہ دہلی مظاہرہ میں شرکت کے لئے جانے لگے تو جب ٹرین دادری اسٹیشن پر پہونچی تو ٹرین روک لیا گیا ۔ ہوز پائپ کاٹ دیئے گئے اور پانچ سو کے قریب مسلح افراد نے طلبہ پر حملہ کر دیا ، لاٹھیوں ، لوہے کی چھڑوں اور دیسی پستولوں کے ساتھ ان پر لوٹ پڑے ، طلبہ نہتے تھے ۔ ایک سو کی تعداد میں طلبہ بری طرح مجروح ہوئے ان میں سے ۳۰ کو شدید چوٹیں آئیں ۔ اس لئے ان کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ۔ ان میں سے کچھ کی حالت خطرناک تھی ۔ پولیس نے اس سلسلہ میں صرف چار آدمیوں کو گرفتار کیا ۔ لکھنؤ اسمبلی میں شری بے رام سنگھ ایم ایل اے نے یہ تفصیلات پیش کرتے ہوئے کہا کہ حملہ آور ایک فرقہ پرست تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں ۔ یہ تنظیم پورے ملک میں بڑے پیمانے پر

فرقہ وارانہ تشدد کا ماحول بناتی ہے۔ وزیراعلیٰ بنارسی داس نے بھی اعتراف کیا کہ سو طلبہ زخمی ہوئے جن میں سے اکثر کو فرسٹ ایڈ کے بعد رخصت کر دیا گیا۔ بیس طلبہ ہسپتال میں رہے جن میں تین کی حالت نازک ہے۔
جب طلبہ علیگڈھ واپس ہوئے تو پتہ چلا کہ ۴۵ طلبہ لاپتہ ہیں جس کی وجہ سے طلبہ میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی۔ کچھ اساتذہ اور طلبہ ان کی تلاش میں دادری گئے اور دوسرے طلبہ نے علی گڈھ میں مظاہرہ کیا۔ پولیس نے جلوس پر فائرنگ کی جس کی وجہ سے پانچ وہیں شہید ہو گئے۔ طلباء بھاگ کر ہوسٹلوں میں آئے، تو پولیس نے ہوسٹلوں میں گھس کر بری طرح زدوکوب کیا۔ شہر کے ایک غنڈہ بھورا پہلوان کو اس کی مخالف پارٹی نے چاقو مار دیا اور وہ مر گیا۔ اس کی لاش کو شہر میں جلوس کے ساتھ گھمایا گیا اور مسلمانوں کے محلہ میں رکھکر نعرہ لگایا گیا کہ ایک خون کے بدلے دس خون لیا جائے گا۔ پھر ایک ہولناک فساد شروع ہو گیا۔ شمشاد مارکیٹ میں آگ لگائی گئی۔ فساد کی آگ بھڑکانے میں سب سے اہم رول لونان نامی ایک شخص نے ادا کیا۔ فساد شروع ہوئے تین چار گھنٹے بعد ہی کرفیو لگا دیا۔ لوگ گھروں میں بند ہو گئے۔ پولیس ہندوؤں کے گھروں کی چھتوں پر بیٹھ کر مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا جو اپنے گھروں میں چھپے ہوئے تھے۔ بہت بڑی تعداد میں گرفتاریاں ہوئیں۔ شہر کے معززین کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے پورے صوبہ میں کہرام مچ گیا۔ یونیورسٹی بند کردی گئی۔ طلبہ کو زبردستی ہوسٹلوں سے نکال کر بھگا دیا گیا۔ اور یونیورسٹی پی اے سی کی چھاؤنی میں تبدیل ہو گئی۔ فساد کا یہ سلسلہ کئی دنوں تک چلتا رہا۔ اکا، دکا واقعات ہوتے رہے۔ پی اے سی نے اپنا روایتی رول ادا کیا۔ بلوائیوں کی جانبداری کی اور مسلمانوں کے ساتھ وحشت و بربریت کے وہ سارے حربے استعمال کئے جو اب تک وہ کرتی چلی آئی ہے۔

پی اے سی کو ہٹایا جائے

پی اے سی کے مظالم جب حد سے گذر گئے تو مولانا سید احمد ہاشمی ایم۔ پی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند ممبران پارلیمنٹ کا ایک وفد لے کر وزیر داخلہ مسٹر پٹیل سے ملے۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ یونیورسٹی کیمپس سے پی اے سی کو جلد از جلد ہٹایا جائے۔ اور طلبہ کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کی تحقیقات کرائی جائے۔ وزیر داخلہ خود علی گڈھ جاکر حالات کا معائنہ کریں اور اپنے ساتھ پارلیمانی پارٹی کا ایک وفد لے کر جائیں تاکہ صحیح صورتحال ملک کے سامنے آئے۔

وفد کی گذارش کے باوجود وزیر داخلہ مسٹر پٹیل علی گڈھ نہیں گئے۔ اور علی گڈھ کے مسئلہ کو انھوں نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ انھوں نے اپنی مصروفیت کا عذر کیا۔ علی گڈھ شہر آگ میں جلتا رہا۔ مسلم اقلیت بیدردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتاری جارہی تھی۔ اور سیکڑوں بے گناہ اور بے قصور انسانوں کو جیل کی کوٹھریوں میں بند کیا جارہا ہے۔ اور وزیر داخلہ کے پاس فرصت نہیں ہے، جیسے ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ جمعیۃ علماء شہر کے کئی معزز عہدیدار اور دوسرے نمایاں قومی کارکن گرفتار ہو گئے۔ جمعیۃ علماء شہر نے فوراً ریلیف کیمپ قائم کرکے مظلومین کی مدد کی۔ سلسلہ شروع کردیا۔ مرکزی دفتر نے ہر ممکن امداد بہم پہونچائی۔ مالی امداد کے علاوہ قانونی امداد اور گرفتار شدگان کی ضمانتیں کرائیں۔ ان کے مقدمات کی پیروی کی۔ ناظم عمومی مولانا سید احمد ہاشمی بار بار علی گڈھ گئے۔ ریلیف کے کاموں کا جائزہ لیا۔ افسران سے ملے۔ مرکزی وزراء تک علی گڈھ کے مسلمانوں کی فریاد پہونچائی۔ لیکن صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔۔۔۔ ہمدردی کے ساتھ مسلمانوں کے حال پر کوئی سوچنے والا ہی نہیں تھا۔ ہر طرف سے شکستہ دل ہو کر ہندوستان کے سب سے معزز ایوان میں جمعیۃ علماء ہند نے فریاد کی۔

———— ٭ ————

حکومت ہماری جانوں کا ایک کوٹہ مقرر کردے

ناظم عمومی مولانا ہاشمی تیسرے دن علی گڈھ پہونچے ۔ انہوں نے وہاں جو کچھ دیکھا، ظلم وستم کے جو دردناک نظارے ان کی آنکھوں کے سامنے آئے، اس کی کربنا کی نے مجبور کردیا کہ وہ ہندوستان کی سب سے محترم ایوان کو بتا دیں کہ مسلم اقلیت درد وغم، مظلومیت و بیچارگی کی اس منزل پر آچکی ہے اور روز مرہ کی تباہیوں اور بربادیوں کے طمانچے کھا کھا کر یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی ہے کہ وہ زندگی کے بجائے موت کی تمنا کرنے لگی ہے ۔ ان کی زندگی ایک کربناک عذاب بن گئی ہے اس سے نجات کی وہ بس ایک ہی صورت سمجھتے ہیں کہ وہ موت کے امن میں پناہ لیں ۔ مولانا ہاشمی نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ :-

" آزادی کو تیس سال ہوگئے، آج تیس سال بعد بھی جو دنگے اور فساد ہورہے ہیں اتنے انسانیت کش ہیں کی ان کی وجہ سے ملک کے ہر غیر تمند اور انسانیت دوست کا سر ندامت سے جھک گیا ہے اس سال صرف اتر پردیش میں تیس سے زائد فسادات ہوچکے ہیں ۔ مسلمانوں کو اس بات کا کوئی اطمینان نہیں رہ گیا ہے کہ کہاں ؟ کس وقت ؟ اور کب ان پر شنجوں مارا جائے گا ؟ اور ان کی زندگی اجیرن اور حرام کردی جائے گی ، اس لئے میں حکومت کے سامنے ایک تجویز رکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے سلسلہ میں ، ہر سیجون کے سلسلہ میں حکومت ایک کوٹہ مقرر کردے کہ اس سال ان کو اتنی جانیں دینی ہوں گی پھر اتنی ہی مقدار میں ان کو ایک صف میں کھڑا کرکے ایک دن گولی ماردی جائے اور کوٹہ پورا کرلیا جائے اور پھر ان کو یقین دلایا جائے کہ اب سال بھر تم بے فکری سے زندگی گذار سکتے ہو ۔ اب تمہاری جانوں کو سال بھر کوئی خطرہ نہیں ۔ تم نے کوٹہ پورا ادا کردیا ہے ۔ اگر حکومت یہ تجویز منظور کرے تو ہم اس کیلئے تیار ہیں ۔ اور میرا خیال ہے کہ میرے ہر سیجن

بھائی بھی یقیناً اس کیلئے تیار ہوں گے۔ اس طرح سال بھر لوگوں کو اطمینان ہو جائے گا کہ اب ان پر شبہوں نہیں مارا جائے گا۔ انکی بے اطمینانی ختم ہو جائے گی۔ محترم ڈپٹی اسپیکر صاحب! علی گڈھ کی تباہی یوں ہی نہیں ہو گئی مسلم یونیورسٹی بل کے خلاف جون کے مہینہ میں ایک کمپین بلایا گیا۔ اگست کے مہینہ میں فرقہ پرستوں کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اور اس میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے خلاف تیار کی گئی اور ایسا ماحول بنانے کی کوشش کی گئی کہ مسلم یونیورسٹی کو مٹا دیا جائے، ختم کر دیا جائے۔ بھورا کے قتل کو بہانہ بنایا جاتا ہے، حالانکہ پورا علی گڈھ جانتا ہے کہ وہ کیسا آدمی تھا۔ سینما کے ٹکٹ بیچنے میں اس سے اور اس کی مقابل پارٹی میں لڑائی ہوئی اور اس میں وہ مارا گیا، اس کا ہندو مسلم تناؤ سے کیا تعلق تھا؟ جو رپورٹ درج کرائی گئی اسمیں ہندو مسلمان دونوں ہیں لیکن فرقہ پرستوں کو فساد کرنا تھا اس لئے اس واقعہ کو بہانہ بنایا گیا۔

انتظامیہ کا ناکارہ پن۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ پی اے سی کا پلاٹون وہاں موجود، ایس پی سٹی وہاں موجود، سارے آفیسر وہاں موجود اور اس کے باوجود اس کی لاش پولیس سے چھین لی جاتی ہے اور اس کا جلوس نکالا جاتا ہے اور لاش گھر نہیں لیجائی جاتی بلکہ اسکو مسلم محلہ علاقہ عبدالکریم چورا ہے پر لے جایا جاتا ہے اور نعرہ لگایا جاتا ہے کہ ایک خون کے بدلے دس خون لیں گے۔ علی گڈھ پاکستان کیا ہوا ہے وغیرہ، وغیرہ۔ ڈھائی تین بجے یہ واقعہ ہوتا ہے اور ۴ ۱/۲ بجے کرفیو لگا دیا جاتا ہے اس درمیان پی اے سی کی موجودگی میں مسلمانوں کی جتنی دکانیں تھیں اور مکانات تھے سب جلائے گئے اور پھونکے گئے۔ اور اتنے طاقتور بم استعمال کئے گئے کہ مکانوں کی دوہری چھتیں اُڑ گئیں، آپ مانک چوک پر آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔ وہ اتنے ہائی پاور بم تھے کہ مکان کا ملبہ اُڑ کر کہاں گرا؟ یہ بھی پتہ نہیں چلتا،

یہ بم ایسے تھے جو صرف سرکاری فیکٹری ہی میں بنتے ہیں، اور کسی کارخانے میں نہیں بن سکتے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ یہ بم فسادیوں کے پاس کہاں سے آئے اور کیسے آئے؟ یہ بہت ہی قابلِ غور پہلو ہے۔ علیگڈھ کی تباہی منظم اور منصوبہ بند طریقے سے ہوئی ہے۔ آج بھی وہاں شہادتیں موجود ہیں کہ کن لوگوں نے فسادیوں کی رہنمائی کی، اس فساد میں آر ایس ایس والوں کا کیا رول رہا؟

اس کے علاوہ ملک میں کوئی ایسی تنظیم نہیں جو اتنے کم عرصہ میں اتنے بڑے پیمانے پر تباہی پھیلا سکے، پچاسوں مکانوں، دکانوں کو جلا کر خاک کر دیا گیا اور لاتنے خطرناک بم استعمال کیے گئے۔

محترم ڈپٹی اسپیکر صاحب! اس بات کا پتہ کرنا پڑے گا کہ علیگڈھ میں آر ایس ایس کی تنظیم کا کیا رول رہا اس کی چھان بین کرنی پڑے گی۔ آج بھی وہاں شاکھائیں لگتی ہیں، آج بھی فضا میں زہر بھرا جا رہا ہے، اور تناؤ کو بڑھایا جا رہا ہے۔ اور نعرہ بازی ہو رہی ہے۔

چمار کا بچہ

میں نے اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کو علی گڈھ کی دردناک داستان سنائی اور اُن سے کہا کہ آپکو علی گڈھ جانا چاہیئے، مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ بعد میں وہ کیسے گئے مجھے معلوم نہیں۔ اتر پردیش کے دو وزیر علیگڈھ میں ڈٹے رہے، انھوں نے ڈی، ایم کو عملاً معطل کر رکھا تھا۔ بے چارہ کلکٹر بے دست دیا تھا۔ وہ از خود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو تو ہمارے ٹنڈن صاحب نے کہدیا کہ "چمار کا بچہ! تو مسلمانوں کو بچانا چاہتا ہے"؟

یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں اخباروں میں آچکا ہے، نیشنل ہیرس میں آیا ہے۔ مسٹر ٹنڈن جو وہاں کے کمشنر ہیں، جتنا گورنمنٹ کے دو منسٹر علیگڈھ میں بیٹھ کر صورت حال کو بگاڑنے کی کوشش کرتے رہے، کلکٹر کہتا ہے، کرفیو مت ہٹاؤ، کمشنر کہتا ہے، کرفیو اٹھا دو۔ ایک افسر ایک ماتحت، قصداً

کوشش کی گئی کہ وہاں تناؤ باقی رہے، قتل و غارت گری ہوتی رہے اور
فساد کا یہ سلسلہ جاری رہے۔

میں مطالبہ کرتا ہوں کہ ایسا چیف منسٹر جسکی ریاست میں ایک سال کے
اندر تیس نیس فسادات ہوجائیں، وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔
اسے کرسی چھوڑ دینا چاہئیے۔ اُسے استعفاء دیکر علیحدہ ہوجانا چاہیئے۔ اُسے
حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں"۔

انسانی سروں کے قطب مینار بنتے جارہے ہیں

جنتا حکومت میں آر ایس ایس کو جو آزادی ملی، اور حکومت کی سرپرستی حاصل ہوئی
تو اس نے اپنی تلوار بے نیام کرلی، جس تسلسل اور شدت کے ساتھ فسادات ہونے لگے کہ ایسا
محسوس ہوتا تھا کہ ان تباہ کاریوں اور بربادیوں پر کوئی روک لگانے والا ہی نہیں رہ گیا ہے
کانگریس کے دور میں بھی ایک سے ایک بڑھ کر فسادات ہوئے لیکن کسی ذمہ دار کو یہ ہمت
نہیں ہوئی کہ وہ آر ایس ایس کی صفائی دے۔ حکومت کے ذمہ دار کم از کم اپنی کوتاہی کا
اعتراف اور اپنی ندامت کا اظہار ہی کردیتے تھے، یہ بھی غنیمت تھا کہ ظلم کو انصاف
کہنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اب تو کوئی یہ بھی کرنے والا نہیں تھا۔ حکومت کے کئی
ذمہ داروں نے کئی موقعوں پر آر ایس ایس کی طرف سے صفائی پیش کی اور اُلٹے مسلمانوں
کو مجرم گردانا، بھیڑیا کٹہرے سے آزاد کردیا گیا، وہ انسانی آبادی کو جب اور جیسے چاہے
اپنی شکارگاہ بنائے۔ صورتِ حال روز بروز بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی۔ مولانا سیّد
احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے ۲۶ فروری ۱۹۷۹ء کو صدر کے خطبہ پر ہونیوالی
بحث میں حصہ لیتے ہوئے اپنے دل کا درد اور جمعیۃ علماء ہند کی بے چینیوں کا اظہار
کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں کہا:-

"فسادات برابر ہورہے ہیں، قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری ہے، انسانی
سروں کے قطب مینار بنتے جارہے ہیں، عورتیں بیوہ ہوتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں،

مسلمانوں کی آبادیاں ویرانہ بنائی جاتی ہیں، اور انھیں جلا کر خاکستر بنادیا جاتا ہے، لیکن صدر جمہوریہ کے خطبہ میں فاشزم، فرقہ پرستی اور ملک کے عدم استحکام کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ آئے۔ یہ حیرت کی بات ہے۔

آپ نے اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا کہ ملک کے ایڈمنسٹریشن میں آر ایس ایس کا زور روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ ملک میں آر ایس ایس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ آر ایس ایس کی شاخیں بڑھ رہی ہیں ملک کی سلامتی و استحکام کا خطرہ بڑھتا جارہا ہے۔ مگر اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ صدر جمہوریہ کے خطبہ میں ملک کی صورتحال کی صحیح تصویرکشی نہیں کی گئی ہے۔

ناظم عمومی نے کہا ، مسلمانوں پر بڑی حد تک ملازمتوں کے دروازے بند ہیں، ضرورت ہے کہ ملک . . میں امن وامان اور استحکام کیلئے مسلمانوں کو پی. اے. سی اور سی. آر. پی اور فوج میں مناسب نمائندگی دیجائے۔ ملازمتوں کے تمام شعبوں اور معاش کے میدانوں میں ان کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ مسلمانوں کی پریشانیوں کے حل کے لئے اقلیتی کمیشن کا قیام ہو لیکن اسکو کوئی آئینی حیثیت نہیں دی گئی اور اس کی افادیت ختم کردی گئی۔

ناظم عمومی نے کہا ،، اگر فسادات کا سلسلہ بند کرنا ہے تو حکومت کو چاہیئے کہ ایک رائٹ فورس بنائے۔ پی. اے. سی اور سی. آر پی کے موجودہ ڈھانچے کو تبدیل کیا جائے، اس کے بغیر ملک میں نہ امن وامان ہوسکتا ہے اور نہ ملک کو استحکام نصیب ہوسکتا ہے۔"

جمشید پور دہکتی ہوئی بھٹی بن گیا۔

فولاد کے اس شہر میں تباہی و بربادی کا جو سیلاب آیا اس نے مسلمانوں کی آبادیوں کو کھنڈر بناکر رکھدیا۔ اس فساد کی تیاری بہت دنوں سے کی جارہی تھی۔ ۲۸، ۲۹ رمارچ ۱۹۷۹ء

کو گورنمنٹ کالج جمشید پور میں آر ایس ایس کا کیمپ لگایا گیا۔ کالج کے پرنسپل نے بذات خود اس میں بڑی دلچسپی لی۔ بالا صاحب دیورس نے جو کیمپ کی ساری تقریبات میں شریک رہے۔ ۴ر اپریل ۱۹۷۹ء کو مانگو میں حد درجہ زہریلی اور مسلم دشمنی پر مبنی تقریر کی، انہوں نے کہا:-

"سعودی عربیہ میں ہندوؤں کو مندر بنانے کی اجازت اور سکھوں کے داخلہ پر پابندی ہے۔ لیکن ہندوستان میں مسلمان جہاں چاہتا ہے مسجد بنا لیتا ہے۔ اور پھر مسجد کا بہانہ کرکے ہمارے دھارمک جلوس پر پابندی لگواتا ہے۔ لیکن اب ہم یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک نہیں چلنے دیں گے۔ (۱۹۷۹ء)

طوفان اس علاقہ مانگو سے پھوٹا۔ جہاں بالا صاحب دیورس نے تقریر کی تھی، ۱۹۶۸ء کا فساد بھی یہیں سے شروع ہوا تھا۔ مانگو اکھاڑوں کا گڑھ ہے۔ ان اکھاڑوں سے ہر سال مہابیری جھنڈا نکالا جاتا ہے۔ اس سال آر ایس ایس والوں نے جلوس کیلئے نیا راستہ منتخب کیا، یہ نیا راستہ نہ صرف مسلمانوں کی غالب آبادی سے ہوکر گذرتا تھا بلکہ راستہ میں ایک مسجد بھی پڑتی تھی۔ ابتداءً حکام نے اس راستہ سے جلوس لے جانے کی اجازت نہیں دی، اس لئے اکھاڑے والوں نے جلوس نکالنے سے انکار کر دیا۔ اور چار دنوں تک کشیدگی اور فرقہ وارانہ منافرت کو خوب ہوا دی۔ پولیس نے اس دوران دو سو افراد کو حراست میں لے لیا ۸ر اپریل ۱۹۷۹ء کو آر ایس ایس کے والنٹیروں نے بڑے پیمانے پر ایک ہینڈبل تقسیم کی۔ جس میں ہندوؤں پر ہونے والے مظالم کی من گھڑت داستان لکھی گئی۔ ہینڈبل میں تمام ہندوؤں سے اپیل کی گئی کہ وہ بڑی تعداد میں جلوس میں شریک ہوں۔ ۱۰ر اپریل ۱۹۷۹ء کو پولیس نے چند شرطوں کے ساتھ نئے راستہ کی اجازت دیدی۔ دوسرے دن جلوس نکلا۔ جن سنگھی ایم ایل اے دینا ناتھ پانڈے نے جو جلوس کی قیادت کر رہا تھا ایک خاص جگہ پر پہونچکر جلوس کو روک دیا اور اعلان کردیا کہ جبتک گرفتار شدہ ہمارے دو سو افراد رہا نہیں کئے جائیں گے۔ اس وقت تک جلوس آگے نہیں بڑھے گا۔ لیکن جب ڈپٹی کمشنر نے اجازت منسوخ کرنے کی دھمکی دی تو جلوس آگے بڑھا۔ جب جلوس مسلم محلہ آزاد پور

پہونچا تو لیگ بجا کر جنگ کے آغاز کا اعلان کر دیا گیا۔ پھر سنگ باری اور بم کے دھماکوں کا سلسلہ چل نکلا، جو قتل عام کا آغاز تھا۔ ایک سو دس مسلمان اسی وقت ذبح کر دیئے گئے۔ اور تقریباً پچاس ہزار مسلمان بے گھر اور سیکڑوں افراد بری طرح گھائل ہو چکے تھے۔ یہ ٹکراؤ اچانک نہیں تھا۔ فساد زدہ علاقوں سے جو رپورٹیں آئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مشرقی یوپی کے راجپوتوں پر مشتمل ٹھیکیداروں کے گروہ نے گذشتہ کئی برسوں کے دوران غلط طریقوں سے بہت دولت اکٹھا کر لی تھی۔ اس دولت کے زور پر باہر سے پہلوان، غنڈوں اور جدید اسلحہ جات باہر سے اسمگل کرکے جمشید پور میں لاتے رہے۔ اسلحہ کو اہم مقامات پر چھپا دیا گیا تھا۔ تاکہ حملہ ہولناک حد تک کامیاب رہے۔ ایک طرف سڑکوں پر گلیوں میں خون کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ دوسری طرف بھڑکتے ہوئے شعلے رات کی تاریکی کو اور خوفناک بنا رہے تھے۔

فساد کے سازشیوں اور پولیس میں ملی بھگت تھی اور بلوائیوں کو انتظامیہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ پہلے ضلع حکام نے جلوس کو نئے راستے سے لے جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں وہ سازشیوں کے آگے جھک گئے جس کی وجہ سے جمشید پور میں اتنی بڑی تباہی آئی۔[1] پبلک ریلیشین کی سرکاری گاڑی سے باقاعدہ باہر سے بلائے جانے والے لوگوں کو جلوس میں شریک ہونے کی ترغیب دی گئی۔ جلوس میں شریک افراد ہزاروں افراد تھے ہر ایک کے ہاتھوں میں بلم، بھالے، نیزے، بندوق اور بم تھے۔ ۱۶ مقامات پر بیک وقت حملہ کیا گیا۔ اور ہندوستان میں جمہوریت، سیکولرزم ہی کی نہیں انسانیت و آدمیت کی لاشیں سڑکوں اور گلیوں میں خاک و خون میں لتھڑ کر رہ گئیں۔ فسادیوں نے مکانات جلانے میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھا کہ ایک ہی قطار میں اگر ہندو اور مسلمانوں کے ملے جلے مکانات ہیں تو صرف مسلمانوں کے مکانات جلائے جائیں۔ بلٹز کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ میں نے بچشم خود "مسلم بستی" نامی علاقے میں کالے رنگ سے متعدد مکانوں پر ہندی میں "مسلمان" لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس فساد کی اسکیم پر ایک عرصہ سے

---

[1] بلٹز بمبئی ۲۱ ر اپریل ۱۹۷۹ء۔

منظم طور پر کام کیا جاتا رہا۔ بلٹز نے نقصانات کی جو تفصیل شائع کی ہے اسمیں ایکہزار چونسٹھ مکانات لوٹے اور جلائے گئے۔ نوسو اٹھارہ دکانیں لوٹی اور جلائی گئیں اور دو سو بیالیس انسانی جانوں کا نقصان ہوا۔ اور لاکھوں آدمی نان شبینہ کو محتاج ہوگئے[1]

زندہ انسانوں کو آگ پر بھونا گیا۔

اس خونیں ڈرامہ کا سب سے ہولناک منظر وہ تھا جب بھالو پاسہ کے مقام سے امبولینس کے ذریعہ جن میں ۱۱۷ افراد عورتیں اور بچوں کو محفوظ مقام کی طرف لیجانے کا اظہار کیا گیا تھا۔ پہلے اس گاڑی کے ٹائر کو گولی مار کر برسٹ کیا گیا۔ پھر اس پر پٹرول چھڑک کر آگ لگادی گئی۔ ایک سو دس افراد وہیں مرگئے۔ جو سات افراد بچے ہیں ان میں بارہ سال اور دو سال کے بچے بھی ہیں جن کے نام الیاس اور ارشاد ہیں۔ ان بچوں کے ساتھ ان کے خاندان کے ۲۷ افراد سوار تھے جن میں ان کی ماں بھی شامل تھی۔ ان کی والدہ سمیت تمام افراد شہید ہوگئے۔ ان دونوں بچوں سے بلٹز کے نامہ نگار نے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ دونوں بچوں کے چہرے، کان اور بال جلے ہوئے تھے۔ الیاس کے دونوں ہاتھ مجروح ہیں۔ دونوں پیر زخمی۔ الیاس نے بتایا کہ ان درندوں نے نہ صرف امبولینس پر بم پھینکے بلکہ اگر ان کو کسی کے زندہ ہونے کا احساس ہوا تو انھیں بلم بھالے سے چھید چھید کر اور پھر سے مار کر ہلاک کیا۔ اور جب ان کو یقین ہوگیا کہ سب مرچکے ہیں تب وہ وہاں سے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد فوج کے سپاہی آئے جو سات افراد موت سے جنگ کر رہے تھے۔ انھیں بادل ناخواستہ ہسپتال پہونچایا۔

بہار ملٹری پولیس کا رویہ اس فساد میں جانبدارانہ رہا۔ اگر فسادی کوئی کسر چھوڑ جاتے تھے تو یہ اس کو پورا کرتے تھے۔ فسادی غنڈوں پر حکومت کا عتاب کیا ہوتا۔ اُلٹے ان کی عزت افزائی کی گئی۔ دینا ناتھ پانڈے جو اس فساد کا بانی تھا اس کو اسی ہفتہ میں ریاستی مزدور یونین کا نائب صدر اور آر بی سارنگی کو اس کا صدر بنایا گیا جو ۱۹۶۶ء میں

---

[1] بلٹز بمبئی ۱۲ مئی ۱۹۷۹ء۔

جمشید پور میں ہونے والے فساد کا ہیرو تھا۔ اس فساد میں وہ بھی پیش پیش تھا۔ دینا ناتھ پانڈے اسی سارنگی کی تان پر ناچتا رہا۔

آگ پھر سلگ اٹھی۔

اپریل میں یہ فساد ہوا تھا اس کے تین ہی مہینے بعد پھر اس صنعتی شہر جمشید پور میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور اس کے ساتھ اس آگ نے بہار کے دوسرے علاقوں سہسرام، گیا، ڈالٹین گنج، رانچی اور بہار شریف کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جمشید پور میں اپریل میں ہونے والے فساد کی تحقیقات ۲۹ راگست ۱۹۷۹ء کو ہونے والی تھی۔ اس سے پہلے ہی آر۔ ایس۔ ایس کے جنرل سکریٹری راجندر سنگھ نے جمشید پور میں آکر انتہائی اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۸ راگست کو دوبارہ جمشید پور جل اٹھا اور ۱۵ افراد مارے گئے جس میں ۸ مسلمان تھے اور زخمی ہونے والوں میں ۴۲ افراد تھے جس میں ۲۲ مسلمان تھے۔ اور پانچ سو گرفتار ہونے والوں میں ۷۵ فی صد مسلمان رہے۔ جمشید پور میں پھر فساد ہوگا اس کا سب کو یقین تھا۔ کیونکہ اپریل میں فساد بھڑکانے والے سب آزاد تھے۔ فساد کا بانی دینا ناتھ پانڈے آزادانہ گھوم رہا تھا۔ اور دوسرے بلوائی بھی پکڑے نہیں گئے تھے۔ جس کی وجہ سے فسادیوں اور غنڈوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ فساد میں پولیس افسران نے بھی حصہ لیا تھا۔ ان میں سے کسی کو برخاست کرنا تو درکنار انہیں ٹرانسفر بھی نہیں کیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر چونکہ ہریجن تھا اور فرقہ پرستوں کی چلنے نہیں دیتا تھا، اس لئے اس کا ٹرانسفر کر دیا گیا، جو فسادی حراست میں تھے وہ سب جیل سے باہر آگئے تھے۔ جن غنڈوں کو شہر بدر ہونے کا حکم دیا گیا تھا وہ پولیس کی سازباز سے جمشید پور میں دندناتے پھر رہے تھے۔ ان پر کوئی روک ٹوک نہیں تھا۔

اپریل میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آدیباسیوں کو تیار کیا گیا تھا۔ اب کی بار ہریجنوں کو مسلمانوں سے بھڑا دیا گیا تھا۔ آر ایس ایس والوں نے بڑی مستعدی سے یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمانوں نے ہریجنوں پر حملہ کر دیا ہے اور گنیش پوجا کے

سلہ بلٹز بمبئی ۱۲ مئی ۱۹۷۹ء

پنڈال پر بم پھینکا ہے۔ بلکہ ریڈیو اسٹیشن نے آر ایس ایس کے جھوٹے پروپیگنڈے کو اپنے بلیٹین میں نشر کر کے ایک دم آگ لگا دی۔ ریڈیو سے یہ خبر نشر کی گئی کہ مسلمانوں نے گنیش پوجا میں مصروف ہندوؤں پر بم پھینکا اور پوجا پنڈال کو جلا دیا۔ اس کے بعد ہی فساد بھڑک اٹھا۔ جب کہ یہ خبر بالکل جھوٹ، من گھڑت اور بے بنیاد تھی۔ ۲۷ اگست ۱۹۷۹ء کو غنڈوں نے بموں اور بندوقوں کے دھماکوں سے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ۲۵ر اگست کو مسلمانوں کی عید تھی۔ فساد کیلئے یہی دن منتخب کیا گیا تھا لیکن مسلمانوں نے خطرہ کو بھانپ لیا اور عیدگاہ میں نماز پڑھنے کے بجائے محلہ کی مسجدوں میں پڑھی۔ اس لئے فسادیوں کی اسکیم فیل ہو گئی۔ لیکن اسی شب دو بم پھٹے۔ لوگوں نے پولیس کو بتایا کہ بم ضلع جنتا پارٹی کے صدر آر ڈی سنگھ کے لڑکے نے پھینکا ہے۔ لیکن کوئی گرفتاری نہیں ہوئی۔ "دھنکیڈیہہ" کے چھٹے ہوئے غنڈوں کی ٹیٹنگ ہوئی اور ۲۷ر اگست ۱۹۷۹ء کی رات سے بموں کے دھماکوں کا سلسلہ چل پڑا۔ مسلمان خوف کی وجہ سے اپنے محلوں سے نکلکر ایک دوسری طرف پناہ کی غرض سے جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں ہریجنوں کی بستی میں غنڈوں نے پہونچکر یہ افواہ پھیلادی کہ مسلمان ہریجن بستی پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ تم لوگ بڑھکر ان پر حملہ کر دو۔ ہریجن اس جھانسے میں آگئے اور وہاں نہتے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ پون گھنٹے جم کر لڑائی ہوئی۔ شنکر غنڈہ ہریجنوں کے آگے آگے تھا۔[1]

ندیا میں خون کی ندی

جنتا حکومت نے آر ایس ایس کو جو چھوٹ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگل کے بھیڑیئے آزاد ہو گئے۔ ان کے منہ کو خون کی چاٹ لگ چکی ہے۔ اور اب وہ آزادی کے ساتھ اپنا شکار بنا لیتے ہیں۔ ۲۱ر جون ۱۹۷۹ء کو ندیا ضلع کے چھپرا اور کرشن نگر تھانوں میں آر ایس ایس نے اپنا خونی ڈرامہ شروع کر دیا۔ ۱۶ مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور ۸۰ر افراد کو گہرے زخم آئے اور شدید گھائل ہوئے۔ وزیر اعلیٰ بنگال کا بیان ہیکہ چھپرا

---

[1] بلٹز بمبئی ۸ر ستمبر ۱۹۷۹ء

تھانے کے بارہ گاؤں اور کوتوالی تھانے کے ایک گاؤں میں حملہ کیا گیا۔ تصادم کے دوران آتش زنی سے ہزاروں افراد بے گھر ہو گئے ہیں اور ان کے مکانات جل کر خاک ہو گئے ہیں۔

پورنیہ میں گاؤں کے گاؤں تباہ

جمشید پور کے بعد آر ایس ایس نے دیہاتی علاقے کو نشانہ بنایا۔ پورنیہ سے ۱۷ میل دور بھوانی پور میں جس طرح منظم طریقے سے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا ان کے مکانوں کو نذر آتش کیا گیا، عورتوں کی عزت لوٹی گئی وہ فرقہ وارانہ فسادات کی تاریخ میں ایک انتہائی گھناؤنا واقعہ ہے۔ بھوانی پور گاؤں میں ۱۷ آدمی جان سے مارے گئے۔ ساڑھے تین سو مکانات جلا کر خاکستر کر دیئے گئے۔ ۲۵ عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا۔ ہزاروں مسلمان بے گھر ہو گئے اور لاکھوں کی جائداد لوٹ لی گئی۔ ایک جھوٹی افواہ اُڑا کر جادے گاؤں "میں پانچ ہزار مشتعل بلوائیوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا اور ان کو بھڑکایا گیا کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو لڑکی سے زنا بالجبر کیا ہے حالانکہ لڑکی کے باپ نے بار بار اعلان کیا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اس نے پولیس افسروں کے سامنے بھی کہا کہ یہ غلط اور جھوٹی بات ہے۔ اس میں کوئی سچائی نہیں ہے لیکن فساد پر آمادہ بھیڑ تو فساد کے لئے بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔ جب پولیس کو یقین ہو گیا کہ یہ حملہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس نے گولی چلادی فسادیوں نے بھاگتے ہوئے کشہا گاؤں اور ہردی کول میں آگ لگادی اور برہنی گاؤں میں ایک شخص کو قتل کیا، اس کے بعد ۴ر جولائی ۱۹۷۹ء سے ۸ر جولائی ۱۹۷۹ء تک مسلسل پانچ روز تک مسلمانوں پر حملے ہوتے رہے۔ فسادیوں میں پندرہ گھوڑ سوار تھے جو گولی سے مرنے والوں کی لاشیں اٹھا کر بھاگتے تھے، بلوائیوں نے سنتھال اور آدیباسیوں کی بڑی تعداد جمع کر لی تھی۔ ان پانچ دنوں میں فسادیوں نے کشہا میں ۷ گھر برھنی میں ایک گھر ہردی کول میں پانچ گھر جھمن گاؤں میں ۱۲ گھر موکھمن نگری میں ۱۰ گھر دھن کنواں میں ۴ گھر بلہداری میں ۴۲ گھر کدوا ٹولہ میں ۱۶ گھر ڈوبھا میں ۴ گھر بنکر جدرا ٹی میں ۱۰ گھر جدوا ٹولہ میں ۳۰ گھر براٹس میں ۳۰ گھر چیری ہزنجن ٹولہ

ہیں ۹۰ گھروں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ ایس، پی نے بلٹنز کے نامہ نگار کو صرف سات مسلمانوں کے نام بتلائے جو جان سے مارے گئے۔ لیکن کمیونسٹ ایم، ایل، اے شری ابیکار پرشاد نے نامہ نگار کو بتایا کہ ۱۷ مسلمان مارے گئے ہیں، انھوں نے ہر ہر گاؤں اور مرنے والوں کے نام بتائے۔ اس فساد میں دھمدہا کے بی. ڈی. او نے اہم رول ادا کیا کیونکہ وہ جنتا ایم ایل اے سورج نرائن سنگھ کے اشاروں پر ناچتا رہا۔

۵ر جولائی کو مادھو پور پر حملہ کیا گیا۔ فسادیوں کی رہنمائی جنتا ایم ایل اے کا باپ رام لال یادو اور دو بھائی رودر نرائن یادو مکھیا ان کا لڑکا اروند اور شیو نرائن یادو کر رہے تھے۔ مادھو پور کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ایک شخص کو قتل کیا گیا۔ ۲۵ عورتوں کو قریب کے کھیت میں لے جا کر بالکل برہنہ کر دیا گیا۔ ہر ایک کے ساتھ باری باری تین تین چار آدمیوں نے زنا بالجبر کیا۔ ان کے زیورات چھین لئے۔ ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے، ان عورتوں کو طبی جانچ کرانے کیلئے پانچ دنوں کے بعد بھیجا گیا تاکہ صحیح ٹسٹ نہ ہو سکے۔

آنند مارگ کے آنند مورتی دھرم چکر کرنے اس سے کئی سال پہلے جب پورنیہ میں گئے تھے تو اس وقت بھی وہاں فساد ہوا تھا اب کی بار بھی جب آنند مورتی پورنیہ گئے تو بھوانی پور میں فساد ہوا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ آنند مارگی کیا کرتے رہے، فساد کے بعد جنتا ایم ایل اے نے مسلمانوں کو دھمکی دی کہ پولیس والوں کے سامنے ان کے خاندان کے کسی آدمی کا نام لیا گیا تو اس کا انجام اس سے بھی برا ہوگا۔ اور زبردست انتقام لیا جائیگا۔[1]

جمعیۃ علماء کے نمائندے مولانا اسرار الحق صاحب کو فساد زدہ علاقہ میں بھیجا گیا ان کی رپورٹ کے مطابق اس فساد سے تقریباً ۵۲ گاؤں متاثر ہوئے، دو ہزار مکانات جلائے گئے۔ ان میں سے ایک گاؤں کو تو اس طرح پھونک دیا گیا کہ اس کا نام و نشان مٹ گیا۔[2]

عزت کی موت اچھی ذلت کی زندگی سے

مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ان قیامت خیز تباہیوں اور بربادیوں

---

[1] بلٹنز بمبئی ۲۰ر جولائی ۱۹۷۹ء [2] قومی مورچہ بنارس ۲۰ر جولائی ۱۹۷۹ء۔

سے متاثر ہوکر ۲۶ رجون ۱۹۶۹ء کو کلکتہ میں ایک بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

" ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی جن حالات سے گذر رہی ہے ایسی ذلیل زندگی سے شہادت بہتر ہے، عزت کی موت اچھی ذلت کی زندگی سے، آپ نے کہا کہ ملک میں ہر طرف تراج اور بدامنی پھیلی ہوئی ہے، جگہ جگہ منظم طریقہ پر فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں، یہ سب آر ایس ایس کی سازشش ہے اور مرکزی حکومت کی پشت پناہی کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ آپ نے جمشید پور اور علیگڈھ کے حالیہ خونیں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے کہا، جمشید پور میں ایک یمبولینس جو عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھی جس درندگی اور بہیمیت کے ساتھ ان کو بلم سے چھید چھید کر شہید کیا گیا۔ اور پٹرول چھڑک کر زندہ انسانوں کو بھونا گیا۔ یہ انسانیت نہیں حیوانیت ہے یا اس سے بھی پست درجہ، آپ نے دادری میں علیگڈھ یونیورسٹی کے طلبہ پر گاڑی روک کر جو حملہ کیا گیا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ نہتے طلبہ پر لاٹھی، لوہے کی چھڑ اور دیسی ریوالوروں سے حملہ کیا گیا۔ شمشاد مارکیٹ علی گڈھ میں اکثریت کے غنڈوں نے پولیس کے سامنے آگ لگائی مگر پولیس نے کچھ نہیں کیا، نہ گرفتاری کی اور نہ گولی چلائی، یہ سب سازشش آر ایس ایس کی ہے تاکہ مسلم یونیورسٹی کو بدنام کرا کے اس کو بند کرانے کا جواز پیدا کیا جائے۔ اب مرکزی حکومت کے اشارہ پر طلبہ کو گرفتار کیا جا رہا ہے. اور شمشاد مارکیٹ کے جلانے کا الزام طلبہ پر لگایا جا رہا ہے. یہ آر ایس ایس کی نوازی نہیں تو اور کیا ہے؟

آپ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ۴ ۵ کروڑ روپیہ نیپال بینک میں آر ایس ایس کا جمع ہے. مگر یوپی گورنمنٹ سے سوال کیا گیا تو ارباب حکومت نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا کہ ہمارے پاس کوئی رپورٹ نہیں، اس پر حکومت کا بیان دینا بیکار ہے، آخر آر ایس ایس کے والنیٹروں کو ہتھیاروں سے کیوں لیس کیا جا رہا ہے؟ ان کی کھلے عام پریڈ ہوتی ہے،

ٹریننگ دی جاتی ہے، ہریجنوں پر ظلم ہوتا ہے، ان کو ٹریننگ کیوں نہیں دی جاتی، دیگر اقلیتوں پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں، ان کی داد فریاد نہیں ہوتی۔ آر ایس ایس کے غنڈے پولیس کی چھتر چھایا میں مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں۔

آپ نے سلسلہ بیان میں کہا کہ ہمکو ایسی ذلیل زندگی کے بدلے شہادت قبول ہے۔ اگر وقت آیا تو ہم جان دینے کو بہتر سمجھیں گے۔ حالات سے پنجہ آزمائی کرنے کی اب صرف ایک ہی صورت رہ گئی ہے، وہ ہے پرامن ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی۔ مزدور اپنا حق لینے کیلئے ستیہ گرہ کرتا ہے ہڑتال کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان جو آزادی سے لیکر اب تک لٹتے پٹتے چلے آرہے ہیں اپنے جینے کا حق کیوں نہ مانگیں۔ اگر ہم آج سے پہلے قدم نہ اٹھا سکے تو کیا اب بھی نہ اٹھائیں اور یوں ہی مرتے کٹتے رہیں۔

اگر ہٹلر بھی ہوتا تو اس کا سر شرم سے جھک جاتا

مولانا سید احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے جمشید پور جا کر حالات کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ ایک ایک محلہ کو دیکھا، مظلومین سے ملاقاتیں کیں، ان کے دکھ درد کو سمجھا دیکھا۔ اور درد و غم میں ڈوب کر دہلی آئے، اور انھوں نے پارلیمنٹ میں اپنے جگر لخت لخت کو لفظوں میں ڈھال کر ہاؤس کے سامنے رکھدیا۔ جمشید پور کے دردناک مناظر کی تصویریں دکھائیں، ان پر ہونے والے مظالم کی خونچکاں کہانیاں سنائیں، انسانیت، جمہوریت اور سیکولرزم کی دہائیاں دیں اور کہا کہ اگر دنیا کا سب سے بڑا ظالم انسان ہٹلر بھی ہوتا تو جمشید پور میں ہونے والے مظالم کو دیکھ کر شرم سے سر جھکا لیتا۔ ۲۴ را پریل ۱۹۷۹ء کو آپ نے جمشید پور کے فساد پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے پارلیمنٹ میں کہا کہ :-

---

سلہ الجمعیۃ دہلی، جولائی ۱۹۷۹ء۔

"علی گڈھ کی آگ ابھی ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی تھی اور جو لوگ شہید ہوئے تھے ان کا غم دور نہیں ہوا تھا کہ ۱۱ / اپریل ۱۹۷۹ء کو جمشید پور میں ایک ایسا ہولناک فساد ہو گیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ احمد آباد کے فساد کے بعد اس سال کے اندر اتنا بڑا فساد نہیں ہوا۔ ہر فساد پر حکومت کے ذمہ دار کہتے ہیں کہ ہمارا سر شرم سے جھک گیا، پتہ نہیں وہ سر کتنے بے شرم ہیں اور بے حیا ہیں کہ بار بار جھکنے کے باوجود آج تک وہ فرقہ پرستی پر قابو نہیں پا سکے، جمشید پور کے حادثہ کو فساد کہنا غلط ہے۔ یہ تو قتل عام تھا، ایک منصوبہ بند اور منظم پلان کے تحت، اس فساد کے پیچھے کھلا ہوا ہاتھ آر ایس ایس کا تھا، اس فاسسٹ طاقت کا تھا جو اس ملک میں فساد کی ذمہ دار ہے۔ بہار ملٹری پولیس نے فسادیوں کے ساتھ مل کر دو کالونی کو آگ لگوائی، سامان لوٹا، عورتوں، بچوں پر گولیاں چلائیں، ایک ایمبولینس جس میں نوے عورتیں اور بچے تھے محفوظ راستہ کے بجائے ستیار ام روڈ پر پہونچے تو اس گاڑی کے ٹائر کو پی، ایم، پی کے ایک سپاہی نے فائر کیا اور اور اس کے ٹائر کو برسٹ کیا۔ اس کے بعد بلوائیوں کو دعوت دیگئی، عورتوں اور بچوں پر پٹرول چھڑک کر زندہ جلا دیا گیا۔

۱۴ / اپریل کو ہم لوگ وہاں پہونچے، ہم نے جلے ہوئے بچوں اور عورتوں کو دیکھا، ہٹلر بھی شاید ان ظالموں کو دیکھتا تو شاید شرم سے سر جھکا لیتا۔ آج پچاس ساٹھ ہزار مسلمان کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں، حکومت نے مظلومین کی کوئی مدد نہیں کی۔ اور فسادیوں کو کوئی سبق نہیں دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فسادیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں۔ میرے ہاتھ میں جو یہ خطوط ہیں وہاں کے غنڈوں نے فساد کے بعد مسلمانوں کو لکھے ہیں، ان میں دھمکی دی ہے کہ ہم اس سے بھی بڑا سبق تم لوگوں کو دیں گے۔ تو جناب سچویشن یہ ہے، ہم وہاں جیلوں میں بھی گئے۔ ہم نے لوگوں کو دیکھا، پچاسی پچاسی سال کے

بوڑھوں پر تعزیرات ہند کی تمام دفعات ایک ساتھ ہی لگا دی گئی ہیں اور ان کو جیلوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ پھر جیلوں میں ان کو اس قدر پیٹا گیا کہ ان کے ہاتھ پیر زخموں سے چور ہیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے وہ سیدھے اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو سکتے لیکن ان کو بری طرح مارا گیا ہے حیرتناک بات یہ ہے کہ ان بے قصور بوڑھوں کو دفعہ ۳۰۷ اور ۳۰۲ کا ملزم بنایا گیا ہے گویا جمشید پور کے قاتل یہی لوگ ہیں۔ میں نے جیل میں دس دس بارہ بارہ سال کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے سینوں پر سنگینوں کے زخم ہیں۔

میں چیلنج کرتا ہوں کہ .....

میں چیلنج کرتا ہوں کہ، کوئی غلط ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ بے گناہ ہیں ان پر فرضی جرم لگایا گیا ہے، ان پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کے سب بے گناہ بے قصور ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کو فوراً چھوڑ دینا چاہیئے اور جیلوں سے رہا کر دینا چاہیئے۔ ان کی آبادکاری کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ برسات سے پہلے ان کے مکانوں کی مرمت ہو جانی چاہیئے۔ ان کو گارنٹی ملنی چاہیئے کہ ان کو جہاں سے ہٹایا گیا ہے انھیں انھیں کے مکانوں میں پھر آباد کیا جائیگا انھیں ان کی جانوں کی ضمانت ملنی چاہیئے۔ جمشید پور میں کتنی ماؤں کی گود خالی ہو گئی ہے۔ کتنی عورتوں کی مانگ سیندور سے خالی ہو گئی ہے، کتنی ماؤں کے لال قتل کئے گئے ہیں؟ کہا نہیں جا سکتا، مگر بے دردی کی حد ہے کہ حکومت شرم سے سر جھکا کر سمجھتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئی۔

بے غیرتی کی حد ہو گئی۔

میں کہتا ہوں دنیا کے پردے میں کہیں بھی ایسے ظلم نہیں ہوتے، اس کے باوجود صرف یہ کہہ کر کہ ہمارا سر شرم سے جھک گیا، ہمیں اس حادثہ کا

بڑا افسوس ہے، ہم کہہ کر اٹھ جاتے ہیں، کتنی دفعہ پارلیمنٹ میں فسادات پر گفتگو ہو چکی ہے مگر ہم نے مرنے والوں کی تعزیت کرکے اور "شوک پرستاؤ" پاس کرکے بات ختم کردی اور آج تک بلوائیوں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ یہ ممکن نہیں کہ پیٹرول چھڑکا جائے اور آگ نہ لگے۔ ایسا دنیا کے اندر نہیں ہوا ہے۔ ایک طرف آر ایس ایس کی شاکھائیں چلائی جاتی ہیں اور آر ایس ایس کو بڑھاوا دیا جاتا ہے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور ان کی سرپرستی کی جاتی ہے اور دوسری طرف یہ تمنا رکھی جائے کہ فسادات ختم ہو جائیں گے۔ میں کسی قیمت پر ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

پولیس کمزوروں پر ظلم کرنا جانتی ہے

میں بڑے دکھ کے ساتھ کہتا ہوں کہ جمشید پور میں صرف بے گناہوں کو پکڑا جاتا ہے۔ وہاں ایک علاقہ "دہت کی ڈیہہ" ہے جو مسلمانوں کا ایریا ہے۔ وہاں ہندوؤں کے جتنے مکانات ہیں وہ بالکل محفوظ ہیں ان پر خراش تک نہیں آئی ہے۔ پولیس کے چھاپے میں کسی کے گھر سے کوئی ہتھیار بھی برآمد نہیں ہوا ہے۔ لیکن اس علاقہ کے مسلمانوں کو ٹرک بھر بھر کر گرفتار کیا گیا ان کا جرم یہ تھا کہ وہ امن پسند کیوں ہیں؟ اس خونیں ڈرامہ میں انھوں نے اپنا رول کیوں نہیں ادا کیا؟ وہ کیوں زندہ بچ گئے؟ وہ اس لئے گرفتار ہیں کہ وہ انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ کیوں چاہتے ہیں کہ لا اینڈ آرڈر کی صورت حال ٹھیک رہے؟

میرا پرزور مطالبہ ہے کہ وہاں سے بی۔ ایم۔ پی فورس کو فوراً ہٹایا جائے۔ اگر آپ سچ مچ امن قائم کرنا چاہتے ہیں تو بی۔ ایم۔ پی کو وہاں سے ہٹانا ہی ہوگا۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اس کو وہاں سے نہیں ہٹاتے تو قیامت تک وہاں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

آر ایس ایس کا ایک پلان ہے۔

جمشید پور سے پہلے رانچی، ہٹیا، اور پورے انڈسٹریل ایریا میں ۱۹۶۴ء میں فساد ہو چکے ہیں اور آج بھی آر ایس ایس کی یہی کوشش ہے کہ اس انڈسٹریل ایریا میں مسلمانوں کو اتنا تہس نہس کر دیا جائے کہ ان علاقوں سے ان کا نام و نشان مٹ جائے۔ جمشید پور میں ۱۹۶۴ء میں بہت سے علاقے ایسے تھے جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں لیکن آج ان علاقوں میں مسلمان نام کی کوئی چیز نہیں اور وہ سارا علاقہ مسلمانوں سے خالی کرا دیا گیا ہے۔ اس لئے میرا حکومت سے مطالبہ ہے کہ جو مسلمان جہاں سے اُجاڑے گئے ہیں ان کو پھر وہیں آباد کیا جائے۔"

ملک و ملّت بچاؤ تحریک

ملک میں حالات بہت تیزی سے بگڑتے جا رہے تھے، قانون کا احترام اٹھ چکا تھا، فسادات میں شدت آتی جا رہی تھی، جنتا حکومت پورے ملک کی تمنا بن کر وجود میں آئی تھی ایمرجنسی کے تاریک دور سے گھبرائے ہوئے عوام کی جد و جہد نے اپنی راہوں میں اجالا کرنے کی جو کوشش کی تھی۔ جنتا حکومت اسی کا نتیجہ تھی، عوام کو بجا طور پر اس حکومت سے یہ توقع تھی کہ یہ حکومت پچھلے دور کے جبر و تشدد کے شکنجوں سے ہم کو آزاد کر کے قانون کی حکمرانی بروئے کار لائیگی۔ لیکن عوام کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، اس نے وجود میں آتے ہی عوام کے بنیادی مسائل سے نظریں چرالیں اور ایمرجنسی کے دور میں چوٹی کے لیڈروں کو جو ذاتی طور پر مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کے انتقام کی راہیں تلاش کرنے لگے اور اپنی ساری انرجی صرف ایک پہلو پر ضائع کرنے لگے۔ جنتا حکومت میں ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں شامل تھیں۔ اور ہر ایک کے رہنماؤں کو اندرا حکومت کے دور میں کچھ نہ کچھ چوٹ پہونچی تھی اس لئے قدرتی طور پر اس طاقت کو فنا کر دینے پر اپنی پوری توجہ لگا دی اور انھوں نے پہلے ہی مرحلہ پر یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کلائی کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ جس میں ایمرجنسی کی ننگی تلوار بھی آسکتی ہے۔ اور اقتدار کی کرسیوں سے اٹھا کر جیل کی کوٹھریوں میں پھینک سکتی ہے۔ دوسری اہم تبدیلی یہ آئی کہ ملک میں اقلیتوں کی سب سے بڑی دشمن تنظیم جس کا ہندوستان میں اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ سرزمین ہند سے مسلمان کی تمام مخلوق کو مٹا دیا جائے اور اور اس کے ناپاک وجود سے بھارت ماتا کی پونتر بھومی کو صاف کر دیا جائے

جنتا حکومت سے پہلے ۲۸۔ ۳۰ سال سے یہ تنظیم جو آر ایس ایس کے نام سے بدنام ہے ہمیشہ معتوب رہی اور اس کی سرگرمیوں کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور بار بار عوام اور مسلمانوں ہی کی طرف سے نہیں۔ حکومت کے بڑے بڑے ذمہ داروں نے آر ایس ایس کی امن دشمن سرگرمیوں

پر پابندی لگانے کی ضرورت محسوس کی، یہی وجہ تھی کہ اس کی سرگرمیاں ہمیشہ انڈر گراونڈ اور پردوں کی آڑ میں ہوتے تھی۔ اس تنظیم کا ایک ظاہری روپ جن سنگھ تھی جو قانونی طور پر تو سیاسی اور غیر فرقہ پرست جماعت تھی وہ الکشن اور پارلیمنٹری سیاست میں بافائدہ حصہ لیتی تھی لیکن جن سنگھ کا خمیر اور اس کی رگوں میں خون آر ایس ایس کا دوڑتا تھا اس کا طریقۂ فکر، نقطۂ نگاہ، مقصد اور نصب العین بالکل وہی تھا جو آر ایس ایس کا ہے اس لئے عملی طور پر مسلم دشمنی میں یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے کم نہیں تھیں، جب ملک میں جنتا حکومت بنی تو اقتدار کی تقسیم میں جن سنگھ بھی ساجھے دار ہوگئی، اب ان کے پروگرام پر کوئی نکتہ چینی کرنیوالا اور ان کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں رہا، جیسے جیسے جنتا حکومت کی عمر بڑھتی گئی جن سنگھ اور آر ایس ایس مضبوط اور طاقتور ہی نہیں ہوتی گئیں بلکہ پورے نظام حکومت پر چھائی چلی گئیں۔ اور اب محسوس ہونے لگا کہ مستقبل میں اقتدار کی تنہا مالک جن سنگھ اور اس کے پردے میں آر ایس ایس ہوجائے گی، ہندوستان کے بہت سے بڑے اخباروں نے پیشنگوئی شروع کردی کہ اگلا پرائم منسٹر اٹل بہاری باجپئی ہوں گے، جو جن سنگھ کے چوٹی کے لیڈروں میں سے ہیں۔

جنتا لہر

ملک میں جنتا حکومت بطور معجزہ کے طور پر نہیں آئی، بلکہ امت نے کروٹ لی اور حالات کی ایک ایسی تیز لہر آئی جس نے دل و دماغ کی دنیا بدل دی، آزادی رائے، اور آزادی فکر وضمیر کے اختیار سے کام لینے کے حق کو عوام نے شدّت سے محسوس کیا جبری نسبندی اور شہروں کو خوبصورت بنانے کے نام پر کروڑوں کروڑ کی عمارتیں اور بلڈنگوں کو بلڈوزروں کے ذریعہ ایک ظالم عفریت کی طرح ڈھادینے کی جابرانہ اور ظالمانہ صورتِ حال نے عوام کے جذبات میں آگ لگادی اور انھوں نے پہلی بار اپنے ضمیر کی آزادی پر اپنے رائے کا اظہار کیا۔ اور الکشن کے میدان میں جنگ آزادی کی ہیرو اور تیس سال سے اقتدار پر قابض انڈین نیشنل کانگریس کو اس طرح پچھاڑا کہ دنیا حیرت زدہ ہوکر رہ گئی، اس انقلاب میں بلا امتیاز قوم وملت نے حصہ لیا اس میں مسلمان بھی شامل تھا، اس لئے جنتا حکومت کا خیر مقدم کرنے والوں میں مسلمان بھی تھے

لیکن جب اقتدار پر فرقہ پرست طاقتوں کا غلبہ ہونے لگا، اور خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کل جس آگ کی آنچ سے ہی ہم بے چین تھے آج تو صورتِ حال انکو دہکتی ہوئی بھٹی میں جھونک دینے کیلئے بے چین ہے، کل جب مسلمانوں کا خون ناحق ہوتا تھا تو اس پر ظالموں کی مذمّت اور ملامت کرنے والے موجود تھے۔ لیکن اب مسلمانوں کی ہر تباہی قانون بن جائے گی۔ اس کی ہر بربادی حکومت تسلّط کی منشا ہوجائیگی یہ صورتِ حال کیسے قابلِ برداشت ہوسکتی تھی، اس سے پہلے کسی قومی رہنما اور لیڈر کو آر ایس ایس کیطرف منسوب کردیا جاتا تھا تو وہ اسے اپنی توہین ہی نہیں بلکہ اپنے حق میں ایک بد ترین گالی تصوّر کرتا تھا اور اب یہ حال تھا کہ جنتا وزیر آر ایس ایس کے والینٹروں کی وردی پہننے میں فخر محسوس کرنے لگے جیسا کہ اتر پردیش کے وزیر نے اس کا مظاہرہ کیا تھا، آر ایس ایس کی ساکھائیں اور پریڈ پہلے خفیہ مقامات پر ہوتی تھیں لیکن اب جنتا حکومت کے دور میں علی الاعلان پارکوں میں سرکاری اسکولوں، اور کالجوں میں اور چوراہوں پر ہونے لگیں۔ کیونکہ اب ان پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں تھا۔ جنتا حکومت کے دور میں جن سنگھ اور آر ایس ایس نے خاموشی کے ساتھ کلیدی عہدوں کے علاوہ پولیس، فوج، پی، اے، سی، پی۔ ایم۔ پی سی۔ آر پی میں آر ایس ایس کے والینٹروں اور کارکنوں کو اس طرح بھر دیا کہ انھوں نے دفتروں تھانوں، اور فسادات میں امن بحال کرنے کی ذمہ داری پی۔ اے سی وغیرہ کا دل و دماغ، مزاج اور ماحول ہی بدل رکھدیا۔ اور ہر جگہ آر ایس ایس کی گہری چھاپ پڑگئی، جمعیۃ علماء ہند بڑی گہرائی سے اس خطرناک تبدیلی کو محسوس کررہی تھی۔

آخر ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا

فسادات تو مسلمانوں کا مقدر بن چکے تھے۔ مسلمانوں نے بڑی بڑی قیامتیں جھیلی ہیں، ان گنت بار خون کے دریا میں تیر کر ہی نہیں ڈوب کر ابھرے ہیں۔ لیکن ہر بار اسے اپنی آخری مصیبت تصوّر کیا اُن کی اُمیدیں ان انسانیت دوست افراد سے قائم رہیں جن کے ہاتھوں میں زمام اقتدار رہی یا ملک میں ان کی شخصیت موثر تھی، اور کم ازکم یہ توقع تھی کہ کبھی اس جارحانہ فرقہ پرستی سے ایک آخری لڑائی بھی لڑی جاسکتی ہے، جو ان فسادات کی تہہ میں کام کررہی ہے لیکن جب

ہم نے یہ دیکھا کہ اب ہم ایسے مقام پر آ گئے ہیں کہ ہماری چاروں سمتوں میں آگ کی چہار دیواری کھڑی کی جا رہی ہے اور بتدریج یہ چہار دیواری اپنا دائرہ تنگ کرتی جا رہی ہے، اور خطرہ شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا ہے کہ مستقبل قریب میں اس کا دائرہ اتنا تنگ ہو جائے گا کہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت اسی میں بھسم ہو کر رہ جائے گی۔

آر ایس ایس کا مزاج اور اس کا ذہن اس کا طریقہ فکر حکومت کے دور بیب پر چھاتا چلا جا رہا ہے۔ دفتروں میں انتظامیہ میں، عدلیہ میں، اقتصادی، و معاشی میدان میں، پولیس میں، فوج میں، روزگار کے دفتروں میں ملازمت دینے والے بورڈوں میں اگر کوئی مزاج کام کر رہا ہے تو وہ صرف آر ایس ایس اور جن سنگھ کا تھا، اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے یقین کر لیا کہ اگرچہ جنتا حکومت میں ترقی پسند جماعتیں، صاف دماغ لیڈر اور صاف ذہن افراد شامل ہیں۔ جن کی قدر و منزلت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اقلیت کے بارے میں ان کا دل و دماغ بھی صاف ہے، لیکن طاقت ان لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں، جنتا حکومت میں جن سنگھ یا آر ایس ایس کا ذہن و مزاج ہی شریک غالب کی حیثیت رکھتا ہے، اگر حالات کی تبدیلی کا مزید انتظار نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہو جائے گا۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے پوری قوت ارادی کے ساتھ یہ طے کر لیا کہ فیصلہ کی تلوار جلاد کے ہاتھوں میں نہیں دی جا سکتی چاہے اس کیلئے کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں، حالات کا براہ راست اور تمام خطرات مول لیکر مقابلہ کیا جائے گا۔

؎ یا تن رسد بہ جاناں یا جاں ز تن برآید

راہ کی دشواریاں

آزادی کے بعد سے اب تک کسی مسلمان کے ذہن میں بھی یہ تصور نہیں آ سکا تھا کہ تنہا مسلمان اس ملک میں اپنے خلاف ہونے والے مظالم کے سلسلہ میں کوئی محاذ بنا سکتا ہے اور تحریک چلا سکتا ہے، جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ ملک میں مسلمانوں کی دوسری جماعتیں بھی تھیں جو حکومت پر بڑے گرم لب و لہجہ میں تنقیدیں کرتی تھیں اور جب انھوں نے سیاست کے میدان میں پہلی بار قدم رکھا تھا تو بڑے فخر سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہوئے اعلان

پڑھا تھا ؎   ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ آہنی عزم و ارادہ کا کارواں اپنے فولادی قدموں سے آفات و مصائب کے سارے بھوتوں کو روند کر رکھ دیگا۔ لیکن جب چند ہی قدم آگے بڑھا تو یہ معلوم ہوا کہ اس خارزار وادی میں صرف نعروں کے بل بوتے پر سفر جاری نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اور پھر سفر ملتوی کر دیا گیا، اور کوئی موثر کاروائی کئے بغیر کھینچی ہوئی تلواریں میان میں کر لی گئیں۔

جمعیۃ علماء ہند راستے کے خطرات سے واقف تھی اس لئے اس نے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اگر ہم نے خطرات سے ڈر کر اس وقت قدم پیچھے ہٹایا تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی نے طے کیا کہ تذبذب کی راہ چھوڑ کر ہمیں حالات سے ایک بار پنجہ آزمائی کیلئے ایک بار میدان میں آجانا چاہیئے لیکن دشواری یہ تھی کہ حالات نے مسلم اقلیت کو اتنا دہشت زدہ اور ہراساں کر رکھا تھا اندیشہ تھا کہ لوگ خطرات کی اس دہکتی ہوئی بھٹی میں چھلانگ لگانے کیلئے تیار نہ ہوں لیکن ملک کے ہر خطے سے تحریک کی تائید میں خطوط آئے تو کہدیا گیا کہ ؎ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

وزیر اعظم حکومت ہند کو میمورنڈم

سول نافرمانی کا فیصلہ کرنے کے بعد ۷ر جون ۱۹۷۹ء کو مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اور مولانا سیّد احمد ہاشمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے وزیر اعظم حکومت ہند شری مرارجی ڈیسائی کو مطالبات کا میمورنڈم پیش کر دیا۔ اور کہدیا گیا کہ اگر ۲۰ر جون ۱۹۷۹ء تک میمورنڈم کا جواب نہ دیا گیا تو ۹ر جولائی ۱۹۷۹ء سے سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی میمورنڈم میں کہا گیا کہ ہمارا ملک تیزی سے تباہی کی طرف جا رہا ہے انسانی و اخلاقی اقدار کا اثر ڈھیلا پڑ چکا ہے۔ مسلمان اور دیگر اقلیتوں کی زندگی املاک اور عزت کی قیمت بڑی حد تک کم ہو چکی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیکولر طاقتیں اپنا واجبی کردار ادا کرنے میں تذبذب محسوس کر رہی ہیں، فرقہ وارانہ طاقتوں کے ساتھ تصادم سے دانستہ پہلو تہی کر رہی ہیں، حالات اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ بنیادی حقوق اور تحفظات کا سارا تقدس ختم ہو چکا ہے

مرکزی اور ریاستی حکومت نے فاسسٹ طاقتوں کے سامنے دم توڑ دیا ہے وہ ان کو مدد دے رہی ہیں اور مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں تعصب کا شکار ہیں۔ ملک میں پائی جانے والی لاقانونیت اور انارکی کو فوراً ختم کیا جائے اور درجہ ذیل مطالبات کو پورا کیا جائے۔ اگر ۲۰ر جون ۱۹۷۱ء تک ہمارے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو ۹ر جولائی ۱۹۷۱ء سے سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی جائے گی۔

مطالبات

میمورنڈم میں مندرجہ ذیل مطالبات کئے گئے

۱:۔ فسادات کی ذمہ داری ڈسٹرکٹ اتھارٹی اور خفیہ پولیس پر ڈالی جائے اگر وہ فساد کو کنٹرول کرنے میں ناکام رہیں تو بلا تاخیر ان کو معطل کیا جائے اور مجرم ثابت ہونے پر سخت سزا دی جائے۔

۲:۔ فسادات میں ملوث افراد کو تلاش کرنا خفیہ پولیس کی ذمہ داری قرار دیجائے اور فسادیوں کے مقدمات و معاملات نمٹانے کیلئے فوراً خصوصی عدالتیں قائم کی جائیں۔

۳:۔ فرقہ وارانہ فساد میں جان و مال کا نقصان اٹھانے والوں کو جلد از جلد پورا معاوضہ دیا جائے۔ اور ان کی جائدادیں لازمی طور پر ان کو واپس کی جائیں۔

۴:۔ پی۔ اے۔ سی۔ اور بی۔ ایم۔ پی جیسی حفاظتی تنظیموں میں ۲۲ر فیصد مسلمانوں اور ۲۲ر فیصد ہریجنوں اور دوسری اقلیتوں کو لازمی نمائندگی دی جائے۔ اور ایسی تنظیموں کے لئے ایسا ضابطہ اخلاق بنایا جائے۔ جو انھیں ذہنی اور اخلاقی طور پر جمہوری اور سیکولر ذمہ داریوں کو سنبھالنے کیلئے تیار کرسکے.........

۵:۔ آر ایس ایس کی شاکھاؤں اور تمام فرقہ پرست نیم فوجی مشقوں پر پابندیاں لگائی جائیں۔ اور خود حکومت کیطرف سے بلا لحاظ مذہب و ملت ملک کے تمام بچوں اور نوجوانوں کی جسمانی ورزش کا انتظام کیا جائے

۶:۔ حکومت کے تمام شعبوں اور محکموں کو آر ایس ایس جیسی شیطانی جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد سے پاک کیا جائے۔

۷ :۔ دستور کے رہنما اصولوں کی فہرست سے تمام ملک کیلئے یکساں سول کوڈ کی دفعہ نکال دی جائے۔

۸ :۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو بحال کیا جائے۔

۹ :۔ مسلمانوں کی مساجد و مقابر اور اوقاف کی حفاظت کا مستقل طور پر انتظام کیا جائے جہاں جہاں ان پر ناجائز قبضہ ہے اُسے ہٹانے کیلئے ضروری اور موثر کاروائی کی جائے

وزیر اعظم کا جواب :

وزیر اعظم شری مرار جی ڈیسائی کا جواب ان کی ضد، لب و لہجہ کی سختی اور مزاج کی درشتی کا آئینہ دار تھا۔ آپ نے مولانا سید اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے نام لکھا ہے کہ

ڈیر مدنی صاحب !

مجھے آپ کا ۷ر جون ۱۹۷۹ء کا وہ خط ملا جس میں آپ نے ۹ر جولائی ۱۹۷۹ء سے سول نافرمانی کی تحریک چلانے کی دھمکی دی ہے، آپ نے اس تحریک کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ نظم و نسق کی مشنری اور اینٹلی جنس (سراغ رسانی) کی سروسوں کی اصلاح نیز آر ایس ایس کی ڈریوں پر پابندی کے بارے میں آپ کو اطمینان بخش ضمانت نہیں ملی، مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے اتفاق کریں گے کہ نظم و نسق کی مشنری اور سراغ رسانی کی سروس کی تنظیم کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے اور حکومت اس ذمہ داری میں کسی بھی ادارہ اور پارٹی کو اور خاص طور سے ایسے ادارہ یا پارٹی کو شریک نہیں کر سکتی جس پر مذہب کا غلبہ ہو، خواہ یہ غلبہ ہندوؤں کا ہو یا عیسائیوں کا، یا مسلمانوں کا، یا کسی اور مذہب کا، ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات نہ تو کوئی انوکھی بات ہے نہ نیا واقعہ، بد قسمتی اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ہماری سیاست میں یہ سرایت کر گئے ہیں اور ان کی موجودگی کی ذمہ داری کسی ایک یا دوسرے فرقہ پر نہیں ڈالی جا سکتی، اس ذمہ داری جھگڑے میں شامل بہت ہی پارٹیوں کو خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ

ہوں شامل کرنا ہوگا، نہ ہی یہ کسی ایک فرقہ یا تنظیم کے رضا کاروں تک محدود ہے
بنا بریں حکومت صرف کسی ایک فرقہ کے مفاد کے لئے کام نہیں کرسکتی، حکومت
پبلک کے وسیع تر مفاد کیلئے کام کرتی ہے۔ اور مجھے مسرت ہے کہ یہ کام حکومت
بڑے اور وسیع تر پیمانے پر عوام کے تعاون اور حمایت سے انجام دے رہی ہے
حالانکہ یہ کسی ایک دوسرے فرقہ کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے ان حالات میں فرقہ
وارانہ عناصر کی طرف یکطرفہ نقطۂ نظر متوقع ہے، مختلف افراد یا پارٹیوں کے نام
کے بارے میں کس کو موردِ الزام قرار دیا جائے؟

ان حالات میں ہمارے لئے ممکن نہیں کہ کاروائی کے لئے کسی ایک پارٹی ہی
کو منتخب کریں۔ ہمیں کاروائی اُن کے خلاف کرنی ہے جو ذمہ دار ہیں، یہ
وہ طریقہ کار ہے جسے مرکزی اور ریاستی حکومتیں اختیار کرتی رہی ہیں،
اور اگر اس بنا پر آپ کی تنظیم کو کوئی شکایت ہے تو ہم مجبور ہیں، اور اگر
آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کو وہ قدم اٹھانا ہی ہے جسکا آپ ارادہ کرچکے
ہیں تو ہم آپ کو ایسا کرنے سے روک نہیں سکتے" میں آپ سے درخواست
کرنا چاہوں گا کہ آپ اس مسئلہ پر غور کریں کہ کیا اس قسم کے اقدام سے
آپ کے فرقہ اور آپ کی تنظیم کو فائدہ سے زیادہ نقصان تو نہیں پہونچ جائیگا
حکومت بلاشبہ مجبور ہے کہ ملک کے امن اور سلامتی کے لئے ہر خطرہ سے عہدہ
برآ ہونے کے غرض سے ہر وہ کاروائی کرے گی جو قانون کی حد میں کی جانی
ضروری ہو جائے۔ میں نے سوچا کہ آپ کو توجہ دلا دوں تاکہ اس معاملہ میں
آپ حکومت کی پوزیشن کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔

آپ کا مخلص!

(دستخط) مرارجی ڈیسائی

جوابِ باصواب

وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی کا جواب ان اقدامات کا آئینہ دار تھا جو مستقبل میں حکومت اس تحریک کو دبانے اور کچلنے کیلئے کرنے والی تھی، لب و لہجہ میں دھمکی کا عنصر غالب تھا اور شاید ان کی منشار بھی یہی تھی کہ سختی سے کام لیکر اس تحریک کو قبل از وقت ہی زیر زمین دفن کر دیا جائے۔ مگر جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی ایک فیصلہ کر چکی تھی اور جن حالات کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا ان میں کسی طرح کا تغیر و تبدل کرنے سے وزیر اعظم نے صاف انکار کر دیا اس لئے صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی نے ضروری سمجھا کہ وزیر اعظم کے اس خط کا جواب دیدیا جائے تاکہ حکومت یہ جان لے کہ جمعیۃ علماء ہند اپنے فیصلہ پر قائم ہے اور حکومت کو جو تیاریاں کرنی ہو کرلے۔ صدر محترم نے لکھا!

عالی جناب مرار جی بھائی!

آپ کا خط ۴/۱۸۷/بی۔ ایم۔ آر/۷۹ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۷۹ء ہمارے لئے مزید مایوسی کا سبب بنا ہے آپ کی خط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس بات کو نظر انداز کر دیا ہے نہ تو ذاتی طور پر میرا نہ اس جماعت کا جس کی میں نمائندگی کر رہا ہوں کوئی تعلق فرقہ پرستی سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد شدید خطرات کا مقابلہ کرکے ہم نے فرقہ پرستی کا مقابلہ کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ہندوستان جیسے بڑے ملک کا وزیر اعظم یہ کہکر کیسے چشم پوشی کرسکتا ہے کہ رضاکاروں کی تنظیمیں ہر فرقہ کے اندر موجود ہیں۔ جس عظیم جماعت کی نمائندگی کا فخر مجھے حاصل ہے وہ ہر فرقہ پرست، انتہاپسند رضاکارانہ تنظیم کی مخالف ہے، آپ کے خط سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ آپ آر ایس ایس اور عام ہندوؤں کو ایک ہی خانے میں رکھتے ہیں صورت حال کی یہ صحیح تعبیر نہیں ہے۔ ہندوستان ہمیشہ سے مختلف مذاہب اور زبانوں کا گہوارہ رہا ہے

اور اس سے فرقہ وارانہ رجحانات کی طرف ہے نہ تو ہم چشم پوشی کر سکتے ہیں اور نہ ایسے تاریخی فریضے کو نظر انداز کر سکتے ہیں، ہمارا یہ حتمی ارادہ ہے کہ ہم اپنی تمام تر قوت کے ساتھ ان خطرات کا مقابلہ کریں،

ہمارے میمورنڈم سے یہ نتیجہ نکالنا حقیقت سے بُعد ہے کہ ہم فرقہ وارانہ فسادات کی ذمہ داری کسی مخصوص فرقہ پر ڈالنا چاہتے ہیں، جب ہم آر ایس ایس کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد ہندو فرقہ نہیں ہوتا ہم مذہب اور سیاست سے وابستگی سے قطع نظر اس قسم کے واقعات کی ذمہ دار کسی فرد یا جماعت کی صفائی دینا نہیں چاہتے، آر ایس ایس کو صرف ہم ہی نہیں بلکہ ان تمام افراد اور تنظیموں نے ذمہ دار ٹھہرایا ہے، جنھوں نے واقعات کی تہ تک پہونچنے کیلئے مختلف مقامات کا دورہ کیا ہے۔ ان میں آپ کی پارٹی کے افراد بھی شامل ہیں، ان کمیٹیوں کی توثیق کی رپورٹ اخبارات کی اطلاعات سے بھی ہوتی ہے، صرف آر ایس ایس اخبارات اس سے مستثنیٰ ہیں اور آر ایس ایس کے اخبارات کو قومی اخبارات کی صف میں رکھنا مناسب نہ ہوگا، ان باتوں کے باوجود جب ہم آر ایس ایس کا نام لیتے ہیں تو آپ کو اسمیں فرقہ پرستی کی بو محسوس ہوتی ہے آپ کا یہ انداز نہ منصفانہ ہے، نہ حقیقت پسندانہ،

ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حکومت جہاں بھی فرقہ وارانہ رجحانات پائے جاتے ہیں ان کو قابو میں رکھنے اور روکنے میں کیوں ناکام ہے؟ آپ نے لکھا ہے کہ رضاکاروں کی تنظیم کسی ایک فرقہ یا جماعت تک محدود نہیں ہے۔ ہم آپ سے جاننا چاہیں گے کہ کس فرقہ یا کس سیاسی جماعت کے اندر آر ایس ایس جیسی تنظیم موجود ہے۔ جہاں تک جمعیۃ علماء ہند کا تعلق ہے ہم نے مسلمانوں کے اندر خاکساروں اور مسلم نیشنل گارڈ جیسی تنظیموں کو جہاں بھی پایا ہے ان کی مخالفت کی ہے، میرا خیال ہے کہ آپ جیسے بزرگ مجاہد آزادی کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں ہمارا ماضی

بہت شاندار رہا ہے اس کے باوجود جمعیۃ علماء ہند کے میمورنڈم کو صحیح طور پر
نہیں سمجھا گیا ہے اور ملک ملت بچانے کی تحریک کو فرقہ وارانہ کہا گیا ہے،
یہ ہماری بدنصیبی ہے اگر کوئی حقیقت پسند آدمی حقیقی مراد جانے پہچانے
مجرموں کی چھپانے کی کوشش کرے۔

آپ کے خط میں "آپ کے فرقہ اور آپ کی جماعت" کا ذکر ہے اس سے
یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہمارے اقدام کو تنگ نظری اور جانبداری کے ساتھ
دیکھتے، اگر آپ کے معیار کو سامنے رکھا جائے تو ۱۹۴۷ء میں جو کچھ مہاتما گاندھی
نے کیا وہ صرف ایک مخصوص فرقہ کے مفاد میں تھا، مجھے اندیشہ ہے کہ اس
مسئلہ پر تاریخ آپ کے حق میں شہادت پیش نہیں کریگی۔ ملک کو فرقہ
وارانہ زہر سے بچانا کسی ایک فرقہ کا کام نہیں بلکہ اہم ترین قومی فریضہ ہے

آپ نے اپنے خط کے اختتام پر دھمکی کا لہجہ اختیار کیا ہے ہم برطانوی
سامراج کی اور ہر قسم کے فرقہ پرست عناصر کی اس قسم کی دھمکیوں کے عادی
ہو چکے ہیں۔ ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس قسم کی دھمکیوں کے باوجود جمہوری
اور سیکولر ہندوستان کی تعمیر کیلئے پرامن جدوجہد کا ہمارا جو عزم ہے اسمیں
کوئی کمزوری نہیں آئی۔

میں اپنا خط اس اپیل کے ساتھ ختم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے
موقف کی معقولیت کو تسلیم کریں اور جمعیۃ علماء ہند کے میمورنڈم میں جو سوالات
اٹھائے گئے ہیں ان کے متعلق اپنا نقطۂ نظر تبدیل کریں، اس سے آپ کو
یہ سمجھنے میں مدد ملیگی کہ جو لوگ غریب اور کمزور لوگوں کے حق میں انصاف کے
لئے جدوجہد کرتے ہیں ان پر کیا گذرتی ہے اور ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔
جو ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

آخر میں اس بات پر پھر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہماری تحریک نے
گاندھی جی کے بتائے ہوئے اصولوں سے روشنی حاصل کی ہے اور عدم تشدد

اور سیتہ گرہ کی بنیاد پر چلیگی تاکہ ملک کے اندر سے فرقہ واریت کا زہر دور ہو
اور حکومت کا ضمیر بیدار ہو اور وہ اس عمل کی تقویت کیلئے اپنا فریضہ انجام دے سکے"

مخلص!

اسعد مدنی (صدر جمیعۃ علماء ہند)

صدر جمیعۃ علماء ہند نے ایک پریس کانفرنس میں وزیر اعظم کا جواب اور اپنا خط اخبارات کو اشاعت کیلئے دیتے ہوئے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ کوئی دھمکی اسکو سیکولر اور جمہوری ہندوستان کی تعمیر کی جدوجہد سے باز نہیں رکھ سکتی اور تحریک اعلان کے مطابق ۹ر جولائی ۱۹۷۹ء سے شروع کردی جائے گی۔ ہم نے کسی جماعت سے تعاون نہیں مانگا ہے لیکن بہت سے غیر مسلموں اور دوسری اقلیتوں کے رہنماؤں نے ہماری تحریک کا خیر مقدم کیا ہے،

تحریک دلوں کی آواز بن گئی

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ تحریک سول نافرمانی اپنی نوعیت کی پہلی تحریک تھی، حکومت کا تیور بتارہا تھا کہ وہ تحریک کے ساتھ کوئی نرم راہ نہیں اختیار کرے گی یہ باتیں اخبارات میں برابر آرہی تھیں اس لئے ملک میں بڑی تعداد میں خطوط رائے عامہ معلوم کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے ان کے جواب میں جو خطوط آئے انھوں نے یہ حقیقت واضح کردی کہ موجودہ ہندوستان میں گھٹن کی جو فضا بنی ہوئی ہے، اور صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے ؛ گھُٹ کے مرجاؤں گا یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

اس فضا سے نکلنے کیلئے ملک کا ایک بڑا طبقہ بے چین ہے۔ وہ روزمرہ کی زندگی میں قسطوں میں سزا بھگتنے کے بجائے وہ اپنے کوٹے کی ساری مصیبتوں کو ایک بار ہی لے لینے پر آمادہ ہے، ملک کے کونے کونے سے بہت سے خطوط موصول ہوئے جنھوں نے اس تحریک کو وقت کی آواز بتایا اور لکھنے والوں نے ہر طرح کی قربانیوں پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا لیکن جو لوگ سیاست میں ایک خوشگوار اور حسین مستقبل کی ہوس لے کر آئے تھے،

ان کے قدموں کے ڈگمگانے کا مضحکہ خیز منظر بھی سامنے آیا ایسے لوگ جماعتی صفوں میں تھے حکومت میں تو ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی عزت و وقار اور ملت کی غیرت وحمیت کے سودے پر اقتدار کے شیش محل میں بازیابی حاصل کی ہے۔ لیکن تاریخ نے بتایا کہ ایسے ضمیر فروش انسانوں کا انجام رسوائی اور قعر گمنامی کے سوا اور کچھ نہیں ہوا، ایک تازہ مثال ہمارے سامنے بھی آئی۔ جنتا لیبر مسٹر سکندر بخت صاحب وزیر ہاؤسنگ بن گئے انھوں نے حکومت سے وفاداری کی سند حاصل کرنے کیلئے جمعیۃ علماء ہند کی تحریک کو ایک سنہرا موقعہ سمجھا" انھوں نے کہا کہ جنتا حکومت نے دو سال میں اقلیتوں کے لئے جو کچھ کیا ہے۔ وہ گذشتہ ۳۰ برسوں میں بھی نہیں ہوا، آر ایس ایس والوں نے جنتا پارٹی میں شامل ہو کر زبردست قربانی دی ہے، اگر کوئی شخص دماغ کے بجائے پیٹ سے سوچنے لگے تو آپ اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ اور ایسے شخص کو کیسے سمجھایا جا سکتا ہے؟

"نئی منزل، نئی راہیں"

یہ تحریک فرقہ پرستی اور جارحانہ فسطائیت کے خلاف تھی جس نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت مسلمان کی جان و مال، عزت و آبرو کو کھلواڑ بنا کر ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے اور ملک کے وقار کو ساری دنیا کی نگاہوں میں گرا دیا ہے اور ایک جمہوری اور سیکولر ملک کی روشن پیشانی پر ایک بدنما دھبہ لگا رکھا ہے، یہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی خدمت کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کی ایک زبردست خدمت تھی، فرقہ وارانہ جارحیت ملک کو جس رخ پر لے جا رہی تھی وہ نہ صرف اقلیتوں کے لئے بلکہ پورے ملک اور قوم کیلئے تباہ کن تھی، اس آنے والے مزاج اور لاقانونیت سے لڑنا تحریک کا حقیقی مقصد تھا، لیکن خطرہ تھا کہ اس تحریک کو خود فرقہ واریت کا رُخ دیکر برادرانِ وطن کے جذبات کو مشتعل کر دیا جائے، جیسا کہ وزیر اعظم کے خط سے یہ بات جھلکتی تھی کہ آپ کی جماعت اور اور آپ کے فرقہ کو اس تحریک سے بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن لے ہر چہ باد ا باد ما کشتی در آب انداختیم والی بات تھی، خطرات سے ڈر کر حق کیلئے جنگ کرنا بند کر دیا جائے،

اور فوٹو گرافروں کی بھیڑ ان کا خیر مقدم کرنے کیلئے موجود تھی، تحریک کے مقاصد پر مشتمل کتابچے ہندی اور انگریزی میں دو گروپ کھڑے تماشائیوں کو تقسیم کئے گئے جمعیۃ نعرے لگاتا ہوا جمعیۃ علما ہند کا پرچم ہاتھ میں لئے اور مطالبات کی تختیاں اٹھائے ہوئے آگے بڑھا، پولیس ساری تیاریوں کے ساتھ استقبال کرنے کیلئے موجود تھی شکاری تاک میں تھا وہ دیکھ رہا ہے کہ ؎

خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے، پولیس نے گھیر ڈالا، اور مجسٹریٹ نے حکم سنایا کہ آپ لوگ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں گرفتار کئے جاتے ہیں اور پھر جتھہ بلا کسی جھجک ان خود پولیس دان میں گھس گیا جو گرفتار ہونے والوں کو تھانے اور پھر عدالت لے جانے کیلئے پہلے سے موجود تھی، تھانے کی کارروائی کے بعد عدالت میں پیش کیا گیا۔ عدالت نے سزا کا حکم سنا کر تہاڑ جیل بھیج دیا۔

اس طرح تحریک کا آغاز بلا کسی ہنگامہ آرائی کے ہوگیا، ستیہ گرہوں کی دہلی میں آمد بڑھتی گئی اس لئے بعد کے دنوں میں گرفتاری دینے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ کیا جاتا رہا آخری جس نے گرفتاری دی ہونے چار سو ستیہ گرہیوں پر مشتمل تھا، ۱۶ دنوں تک چلنے والی اس تحریک میں دو ہزار ایک سو ۲۶ افراد نے سول نافرمانی میں حصہ لیا، اور جیل کی سزا کاٹی، تہاڑ جیل میں جب گنجائش نہ رہی تو بعد کے جتھے علی پور جیل بھیجے جانے لگے۔

تحریک میں حصہ لینے والے مختلف ریاستوں سے آئے تھے، جن میں اتر پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، ہریانہ، گجرات، مہاراشٹر، آسام بنگال اور دہلی کے عوام نے نمایاں حصہ لیا، تمام دور دراز صوبوں اور خطوں سے آنے والے ستیہ گرہی اپنے خرچ اور کرایہ سے آئے۔ اور ستیہ گرہ میں حصہ لیا، راجدھانی سے شائع کرنے والے ہندی اور انگریزی اخباروں نے تحریک کی خبروں کو مسلسل شائع کیا، پی. ٹی. آئی نے پابندی سے روزانہ تحریک کی رفتار پر خبریں نشر کیں۔ اسی دوران مسٹر مرار جی ڈیسائی جنھوں نے بڑے طمطراق کے ساتھ تحریک کو کچل دینے کی دھمکی دی تھی ان پر حالت کی اتنی بھرپور زد پڑی کہ وزارت عظمیٰ کی کرسی پاؤں کے نیچے سے سرک گئی اور قصہ پاک ہوگیا، حکومت اپنی اندرونی شکست

دہشت کی شکار ہوگئی، پروگرام کے مطابق تحریک کا پہلا دور کامیابی کے ساتھ ملک پر ایک خوشگوار اثر ڈال کر ختم ہوگیا ملک کے ہر طبقہ اور ہر حصہ میں تحریک کا خیر مقدم کیا گیا اور اسے وقت کی آواز سے یاد کیا گیا، گرفتاری پیش کرنے والوں میں ہریجن، سکھ اور ہندو بھی شامل تھے اس طرح مسلمانوں کے ایک بنیادی مسئلہ سے دوسروں کو بھی قریب ہونے کا موقعہ ملا، اور اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس ہوا، جس کے لئے یہ تحریک چلائی گئی تھی۔

تحریک کا دوسرا دور

تحریک کے پہلے دور کے دوران جنتا حکومت انتشار کا شکار ہوگئی، تحریک کے تیسرے ہی دن اخباروں نے بتایا کہ مرارجی ڈیسائی کو وزارت عظمیٰ راس نہیں آئی اور انھیں بادل ناخواستہ یہ کرسی چھوڑ دینی پڑی اب ان کی جگہ یہ کرسی شری چرن سنگھ نے سنبھالی۔ جو اب کانٹوں کی سیج بن گئی تھی، یہ کھچڑی حکومت پارٹیوں کے اندرونی انتشار اور طاقت آزمائی اور سب سے بنیادی وجہ آر ایس ایس کی دہری ممبری کی وجہ سے ڈانواں ڈول ہوتی جارہی تھی۔ اب اس کی بنیاد ہل ہوچکی تھی، جنتا حکومت وزارت عظمیٰ کا سنہرا خواب دیکھنے والوں کی تھوڑے تھوڑے دنوں پوری کرکے اپنی آخری اسٹیج پر آتی جارہی تھی، اگست میں سوچا جانے لگا تھا کہ شری چرن سنگھ کے بعد کون اس کرسی کی زینت بڑھائے؟ ۲۰ راگست ۱۹۷۹ء کو پیمانہ لبریز ہوکر چھلک گیا اور شری چرن سنگھ نے حسب معمول وزارت سے استعفا دیکر لوک سبھا کے وسط مدتی انتخاب کی صدر جمہوریہ سے یہ سفارش کرکے جنتا حکومت کی آخری رسومات بھی ادا کردیں اور شری سنگھ کی وزارت صرف ۲۴ ہی دن چل سکی۔

صدر جمہوریہ نے وسط مدتی سے انتخاب کا اعلان کردیا، اسی موقعہ پر کانگریس پھر دو حصوں میں منقسم ہوگئی، چوہان اور ارس نے ایک حصہ پر قبضہ رکھا اور دوسرے حصہ کے بقدر مسز اندرا گاندھی ہوئیں، پارلیمنٹ میں دونوں کی تعداد تقریباً برابر تھی دارالسلطنت کے اس بحران سے ملک میں لاقانونیت اور نراج اور بڑھ گیا، مسلم اقلیت کی زندگی بدستور اجیرن بنی رہی، اس کی مصیبتوں کا کوئی حل نہیں تلاش کیا گیا، اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے دوبارہ ملک ملت بچاؤ تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔

بہار کے فسادزدہ علاقہ کو فوج کے حوالے کیا جائے

یہ وہ وقت ہے جب جمشید پور کی آگ بہار کے بہت بڑے حصہ میں پھیل گئی تھی اور پچاسوں مسلم آبادی کو بھسم کرڈالا تھا، حالات روز بہ روز بدتر ہوتے جارہے تھے۔ مولانا سید اسعد مدنی صدر جمیعۃ علماء ہند اور مولانا اسحاق سنبھلی رکن مجلس عاملہ نے ۱۴؍اگست ۱۹۷۹ء کو موجودہ وزیر داخلہ و نائب وزیر اعظم دائی بی چوہان سے ملاقات کی اور بہار کی صورت حال پر جمیعۃ علماء کی تشویش کا اظہار کیا، بہار ملیٹری پولیس جن سنگھ، آر ایس ایس کے زیر اثر سرکاری انتظامیہ پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فساد زدہ علاقہ کو فوج کی سپرد کرنے کی مانگ کی جہاں دو ہفتے سے دیہات کے مسلمانوں پر مسلسل آگ اور خون کی بارش ہورہی تھی اور ایک بہت بڑے علاقے کی جان و مال عزت وآبرو سخت خطروں میں گھری ہوئی تھی، آپ نے کہا کہ بہار حکومت دانستہ یا نادانستہ طور پر جن سنگھ اور آر ایس ایس کی شرکت کی وجہ سے فساد کو نہیں روک رہی تھی اسلئے اب ایک ہی شکل رہ گئی ہے کہ بہار کے اس علاقے کو فوج کے سپرد کردیا جائے، شاید اسطرح مظلوم اقلیت کی تباہی و بربادی کو روکا جاسکے۔

جمشید پور میں پھر آگ اور خون کی بارش

امسال جمشید پور کا تیسرا فساد اگست میں پھر شروع ہوگیا، ۱۵؍جانیں جاچکی ہیں فوج کو چوکنا کردیا گیا ہے۔ اب کی بار فساد کا ایریا بدل گیا، اب یہ فساد صرف بسٹو پور اور کدما تھانے کے علاقے ہی تک محدود رہا، رانچی میں تناؤ بڑھتا جارہا تھا فسادی اندر اندر سرگرم ہوچکے تھے ایک بم کا دھماکہ ہوچکا تھا، شہر میں خوف وہراس بڑھتا جارہا تھا، روہتاس کے صدر مقام سہسرام میں بھی فساد ہوگیا اور پانچ مسلمانوں کی جانیں گئیں، گیا میں بھی تصادم ہوا، جس میں گولیوں سے تین مرد دو بچے اور ایک عورت ہلاک ہوئی، فساد کا یہ تسلسل بتا رہا تھا کہ اب سلسلہ ختم ہونے والا نہیں، بلوائیوں کو پوری آزادی تھی، ان پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں تھا۔ جن سنگھ اور آر ایس ایس

حکومت میں ساجھے دار تھی کس کی ہمت تھی کہ ان کے خلاف لب کشائی کر سکے لیکن شرم وغیرت اور جوہرِ انسانیت۔ انسان کے خمیر میں داخل ہے جو کبھی نہ کبھی بیدار ہو کر رہتا ہے اسلئے وہ لوگ جو آر ایس ایس کے مظالم کو دیکھکر ابتک خاموش تھے لیکن شرم و ندامت کی وجہ سے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے تھے لیکن اقتدار کی کرسی نے ان کی زبان بند رکھی تھی وہ اپنے اندر ان سے کچھ دنوں تک جنگ کرتے رہے اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو مجبوراً ان کو وہی راستہ اختیار کرنا پڑا جو ان کا فطری اور انسانی تقاضا تھا اور وہ جنتا پارٹی سے استعفار کے بارے میں سوچنے لگے، مرکزی وزیر کامرس مسٹر موہن دھاریا نے جنتا پارٹی کے صدر مسٹر چندر شیکھر کو خط لکھا کہ اگر جنتا پارٹی آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیم سے اظہارِ بے تعلقی نہیں کرتی تو ان کے لئے پارٹی میں رہنا مشکل ہے یہ خط بتاتا ہے کہ حکومت کے دروبست پر آر ایس ایس کسطرح چھائی ہوئی تھی، یہی وجہ تھی کہ حکومت صدق دل کے ساتھ فسادات کے روکنے میں وہ سرگرمی نہیں دکھائی تھی، جو حالات کا تقاضا تھا،

ملک و ملت بچاو

جمعیۃ علماء ہند کو پھر انسانیت دوست انسانوں کو آواز دینی پڑی کہ خدارا میدان میں آؤ انسانیت کی لاج رکھو اور ملک و ملت بچاؤ۔ مجبور ہو کر پھر اسی راستہ پر آنا پڑا جسے اس نے جولائی میں اختیار کیا تھا، حالات اب پہلے سے بدتر تھے۔ مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے پورے ملک کا دورہ کر کے تحریک کی اہمیت اور ضرورت سے لوگوں کو آگاہ کیا، رائے عامہ کو بیدار کیا حکومت کے ذمہ داران کو صورتِ حال کی نزاکت اور مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کی جانب متوجہ کیا، ہندوستان کی تمام اقلیتوں اور بالخصوص مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھیں کہ اگر وہ خود اپنی راہ کے کانٹوں کو دور کرنے کیلئے آگے نہیں آئیں گے تو کوئی دوسرا آپ کے لئے میدان میں نہیں آئیگا، یہ تحریک ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کی یہ جنگ انصاف حاصل کرنے کیلئے ہے، ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم کو اسکی صحیح شکل و صورت میں بروئے کار لانے کی ایک اہم

اور عظیم تر اہم ہے۔ اور ہر انسانیت دوست اور جمہوریت پسند شخص سے اپیل کی کہ وہ اس تحریک کی حمایت کرے۔

اس دورے نے ملک کے احساس و شعور کو جگا دیا اور ان میں ہلچل پیدا کر دی اور مسلمانوں کے دلوں میں اپنی ذمہ داری اور فرض کا صحیح احساس پیدا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو تحریک کا دوسرا دور شروع ہوا تو ستیہ گرہیوں کی اتنی بڑی تعداد یک بیک آگئی کہ اس کا نظم دشوار ہو گیا ہر شخص نے خواہش کی کہ اُسے سول نافرمانی کیلئے پہلے بھیجا جائے" پورا کرنے میں کیمپ کے انچارجوں کو ستیہ گرہیوں کی خوشامدیں کرنی پڑتی تھیں کہ بہت جلد ان کا نام ستیہ گرہیوں کے جتھہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ اب کی بار پہلی تحریک کے مقابلہ میں دگنی تعداد میں ستیہ گرہیوں نے حصہ لیا۔ سولہ ریاستوں سے آنے والے چار ہزار چھ سو گیارہ ستیہ گرہیوں نے سول نافرمانی کی اور ستیہ گرہ میں حصہ لیا اور بتا دیا کہ جمعیۃ علماء ہند کی آواز پر آج بھی ملک میں ایسے جیالے بڑی تعداد میں موجود ہیں جو کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور اس کی آواز پر ایکبار مصائب و شدائد کی دہکتی ہوئی بھٹی میں چھلانگ لگانے کیلئے تیار ہیں، جمعیۃ علماء ہند کا ایسے ہی نوجوان سرمایہ ہیں جو مشکلات سے گھبرا نہ جائیں اور قیامت آئے تو اُسے ہنس کر ٹال دیں اور آندھیاں آئیں تو ان سے کہدیں کہ یہ تمہارا راستہ نہیں ہے۔

جمعیۃ علماء ہند اور عالم اسلام

جمعیۃ علماء ہند ہندوستان کی آزادی کے لئے سر بکف رہی تو اس لئے کہ یہ مسلمانوں کا وطن ہے، اور وطن کی محبت ایک مسلمان کے خمیر میں شامل ہے، اور اس کے ایمان کا عملی تقاضا ہے، عالم اسلام میں اگر کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے، اسلامی ممالک کے باشندے اگر آزادی کے جدوجہد میں معروف ہیں، یا کسی سامراجی طاقت سے پنجہ آزمائی کر رہے ہیں تو جمیعۃ علماء ہند ان کے ساتھ بھی اپنی ہمدردیوں کا اظہار کرتی ہے،، ان کی جدوجہد کو سراہتی ہے اور اپنے تعاون کا یقین دلاتی ہے وقت اور حالات نے اجازت دی تو عملی اقدام بھی کرتی ہے، اسلئے کہ ایمان واسلام کا ایک آفاقی رشتہ ان کے درمیان موجود ہے جس کے بہت سے عملی تقاضے ہیں، کسی بھی کمزور ملک پر اگر کوئی سامراج قبضہ وتسلط کی کوشش کرتا ہے تو جمیعۃ علماء ہند اپنی بے چینیوں کا اظہار کئے بغیر نہیں رہتی،، کیونکہ انسانیت کے مضبوط ومستحکم رشتہ کا تقاضہ یہی ہے، جمیعۃ علماء ہند کے سامنے دنیائے انسانیت کے سارے ہمارے رشتے عزیز ہیں، اور عزیز رہے ہیں اور وہ ان رشتوں کے تقاضوں کو کسی دور میں فراموش نہیں کر سکتی ہے۔

حکومت حجاز:

۱۸ ر ۱۹ ر جنوری ۱۹۲۶ء کو مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمیعۃ علماء ہند کی صدارت میں مجلس عاملہ جمیعۃ علماء ہند کے اجلاس کے ابن سعود کی تازہ حکومت کا مسئلہ زیر بحث آیا اسی سال ابن سعود نے حجاز ونجد کے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا تھا، اور صدر جمیعۃ علماء ہند کو ابن سعود کی طرف سے ایک خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی گئی تھی، اسی طرح اس واقعہ کی اطلاع ۸ ر جنوری ۱۹۲۶ء کو قاہرہ سے اور اس سے پہلے ۷ ر جنوری ۱۹۲۶ء کو آکسفورڈ سے ٹیلیگراموں کے ذریعہ موصول ہوئی تھی، ان تاروں میں یہ بھی اطلاع دی گئی تھی کہ شرنا

حجاز نے ابن سعود کو اپنا بادشاہ بھی تسلیم کر لیا ہے۔

صدر جمعیۃ علماء ہند کیطرف سے ابن سعود کو مبارکباد کا تار دیا گیا، اور مولانا عبدالحلیم صدیقی لکھنوی رکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کو حجاز بھیجا گیا۔ تاکہ وہاں کی صحیح صورتِ حال کا جائزہ لیکر مکمل رپورٹ دیں۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۲۶ء کے اس اجلاس میں یہ رپورٹ پیش ہوئی جو مولانا موصوف نے بحیثیت نمائندہ جمعیۃ علماء ہند حجاز جاکر حالاتِ حاضرہ پر مرتب کی تھی، مجلس عاملہ نے رپورٹ سن کر اظہار اطمینان کیا اور مولانا موصوف کی محنت کو سراہا، اجلاس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ حجاز میں حکومت کیسی ہونی چاہیئے؟ اور اس کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے، غور و فکر کے بعد شاہ ابن سعود کو بر وقت متنبہ کرنا ضروری سمجھا گیا اس لئے جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس کلکتہ منعقدہ ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ر مارچ ۱۹۲۶ء کو مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ہوا۔ تو ضرورت محسوس ہوئی کہ شاہ حجاز کو مندرجہ ذیل امور کیطرف توجہ دلائی جائے۔

(۱) حجاز کی حکومت خلافت راشدہ کے طرز اور اس کے اصولوں پر ہو۔

(۲) حکومتِ حجاز ہر طرح غیر مسلم اثر و نفوذ سے پاک و صاف ہو۔

(۳) حکومتِ حجاز جلد از جلد تمام عالم اسلام کی ایک نمائندہ کانفرنس بلائے اور کانفرنس کے فیصلے کو موجودہ شاہ حجاز اپنا لائحہ عمل بنائیں، اور کانفرنس کے فیصلے کے مطابق نظام حکومت قائم کریں، ان تفصیلات پر مشتمل ایک تجویز مرتب کر کے شاہ حجاز ابن سعود کو بھیج دی گئی، اور یہ بھی لکھدیا گیا کہ مجوزہ کانفرنس میں جمعیۃ علماء ہند اپنا نمائندہ بھیجنے کیلئے تیار ہے، ابن سعود نے اس تجویز کو منظور کیا، اور اسی سال کے آخر میں حجاز میں عالم اسلام کی ایک نمائندہ کانفرنس بلائی گئی۔

کانفرنس میں جمعیۃ علماء ہند نے مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل اپنا وفد بھیجا، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب ناظم اعلیٰ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب، مولانا نثار احمد ارکان مجلسِ عاملہ اس وفد میں شامل تھے، وفد نے کانفرنس میں شرکت کی اور ابن سعود کی حکومت کو حجاز میں شرعی حیثیت اور نظام حکومت کے اصولوں کی

بحث میں قائدانہ رول ادا کیا یہ کانفرنس اپنے نتائج کے لحاظ سے مفید اور کامیاب ثابت ہوئی۔ ابن سعود کی حکومت نے کانفرنس کے مرتب کردہ لائحہ عمل کو قبول کیا، حدود سلطنت میں شرعی قانون، حدود و قصاص اور اسلامی تعزیرات کے نفاذ کو منظور کیا اس طرح جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں اور توجہ دہانیوں کی وجہ سے عالم اسلام کے مرکزی شہروں میں ایک بہتر حکومت وجود میں آگئی، جو آج تک اپنے اصولوں پر مضبوطی سے قائم ہے اور حرمین شریفین کی نگراں اور محافظ ہے۔

قضیہ فلسطین

جمعیۃ علماء ہند نے قبلہ اولیٰ کی حفاظت اور فلسطین کے تحفظ کی اہمیت کے پیش نظر مستقل ایک شعبہ "مجلس تحفظ فلسطین" کے نام سے قائم کر دیا، جس کے صدر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح تھے، اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جنرل سکریٹری مسجد اقصیٰ کا تقدس اور اسکی عظمت و ہمیت مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہے، جنگ عظیم کے بدترین نتائج میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہ مقدس علاقہ برطانوی حکومت کی نگرانی میں آگیا اور اس نے ہندوستان کی غلامی کی زنجیریں مستحکم کرنے کی غرض سے فلسطینی مسلمانوں کے تمام حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے اعلان بالفور کے ذریعہ یہودیوں سے یہ وعدہ کر لیا کہ فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنایا جائیگا۔ عربوں نے اعلان بالفور کو منسوخ کرانے کی جدوجہد کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، تنگ آکر انھوں نے قانون شکنی اور ہڑتالوں کا طریقہ اختیار کیا، برطانیہ کا رویہ ویسا ہی جابرانہ اور ظالمانہ رہا، جو ہندوستان میں آزادی پسند جماعتوں کے ساتھ رہا ہے۔ فلسطینیوں نے تمام عالم اسلام اور مسلمانوں سے امداد و اعانت کی اپیل کی تھی، ہندوستان فلسطینیوں کے کاز کی جماعت میں متعدد کانفرنسیں ہوئیں اور پورے ملک میں "یوم فلسطین" منایا گیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر مجلس تحفظ فلسطین کے نام سے ایک تنظیم قائم کی دوسری جماعتوں کے افراد کو بھی اس تنظیم میں شامل کیا جو عربوں کے کاز کے ہم نوا تھے"
جمعیۃ علماء ہند نے ۲ اگست ۱۹۳[illegible]ء کو اس تنظیم کا پہلا اجلاس بلایا اور اس میں طے کیا کہ تمام

ہندوستان میں فلسطینی عربوں کی حمایت میں جلسے کئے جائیں اور تجویزیں پاس کر کے حکومت کو بھیجی جائیں اور ہر مرکزی شہر میں مجلس تحفظ فلسطین کی شاخیں قائم کی جائیں رضا کار بھرتی کئے جائیں اور ان کی مضبوط اور منظم جماعتیں بنائی جائیں تاکہ جب ۷ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مؤتمر عالم اسلامی منعقد ہو اور اس میں فلسطین کے مسئلہ پر بحث ہو کر اس کا کوئی حل تجویز کیا جائے اور کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے تب جس قسم کی سول نافرمانی کی ضرورت سمجھی جائے فوراً ہی شروع کر دی جائے۔

۱۲ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو مجلس تحفظ فلسطین کی ورکنگ کمیٹی نے طے کیا کہ ۱ر فروری ۱۹۳۹ء کو اقدام سول نافرمانی کا اظہار کر دیا جائے اور اس کے بعد سول نافرمانی کا آغاز کر دیا جائے لیکن اسی دوران لندن میں ایک کانفرنس بلائی گئی جس میں فلسطین کے مسئلہ پر گفتگو ہونے والی تھی اور جس میں شرکت مفتی فلسطین نے منظور کر لی تھی، اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس سے پہلے سول نافرمانی مناسب نہیں، تاکہ سنجیدہ ماحول میں اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے بلکہ اب صرف مرکزی مقامات پر احتجاجی جلسے کئے جائیں اور تجویزیں پاس کی جائیں اور میمورنڈم مرتب کر کے حکومت کو بھیجا جائے۔

عراق شام ایران فلسطین

۲۰ر مارچ ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں یہ رزولیشن منظور کیا گیا۔ اور اخباروں کو اشاعت کے لئے جاری کیا گیا۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عالم اسلامی خصوصاً عراق، ایران، شام اور فلسطین وغیرہ کے موجودہ نازک ترین حالات نہایت خطرہ کی نگاہ دیکھتا ہے کہ ان اسلامی ممالک کو استعمار پسند طاقتیں کس طرح اپنے اغراض و مقاصد میں استعمال کرنے کیلئے مجبور و مقہور کر رہی ہیں، ان کی تسلیم شدہ آزادی کو پامال کیا جا رہا ہے ان کے فطری حق آزادی سے ان کو محروم کیا جا رہا ہے اور اس کے لئے طرح طرح حیلے اور بہانے تراشے جا رہے ہیں، جمعیۃ علماء ہند اس کا بار بار اعلان کر چکی ہے اور آج بھی اس اعلان کا اعادہ کرتی ہے کہ اسلامی ممالک طاقت کا تسلط اور قہر و غلبہ مسلمانان عالم کسی طرح برداشت نہیں کریں گے اور جب تک اسلامی

ممالک پر سے استعمار پسند طاقتیں اپنا تسلط بالکلیہ نہ اٹھائے گی اور ان کو آزادی کامل کی فضا میں سانس لینے کا موقعہ نہیں دیگی اس وقت تک مسلمان چین سے نہیں بیٹھیں گے اور نہ مطمئن ہونگے "

فلسطین میں یہودی آبادی

۸ / ۹ / نومبر ۱۹۴۴ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا جو اجلاس ہوا اس وقت فلسطین کے سلسلہ میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو چکی تھی، برطانوی حکومت کے وہائٹ پیپر (قرطاس ابیض) ۱۹۳۹ء میں کئے ہوئے جس وعدہ کو ہی جمعیۃ علماء ہند ناانصافی سمجھتی تھی پھر بھی غنیمت تھا، اب اس سے انحراف کو سخت ترین وعدہ خلافی کو اہل فلسطین کے حق میں صریح ظلم کہنے پر مجبور ہو گئی، مجلس عاملہ نے اپنی تجویز میں کہا کہ

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس برطانیہ کو مطلع کرتا ہے کہ فلسطین میں یہودی آبادی کا قائم کرنے کا یہ خیال عالم اسلامی کیلئے ایک کھلا چیلنج ہوگا۔ اور تمام دنیا کے مسلمان ان لوگوں کو جو ایسا کرنے یا برطانیہ کو اس کی ترغیب دینے یا بہ زور اس کو آباد کرنے کی کوشش کریں سخت نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس حرکت کو تمام مسلمانوں کے ساتھ بغض وعناد پر محمول کرتے ہیں۔

نیز یہ جلسہ لندن کی اس کمیٹی کو جو یہودیوں کی مقصد برآری اور فلسطین کو "وطن الیہود" بنانے کی حمایت کیلئے قائم ہوئی ہے اور یہودیوں کی ان وحشیانہ اور متشددانہ کارروائیوں کو جو فلسطین میں وہ کر رہے ہیں، اور ان کا مقصد برطانوی حکومت کو اہل فلسطین کے حقوق غصب کرنے پر مجبور کرتا ہے سخت نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان تمام مساعی کو انسانیت کے خلاف ایک قبیح اور بدنما دھبہ سمجھتا ہے،

افغانستان

افغانستان میں شنواری افغانوں نے حکومت کے خلاف شورش برپا کر رکھی تھی، خطرہ تھا کہ برطانوی حکومت اس کی پشت پناہی کرکے حکومت افغانستان کو کمزور کر دے اور اپنا تسلط

جائے اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۲۸ دسمبر ۱۹۲۴ء کے اجلاس منعقدہ مرادآباد میں ایک ریزولیشن پاس کیا جس میں کہا گیا کہ

یہ جلسہ افغانستان کی سورش کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس حقیقت کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ اگر اس سورش میں گورنمنٹ برطانیہ نے کسی نہج سے بھی مداخلت کی تو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان برطانیہ کی مسلم کش مغربی پالیسی کا اعادہ سمجھیں گے اور اس کے خطرناک نتائج کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہوگی۔

نیز یہ جلسہ شنواریوں اور ان کے ہم خیال افغانوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ شاہ افغانستان کے خلاف جنگ کی پالیسی کو فوراً ترک کر دیں اور اپنی جائز شکایتوں کو مصالحانہ انداز میں طے کرنے کے طریقے اختیار کریں اور ایک اسلامی طاقت کو اپنے ہاتھوں نقصان اور اس کے دشمنوں کو طاقت نہ پہنچائیں۔

دوسری طرف شاہ افغانستان سے اپیل کرتا ہے کہ وہ رعایا کو اپنی اولاد کے برابر تصور کریں اور ان کے جائز جذبات کی رعایت کریں اور شنواریوں کی جائز شکایت کو فوراً دور کر دیں۔ مجلس عاملہ نے یہ بھی طے کیا کہ یہ تجویز جنرل قنصل افغانستان کے ذریعہ اعلیحضرت شاہ افغانستان کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔"

یہ وہ زمانہ ہے جب افغانستان میں غازی امان اللہ خان نے افغانستان کو آزادی سے ہمکنار کیا تھا، حکومتِ برطانیہ داخلی انتشار پیدا کرنے کیلئے غازی امان اللہ خاں کی نافذکردہ بعض اصلاحات کی بناء پر کچھ لوگوں سے ان کی تکفیر کا فتویٰ شائع کر دیا اور ان کے خلاف بغاوت پر مسلمانوں کو اکسایا گیا تھا۔ لیکن حقیقت وہ نہیں تھی جو بیان کی جا رہی تھی بلکہ افغانستان میں شورش پیدا کرنے کا یہ ایک بہانہ تھا اور یہ بندوق شنواری افغانوں کے کندھے پر رکھ کر چلائی گئی تھی۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے ایک تفصیلی بیان مرتب کر کے

شائع کیا جس میں غازی امان اللہ خان کی تکفیر کی تردید کی گئی اور افغانستان کے عوام کو اس
شورش و بغاوت کے برے عواقب پر متنبہ کیا گیا، ان سے درخواست کی گئی کہ وہ دوسروں کے
ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں اور ایک اسلامی حکومت کو کمزور کرنے کے باعث نہ بنیں،

مصر

۲۷ اگست ۱۹۲۸ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں جو فرنگی محل لکھنؤ میں
ہوا، ایک رزولیشن منظور کیا گیا، اس میں کہا گیا کہ یہ جلسہ سول گورنمنٹ کے اس رویہ پر
کہ تین سال کے لئے پارلیمنٹ کو توڑ کر شخصی استبداد کا مظاہرہ کیا جارہا ہے سخت ناراضی کا
اظہار کرتا ہے۔ اور زعیم مصر نحاس پاشا اور وفد پارٹی سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اس
استبدادی طلسم کو اپنی جدوجہد سے توڑ دیں گے، ہمیں ان کی مشکلات میں ان کے ساتھ
ہمدردی ہے،

دمشق

۱۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں فرانس کے اس ظالمانہ
اور جابرانہ اقدامات پر اظہار نفرت کیا گیا جو حکومت فرانس نے شہر دمشق پر کیا تھا، اجلاس
نے اپنی تجویز میں کہا کہ فرانس کے ان وحشیانہ مظالم پر جو تمدنی، اسلامی یادگار شہر
دمشق کو تباہ کرنے اور اہل شام کو غلام بنانے اور ان کی جدوجہد آزادی کو طاقت
سے دبانے کے سلسلہ میں ظاہر ہوئے۔ اپنے دلی رنج والم اور نفرت کا اظہار کرتا ہے،
اور شامی بھائیوں سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور آزادی کی جنگ پر مبارکباد
دیتا ہے۔

موصل

برطانوی سامراج نے ترکی سے اس شہر کو چھین کر اس پر قبضہ کر لیا تھا، جمعیۃ علماء
ہند نے اپنے اجلاس میں سخت غم وغصہ کا اظہار کیا اور ایک رزولیشن میں کہا کہ اگر ترک
اپنا علاقہ واپس لینے کیلئے برطانوی سامراج سے جنگ کریں تو ان کی ہر طرح مدد کرنا
مسلمانوں کا فرض ہوگا اور برطانوی حکومت کی ادنیٰ سے ادنیٰ اعانت سے پرہیز کرنا لازم

ہوگا۔

جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)

جوہانسبرگ کے حاجی نانا نے بذریعہ ٹیلیگرام جمعیۃ علماء ہند کو جنوبی افریقہ کی صورت حال سے واقف کرایا جس نے غیرت وحمیت کی آگ سینوں میں بھڑکا دی ۲۸ رجولائی ۱۹۴۶ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں اس صورت حال کی وضاحت کی گئی جو جوہانسبرگ میں رونما تھی اور متفقہ طور پر درج ذیل تجویز پاس کی گئی اور اخباروں میں اشاعت کے لئے دی گئی۔

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حکومت افریقہ کے ان قوانین پر جن کا سلسلہ نصف صدی سے جاری ہے اپنے شدید غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے جن کی بنا پر ہندوستانیوں کو یہ حق نہیں رہا کہ وہ پارلیمنٹ لوکل باڈیز یونیورسیٹیوں اور دوسری پبلک سروسوں میں شامل ہوں یا گوروں کے ہوٹلوں میں قیام کرسکیں حتیٰ کہ ان کو حقوق ملکیت سے بھی محروم کردیا گیا ہے، یہ قوانین انسان کی عام آزادی اور حقوق تمدن پر نہایت مہلک اثر ڈالتے ہیں اور ایک قوم کو انسانی حقوق عامہ سے محروم کرتے ہیں، جمعیۃ علماء ہند نوع انسان کی عمومی مساوات کی حامی ہے، خصوصًا اس نازک دور میں رنگ ونسل کے امتیاز کو مٹانا اور عالمگیر مقاصد کے لئے بین الاقوامی اتحاد وتعاون سے کام کرنا نہایت ضروری ہے، مجلس عاملہ کے نزدیک یہ قضیہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان منافرت اور اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے والا ہے جو ہندوستان میں بسنے والے لوگوں کو نقصان پہونچا سکتا ہے جو افریقہ میں ہندوستانیوں کو گوروں سے پہونچ رہا ہے، یہ اجلاس ان تمام ہندوستانیوں کو دلی مبارکباد دیتا ہے جو ان ظالمانہ قوانین کو منسوخ کرانے کیلئے عدم تشدد کی جنگ لڑ رہے ہیں اور بیش از بیش قربانیاں پیش کر رہے ہیں یہ جنگ صرف افریقہ کے باشندے ہندوستانیوں کی جنگ نہیں بلکہ نوع انسانی کے حقوق انسانیت قائم رکھنے کے

لئے عظیم الشان خدمت ہے یہ اجلاس ان تمام ہندوستانیوں کے ساتھ اپنی پوری ہمدردوں کا اظہار کرتا ہے جن کو اس جدوجہد میں جانی ومالی نقصانات پہنچ رہے ہیں اور ان کو یقین دلاتا ہے کہ تمام ہندوستانی اپنے عزیز بھائیوں کی ہر ممکن خدمت اور امداد کے لئے تیار ہیں"

مراکش اور تیونس کی آزادی

غلام مراکش اور تیونس مسلمانوں نے جدوجہد آزادی کی تحریک شروع کی تو حکومت فرانس نے وہاں کے لیڈروں پر بے پناہ مظالم توڑے، جمعیۃ علماء ہند نے اس صورت حال پر اپنی سخت بے چینی کا اظہار کیا اس نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۲ء میں ایک سخت تجویز منظور کی جس میں حکومت فرانس کے سفاکانہ طرز عمل کے خلاف شدید نفرت اور غم وغصہ کا اظہار کیا گیا تجویز میں کہا گیا کہ اس وحشی درندہ صفت نام نہاد جمہوری حکومت نے مراکش اور تیونیشیا کے غلام عربوں کے خلاف عرصہ سے اختیار کر رکھی ہے

اجلاس کی نگاہ میں حکومت فرانس کی یہ ظالمانہ اور جابرانہ روش غرانس نہ صرف ان کی حقوق کی بنیادی کاری ضرب ہے بلکہ اس سے متحدہ اقوام کا وجود بے معنیٰ بن کر رہ جاتا ہے، جمعیۃ علماء ہند مراکش اور تیونس کی جنگ آزادی کے اس نازک مرحلہ پر حریت پسند عربوں کو اپنی قلبی ہمدردی کا یقین دلاتی ہے اور ان کے مطالبہ آزادی کی دل وجان سے تائید کرتی ہے اور ہندوستانی عوام سے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۲ء کو یوم مراکش منانے کی اپیل کرتی ہے"

الجیریا

الجیریا ایک اسلامی ملک ہے اور فرانس کے پنجۂ استعمار سے نکلنے کیلئے مستقل جدوجہد کر رہا تھا اس نے ایک عرصے سے جنگ آزادی کا آغاز کر رکھا ہے۔ حکومت فرانس نے ان پر بے پناہ مظالم توڑے، قدرتی طور پر آزاد ہندوستان کی اس سے ہمدردی تھی اور مسلمانوں کی تو تمنا تھی کہ الجیریا جلد سے جلد آزاد ہو جائے جمعیۃ علماء ہند نے ۷ اپریل ۱۹۵۶ء کو ایک اجلاس

میں یہ تجویز منظور کی۔

جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کا یہ اجلاس الجزائر کے محب وطن و مجاہدین حریت کا مطالبہ آزادی کو ان کا فطری اور پیدائشی حق تسلیم کرتے ہوئے نہایت صحیح اور حق بجانب قرار دیتا ہے اور وہ اپنے اس فطری حق کو حاصل کرنے کیلئے جو قابل قدر قربانیاں پیش کر رہے ہیں اس پر ان کو مبارکباد دیتا ہے اور اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے پورے تعاون کا یقین دلاتا ہے اور اس جائز اور واجبی مطالبہ کو شکست دینے اور کچلنے کے لئے حکومت فرانس اور اس کی فوجیں جس قدر تشدد کر رہی ہیں بالخصوص آج جبکہ دنیا کی تمام قومیں نو آبادیاتی نظام کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں الجزائر میں اس کی بقا و تحفظ کے لئے جس وحشت و بربریت سے کام لیا جا رہا ہے نہ صرف جمعیۃ علماء بلکہ ہندیونین کا ہر باشندہ اور ہر انصاف پسند اس کے خلاف غم و غصہ اور انتہائی نفرت وحقارت کا اظہار کرتا ہے۔

انگریزی اخبار

آزادی کے بعد فوراً مسلم اقلیت کے خلاف بدگمانیاں اور غلط فہمیاں آندھی کی طرح پھیل گئیں، بدگمانیوں کی بنیاد تقسیم ہند تھی یہ ایک عام ذہن بن گیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنی وابستگی ان کے اپنے بنائے ہوئے پاکستان کے ساتھ ہے، اُسے اپنی تمناؤں اور آرزؤں کا مرکز و محور سمجھتا ہے، اس کی ہمدردیاں ہندوستان کے بجائے پاکستان کے ساتھ ہیں اور جب کبھی ہند و پاک میں ٹکراؤ کی نوبت آئیگی مسلم اقلیت پاکستان کی ہم نوائی اور ہندوستان سے غداری کرسکتی ہے، اس بدگمانی کے لئے ان کے پاس ایک مضبوط بنیاد تھی، جس جوش وخروش کے ساتھ ۹۰ فیصدی مسلمان نے تقسیم ملک کی حمایت کی تھی وہ جذبہ ہوا کا جھونکا نہیں تھا کہ آیا اور گذر گیا، یہ وہ ماننے کیلئے تیار نہ تھے، بدگمانیاں پھیلتی اور بڑھتی رہیں انھیں دور کرنے کے جو وسائل ہوسکتے تھے وہ اختیار نہیں کئے گئے اگر تسلسل کے ساتھ صحیح صورتِ حال ملک کے سامنے آتی رہتی تو ممکن نہ تھا کہ ملک کا انصاف پسند اور انسانیت دوست طبقہ اسے قبول نہ کرتا کیونکہ بدگمانی جن بنیادوں پر تھی وہ بنیادیں درہم برہم ہوچکیں تھیں، جذبات وحالات کا سچ سچ ایک تیز رو جھونکا ہی تھا جو چند لمحوں کیلئے آیا اور گذر گیا، کیونکہ جوش وخروش جو تخیلی و توہماتی لہر آئی تھی اس کے سامنے حقائق کی ٹھوس اور آہنی دیوار آناً فاناً کھڑی ہوگئی، وہم وگمان کی یہ لہر اس فولادی دیوار پر سر ٹپک ٹپک کر دم توڑ گئی تھی، مگر الزام لگانے والے اس حقیقت سے قصداً چشم پوشی اور اغماض کرتے تھے، ان حقیقتوں کو منظرِ عام پر لانے کیلئے مسلمانوں کی طرف سے بھرپور کوشش بھی نہیں کی گئی صرف جمعیۃ علماء ہند کے چند رہنما اس کے خلاف ملک بھر میں آواز بلند کرتے رہے، اصلیت یہ تھی کہ ۸۵ فیصدی ملک

کے باشندوں میں مسلسل پروپگنڈے کے ذریعہ جو بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلائی گئیں صحیح اور حقیقی صورتِ حال پیش کرکے ان کے ذہنوں کو صاف کیا جائے تاکہ مسلم اقلیت کی راہ میں آنے والی ان تمام رکاوٹوں کو دور کیا جا سکے جو صرف غلط فہمی کے بنا پر کھڑی کردی گئی ہیں۔

ہم نے ہندوستانی مسلمانوں کی صورتِ حال کو وضاحت کیلئے اور ان کے بارے میں پھیلی ہوئی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کیلئے اردو اخبارات کا سہارا لیا جبکہ ہندوستان کا اونچا طبقہ اردو اخبارات کو ہاتھ نہیں لگاتا جب کہ انھیں کے دل و دماغ کی تطہیر کرنی ضروری تھی ما اُردو اخبارات نے اپنی بات انکی مجلس میں کہی جو خود اپنے ماتم میں مصروف ہیں اسلئے اردو اخبارات نے اس سلسلہ میں کوئی مؤثر رول نہیں ادا کیا، یہی وجہ ہے کہ چوتھائی صدی گذر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو انصاف پسندوں اور انسانیت دوستوں کا حقیقی اور بھرپور تعاون نہیں مل سکا جن کے بارے میں یقین ہے کہ اگر ان کے ذہن اور دل و دماغ کو حقیقت کی روشنی مل گئی تو تنگ نظری کی تاریکی اس پر کبھی حاوی نہیں ہوسکتی، ہمارے ملک میں جو لوگ ذہنوں کی تبدیلی میں مؤثر رول ادا کرسکتے ہیں یا حقیقت تک رسائی کے بعد اس پر پوری قوت سے کاربند ہو سکتے ہیں وہ صرف انگریزی اخبارات پڑھتے ہیں اور انگریزی اخبارات مسلمانوں کے بارے میں تحقیق و جستجو سے کام نہیں لیتے اور نہ ان کو مسلمانوں کے کیس سے کوئی دلچسپی ہے، اردو اخبارات میں ہم اپنی داستان خود کہتے ہیں اور خود ہی سنتے ہیں اور ہماری فریاد اپنے ہی تنگ دائرہ میں گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ اس کی رسائی وہاں تک نہیں ہو پاتی جہاں اُسے پہونچنا چاہیئے تھا۔

سب سے پہلے مولانا حفظ الرحمٰن ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے اس کی ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کیا لیکن حالات ابھی کسی عملی کارروائی کے لئے ناساز گار تھے، اور جب عملی اقدامات کا وقت آیا تو قدرت کیطرف سے ان کا بلاوا آگیا، اور پروگرام کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا اور انگریزی اخبار کی ضرورت کا احساس جمعیۃ علماء کے اکابر کے دلوں میں عملی حالہ باقی رہا ۱۹۶۵ء میں ایک پمفلٹ اکابر جمعیۃ کی تین نمایاں شخصیتوں کے نام سے انگریزی اخبار کی ضرورت کا مسلمانوں میں احساس پیدا

کرنے کیلئے شائع کیا گیا۔ اس میں مجموعی اخراجات کا کم سے کم اندازہ ۲۵ر لاکھ روپیہ کا لگایا گیا تھا، لیکن بات اس سے آگے نہیں بڑھی، انگریزی اخبار کی ضرورت کا احساس اکابر جمعیۃ علماء ہند کے دلوں میں علیٰ حالہ باقی رہا، مولانا سیّد اسعد مدنی نے جب ناظم عمومی کی ذمہ داری سنبھالی تو مجلس عاملہ نے اس پروگرام کو بروئے کار لانے کا تہیہ کیا۔ اخباری تجربہ رکھنے والوں سے صلاح و مشورہ کے بعد اندازہ لگایا گیا کہ ۲۵ر لاکھ سے کم سرمایہ میں کوئی معیاری اخبار نہیں نکالا جاسکتا، اور تنہا جمعیۃ علماء ہند اتنا سرمایہ فراہم کرنے سے مجبور ہے اس لئے ایک لمیٹڈ کمپنی بناکر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے شیرز فروخت کرنے کا پروگرام بنایا گیا، جمعیۃ علماء ہند نے زیادہ سے زیادہ شیرز خریدنے کیلئے لائحہ عمل مرتب کیا، تاکہ اخبار کی پالیسی پر جمعیۃ علماء کا مکمل کنٹرول باقی رہے ورنہ انگریزی اخبار کے جواجرا کا مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ اس لئے عوام سے چندے کی اپیل کی گئی، مولانا سیّد اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کی حیثیت سے ملک کے مختلف حصّوں کا دورہ کیا اور جمعیۃ علماء سے وابستہ عوام نے جوش و خروش سے اس میں حصّہ لیا، اس مسلسل جدوجہد کے نتیجہ میں ؟ روپئے اخبار فنڈ میں جمع ہوئے اس دوران جو دوسرے ذمہ دار تھے ان میں سے بعض اس دنیا ہی میں نہیں رہے اور کچھ نے مایوس ہوکر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے جن بنیادوں پر یہ تعمیر کرنی چاہی تو جب بنیاد ہی نہیں رہی تو تعمیر کیوں کر ممکن تھی، کل سرمایہ کا تقریباً ۱۵ر فیصد جمعیۃ علماء فراہم کر سکی تھی مزید جدوجہد ہوتی تو اس کا تناسب کچھ اور بڑھ سکتا تھا لیکن مجموعی سرمایہ کا حاصل ہونا اس وقت کے حالات کے لحاظ سے ناممکن نظر آیا، اس لئے اخبار کی ضرورت اہمیت اور دل میں تڑپ کے باوجود بے بسی اور مجبوری ایسی حائل ہوگئی کہ اب اُسے دور کرنا جمعیۃ علماء کے بس میں نہیں تھا عطیہ دینے والوں کو اس رقم کا واپس کرنا بھی ممکن نہیں تھا، اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے اس رقم کو فکسڈ ڈپازٹ میں جمع کر دیا یہ اکاونٹ بینک میں پڑا ہوا اپنی قوم کی بے حسی کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ قوم میں بے حسی اور انتشار نے جو اضمحلال اور جمود پیدا کر دیا ہے اس کے پیش نظر مستقبل قریب میں اخبار کی مجموعی لاگت کا فراہم ہونا اور

اخبار کا جاری ہونا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا ہے اب قدرت ہی اس کے اسباب ووسائل غیب سے فراہم کردے تو شاید جمعیۃ علماء ہند کی یہ دلی آرزو پوری ہو جائے۔ اور

مردے از غیب بروں آید و کارے کند

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

جمعیۃ علماء ہند ہندوستان کو باوقار اور سربلند دیکھنا چاہتی ہے، وطن عزیز کو دنیا کی ترقی یافتہ ملکوں کے ہمسر و ہم پلہ بنانے کا خواب دیکھتی ہے وہ ہندوستان میں سیکولرزم اور جمہوریت کو بحال کرنا چاہتی ہے، اور اس کو ایک حقیقی وجود دینا چاہتی ہے، وہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ، حقیقت کو افسانہ، غلطی کو صحیح، اور ظلم کو انصاف کہنے کیلئے نہ پہلے تیار تھی نہ اب ہے، کیونکہ کسی ملک کے باشندوں کو امن اور چین اور آزادی کا حقیقی نشاط اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب حقائق پر ملمع کاری نہ ہو۔ گندگی کو گلاب کی پنکھڑیوں سے نہ ڈھانکا جائے، اگر غلطی ہے تو اس کا اعتراف کرنا چاہیئے، اور اس کو دور کرنے کیلئے نیک نیتی اور سچائی کے ساتھ جدوجہد کرنا چاہیئے۔ ہم نے اگر اپنے ملک کا کوئی دستور بنایا ہے اور اپنی مرضی سے بنایا ہے تو اُسے ہماری حقیقی اور واقعی زندگی میں کارفرما ہونا چاہیئے جمعیۃ علماء ہند اسی کے لئے جھگڑتی ہے یہ اس لئے وطن کی سرزمین اور اس کے ذرہ ذرہ سے اس کو محبت ہے اُسے تخریب سے ہمیشہ نفرت رہی وہ ہمیشہ تعمیر کی داعی اور منادی رہی اور وطن عزیز سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے وہ اختلاف کے بجائے اتفاق و اتحاد کی داعی ہے وہ نفرت کے بجائے محبت کی حکمرانی باقی ہے اس کی ہر جدوجہد درحقیقت اس بات کا اعلان ہے کہ۔ ؎ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

جمعیۃ علماء کا نام لیتے ہی وہ مقدس اور نورانی چہرے نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں، جن کے مقدس ہاتھوں نے اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ انھیں بزرگوں کی دعاؤں، تمناؤں اور ان کی للہیت کا اثر ہے کہ جمعیۃ علماء ہند ماضی کے شاندار کارناموں اور مستقبل کی آرزوؤں کے ساتھ نہ صرف زندہ ہے بلکہ فعال اور متحرک بھی ہے اور وہ دل بھی برابر ادا کرتی رہی ہے جس کے لئے اس نے اپنے خدا سے عہد اور اپنے ضمیر سے فتویٰ لیا تھا، جمعیۃ علماء ہند کے

شاندار کارناموں پر برصغیر کا چپہ چپہ گواہ ہے اور وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس کے ہاتھ میں آزادی کا جھنڈا لہراتے اور جیلوں میں بستر لگاتے ہوئے دیکھا ہے اور آزادی کے بعد اس کی خدمات کے نقوش در و دیوار پر چمکتے ہوئے دیکھے ہیں۔ گواہ ہیں جمعیۃ علماء ہند حالات کے نئے موڑ پر ماضی سے زیادہ مستقبل پر زور دیتی ہے اس وقت ملت کا مستقبل ڈانواں ڈول نظر آرہا ہے اگر اس کا کوئی نقشہ مرتب کر لیا گیا اور چپ وراست کے تذبذب سے بچتے ہوئے کوئی شاہراہ تعمیر کرلی گئی تو ملت کی حیات نو کے لئے ایک تمہید ہوگی۔ اور اس دیباچہ کے آنے کے بعد آنے والے واقعات تاریخ میں زیب عنواں ہونگے مگر آنے والے دور کا یہ نقشہ تیار نہیں ہوسکتا جب تک جمعیۃ علماء ہند کے سربراہوں میں رجائیت اور امید کی پوری مقدار موجود نہ ہو ملت کو یہ احساس کرکے ایک گونہ اطمینان ہوگا کہ جمعیۃ علماء آج تک نا امیدی سے آشنا نہ ہوسکی، اس کا سرمایۂ زندگی امید ہے اور وہ ملت کے تن نیم جاں میں اسی آس کی ضرورت اور اس کی رگوں میں اسی کا خون پہونچانا چاہتی ہے اس کا مسلک یہ ہے کہ واقعات کو واقعات کے رنگ میں دیکھو اور کسی خوش فہمی کے شکار نہ ہو، حقیقت سے آنکھیں بند مت کرو، مشکلات کو اپنے سامنے کھڑا ہوا دیکھو مگر ساتھ ہی امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو، امید ہے تو سب کچھ ہے اور اسلام تو نا امیدی کو کفر قرار دیکر اس کے ہر رنگ کو مٹا دینا چاہتا ہے اور ملت کو بھی یہ بات سمجھنی ہے کہ اس کا حرماں نصیبی کا کوٹہ خواہ پورا ہو جائے مگر متاع امید سے اس کا کنبہ خالی نہ رہنا چاہیئے۔

جمعیۃ علماء ہند قوم و ملت کے تمام مسائل پر برابر غور کرتی رہی ہے، اس کا کوئی لمحہ غور و فکر سے خالی نہیں جاتا اس نے حالات کا تجزیہ کرنے، مشکلات اور مسائل کی نوعیت معلوم کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، آزاد ہندوستان میں بتدریج ذہن و فکر میں تغیرات پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں، اور نئے نئے مسائل رونما ہوتے جارہے ہیں جن سے اغماض کرنا خدا اور ملت کی نظر میں بہت بڑا جرم ہوگا، جمعیۃ علماء نے ان مسائل کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے اور وہ حل کرنے کیلئے فکرمند ہے، عام حالات کے مسائل ہی کیا کم تھے کہ آزادی کے بعد کچھ خصوصی مسائل ابھر کر آرہے ہیں۔ اور پوری زندگی کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے اُن سے

عہدہ برآ ہونا اس دور کا سب سے بڑا معرکہ ہے، مسلمان عہد کرچکے ہیں اور اس کو نبھانا
ان کا فرض ہے کہ انھیں ہندوستان میں باوقار اور صحت مند زندگی کے ساتھ رہنا ہے،
اور مسلمان بن کر رہنا ہے اور ایسی زندگی کیلئے جو بنیادی شرائط ہیں انھیں پورا کرنا ہے،
مسلمانوں کا صرف ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا قطعی بے معنی ہے، دنیا میں قوموں کی کون
سی کمی تھی کہ اللہ نے مسلمان نام کی قوم پیدا کرکے ایک اور قوم کا اضافہ کردیا، مسلمان تاجر
صنعت کار، ڈاکٹر، وکیل، انجینیر، ایڈمنسٹریٹر سب کچھ بنے گا اور قوم کے شانہ بہ شانہ
ہوکر چلے گا، مگر مسلمان ہوکر اور اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، اور پھر اس
کا مسلمان ہونا بھی انسانیت کیلئے مفید ہوگا، اور اس کے ہاتھوں سے دنیا کو امن ملے گا
اگر مسلمان صرف قوم بن جائے تو پھر اس کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا، چونکہ مسلمان مسلمان
رہ کر اپنا فرض ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کے وہ مسائل بھی حل ہوں
جن کا تعلق ان کی انفرادی، مذہبی اور تہذیبی زندگی ہے، جمعیۃ علماء ہند کے سامنے وہ تمام
بنیادی مسائل ہیں جن پر ملت کی بقا اور زندگی کا انحصار ہے، ان مسائل کے بارے میں
جمعیۃ علماء ہند کچھ کرکے دکھانا چاہتی ہے، اگر یہ مسائل جوں کے توں رہتے ہیں تو مسلمانوں
کو دوسرے درجہ کا شہری بننے پر مجبور کردیا جائیگا اور وہ آزاد ہندوستان میں مساوی اور
قومی حیثیت سے اپنا واجبی رول ادا نہ کرسکیں گے، یہ کہنا بہت آسان ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ
کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا لیکن تیس پینتیس سال کے حقائق ان کا منہ چڑھاتے ہیں
اور کہنے والے کے منہ پر تھوک دیتے ہیں،

جمعیۃ علماء ہند نے جنگ آزادی میں سب سے زیادہ حصہ لے کر آزاد حکومت کے ساتھ
ہمیشہ تعاون کیا ہے اور اس کے تعمیری اقدامات کو سراہا ہے لیکن اس نے کبھی مداہنت اور
چاپلوسی کا پیشہ اختیار نہیں کیا، اس نے مسلمانوں کے بارے میں سرکاری غلطیوں کو اس
کے منہ پر ظاہر کیا ہے اور ان زیادتیوں کے خلاف ہمیشہ جنگ آزما رہی ہے، جو مسلمانوں
پر مسلسل کی جارہی ہیں جو جماعت ظلم کے خلاف غیر ملکی حکومت سے نبرد آزما رہی ہو وہ اپنی
حکومت کے سامنے ناانصافیوں کے خلاف ہتھیار نہیں ڈال سکتی،

اب یہ ملت کا کام اور فرض ہے کہ وہ جمعیۃ علماء کو اپنے اعتماد میں لے اور اس کو کامیاب بنانے کے وسائل اختیار کرے ملت کا تعاون ہی جمعیۃ علماء کا اثاثہ ہے اور یہ ملت ہی کے عزائم ہیں جو اس کی سرگرمیوں کے لئے سہارا بن سکتے ہیں، اِن تنصروا اللہ ینصرکم تم اللہ کی پکار کو لبیک کہو اللہ قدم قدم پر تمہاری نصرت فرمائیگا اور تم کو تنہا اور بے آسرا نہ چھوڑے گا ۔

اسیر ادروی

بنارس ۲۱ر جون ۱۹۸۱ء